

پاکستان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ

(دسویں صدی ہجری کے بعد، اردو ادب کی تخصیص کے ساتھ)



برائے

پی۔ ایچ۔ ڈی

نگران

جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق
ایم اے، پی ایچ ڈی، پنجاب
یونیورسٹی، ایس ڈی ٹاؤن

مقالہ نگار

روینہ ترین - ایم اے

0300-2660000

اس مقالے کی شمولیت ایڈوانسڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ بورڈ، ممبئی، انڈیا کے زیر نگرانی میں ہوئی ہے۔
نمبر ۱۵۵۹/۸۰/۱۱۱۱-Unde/Phd-Gon مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۹۶ء کے تحت عطا کی۔

پیش لفظ

بائیں پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ ایک بہت بڑی تاریخی اور
 تہذیبی صداقت کا پلیٹو اشارہ کیا تھا ۔ جب انہوں نے فرمایا تھا کہ پاکستان تو اس روز قائم
 ہو گیا تھا جس روز برصغیر میں پہلے غیر مسلم نے اسلام قبول کیا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ قبول اسلام
 دستِ نبیؐ پر نہیں ، کسی خدا رسیدہ بزرگ کے دستِ حق پرست پر ہوا تھا ۔ چنانچہ حقیقتاً قیام
 پاکستان کا جوڑا ان صوفیائے کرام نے فراہم کیا جو برصغیر کے طول و عرض میں اپنے معتقدات و
 معاملات کی شیع روشن کر رہے اور اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کی تبلیغ محبت اور عقیدت کے
 ساتھ کی ۔ اس طرح یہ کہنا ہے جانہ ہو گا کہ پاکستان ایسے نظریاتی ریاست کے معتقدات اور
 معاملات کے تہذیبی اور سماجی ذہانچہ کا بنیادی محرک صوفیائے کرام کی تعلیمات ہیں جو ایک
 طرزِ توفراں و حدیث اور سنت کے جوہر ملکوتی کی امین ہیں تو دوسری طرف اجتماعی سطح
 پر دکھ سکھ میں شرکت کی قوت اور زندگی کرنے کے با حوصلہ رویوں کے نعین میں مدد ثابت ہو گئی ۔
 اس لئے پاکستان کی فکری ، تہذیبی ، ثقافتی اور ادبی تاریخ کا محور صوفیائے کرام کی شخصیات
 اور تعلیمات ہیں اور پاکستانی قوم کی فکری و نظری یکجہلی اور اساس کیلئے بھی ضروری ہے کہ
 اس قدر سرچشمہ اور ماخذ کے اثرات کو سمجھیں کیا جائے جو صوفیائے کرام کا مہم جوئی ہے
 بہاد الدین زکریا یونیورسٹی خود ایک بہت بڑے صوفی بزرگ کے نام سے منسوب ہے
 اور پھر ملتان ایک طرف تو سندھ اور پنجاب کا تہذیبی سنگم ہے تو دوسری طرف ہے پناہ تاریخی
 فکری اور ادبی صلاحیتوں کا گہوارہ اور مرکز بھی رہا ہے ۔ اس لئے میں نے جب اس موضوع پر کام
 کرنے کا ارادہ کیا تو میرے پیش نظر محض سعادت کا حصول ہی نہیں تھا بلکہ شعور تہذیبی ،
 تاریخی اور ادبی خدمت کا جذبہ بھی کار فرما تھا ۔

ملتان اور اس کے گرد و نواح میں ہے شمار صوفیائے کرام کے مظاہر اور طرقات ہیں جو

ہلکا سا لکھو نہیں کروں ہندوؤں خدا کیلئے رشد و ہدایت اور فکر و نظر کے مراکز ہیں ۔
 ان ہندوؤں کے گراموں کے روحانی کمال کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت اظہار میں ہے کہ ان بزرگوں
 نے شاگردوں کو دینی تعلیم اور شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام کے مشن کیلئے
 فکری و نظری اور عملی تربیت بھی دی ۔ عملی تربیت کے سلسلے میں اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ
 ان بزرگوں کے گراموں کے جملہ اہل کونین نصیر ، کاشی گری ، نقاشی ، خطاطی ، کوزہ گری ،
 قالین بافی ، جلد سازی جیسے فنون مفیدہ بھی سکھائے اور شہ سواری ، پہلوانی ، کشتی ،
 نیزہ بازی اور تیرہ زنی کی عملی تعلیم بھی دی اور سب سے بڑا نکتہ یہ کہ ان صوفیائے کرام نے
 اپنی تعلیمات سے معاشرے کی باطنی تربیت اور ترقی کیلئے بہت بڑا کردار ادا کیا ۔ اس لئے ان
 تمام عظیم ماخذات اور محرکات کی تحقیق کسی ایک طاقتور کیلئے نہیں بلکہ ملکی اور قومی سطح
 پر اقداریت کی حامل ہے ۔ میرے پیش نظر ہیں مقاصد نصیر جن کے تحت میں نے اس موضوع پر کام
 کرنے کا عزم کیا ۔ کام مشکل بھی تھا اور حوصلہ شکن بھی لیکن عزم و حوصلہ اور استقامت کے
 جذبے بھی مجھے انہیں صوفیاء کی زندگی کی ریاضت سے حاصل ہوئے اور میں نے سفر کا آغاز
 کر دیا ۔ میری خواہش تھی کہ موجودہ وائس چانسلر جناب محمد نذیر رومانی کو یہ موضوع پسند
 آیا اور انہوں نے نہ صرف رہائی حوصلہ افزائی کی بلکہ میرے لئے اس پراجیکٹ کی منظوری کا نامہ
 بھی لیا اور یہ نفس نہیں پراجیکٹ کی تیاری میں مدد بھی فرمائی پھر اس پراجیکٹ کے ساتھ ساتھ
 اس موضوع پر پی ایچ ڈی کیلئے رجسٹر کرائے کا صائب مشورہ بھی انہوں نے خود دیا اور
 اس طرح میں نے اس موضوع کو پی ایچ ڈی کیلئے بھی منتخب کر لیا اور کام شروع کر دیا ۔
 ان کا یہ احسان میں ہلکا نہیں سکتی ۔

نصیر کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اور جو کتب اور مطا میں میرے نظر سے گذرے
 ہیں ان میں سے ما سوائے چند ایک کے باقی سب کے سب تحقیقی نقطہ نظر سے مشن اور ناکافی
 ہیں ۔ حوالہ جات موجود نہیں ہیں ۔ کثرت و کرامات کے واقعات پر زیادہ زور دیا گیا ہے بصیرت

از عقل اور مالورانی شعور چیزوں کو مرکزی اہمیت دی گئی ہے۔ سنین میں اختلاف پایا جاتا ہے اور اس موضوع پر زیادہ تر پیڑیں ان لوگوں کی تصنیف یا تالیف کردہ ہیں جو کم علم ہیں اور محض عقیدت کے طور پر یا سعادت حاصل کرنے کیلئے لکھنے پر آمادہ ہوتے۔ - بعض لوگوں نے محض ذاتی مفاد پرستی کی خاطر اور بعض نے اس سلسلوں کے مجاہدہ نشینوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ان بزرگوں کے ماحسوس الفطرت اور حمید الصفتوں کارناموں پر مبالغہ آمیز طریقے سے لکھا گویا

ہر ہو الہوس نہ عقل پرستی شعار کی
اب آ رہا ہے شیوہ اہل نظر گشتی

میں نے یہ کوشش کی ہے کہ کوئی بات بغیر حوالہ اور سند کے نہ آئے۔ عام طور پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اصل کتاپ کے حوالے نہیں جاتے اور ثانوی حوالوں سے اجتہاد کیا جاتا ہے لیکن ملتان میں لاٹریوں کی قلت ہے اور کتاپ نا یا پ ہیں اس لئے کہیں کہیں جہاں ناگزیر تھا یا زیادہ نقص کا خطرہ نہ تھا ثانوی حوالہ اختیار کرنے پڑے لیکن ان کتاپ کے باقاعدہ حوالے بھی درج کر دئیے گئے تاکہ ایمانداری کا دامن بچاؤ سے نہ چھوٹے۔

میری نہیں سر زمین ملتان کی غویں نصیب ہے کہ ہمیں جناب ڈاکٹر میر عہد الحق • جناب علامہ عسقلانی فکری • جناب مرزا ابن حنیف • جناب حبیب فاضل اور جناب اسد نظامی جیسے حضرات • اہل فکر اور نا یا پ کتاپوں کے حامل بزرگوں کی رہنمائی • شفقت اور اخلاص نصیب ہے۔ میرا یہ مقالہ نہ تو تکمیل کی منزل تک پہنچا اور نہ ہی وضع ہوتا اگر مجھے ان بزرگوں سے قلمی اور نا یا پ کتاپ دستیاب نہ ہوتی۔ میں نے قلمی کتاپوں کے حوالوں میں ان شخصیتوں کا ذکر کر دیا ہے جن سے مجھے یہ نسخے حاصل ہوئے۔ ان بزرگوں کے ساتھ ساتھ شعبہ اردو کے تہذیب استاد اور ملک کے معزز اور نامور ادیب شخصیت جناب ڈاکٹر طاہر تونسوی نے بھی بہت سی نا یا پ کتاپ مجھے عطا کیں ہیں ان سے بزرگوں اور شفیق محترم بھائی ڈاکٹر طاہر تونسوی کی ہے حد شکر گزار ہوں۔

میں اپنی خوش قسمتی پر جتنا فخر کروں کم ہے کہ مجھے جناب ڈاکٹر مہر محمد الحق جیسے

عالم فاضل کا لٹڈ اور نگران کی رہبری اور رہنمائی حاصل ہوئی ڈاکٹر صاحب کا دم طلق اور اہل
ملتان کیلئے میں نہیں ہوں ملک کیلئے باعث برکت اور لائق صد افتخار ہے انہوں نے اس صدی کی
پانچویں دہائی میں ہی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر کے تعلیم کا درجہ پایا وہ نہایت وسیع
اور پیمانہ کتا ہوں کے صنف • مفسر قرآن • محقق • نقاد • دانشور اور شاعر ہیں • مجھے
اعتراف ہے کہ ان کی رہنمائی کے بغیر میرا یہ مقالہ اتنا اہم اور مصیاری نہ بنتا وہ میرے محترم
بزرگ اور باپ کی جگہ میں جنہوں نے مجھے شعور بھی بخشا اور میری رہبری بھی فرمائی •
اللہ انہیں جزائے خیر دے • آمین

جناب سلامہ متیق فکری نے مقالے کے خاکے کی نیاری ہے لیکر اس کی تکمیل تک نہ

صرف مفید اور اہم مشورے دینے بلکہ مواد کی فراہمی کے سلسلے میں میری ہر ممکن مدد کی • تاریخ
فلسفہ • تصوف اور دیگر علوم کے سلسلے میں ان کی معلومات بہت وسیع ہیں • جناب مرزا ابن
حنیف نے سلطان کی قہارت اور سیاہوں کے بیانات کے سلسلے میں بڑی مدد کی • جناب حبیب
فانی نے اپنی نایاب کتب بڑی لیاقت سے میرے سامنے رکھ دیں • انہوں نے جناب احمد نظامی
جیسے بزرگ سے مطابقت کرایا جن کے پاس کم و بیش ڈیڑھ ہزار قلمی نسخے اور ہزاروں کی تعداد
میں نایاب کتب موجود ہیں • اس قلندر منی اور درویش مہت انسان کی لیاقت کا کمال یہ ہے

کہ وہ خود زحمت اٹھا کر ہمیں نایاب قلمی کتا ہیں پہنچاتا رہے اور انہوں نے ان نایاب نسخوں
کو استناد کیلئے ہمارے پاس رہنے دیا • ادھر ایسے خطر صفت لوگ موجود ہیں تو دوسری طرف
مجھے سخت افسوس کے ساتھ اس بات کا انکشاف کرنا پڑتا ہے کہ وہ دولت مند اور امراہ جو محض
نعم و نوحہ کی خاطر کتب خانے قائم کرتے ہیں ان کتابوں کو الحاریوں میں منتقل کر کے ان کو
محض سجاوٹ کیلئے رکھ چھوڑتے ہیں • میں نے بہت سے سجادہ نشینوں • نام نہاد دانشوروں
اور تنگ دل امراہ کو نہ صرف خطوں کے ذریعے اپیل کی بلکہ اپنے بہت سے صغریوں کی مصروفیت
ان تک رسائی بھی حاصل کی لیکن سوائے زمینی جمع خرچ کے اور شر خانے کے انہوں نے کوئی چیز

مہیا نہ کی یہاں تک کہ وہ متولی اور سجادہ نشین جو بزرگوں کی مسندِ عظمت پر بیٹھے ان کی نیک ناس کی کٹائی کھا رہے ہیں خود اپنے بزرگوں کی تنظیمات اور آثار کے ریکارڈ اور تاریخ کی ترتیب کیلئے کوئی مدد کرنے کو تیار نہ ہوئے اس لئے آفرین ہے ان بزرگوں پر جن کے اسمائے گرامیہ اور درج کئے گئے ہیں کہ جو فقہری کے باوجود فیاض میں دریا دل ہیں اور وسیع الظرف ہیں۔ جو اپنی ساری کٹائی ان کٹاہوں کے حصول پر خرچ کرتے ہیں جو ان کے نزدیک دوسرے لوگوں کو تصورِ صفا کو سکتی ہے۔ یوں وہ اپنی جھونپڑیوں اور بال بچوں کو دہندلوں میں رکھتے ہیں، لیکن دوسروں کے ذہن و دماغ کو اجالے اور ان کے فکرو شعور کو نورِ صفا سے غور کر دیتے ہیں انہیں درویشوں اور صوفی شخصیات انسانوں کے ذریعے مجھے وہ ماخذات حاصل ہوئے ہیں جو بڑی بڑی لائبریریوں اور عجائب گھروں میں بھی موجود نہیں ہیں۔ صوفیا کے ملحوظات، ان کے کلام اور علم و ادب کے اور مختلف ماخذات (Sources) تک رسائی ان بزرگوں کی عنایت اور شفقت کی بدولت ہے۔ ان قلمی نسخوں کی تفصیل آگے چل کر الگ سے درج کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کو خضر کی صیغہ عطا کرے کہ ان کی بدولت زوال آمادہ معاشرے کا بہرہ قائم ہے۔

اپنی پونیورسٹی کے اساتذہ اور انتظامیہ میں جناب ڈاکٹر محمد نذیر رومانی کا ذکر پہلے کر چکی ہوں کہ اس مقالے کے اصل محرک وہی ہیں۔ کلیہ لسانیات و علوم اسلامیہ کے ذہین جناب پروفیسر ڈاکٹر خواجہ امتیاز علی کی عنایت کی شکر گزار ہوں کہ جب میں ملے نہایت شفقت سے مقالے کے بارے میں پوچھا، بہت بڑھائی اور جلد از جلد تکمیل کی ہدایت فرمائی۔

جناب پروفیسر ڈاکٹر اعجاز احمد ملک، جناب پروفیسر عسوی صدیقی، جناب پروفیسر ڈاکٹر عاشق محمد خاں درانی، جناب پروفیسر محمد الدین — سب اساتذہ کرام نے ہمیشہ بڑے خلوص سے حوصلہ دیا اور ان کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ میں اس مقالے کی تکمیل کے قابل ہوئی۔

میں اگر ان چند شخصیتوں کا ذکر نہ کروں جن کے ذہنی اور فکری ماخذات سے میں نے خوشہ چینی کی ہے تو یہ نا انصافی ہوگی۔ ان شخصیتوں میں جناب ڈاکٹر جمیل جالبی،

جناب ڈاکٹر وحید نے بھی ، جناب ڈاکٹر نرملہ نسج پوری ، جناب پروفیسر خلیل صدیقی شامل ہیں ۔ ان بزرگوں میں بطور خاص جناب ڈاکٹر نرملہ نسج پوری اور جناب پروفیسر خلیل صدیقی سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا ہے جوہ جب بھی کس سلسلے میں طہان نشریہ لائے میری حوصلہ افزائی فرمائی ، غید مشورہ دلیہ اور شفقت سے یہی آئے ۔ جناب ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا تو میرے استاد رہے ہیں ان سے ہمراہ راست تنظیم حاصل کرنے کا موقع ملا ہے ۔ ان کی صلہیت وسعت مطالبہ اور نظم و ترتیب کے ساتھ زندگی گزارنے کا ڈھنگ ان کے شاگردوں کیلئے دلیل راہ ہے ۔ مجھ پر ان کا شکریہ بھی واجب ہے کہ انہوں نے ہمیشہ حوصلہ دیا ۔ اس طرح جناب پروفیسر محمد امین نے جاپانی تصوف کے بارے میں نہ صرف مواد مہیا کیا بلکہ مقالے کے سلسلے میں بھی غید مشورہ دلیہ ۔ میں ان کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں ۔

جہیں صاحب نے میرا مقالہ ٹائپ کرنے میں جتنی محنت کی شاید اور کوئی نہ کر سکتا ، حوالوں کی ہر مار اور مسودے میں بار بار کی تبدیلیاں اور رد و بدل کے باوجود انہوں نے خوبصورت انداز میں اسے ٹائپ کیا اور ماتھے پر شکن بھی نہیں آئے دی ۔ میں ان کی شکر گزار ہوں ۔ اکبر صاحب ، مشتاق صاحب اور اسماعیل صاحب نے بھی ہر ممکن مدد کی ۔

اب رہا سحاصلہ گھر کا ۔ میرے ابو ، میری امی ، میرے بھائی ، میری بہنیں سب کو میری تنظیم سنبھال رہی ۔ انہوں نے اپنی دعاؤں میں ہمیشہ میری بہتری چاہی ۔ ابو اور امی نے بطور خاص میرے مستقبل پر نظر رکھی ، میرے ساتھ امیدیں وابستہ کیں ۔ اور مجھے فخر بھی ہے اور خدا کا شکر بھی ادا کرتی ہوں کہ میں نے ان کی امیدوں کا بھرم رکھا ہے ۔

اور اب آخر میں چند ایسے مہر بانوں کے ذکر پر کلام اشارت ختم کرتی ہوں کہ جن کا شکریہ رسمی انداز میں ادا نہیں کیا جا سکتا ۔ ان میں جناب ڈاکٹر انوار احمد اور جناب عبدالوہاب شیخ شامل ہیں ۔ دونوں حضرات میرے استاد بھی رہے ہیں اور اس مقالے کی ترتیب میں انہوں نے ہر ممکن مدد کی ہے ۔ مواد کی فراہمی ، ترتیب و تدوین ، ملاحظات کی جستجو ، اسلوب کی نوک ہلک سوارنے اور قدم قدم پر غید مشوروں سے نوازنے میں انہوں نے بڑی فیاضی سے کام لیا ۔ رشیدہ ملک میری سہیلی بھی ہیں بہن بھی ۔ ظاہر ہے انہوں نے ہمیشہ میرے لئے دعا کی ۔

حالیہ کی موجودہ صورت یہ ہے کہ اس کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) باب اول — تصوف

(۱) باب دوم — ملتان

(۲) باب سوم — ملتان کے صوفیاء (دسویں صدی ہجری سے پہلے)

(۲) باب چہارم — ملتان کے صوفیاء (دسویں صدی ہجری کے بعد)

(۵) باب پنجم — ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ۔

پہلے باب کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ تصوف کی تصنیفات، توجہات اور وجہ تسمیہ پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں نہایت اختصار لپکی جا سکتی ہے۔ ساتھ مختلف کتاہوں کے حوالے سے تصوف کی مبادیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب کا دوسرا حصہ تصوف کے ارتقاء کو پیش کرتا ہے جس میں یونانی، ہندو، عیسائی، چینی، ہندو اور جاپانی تہذیبوں میں تصوف کی روایت کا جائزہ اجمالی طور پر لیا گیا ہے اور پھر مسلمانوں میں تصوف کے ارتقاء پر قدرہ تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ مسلمانوں میں تصوف کی روایت کے مواصلہ و حرکات، ارتقاء اور مقبولیت کا جائزہ لیتے ہوئے ادوار قائم کئے گئے ہیں۔ ہر دور کی نمایاں خصوصیات، اہم صوفیائے کرام کی تصنیفات اور ان کے تہذیبی، ادبی اور سیاسی اثرات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ تصوف کا ابتدائی دور دوسری صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور کے اہم صوفیاء میں حضرت ابو ہاشم صوفی، حضرت ابو یوسف فوفی، حضرت ابو سعید، حضرت حسن بصری، حضرت راہبہ بصری، حضرت حبیب صغری، حضرت خواجہ غفران بن عیاض، حضرت ابراہیم ادہم اور حضرت ثعلبان شیری جیسے بزرگ شامل ہیں۔ اسلامی تصوف کا دوسرا دور یونانی فلسفہ اور عقلی علوم کے اثرات کا دور ہے جس کی رد و عمل کے طور پر صوفیاء نے عشق اور جذبہ پر زور دیا۔ تیسرے دور میں فقہ کی ترتیب کا کام ہوا۔ اس دور کے صوفیاء نے مذہب

کی حقیقی روح کو سامنے لانے کی کوشش کی ۔ یہ تین دور دسویں صدی عیسوی تک مکمل ہوتے ہیں ۔ گیا دسویں صدی تک پہنچنے پہنچنے تصوف کی اصطلاحات وضع ہونے لگیں ادب و شعر میں بھی تصوف کی آمیزش ہونے لگی اور فلسفہ کی فکری و اصولی تدوین و ترتیب کا کام ہوا ۔ اس دور میں صوفیا کے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے گروہ وجود میں آگئے ۔ بارہویں صدی عیسوی میں تصوف کا فلسفہ باقاعدہ طور پر مرتب کیا گیا اور صوفیانہ تعلیم کو مذہب حکمت ، وجدان اور نفسیات کے ساتھ مربوط کیا گیا ، تیرہویں صدی عیسوی میں فلسفہ تائید نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا ۔ چنانچہ اس دور زوال میں تصوف نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی ۔ اس دور میں رومی ، سنہدی ، عسکری اور اویسی جیسے بلند پایہ صوفی شاعر بھی شامل ہیں ۔

اس باب کا تیسرا حصہ تصوف کے سلسلے اور اصطلاحات تصوف پر مشتمل ہے ۔ اس میں بھی اجمال سے نام لیا گیا ہے ۔

دوسرے باب کا تعلق براہ راست منطق کے ساتھ ہے ۔ اس باب میں بھی تین حصے قائم کئے گئے ہیں ۔ پہلے حصے میں منطق کی قدامت ، اہمیت اور سیاسی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے ۔ دوسرے حصے میں پہلے عربی و ہندو تعلقات ان کی نوعیت پھر محمد بن قاسم کے تحت مسلمانوں کا حلقہ اور اس کے اثرات ، وجود فلسفوی کے حلقے اور اثرات کا ذکر کرنے کے بعد صوفیائے کرام کی بوضوح میں آمد کا احوال ہے ۔

اس باب کے دوسرے حصے میں منطق کی مذہب ، معارف ، لسانی اور تہذیبی زندگی کا جائزہ ، یونانی ، چینی ، عربی اور یورپی سیاحوں کے بیانات کی روشنی میں لیا گیا ہے ۔ ان بیانات کی تحقیق و جستجو کچھ اصل کتابوں تک رسائی حاصل کی گئی ۔ خوش قسمتی سے عربی سیاحوں کے سفرناموں اور تاریخوں کے اردو ترجمے کئے جا چکے ہیں اس لئے اس سلسلے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئی اور تراجم کے ذریعے ان کے بیانات کی تفہیم ہمارے لئے مشکل نہ رہی ۔ مترجم حضرات نے اپنا کیا ہے کہ اردو ترجمے کے ساتھ ساتھ اصل عبارتیں

ہیں نہ دی ہیں جن کی وجہ سے بہت سہولت رہی ۔

تیسرے حصے میں سر زمین ملتان میں لسانی تشکیلات کے حصے کا تجزیہ مختلف ماہرین کی تحریروں کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے ۔ لسانی تشکیلات کا اصل صدیوں جاری رہا ہے ۔ ملتان میں یہ حصہ ضعیف ملکی حلقہ آوروں کی وجہ سے مسلسل اور مربوط انداز میں جاری رہا ، مسلمانوں کی آمد سے اس علاقہ کے لوگوں پر نہ صرف سیاسی ، سماجی اور تہذیبی سطح کے اثرات مرتب ہوئے بلکہ زبان کی تشکیل اور تبدیلی میں لسانی اثرات بھی نمایاں نظر آتے ہیں ۔ پانچویں حصے سے ماہرین فن نے ملتان کو اردو زبان کی تشکیل کا پہلا گہوارہ قرار دیا ہے ۔ اس حصے میں انہیں حقانی کا ذکر ہے ۔

تیسرا باب ملتان کے ان صوتیاء پر مشتمل ہے جن کا تعلق دسویں صدی ہجری تک ہے ۔ اس باب کے دو حصے ہیں ۔ پہلے حصے میں اس دور میں ملتان کی مذہبی ، تہذیبی ، معاشرتی ، صورتحال کا جائزہ لیا گیا ہے ۔ ملتان پر یو۔س۔ا کی حکومت بھی اور بھارت میں کانٹا عرصہ قرا مطبوع کا قبضہ رہا ۔ ترامطہ ترقی اور اس کے مفائد کا ذکر اجمالاً کیا گیا ہے ۔ دوسرے حصے میں صوتیاء کرام کے ملتان میں ورود اور ان کی مذہبی ، تہذیبی ، معاشرتی ، لسانی اور ادبی خدمات کا ثر و اثرا ذکر کیا گیا ہے ۔ ان صوتیاء میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو باہر سے ملتان تشریف لائے اور ساری سررسم و مہابت میں گزار کر یہیں وفات پائی ۔ کہہ وہ ہیں جو نظم و مہابت کا تریضہ انجام دے کر واپس چلے گئے اور کہہ ایسے صوتیاء ہیں جنہوں نے اس سر زمین سے جنم لیا اور یہیں مدفون ہوئے ۔

اس باب میں دیوان جلوی ، شائخ ، حضرت شاہ یوسف گردیز ، خواجہ عین الدین اجمیری ، قطب الدین بختیار کاکی ، بہاء الدین زکریا ملتانی ، بابا فرید گنج شکر ، مخدوم عبدالرشید حقانی ، شاہ محمد سبزواری ، صدر الدین ہارن ، شیخ رکن الدین عالم ، شیخ حسام الدین ملتانی ، مخدوم جہان نیاں جہاں گفت ، جمال الدین حریز بھٹاری ، صدر الدین راجو قتال ، شیخ حسام الدین مقلی ملتانی ، امیر خسرو اور حسن سنجری کا احوال الگ الگ

ہمان کیا گیا ہے۔ ان بزرگوں کے علاوہ ملتان کے کسی ایک صوفیاء کا ذکر (پیر درہر شاہ)۔

شیخ حسین گاہر، حضرت شاہ داتا گھڑی، حضرت سلطان ایوب قتال، شیخ محمد اسماعیل اور حضرت شاہ طہ محمد (مجموعی حیثیت میں کیا گیا ہے۔ ان صوفیاء کے احوال میں زیادہ تر ان کی لسانی و ادبی اور تہذیبی خدمات کو سامنے رکھا گیا ہے۔

چوتھا باب سرزمین ملتان کے ان صوفیاء پر مشتمل ہے جو دسویں صدی ہجری کے بعد کے زمانے کے ہیں اور جن کا براہ راست تعلق ہمارے موضوع سے ہے۔ اس باب کے شروع میں مختصر کے طور پر اس دور کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں حضرت موسیٰ پاک شہید، حضرت حافظ محمد جمال اللہ ملتانی، حضرت خواجہ خدا بخش، حضرت سلیمان تونسوی، حضرت غلام حسن شہید اور حضرت خواجہ غلام نرید کے احوال و آثار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان صوفیاء کی تہذیبی خدمات، فنون لطیفہ و مفیدہ میں ان کی دلچسپی، اثرات اور لسانی و ادبی کارناموں کا جائزہ تفصیل کے ساتھ لیا گیا ہے۔ ان صوفیاء کے ملفوظات کا مطالعہ بھی کیا گیا ہے اور قلمی نسخوں کی مدد سے ان کے ادبی کارناموں کی تفصیل بھی سامنے لائی گئی ہے۔ حضرت حافظ محمد جمال اللہ ملتانی، حضرت غلام حسن شہید اور حضرت خواجہ غلام نرید کی شاعری پر سہ خاص تبصرہ کیا گیا ہے۔ حضرت خواجہ غلام نرید کی اردو شاعری پر اتنی تفصیل سے ابھی تک نہیں لکھا گیا۔ اور حضرت غلام حسن شہید کی اردو شاعری کی دریافت اور اس پر تبصرہ پہلی بار سامنے آ رہا ہے۔ اس لحاظ سے اس مقالے میں واقعی نئی تحقیق سامنے آئیگی۔

پانچواں اور آخری باب دراصل پورے مقالے کا مجموعہ ہے۔ جس میں صوفیائے کرام کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے بھی تین حصے بنائے گئے ہیں۔ پہلے حصے میں ملتان کے فنون لطیفہ و مفیدہ پر صوفیاء کے اثرات کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے، ان فنون میں فن تصویر (ملتان کی مساجد اور خانقاہوں کے حوالے سے) ان کوزہ گری، قالین اور پارچہ بافی، فن خطاطی، طب کا فن، صوس اور میلہ، فن موسیقی اور سماع کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان سب کا جائزہ

43

صوفیاء کے اثرات اور ملتان میں ان کی ترویج و ترقی کے سلسلے میں لیا گیا ہے۔ اس باب کا دوسرا حصہ ملتان کی تعلیم و تدریس اور طلبہ زندگی پر صوفیاء کے اثرات کی جائزہ پر مشتمل ہے۔

ملتان میں خانقاہوں اور مدرسوں کا قیام اور ان کی بدولت عظیم تعلیم و تدریس نظام کا نفاذ دراصل صوفیائے کرام کا مہم جوں بنتا رہا ہے۔ اسی طرح ملتان میں مختلف کی ایک عظیم روایت زمانہ قدیم سے قائم دکھائی دیتی ہے۔ اس روایت میں بھی صوفیاء کا حصہ اور ان کی خدمت میں کس لحاظ سے کم نہیں ہے۔ اس باب کے تیسرے اور آخری حصہ میں ملتان کی ادبی و فنی زندگی پر صوفیائے کرام کے اثرات کا مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے ملتان کی آمد سے قبل مندرستان کی مجموعی حالت کا ذکر کر کے پھر مسلمانوں کی آمد کے اثرات، صوفیائے کرام کا ورود اور ان کی تعلیمات و زبانوں کے اختلاط میں صوفیاء کا حصہ، اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی، صوفیائے کرام کی خدمت میں کس لحاظ سے مجموعی سطح پر لیتے کے بعد ملتان کے صوفیاء کے تہذیب و زبان پر اثرات اور تصورات کی ایک عظیم روایت کی تشکیل میں ان کے کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد ملتان میں سوانح پر صوفیائے کرام کے اثرات، موجودہ دور میں تصوف کی صورت حال اور اس کے احیاء کی ضرورت پر حاشیہ میں اور حوالہ آخر کے عنوان سے اس مقالے کا جوازیہ پیش کیا گیا ہے۔

میرا خیال ہے۔ اپنے موضوع • مواد اور اسلوب کے لحاظ سے یہ مقالہ ایک مفرد حیثیت رکھتا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اصل ماخذات کے حصوں کے بعد ان پر روایتی انداز میں تبصرہ نہ کروں اور نہ دوسروں کی تحریروں پر اکتفا کروں بلکہ اپنے مطالعے اور رائے کو اہمیت دوں۔ چنانچہ دسویں صدی ہجری سے پہلے صوفیا کے سلسلے میں بالخصوص اور دسویں صدی ہجری کے بعد کے صوفیاء کے سلسلے میں بالخصوص آپ تو اور جمل نام ملے گا۔ حضرت بہاء الحق زکویا حضرت بابا فرید، حضرت موسیٰ پاک شہید، حضرت سلیمان نونسوی، حضرت خواجہ خدا بخش، حضرت حافظ جمال، حضرت غلام حسن شہید اور حضرت خواجہ فرید کے احوال و افکار اور شعر و ادب میں ان کی خدمات کیلئے میں آپکو انفرادیت اور تازگی کا احساس ہوگا۔ میں دسویں تو نہیں کرتی لیکن پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اس مقالے کی جس چیزیں پہلی بار سامنے آ رہی ہیں۔ ان کی تحصیل یہ ہے۔

- (۱) حضرت غوث بہاء الحق زکویا ملتانی کے فارسی دیوان کی دریافت اور ان کی فارسی شاعری کا جائزہ۔
- (۲) حضرت غلام حسن شہید کی اردو شاعری کے نمونوں کی دریافت اور ان پر تبصرہ (ان کی فارسی شاعری پر تبصرہ جس ایک نسطی چیز ہے)
- (۳) حضرت حافظ جمال اللہ کی شاعری پر تبصرہ۔
- (۴) حضرت خواجہ غلام فرید کی اردو شاعری کا اس قدر تفصیلی جائزہ شاید میں پہلے کسی نے لیا ہو۔
- (۵) فقیر محمد عارف اور شاہ بخش صاحب ملتانی کو بطور شاعر پہلی بار اس مقالے میں متعارف کرایا گیا ہے۔
- (۶) اس قدر قلمی نسخوں کی دستیابی اور ان کے حوالوں کا اندراج
- (۷) اس موضوع پر وضع مواد کی فراہمی اور ان کو یکجا کرنے کا مشکل لیکن اہم کام۔

میری یہ ادنیٰ کاوش کہاں تک ماہرین فن اور اہل علم کی نگاہ میں بار پائے گی مجھے اس کا انتظار ہے۔ صنف نثرک میں شمار ہونے کے حوالے سے اپنی نارسائی کا جواز ضابط

کے اس منصوبہ میں پیش کرتی ہوں کہ

ضامہ پسماندہ کی کوئی کمی نہ ہو کہ مجموعہ اسیر
نصیبہ میں نصیبہ ہم غرض آشیانہ کیلئے

روایت توفیق

نصیبہ اردو
بہار الدین زکریا یونیورسٹی
ملتان -

۲۰ جولائی ۱۹۸۵ء

خاکم

باب اول

تصویر

صفحہ : ۱ تا ۶۶

(الف) تصویر کی اہمیت • وجہ تسمیہ • تصویر کی تعریفات و تفسیر۔

(ب) تصویر کا تاریخی ارتقاء — یونانی تصویر • یہودیوں میں تصویر • صیہانیت میں تصویر • چینی تصویر • جاپانی تصویر • ہندی تصویر اور اسلامی تصویر (عہد بہ عہد جائزہ) • تصویر کے سلسلے۔

(ج) اصطلاحات تصویر — توکل • فقر • فنا • صبر • مصروفیت اور ضبط نفس وغیرہ۔

صفحہ : ۷۰ تا ۱۳۰

باب دوم

(ملتان)

(حصہ الف) ملتان کی قدامت و اہمیت اور سیاسی تاریخ

ملتان کی قدامت • اہمیت • ملتان کے قدیم نام اور ان کا جائزہ • اہل صرب اور اہل ہند کے روابط قبل از اسلام • صرب و ہند تعلقات عہد رسالت میں • ہندوستان پر مسلمانوں کے حملے کا آغاز • محمد بن قاسم کی آمد • ابن قاسم کے ہاتھوں فتح ملتان • ملتان محمد بن قاسم کے عہد • محمود غزنوی کا حملہ • سونپا اور بزرگوں کا ورود سرزمین پاک و ہند میں۔

(حصہ ب) ملتان کی مذہبی • معاشرتی اور تہذیبی زندگی کا جائزہ — سیاحوں کے

بیانات کی روشنی میں۔

ملتان اہم تہذیبی مرکز • یونانی اور چینی سیاح • چچ نامہ کی روایت • صرب سیاحوں کے بیانات • ہندی سیاحوں کے حوالے • مہن لال کاشمیری کا

ہیمن • ملتان کی مذہبی • معاشرتی • اقتصادی اور تہذیبی زندگی کا مجموعہ جائزہ -

(حصہ ج) سرزمین ملتان میں لسانی تشکیلات کا اصل

لسانی تشکیلات کا اصل • زبان کی تشکیلات کا اصل ما قبل از اسلام • مسلمانوں کی آمد اور اثرات زبان پر • زبان اردو کی تشکیل کا اصل -

صفحہ : ۱۳۱ تا ۲۶۱

باب سوم

ملتان کے صوفیاء (دسویں صدی ہجری تک)

(الف) ملتان اور بنو ساسہ • ملتان اور قراقرظ • صوفیاء کا ورود ملتان میں -

(ب) دسویں صدی ہجری تک کے صوفیاء کا احوال

حضرت دیوان چاولی شائسہ • شاہ یوسف گردیز • خواجہ معین الدین اجمیری • قطب الدین بختیار کاکی اوشی • شیخ بہرام الدین زکریا ملتانی • فرید الدین مسعود گنج شکر • مخدوم عبدالرشید حقانی • شاہ شمس سبزواری • صدرالدین عارف • خواجہ حسن افغان • سید جلال الدین سرخ بخاری • شیخ رکن الدین • شیخ حسام الدین ملتانی • مخدوم جہا نیل جہاں گشت • صدرالدین راجو قتال • شیخ حسام الدین متقی ملتانی • چند صوفیاء کا مجموعہ جائزہ • حضرت امیر خسرو • حسن دہلوی -

صفحہ : ۲۶۲ تا ۴۶۱

باب چہارم

ملتان کے صوفیاء - دسویں صدی ہجری کے بعد

(الف) میں نظر

(ب) صوفیاء کرام کا احوال - (۱) حضرت موسیٰ پاک شہید (۲) حضرت حافظ

جمال اللہ ملتانی (۳) حضرت حافظ خدا بخش (۴) حضرت سلیمان تونسوی

(۵) حضرت غلام حسن شہید (۶) حضرت خواجہ غلام فرید -

(ج) ہندوئیہ کا مجموعہ تذکرہ — موسیٰ پاک صدیقی • سلطان احمد قتال •
سلطان عبدالحکیم اور شاہ علی مردان

صفحہ: ۲۶۲ تا

باب پنجم

ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ (مجموعہ جائزہ)

(الف) ملتان کے فنون لطیفہ و عقیدہ پر صوفیاء کے اثرات کا جائزہ

تصہید • فنِ تعمیر (مساجد • خالقا میں) • کوزہ گری • قالین و پارچہ بافی •
فنِ خطاطی • طب کا فن • عروسِ میلے و فیسرہ • فنِ موسیقی اور سجاد •

(ب) ملتان کی نظمیں • تدریس اور صلی زندگی پر صوفیاء کے اثرات

مدرسہ اور خانقاہیں — ملتان میں فلحسے کی روایت -

(ج) ملتان کی ادبی اور تہذیبی زندگی پر صوفیائے کرام کے اثرات (مجموعہ جائزہ)

مسلمانوں کی آمد — پہلے ہندوستان کی صومے حالت — مسلمانوں کی آمد
— صوفیاء کی تعلیمات — زبان کے تال میل میں صوفیاء کا حصہ —
اردو زبان و ادب کی نیو یسج میں صوفیائے کرام کی خدمات — ملتان کے صوفیاء
اور تہذیب اور زبان و ادب پر اثرات — صوفیائے مسلک اور ملتانی مزاج —
موجودہ دور میں تصوف کی صورت حال — دورِ حاضر اور تصوف کے احیاء کی
ضرورت — خیرات آخر -

ماپ آون

نمون

(الف) نمون کی اہمیت ، وجہ تسمیہ اور تصرفات وغیرہ

(ب) نمون کا تاریخی ارتقاء

(ج) اصطلاحات نمون

پہلا باب

تسمیہ و تعریف

(1) تسمیہ کی اہمیت

انسانی وجود کے ارتقاء، ارتضاع اور بقا کا دایہ مدار جسم اور روح کی ہم آہنگی پر ہے۔ یہی ہر چیز کے دو رخ ہونے میں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی، خارج کا تعلق انسان کی ظاہری ساخت اور برتاؤ سے ہوتا ہے جبکہ باطن کا تعلق انسان کے اندر کے ساتھ ہوتا ہے، یہ الگ بات کہ باہر کے بھی کچھ امور کے محرکات سے ہوتا ہے اور اندر کے بھی کچھ امور کا تعلق باطنی امور کے تحت ہوتا ہے۔ ادیان اور مذاہب کی رو سے بھی ظاہر باطن کی اس تقسیم کو تسلیم کیا جاتا ہے چنانچہ اصطلاح میں اس دینی پہلو کو دو اصطلاحات کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے، ایک شریعت دوسری طریقت۔۔۔ ایک کا تعلق عبادات سے ہے اور دوسری کا تعلق معاملات سے۔ ایک کا تعلق فعل سے ہے دوسری کا سمجھنے اور محسوس کرنے سے۔ بالفاظ دیگر شریعت، طہارت، روزہ، اذکار، اسلام کی پابندی سے متعلق احکامات پر مشتمل ہے جبکہ طریقت کا تعلق باطن کی پاکیزگی اور سوچ اور احساس کے ذریعے داخلی بھی کی اصلاح کے ساتھ ہے۔ لیکن جس طرح جسم اور روح کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا اس طرح شریعت اور طریقت بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں۔ صورت کا تعلق الگ ہے دوسری کے ساتھ ہے لیکن اس کا زیادہ جھکاؤ طریقت کی طرف ہے۔

1۔ سید ارشاد طر شاہ اپنی کتاب Islamic Sufism میں لکھتے ہیں

"Tasawwuf consists of two duties - action (formalism) which consists in conforming to the lines of the Shariah or the cannons of Islam, and then thinking and feeling (Tariqat)." "Islamic Sufism" The Book House, Urdu Bazar, Lahore, P-20

ہوتا ہے۔ یعنی اندر کی طرف اس کا جھکاؤ زیادہ ہے۔ یہی بھی *Mysticism* (صوتِ اصل کے اعتبار سے) بھائی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آنکھیں بند کر لینا ہیں۔¹ یعنی دھانی محسوسات سے ہٹ کر باطنی حقیقت کی طرف رجوع کر لینا کہا جا سکتا ہے کہ صوتِ ترکیب طس کے بعد اپنی اصل سے واصل ہو جانے کے ذوق کا سطر ہے۔ یعنی پاکیزگی باطن کے عمل سے گزر کر حقیقتِ مطلق سے ہٹکار ہونے کا۔ یہ ایک طرح سے سائنس بھی ہے اور آرٹ بھی کیونکہ اگر صوت کو صفائی باطن اور حقیقتِ مطلق تک رسائی حاصل کرنے کا علم تسلیم کر لیا جائے تو ایک لحاظ سے یہ سائنس کہلانے کا اور اگر اسے منزلِ مقصود تک پہنچنے کا معنی طریق کار مان لیا جائے تو اس کو ایک فن بھی کہا جا سکتا ہے لہذا بقول سید محمد ذوقی شاہ

"صوتِ تک وقتِ علم (Theory) بھی ہے اور عمل (Practice)"

بھی۔ " 2۔

خواجہ مبارک اللہ اختر نے غلط نہیں کہا کہ صوت کی اصل قرآن حکیم اور آنحضرت "والتین" کا اسوۂ حسنہ ہے۔³

~~دکٹر مارچنڈ کا بھی یہی خیال ہے کہ مسند ایک صوتی ہے اور صوت کی مدد سے قرآن حکیم میں سادہ سادہ مطلق سمجھتی ہے۔⁴ کیا صوت مذہب کی روح ہے کیونکہ صوت کی دھانی میں انسان مقصود حقیقی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے دل کو بھی اسی کی شبہائی میں دے دیتا ہے۔ اس طرح صوت ایک عالمگیر نظریے کا رنگ اختیار کر لیتا ہے جس طرح مذہب کے صورت سے دنیا کسی دور میں بھی خالی نہیں رہی اس طرح صوت سے بھی خالی نہیں رہی۔ انسان کی غریب زہدی ہو جس کا تعلق عقل کے ساتھ ہے یا روحانی زہدی جس کا تعلق باطن کے ساتھ ہے۔ صوت کی کارروائی ہر کہیں جاری و ساری ہے۔ اسلام بھی صوت کے جذبات سے کہیں خالی نہیں رہا۔ مارٹی لنگر نے غلط نہیں کہا کہ "صوتِ اسلام کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا جسم کے لیے روح"۔⁵~~

- 1۔ بحوالہ "صوت کی حقیقت" از غلام احمد بیہڑ، مطبوعہ ادارہ علوم اسلامیہ، اول ایڈیشن 1981ء، ص 24
- 2۔ بحوالہ "حقیقتِ صوت" السید محمد ذوقی شاہ، مطبوعہ الکتاب لاہور 1967ء، ص 15
- 3۔ بحوالہ "علم صوت" از خواجہ مبارک اللہ اختر، ادارۃ ثقافت اسلامیہ لاہور 1951ء، ص 5
- 4۔ ~~Influence of Islam on Indian Culture 'Book Trade', Lahore, 1st Publish Edition 1979, P-64.~~
- 5۔ "What is Sufism" P-106, George Allen & Harwin Ltd. 1975.

صوت کی کارروائی کسی ایک قوم یا ایک مذہب تک محدود نہیں رہی بلکہ صوت ایک عالمگیر نظریہ بن کر ہر زمانے میں ہر قوم اور ہر مذہب میں نمایاں رہا ہے۔ اس کو ایک عالمگیر نظریے کا درجہ اس لیے بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ خواہ یہ کسی قوم یا مذہب کے غمیر میں داخل ہو اس کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور وہ ہے عشق و محبت کا عالمگیر جذبہ۔۔۔ صوتی خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو عشق کو جزو حیات بنا کر ہی سلوک کی راہیں طے کرتا ہے ظاہر ہے کہ عشق ہر عامل انسان کہیں نہ صل نہیں رہتا اور ذائل اخلاق کا حامل نہیں ہو سکتا چنانچہ صوت ہر عامل انسان حسیہ یا عدل بھی رہے اور پاکیزگی پر بھی کایہ رہے۔ پاکیزگی طہ اور صفیہ باطن کے لیے سالک کے تمام ادنیٰ خواہشات سے اپنے آپ کو مبرا رکھنے کے لیے رہانت بھی کی اور رکھ بھی اٹھائے۔ انسان دوستی صوت کا بنیادی سلک ٹھہرا تک نظری، تعصب، فرقہ بندی، طوط و حقارت، امتیازات اور اختلافات کے تمام مطلق جذبات صوت کی راہ میں مضموم ہو گئے۔

(2) وجہ تسمیہ

=====

صوت کی وجہ تسمیہ، تشریح و تفسیر اور فکری ماخذات کے بارے میں ابھی تک بحث و نظر کے دروازے بند نہیں ہوئے تاہم اس سلسلے میں جو شریحات، تحریکات اور مباحث سامنے آئے ہیں ان کا ایک منصر سا جائزہ لیتا ہے جا تا ہو گا " قرآن مجید کے اہل صفہ کو، جن کی طرف اس گروہ کا انتساب کیا جاتا ہے، قراء کے لقب سے یاد کیا ہے۔

" القراء المعاصرون الذين آخر جواسن دہار ہم "

ترجمہ " ان قرائے معاصرین کے لئے جو گھری سے نکال دیئے گئے اور

اہل شام بھی ان کو قراء ہی کے نام سے پکارتے تھے۔¹

انجمن طائفہ ابوصبر عبداللہ بن علی السراج الطوسی اس لقب کو اہل بغداد کی ایجاد نہیں سمجھتا

بلکہ ان کو اس کا پتہ نہایت قدیم زمانے میں ملتا ہے چنانچہ کتاب اللع میں لکھتے ہیں

" لیکن یہ کہنا، کہ یہ ایک نو پیدا نام ہے جس کی ایجاد اہل بغداد نے

کی ۔ حال ہے، کیونکہ جس ہمدی کے زمانے میں یہ نام مشہور تھا اور جس ہمدی نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت کا زمانہ پایا تھا، وہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ میں نے طلوع میں ایک مجلس کو دیکھا اور ان کو کھینچ رہا تھا لیکن انہی نے نہیں لیا، ایک کتاب میں جس میں اخبار تھے جمع کئے گئے ہیں کہ مسجد میں اسماء بن اسیار اور دوسرے لوگوں سے ایک روایت ہے کہ "اسلام سے پہلے کسی وقت میں تھے غالی ہو گیا تھا، بیمار تھے کہ کوئی شخص غائب کعبہ کا طلوع نہیں کرتا تھا، اس حال میں کسی دور دراز ملک سے صرف ایک مجلس آتا تھا اور طلوع کر کے واپس چلا جاتا تھا، پس اگر یہ روایت سمجھیں گے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبل از اسلام یہ نام مشہور تھا کہ اور اس کی طرف اہل صلاح ملاحظہ فرمائیے۔" 1۔

اس کے بعد ایک مقام پر ابوصبر عبداللہ بن عمرو السراج بصوت کے لفظ اور صولی کے ہاں سے لکھنے کے ساتھ کے لفظ صولی کا لفظ رائج ہے، مگر یہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ

"اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم صوفیہ کا ذکر نہیں کرتے اور ان کے بعد بھی ہم کو اس لفظ کا پتہ نہیں چلتا، ہم اس زمانے زاہد، جامع، اور فرائد کے لفظ سے تو یہ شک آتا ہے، لیکن انہی صحابی صولی کے لقب سے نہیں ہٹا رہا، تو میں اس کے جواب میں کہیں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو وہ عظمت اور خصوصیت حاصل ہے کہ جس شخص کو یہ عزت حاصل ہو گئی اس کو کوئی دوسرا خطاب جو اس سے بھی مخز ہو نہیں دیا جا سکتا، کیا تم کو ظہر نہیں آتا کہ وہ زیادہ عباد، متوکلین، فرائد، اہل راء، اہل سیر، اہل تواضع کے امام ہیں، یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے حاصل کیا ہے تو جب ان بزرگوں کا اقتساب صحبت رسول اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے جو بزرگ تھے صفت ہے تو یہ سوال ہے کہ اس بزرگ تھے صفت کے ظاہر ان کو کوئی دوسرا خطاب دی جا سکتا۔" 2۔

1۔ بحوالہ اس کے ساتھ صفحہ 257-258، صفت عبدالسلام مرقی، مطبوعہ دارالافتاء دارالحدیث، 1976ء

2۔ کتاب التلمیذیہ، صفحہ 22 سے ملانا عبدالسلام مرقی نے حوالہ دیا ہے۔

صحابہ کرام کے زمانے سے لے کر تین سو سال پہلے تک جب نظر ڈالی جاتی ہے تو عیسائیت و گنہگار
 حدیث اور فقہ کی عدویں کے سلسلے میں جسے ان علوم کی عدویں اور اصطلاحات کا درجہ سلسلہ ملتا ہے
 اسی طرح زہد و اعتقاد اور احسان وغیرہ کی صورت ہے جس کی جامع شخصیتی ہر صوفی کا لفظ استعمال
 کیا گیا ہے جیسا کہ امام نقشبندی صوفی کے لقب کے متعلق تاریخی طور پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ
 " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کے سوا اور کوئی لقب ایجاد
 نہیں ہوا کیونکہ شرفِ محبت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہو سکتا تھا،
 صحابہ کے بعد تابعین کا لقب پیدا ہوا۔ اس کے بعد بزرگان دین زاہد و
 عابد کے لقب سے ممتاز ہوئے، زہد و عبادت کا درجہ ہر فرقے کو یہاں
 تک کہ اہل بدعت کو بھی تھا اس لئے اہل سنت والجماعت میں جو جو
 لوگ زاہد اور اہل دل تھے وہ صوفی کہلاتے اور یہ لقب دوسری صدی
 ہجری کے ختم ہونے سے پہلے رائج تھا۔ " 1

اکثر متقدمین نے مذکورہ بالا حسیبہ کو قبول کیا ہے اور اس کے لئے عقلی و ظنی دلائل بھی پیش کئے ہیں۔

عام طور پر : لفظ صوفی کا مادہ اشتقاق صفا، صفت اہل صفا، ثم صوفیا، صوف، صوف اور صوفی
 وغیرہ بتایا گیا ہے۔ میر ولی الدین کی کتاب " The Quranic Sufism " کے مطابق
 " صوفی کو ان کی پاکیزگی (صفا) اور صفیہ احوال کی وجہ سے
 صوفی کہا گیا۔ " 2

پروفیسر برائی " تشریحی معنی آف پشما " میں لکھتے ہیں کہ
 " اس خیال کی تائید کہ صوفی کی صفت صوف سے ہے اس حقیقت سے بھی
 ملتی ہے کہ ایران میں صوفی کو پشما پشما کہا جاتا ہے۔ " 3

ابو نجان البصری اپنی کتاب الہد میں لکھتے ہیں کہ
 " صوفی بھی ظاہر ہے کیونکہ یونانی میں لفظ صوف (صوف) بھی صفا

- 1- " رسالہ تشریح " تصنیف امام ابوالقاسم عبدالکرم بن ہوازن نقشبندی - ترجمہ از ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ
 تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، اشاعت اول، 1970ء، ص 9
- 2- "The Quranic Sufism" By Dr. Mir Waliuddin, P-I, Progressive Book,
 Lahor, Second Edition, 1978.
- 3- پروفیسر برائی " تشریحی معنی آف پشما " جلد اول، ص 417

ہے یہی وجہ ہے کہ یونانی میں فلسفہ کو فیلاسوفیا کہتے ہیں۔ یعنی فلسفہ کا دلدارہ چونکہ اسلام میں ایک جماعت ایسی تھی جو ان کے ملک کے قریب قریب تھی۔ اس بناء پر اس جماعت کا نام بھی صوفی پڑ گیا۔ " 1

ایک مشہور مشرق ثالثی (Noldke) نے اس خیال کی توثیق کرتے ہوئے کہا کہ یونانی الفاظ کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا جو عام قاعدہ تھا اس کے اعتبار سے لفظ " صوفی " کسی طور پر بھی یونانی کلمے سے مشتق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ 2

طامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ لفظ " صوفی " " صوفہ " سے ماخوذ ہے اور " صوفہ " ایک قبیلہ تھا جو ایام جاہلیت میں خانہ کعبہ کی خدمت پر مامور تھا۔ 3

طامہ ابن نعیم اپنے رسالے " صوفیاء و قراء " میں لکھتے ہیں کہ قول مستحسن و معروف یہ ہے کہ صحیح کی نسبت " صوفی " سے ہے۔ 4

ڈاکٹر قاسم فیض اپنی کتاب " تاریخ صوفیہ در اسلام " میں لکھتے ہیں کہ " صوفی کی اصل کے متعلق تمام اقوال و آراء میں سے ہا اعتبار لغت ام قول بہ قول درست ظہر ہوتا ہے کہ صحیح عربی کا لفظ ہے ام صوفی سے ماخوذ ہے۔ " 5

طامہ لطفی جیسے کا خیال ہے کہ " صوفی کا لفظ " ثور صوفیا " سے ماخوذ ہے یہ ایک یونانی لفظ ہے جس کا مفہوم " حکمت الہی " ہے۔ صوفی کی غایت " حقیقت الہی " کی دریافت ہے۔ 6

غلام احمد بھٹو کے خیال میں " صوفی " لفظ صوف سے مشتق ہے جس کے معنی موش اور کے کھلنا تھا کہڑے کے ہیں۔ " 7

- 1- کتاب البدع از ابو یوسف البیہقی ، ص 16 پہلا صفحہ فائز ہے (بوس ریڈ کالج ملتان سے طبع)
- 2- بحوالہ " تاریخ مشائخ چشت " از ڈاکٹر خلیق احمد عظامی ، دارالمطبعین اسلام آباد ، ص 18 Z.D.H.G., X VII Page, 45.
- 3- بحوالہ " فلسفہ کے بنیادی مسائل " قاضی قیصر الاسلام، مشعل پبک فاؤنڈیشن کراچی، اشاعت اول 1976ء، ص 409
- 4- افسانہ - - - - -
- 5- " تاریخ صوفیہ در اسلام " ڈاکٹر قاسم فیض ، ص 96
- 6- بحوالہ " فلسفہ کے بنیادی مسائل " قاضی قیصر الاسلام، مشعل پبک فاؤنڈیشن کراچی، اشاعت اول 1976ء
- 7- " صوفی کی حقیقت " غلام احمد بھٹو ، ادارہ مطلق اسلام ، کلرک 2، لاہور- 11، ص 71

لفظ صولی ہر جس قدر بھی بہت ملی ہے، اکتھت کا وجہاں "صو" کے لباس کی طرف پامان

جانا ہے، جو سکتا ہے کہ اس کی دیگر شعبیں صورتیں ہیں لیکن جہاں تک لفظ صولی کے اشتقاق کا تعلق ہے وہ لفظ "صو" ہی کی تائید میں ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارث الطارق میں صوت کی وقت تسمیہ بیان کرتے ہوئے بہت سے

بزرگی کے اقوال نقل کئے ہیں لیکن اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لفظ "صو" کو قبول کیا ہے اور صولی صوت سے مشتق ہے کا عنوان قائم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"اگر باعتبار اشتقاق دیکھا جائے تو یہی لفظ صولی اور مناسب ہے کہ جب

کوئی ہشمن (صوت) کا لباس پہنتا ہے تو عرب کہتے "صوت" یعنی صوت پہنا

جس طرح کوئی ^{پیش} پہنتا تو کہتے "تقی" اس نے لباس پہنی۔" 1۔

صوفیاء کے ہر لمحہ احوال و مقامات کی ارتقائی صورت حال کو بیان کرتے ہوئے سہروردی لکھتے ہیں کہ

"ان لوگوں کے احوال و مقامات میں ہمیشہ عروج و ترقی ہوتی رہتی ہے اور

علم کے دروازے ان پر ہمیشہ کھلا رہتے ہیں، ان کا باطنی مجمع علوم اور

حق حقیقت ہوتا ہے اسی لئے ان کا کسی حال کے ساتھ مقید ہونا دشوار

ہے۔ ان کا وجدان ہمہ جہت اور گونا گوی ہے یہ ان کو کسی باطنی صفت

کے ساتھ بصورت کرنا دشوار تھا۔ لہذا ان کے لباس ظاہری سے مصوب کر کے

صولی کہنے لگے کہ اس لفظ سے ان کو مصوب کرنے میں ان کے احوال کی

وضاحت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ ہشمن (صوت) کا لباس پہنتا ان کے اسات

(صوفیہ مکتبہ) کا ہمیشہ سے شعار رہا ہے اس لئے ان کو صولی کہا

جائے گا، کہ ان کا حال ہوا ہے جیسا کہ طریق ہارگاہ خداوندی کا

ہے، یہ اس صورت میں اگر قرب الہی سے ان کو مصوب و مصد کیا جاتا

اور ان کی عظمت کی طرف اشارہ کرنا ایک دشوار امر تھا، اس لئے ان کے

حال (یعنی قرب کی حالت) کو چھپانے اور ان کے باطنی مقام کو اشاری

کی کثرت اور اس قرب الہی کے تذکرے کو حوام الناس کی رعایت سے محفوظ

رکھنے کے لئے بعض لباس کی مناسبت سے ان کا نام صولی رکھ دیا۔" 2۔

پروفیسر آر۔ اے۔ گلشن جن کا مطالعہ تصوف کے بارے میں خاصہ وسیع و وسیع ہے۔ لفظ صوت و صوفی

اور لفظ صوف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"دوسری صدی ہجری ختم ہونے والی تھی (816-719) کہ عراق میں ایک نئی اصطلاح "صوفی" نمایاں ہوئی اور اس کے بعد سلطان صوفیہ عام طور پر اس لقب سے مشہور ہوئے۔ اس کا ماخذ "صوف" تھا یعنی بے رنگ اسی کا ایک ٹھنڈا کپڑا جو مسیحی راہب پہنتا کرتے تھے۔ یہ ان بے شمار تشابہات میں سے ایک ہے جو ایک ہی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔" (1)

(3) تصوف کی تعریفات

جہاں تک صوفیہ کی تعریف کا تعلق ہے اس سلسلے میں بھی کافی بحث و تمحیص پائی جاتی ہے اس کی ابھی تک کوئی ایک قطعی تعریف نہیں ہو سکی۔² مصطفیٰ لوقی نے اس کی مصطفیٰ تعریفات کی ہیں۔ امام ابوالقاسم عبدالکرم بن عوازی قنبری کے رسالہ فتاویٰ میں بے شمار تعریفات درج کی گئی ہیں۔ یہاں ان میں سے چند ایک اہم تعریفات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ امام ابوالقاسم حضرت جلیل کے حوالے سے لکھتے ہیں

"صوف حضور قلب سے ذکر کرنے اور سن کر وعدہ میں آئے اور اتباع سنت کرتے ہوئے صلہ کرنے کا نام ہے۔" (3)

دوسری جگہ حضرت جلیل نے فرمایا

"صوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ صانع تیری ذات سے فنا کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ رہے۔" (4)

ابو محمد جریری نے فرمایا کہ

"یہ عراطلی خلق میں داخل ہونے اور ہر ذلیل خلق سے قطع کا نام ہے۔" (5)

1- بحوالہ "سیرات اسلام" از سر تاج آرٹڈو الفیڈ ترجمہ عبدالجبار، باراول، ص 293

2- حضرت شیخ علی ہجویری کشف المحجوب میں ابن جلا رحمۃ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں "الصوف حقیقۃ

لا رسم له (صوف ایک ایسی حقیقت ہے جس کی ظاہری کیفیت کوئی نہیں) اس لئے کہ ظاہری تعریف

مطابقات میں مطلق خدا کا حصہ ہے اور اس کی حقیقت خدا کا خاصہ ہے۔ جب صوف مطلق سے مراد پھیر

لینا ہے تو لامحالہ اسکی کوئی ظاہری تعریف ہ ہوگی چاہئے۔ (بلی بارالطلب ترجمہ اردو کتب المحجوب

ص 64، مطبوعہ لیریز سنز، اشعاریں بار، 1975ء)

عمر میں عثمان مکی نے صوف کے بارے میں فرمایا کہ

"صوف یہ ہے کہ ہمدہ ہر وقت اس حال میں رہے جو اس کے لمحے وقت کے

مطابق بہتر ہو۔" 1۔

ابو علی رودباری فرماتے ہیں کہ محبوب کے در پر ڈیرہ ڈال دینے کا نام صوف ہے خواہ وہ دھکے

ہیں کہیں نہ دے نیز فرمایا کہ یقیناً کدورت کے ہمد قرب (خداوندی) کی صفائی کا نام صوف ہے۔ 2۔

حضرت داتا گنج بخش کی حروف مصحف "کشف المحجوب" میں لکھا ہے کہ

"صفا ولایت کی منزل ہے اور اس کی شاخاں ہیں اور صوف "صفا" کی

ایسی حکایت و تصویر ہے جس میں شکوہ و شکایت نہ ہو۔" 3۔

آر۔ اے نکلسن نے ایڈورڈ کانہشر کے حوالے سے صوف کے بارے میں لکھا ہے

"یہ اس حالت کا نام ہے جس میں تمام حسی ایک ہر حس میں متعدد ہو

جاتی ہیں۔" 4۔

حضرت ابوبکر مزملی فرماتے ہیں الصوف حال مستحضر تھا صفا لہ جن صوف ایک حال ہے

جس میں انسانی آثار جاتے رہتے ہیں۔ 5۔

حضرت ابوسعید اصرہی فرماتے ہیں کہ الصوف کلمہ ترک الفصول صوف تمام ضروریات سے ترک کرنے

اور بنگلہ کا نام ہے۔ 6۔

امام ابوبکر ابو اسحاق نے خیال میں "حق تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار رہنے کا نام صوف ہے۔ 7۔

حضرت بہادر بن حسین فرماتے ہیں کہ صوف عہد ہر وقت کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو بات دل میں گزیرے

اس کے لمحے کہے تو وہی کہے۔ 8۔

1۔ بحوالہ "رسالہ قشیریہ" از ابوالکلام عبدالکرم بن حوزن قشیری ترجمہ ڈاکٹر پیرمحمد حسن، ادارہ تحقیقات

اسلامی، اسلام آباد، اشاعت اول 1970ء، ص 429۔ 2۔ ایذا، ص 430

3۔ بحوالہ کشف المحجوب از داتا گنج بخش، ص 22۔ ترجمہ اردو زبان الطحطاوی (مترجم مولوی فیروز الدین)

مطبوعہ فیض سبز، لاہور، انیسویں بار 1976ء

4۔ بحوالہ "میراث اسلام" مرتبہ سرناصر آرٹھ والفرڈ، ترجمہ عبد الجبید سالک، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، بار اول/

القرن ثانی از قائد ملی صاحب سہروردی مدظلہ العالی، ناشر مرکزی مجلس سہروردیہ لاہور، بار اول، ص 128

5۔ ایذا، ص 129

6۔ بحوالہ "تجلی" از امام ابوبکر بن ابوالاسحاق ترجمہ ڈاکٹر پیرمحمد حسن، الطارق لاہور، بار اول 1391ھ، ص 138

حضرت ابو عدالہ رودباری فرماتے ہیں التَّحْوِیْتُ تَرْکُ التَّكَلُّفِ وَاسْتِغْفَالُ التَّظَرُّفِ وَغَلَاتِ الْمَشْرِفِ

یعنی تصویف تکلف کو چھوٹانے اور پاکیزگی کا ہونا اور ہڑائی کو دور کرنے کا نام ہے۔¹

حضرت ابوالحسن سیستانی فرماتے ہیں التَّحْوِیْتُ تَرْکُ الْمَلَقِ وَافْرَاطِ الْعَمَلِ

تَرْکِ اور عَمَلِ کی زیادتی کا نام ہے۔²

حضرت مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ "الصَّوْفُ حَسْبُ الْفَقْرِ" صوف تک خلق ہے۔³

محمد بن احمد الکری فرماتے ہیں "الصَّوْفُ اسْتِقَامَةُ الْأَحْوَالِ مَعَ الْحَقِّ" صوف اہل صوف کے حالات کے

حقِ تعالیٰ کی حیثیت کے ساتھ درستی اور راستی ہے۔⁴

علی بن ہمدان الصہری مشاہیری فرماتے ہیں "الصَّوْفُ اسْقَاطُ التَّوْبَةِ لِلْحَقِّ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا" یعنی

صوف یہ ہے کہ سوائے اپنے آپ کو ظاہر و باطن میں نہ دیکھے، صرف مشاہدہ حق ہو۔۔۔⁵

بشیر احمد ڈار نے اپنی کتاب "تاریخ صوف" میں صوف کی تعریف یوں کی ہے کہ

"صوف صلی طور پر وہ طبقہ حیات ہے جس کا مقصد ذاتِ خداوندی سے

بلاواسطہ رابطہ پیدا کرنا ہے۔۔۔"⁶

حضرت عروج گریزی فرماتے ہیں

"صوف کے معنی ہیں حقائق کا حامل کرنا۔ مطلق کے خاتمہ میں اُزقیل

لغاثم و اقتدار جو کچھ ہے اس سے پھر روگرداں ہو جانا۔۔۔"⁷

ابو محمد عروجی فرماتے ہیں

"صوف کے معنی یہ ہیں کہ حیلہ اغلاط جعدہ اور اوجان طیبہ کے ایمان میں

داخل ہو جانا، اور ہر قسم کے اغلاط و ذلیلہ اور اوجان رعبہ سے پاک ممان

ہو جانا۔۔۔"⁸

1-2- بحوالہ القدری از قلم رطلی صاحب قلم، بیروتی مدظلہ العالی، ص 120، ناشر مرکزی مجلس مجاہدین، لاہور بار بار

3-4-5- بحوالہ طم صوف ص 21، خراجہ عبداللہ اختر، رفیق ادارہ ثقافت اسلامیہ، مطبوعات ادارہ

ثقافت اسلامیہ لاہور، 1951ء

6- "تاریخ صوف" بشیر احمد ڈار، ص 1، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، اکتوبر 1962ء

7-8- بحوالہ "صوف اور اسلام" رفیق احمد جعفری، کراچی، ص 169

دوسم کے نزدیک تصوف کی شہرت یہ ہے

" تصوف صاف ہے تو خصلتیں سے

(1) پہلی خصلت ہے۔ قدر اور اختیار سے چمٹے رہنا

(2) دوسری خصلت ہے ہڈل و ایثار کو اپنا شعار بنا لینا۔

(3) اور تیسری خصلت ہے ترک نفس اور اختیار 1 " 1۔

پروفیسر یوسف سلیم کے بقول " تصوف دل کی شہنائی کا دوسرا نام ہے۔ " 2۔

طاہر عبدالوہاب الشمرانی کے بقول " علم تصوف اس علم کا نام ہے جو دل کی دلیوں میں اس

روح ظہور پذیر ہوتا ہے جب کتاب و سنت پر عمل کرنے سے وہ منور ہو جاتے ہیں۔ " 3۔

حضرت امام محمد باقر علی بن حسین علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ " تصوف خوش خوئی کو

کہتے ہیں جو زیادہ خوش ہو جاتا ہے وہ زیادہ صوفی ہوتا ہے۔ " 4۔

عارف عبدالمنش لکھتے ہیں

" تصوف ہی شریعت کی طرف سے دے دیے جانے والے سچائی تک پہنچانے والا آلہ

علی مصروف قرار دیا جا سکتا ہے۔ " 5۔

(تصوف کو شریعت اور طرفت کے وسیلے سے سچائی تک پہنچانے کا ایک علی

طریقہ قرار دیا جا سکتا ہے۔)

ان تعریفوں کی روشنی میں اس حقیقت کا تعین مشکل نہیں کہ تصوف فقہ کی پاکیزگی، حقیقت

مطلق کو ماننے کی طرف، فکر و استطراد، اوصاف سیدہ کے حصول، بے غی، اخلاقی، ترویج اور ترک مطلق کا نام

ہے۔ تصوف کی راہ سے انسان نے ایک خلق حاصل کیا، قطعیت کا درس سیکھا، ضبط نفس کے مراحل سے گزرا

اور انہیں کی مثال کو طے کیا، ظاہر ہے انسانی سیرت اور خصائل و فضائل کی عراج اس سے بڑھ کر اور

کیا ہو سکتی ہے۔

1۔ بحوالہ " تصوف اور اسلام " رئیس احمد جعفری، کراچی، ص 189

2۔ " تاریخ تصوف " طہار اکبر، ممبئی، لاہور، طبع اول 1976ء، ص 6

3۔ " طبقات الاولیاء " ترجمہ از سید عبدالقادر، مطبوعہ مجلس اکیڈمی کراچی، طبع اول 1965ء، ص 21

4۔ " مراۃ الاسرار " ص 113، جلد اول، صوفی ٹاؤن شپ، لاہور 1982ء

5۔ " پرکھ پڑیبول " از عارف عبدالمنش، ص 18، مطبوعہ جدید طباشیر، لاہور، مارچ اول 1979ء

تصوف کا تائیدی اہتمام

(1) یونانی تصوف کی اہمیت

اس سے پہلے کہ ہم اسلامی تصوف کے ارتقاء کا تذکرہ کریں ضروری ملاحظہ ہوتا ہے کہ قبل از اسلام دنیا کے مختلف مذاہب اور تہذیبی میں تصوف کی روایت کا اجمالی جائزہ لیں تاکہ قبل از اسلام اور بعد از اسلام کے مصوفہ انکار کا فرق بھی واضح ہو سکے اور تصوف کے ارتقاء کی کڑیاں بھی باہم مربوط ہو سکیں۔ یونان کی سب سے زیادہ علم و دانش اور فلسفہ و فکر کے لحاظ سے قدیم بھی ہے اور اہم بھی تھی وہ مزیں ہے جہاں سب سے پہلے مصوفانہ تصورات کا آغاز ہوا۔ آریسٹوٹل ایک شخص تصوف کا بانی ہے۔¹ جس کی تعلیمات ساتویں اور چھٹی صدی قبل از مسیح میں تمام یونان میں پھیل چکی تھیں۔² آریسٹوٹل نے پہلی مرتبہ ایسے خاکھائیں قائم کیں جہاں تعلیم و تدریس بھی کی جاتی تھی اور وہیں خاکھائیں صاف و لائق کا کام بھی رہتی تھیں۔ آریسٹوٹل کی فکر نے انسان اور خدا کے درمیان تعلق اور انسان اور خدا کے درمیان اتحاد کے متعلق فکری توجہات پیش کیں۔ آریسٹوٹل نے ہیئتوں میں زہد و ریاضت اور بعد از اغلاق کے صحائف پائے جاتے تھے لیکن بعد میں آئے والے لوگ یہ علمی کی طرف مائل ہو گئے اور ہر صورت گردانی پر اثر آئے بلکہ لوگوں کو تعویذ کثیف کے ذریعے لوشی بھی لگے اصطلاحی ہے اپنی کتاب جمہور کے باب دوم میں آریسٹوٹل کا ذکر تفصیل سے کیا ہے جنہوں نے گردانی کا بیشہ اختیار کر لیا تھا۔ آریسٹوٹل کے یہاں حیات بعد موت کا تصور موجود ہے اگرچہ راجحانہ طرزِ زیست کی ترویج کی وجہ سے آریسٹوٹل کی تعلیمات مقام میں کوئی عہد گہر تھمک کا باعث نہ بن سکے لیکن یونانی فلسفی اور حکم ان انکار سے متاثر ہوئے ان نتائج میں یونانی شاعر ہڈارہ، ریاضی دان فیثاغورث اور حکماء سقراط اور افلاطون خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ اگرچہ علام احمد دہلوی اصطلاحی کو صحت کا باوقیہ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں "صوف کا ابوالآلہ و حقیقت افلاطون (Plato) کو سمجھنا چاہیے... اس نے سب سے پہلے یہ تصور پیش کیا کہ اس عالم محسوس کے اور ایک عالم اشباحی و حقیقی وجود کے ساتھ اور یہ عالم محسوس اس کا پرتو ہے۔ اس عالم میں جو کچھ ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کی حقیقت مرآب سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس حقیقی عالم کے متعلق علم حواس کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتا باطنی طریق سے حاصل ہو سکتا ہے۔ (بحوالہ "صوف کی حقیقت" ص 26 و 27)

فیثافورٹ نے تو آریس نظام فکر میں مناسب تبدیلیاں پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ اس کی ضرورت خرابیاں دور کی جا سکیں وہ اس نظام کو تو درست سمجھتا تھا لیکن اس کے اہر چند اصطلاحات کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ آریس کے نظام صوت میں غیراخلاقی رسوم بھی پائی جاتی تھیں جن سے سلی جذبات کے متعلق ہونے کا خدشہ پیدا ہوتا تھا۔ فیثافورٹ نے آریس نظام فکر میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کر کے اس خدشے کو دور کرنے کی کوشش کی اور ایک بہتر صورت پیش کیا۔ آریس کے نزدیک روح کا جسم میں مقید ہونا انسان کے لٹھے بدستی کا باعث ہے جبکہ فیثافورٹ نے روح کی اس قید کو انسان کی بھلائی کے لیے ہر طرح سے آریس سلیمیت کو ایجابی شکل دے دی فیثافورٹ کائنات میں روح کا قائل تھا اور روح کے مابین میں اس کے نظریات صدیقی کے نظریہ تناسخ کے قریب تھے²۔

جب علم و دانش اور حکمت و فلسفہ کا مرکز یونان کی سرزمین سے منتقل ہو کر اسکندریہ میں قائم ہوا تو وہاں فیثافورٹ کے نام کی مناسبت سے فیثافورٹی دہستان وجود میں آیا³۔ اس دہستان کا مرکزی تصور "شہت" تھا جو حویلیات نظام میں بڑی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ فیثافورٹی دہستان کا خیال تھا کہ خالق کائنات اور کائنات کے درمیان اور جسم اور روح کے مابین روحی مودود ہے۔⁴ روح اصول غیر ہے جبکہ جسم اور مادہ اصول شر۔ اس لٹھے ریاضت اور مجاہدے پر زور دیا گیا تاکہ مادی رکاوٹوں کو دور کر کے انسان روحانی قوت حاصل کرے اور خدا سے رابطہ قائم کر سکے۔ اس دہستان کا دوسرا رخ عرفانی تحریک کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ تحریک دو صدی قبل از مسیح سے شروع ہو کر دوسری صدی عیسوی تک رہی۔ اس تحریک نے اس زمانے کے مختلف مذاہب اور صوفیوں سے بالخصوص اور مصری مذاہب و اشکار سے بالخصوص استفادہ کیا، عرفانی تحریک کا پیش رو ہوسوس تھا۔ اس تحریک کے صوفیوں میں شہت اور جہت کو خاص اہمیت حاصل رہی۔

عرفانی اشکار و خیالات کی تاریخ سے کچھ عرصہ بعد اسکندریہ⁵ میں دو افلاطونی طرز فکر ظاہر ہوئے

- 1- ڈاکٹر ایڈلٹ مدنی نے فیثافورٹ کو چھٹی صدی ق۔ م کا دوسرا نامور حکیم قرار دیا ہے۔
("اقبال اور ملک صوت" اقبال اکادمی، طبع اول 1977ء، ص 82)
- 2- بحوالہ "تاریخ صوت" از بشیر احمد دار، ص 27
- 3- ظاہر ہے یہ تصور اسلامی کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔
- 4- بشیر احمد دار نے اپنی کتاب تاریخ صوت، (جلد 34) میں اس کی ولادت اسکندریہ میں بتائی ہے جبکہ یونان سلیم جنتی نے یونانی سوسطانی یونانی میں اس (Zunapius) کے حوالے میں لکھا ہے کہ وہ مصر

(204 یا 205ء) PLOTINUS سے پیدا ہوا جس نے اپنی شہرت ایڈلز (ENNEADS) سے اس

تصویر پر سخت تنقید کی ہے لکھتے ہوئے اس کے نظام فکر میں عرفانی کے تصورات پائے جاتے تھے۔ فلاطینوس کی یہ کتاب ان مباحث پر مشتمل ہے جو اس نے اپنے حلقہ درس میں دئیے تھے۔ فلاطینوس کے افکار میں دو عالم کی تقسیم موجود ہے ایک عالم محسوسات اور دوسرا عالم عقلیات۔ مثلاً الذکر عالم دواعیہ اس کے نزدیک عالم روحانی کا درجہ رکھتا ہے۔ روح کے حلقے میں فلاطینوس کا تصور بھی عرفانی تصور روح کے میں مطابق ہے یعنی وہی زاہد اور ترک طائف کا نظریہ اس کے خیال میں روح اور مادہ دو الگ الگ چیزیں ہیں جس کا آپس میں کوئی ربط نہیں۔ فلاطینوس بقول بشیر احمد ڈالر

” حقیقی حسی میں ایک صوفی ہے اس نے مشق اور غرب کی تمام فکری کاوشی اور نفسی افکار سے استعارہ کیا اور ان کی بناء پر اپنا نظام فکر پیش کیا۔ حسی اور حقیقی میں تصوف کی جو تکنیک رائج تھی اس کی تصویر و تشکیل میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے۔ “ 2۔

فلاطینوس کے نظریہ تصوف کی آخری منزل روح خداوندی ہے۔

(2) یسوعیسی میں تصوف اپنی پانچویں

یوحانی کے ساتھ ساتھ یسوعی کے وہاں بھی تصوف کی زیادہ وضاحت

ہم سے ملتی ہے۔ نظام احمد بیروز لکھتے ہیں۔۔۔۔۔ ” معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی پہلی شاہی کے بعد مابعد کی اس کی وضاحت میں دیکھتے ہیں کہ تصوف و اصطلاح کی احیاء تک پہنچ چکی تھی (اور یہی زمانہ تصوف کے اوج کا ہوتا ہے) ان میں بھی کچھ کچھ باطنیت کے آثار عموماً ہوتے ہوئے تھے۔ لیکن حقیقی تصوف ان میں اس کے بعد جا کر آیا جب ان کے مذہبیں ہندوؤں کے اسکندریہ میں یوحانی فلسفہ کا مطالعہ کیا۔۔۔۔۔ “ 3۔

” ورنہ اسرائیل “ کے مطابق عہد مشق میں مونیات خیال موجود ہے لیکن یہ بات نہیں لکھی

نہیں ہے اس لئے کہ عہد مشق کی تصویر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی مذہب اور عقیدہ انسان کی داخلی

1۔ ڈاکٹر طیعی عبدالقادر فلاطینوس کا زمانہ 205 تا 270ء قرار دیتے ہیں (بحوالہ حمید خداداد ص 229)

2۔ ” تاریخ تصوف “ بشیر احمد ڈالر ص 41 3۔۔۔۔۔ ایضاً ص 26

4۔ مطالعہ یوحانی ورنہ اسرائیل (Legacy of Israel) مطبوعہ آکسفورڈ پریس 1948ء ص 47

واردات اور مصفاۃ کیفیات سے نہیں رہا۔ مہدحتیق کے نوشتی میں اشیاء اسرائیل کی اسی داخلی واردات کا ذکر موجود ہے جن کی بنیاد پر یہودی کے یہاں صوت کی روایت قائم ہوئی حکیم فیلو کو یہودی صوت کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے، مسلمان صوفیاء اور حکماء بالخصوص حلاج، ابن عربی، وغیرہ اور روسی فیلو سے متاثر نظر آتے ہیں اس طرح ہیراکلیٹس (Heraclitus 538 تا 475 ق م) کے نظریات بقول کوپلنڈ " قدیم یونانی فلسفہ کی تاریخ کے خلاف ایک صوفیاء واصل تھا۔ 1 " اس نے خارجیت کے مطالبے میں داخلیت پر زور دیا اور ظن کے اندر ڈوب کر حقیقت کو ہاتھ کا درس دیا۔ یہودی صوفیاء نے اپنے اپنے حلقے اور سلسلے قائم کر رکھے تھے جہاں مخصوص لوگوں کو غلط طور پر صوت کی تعلیم دی جاتی تھی لیکن یہودی صوت نے اخلاقی اقدار کی ترویج میں کوئی حصہ نہ لیا اس لیے کہ اس کا مرکز انسان کبھی نہ رہا یہ صوت زیادہ تر خدا کی ذات تک محدود رہا۔ انسان اور کائنات اس کے موضوع میں شامل نہ تھے۔ یہودی صوت کی سب سے اہم کتاب " زہار " ہے۔ 2۔

(3) صائبیت میں صوت

صائبی تک پہنچتے پہنچتے صوت نے ایک عظیم شکل اختیار کر لی، اب یہ ایک باقاعدہ سلسلہ بن گیا۔۔۔ شاخاوی قائم ہوئے۔ زہدی سرگزین کے طریق مقرر ہوئے۔ روایت کے حصول کے لئے ہانت اور زہد کے مدارج وضع ہوئے۔ جاہل Saints نے اپنے مرکز قائم کئے اور اس طرح پورا مذہب صوت کی آماجگاہ بن گیا۔ 3۔

صائبی میں صوت کی روایت کا جائزہ لیتے ہوئے یہ پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے " مابل " میں صوفیاء حلقے قائم ہوئے جہاں پیر و مشد اپنے چہرے پریدی کو ان علوم و اسرار کی تعلیم دیتا تھا۔ 4۔

5۔ ہرمیس (Hermes) کے نوشتی صوت اور فلسفے کا استخراج یہاں کئے گئے ہیں۔ ان نوشتی میں خدا کی وحدانیت کا تصور ملتا ہے۔ یہی نوشتی بقول بشیر احمد ڈار

1- اشائیکلو پڈیا مذہب و اخلاقیات، جلد 8، ص 134 (الف)

2- بحوالہ " صوت کی حقیقت " ص 27 - - - ایضاً - - - ص 28

3- تاریخ صوت از بشیر احمد ڈار، ص 117

5- کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہرمیس ہی ادریس کا دوسرا نام ہے۔

" اپنی بنیادی روح اور ظاہری صفت کے لحاظ سے صوت کے پندرہ شعبے
اور انہیں باطنی مظاہر کے فکری صورت اور عقلی شکل سے حیاتی مذہب
اور صوت متاثر ہوا۔ " 1۔

حیاتیات کا ابتدائی دور درحقیقت صوت ہی کا دور تھا۔ پوچھا کی انجیل صوفیات صورت پر
مشتمل نظر آتی ہے۔ بعد میں حیاتی صوفیہ نے پوچھا کی انجیل کے صورت کو اپنا لیا۔ حیاتی صورت کی
تاریخ میں سب سے پہلی اور اہم شخصیت کلیمنٹ (Clement 150-216ء) کی ہے انہی پر فلاطینوں اور
کئی دوسرے فلسفی کا گہرا اثر تھا۔ عقلی علوم کو اہمیت دینے کے باوجود کلیمنٹ نے نباتات کے لئے ایمان اور
روحانیت پر بہت زور دیا۔ کلیمنٹ کے بعد دوسرا اہم حیاتی صوفی آگسٹائن (354-430ء) اس کی اہم
کتاب Confessions (اعترافات) اپنے عہد کی مذہبی زندگی کی بہترین شروعاتی کتب ہے۔

(4) چینی تصنیفات

چینی صوت کا ابتدائی دور وہ ہے جب کچھ لوگ اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی
حالات سے مایوس ہو کر پہاڑی میں جا بسے اور راہبات زندگی اختیار کر لیں۔ ان صوفیوں میں سے ایک نے
(یانگ جو Yangtzu) جس کا زمانہ 479 اور 289 ق م کے درمیان بتایا جاتا ہے ایک فکری نظام
میں کوشش کی۔

چینی صوت کا دوسرا دور وہ ہے جب حکیم لاؤی (Lao tze) پیدا ہوا (تاریخ پیدائش
504 ق م) لاؤی کے نظام فکر کا بنیادی تصور طاؤ ہے جو قوانین اخلاق اور اصول مابعد الطبیعات کا احاطہ
کرتا ہے اس کا مثالی صوفی انسانیت کا علمبردار ہے جو ہر انسان سے معذرت کو شعار بناتا ہے۔ گنیز،
سجیت، توجہ اور شہادت اس کے بہت سے اصول ہیں۔ لاؤی کے صوفیات افکار کی ترویج اور ترقی میں اس
کے شاگردی جوہرک زی (Chuangtze) اور لی زی (Liehtze) نے بہت حصہ لیا۔

بدھ مت کی ابتدا (پہلی صدی عریضی) کے ساتھ ہی طاؤ مت پر اس کے اثرات شروع ہو گئے۔
بدھ کی تعلیمات میں صوت کے روحانات موجود تھے۔ بدھ کی تعلیمات کے مطابق انسان جسم، تائوان،

ادراکات، جذبات اور شعری احساس کا مجموعہ ہے۔ طاؤمت اور بدھ مت دونوں نے اسی خاتما میں قائم کیں جس میں بدھ مت اور مرد تجوی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ عورتی کے لیے الگ خاتما نہیں۔

بدھ کے مطابق ہم خارج اور باطن میں خواہشات کے بعد غصے میں گھبرے ہوئے ہیں ان خواہشات سے آزاد ہونے کی واحد صورت ایسا ضبط طے ہے جو عدم میں ہر متحج ہو۔ اس سے نجات ممکن ہے۔ کاملیت کا درجہ خواہشات کی طے جذبے کے اصدار، ترک طلب، زندگی کے شفاف اور مسائل کے برداشت، موزون، شفیق، ترک ملائق، شعور اور تصور کے اظہار، لالچ، بغض، بدزبانی اور بد کلامی سے اجتناب، کسب حلال، درست افعال، تزکیہ باطن اور مراقبہ سے حاصل ہوتا ہے۔ 1۔

--- بدھ مت کے اثرات بہت دوروں ثابت ہوئے اور بہت سے مذاہب اور افلام نے اس کے اثرات قبول کیے۔

(5) جاپانی شقوت

چھٹی صدی قبل از مسیح میں بدھ مت کا آغاز ہندوستان سے ہوا اور جنوب مشرق

ایشیا، سیلون، سر لہکا، تھائی لینڈ، بھیا، ویت نام، لاؤس، کمبوڈیا، ویتنام، چین، تبت اور جاپان تک پھیل گیا۔ جاپانی صورت کی روایت اسی بدھ مت میں سے وابستہ رہی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ جاپانی صورت بدھ مت اور چینی فلسفے کے امتزاج سے وجود میں آیا۔ 2۔ اگرچہ جاپان کا قدیم تہذیب مذہب شنتو تھا لیکن اس مذہب کے پاس کوئی الہیاتی فلسفہ نہیں تھا۔ البتہ شنتو کے پیروکاروں نے خاتما میں تصور تصور کیا۔ جاپان میں صحیح غصے میں مذہبی فلسفے اور لٹری کی ابتدا بدھ مت کے تعارف کے بعد ہوئی۔ بدھ مت میں صورت کی روایت موجود ہے۔ سخت ریاضت اور عبادت کے ذریعے تزکیہ طے خواہشات کو کچلنے کی طریقہ، اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق سے حدود اور الف، ہر وہ شے جو اصل جس کی حد سے دیکھی سے مکتی (نجات) ملتی ہے۔ بغض سے بے ملوث، جسے کفار سچا کردار، سچے خواہشات، سچے کوششیں اور سچا استغفار، --- یہ وہ مظاہر تھے جو

"The Majjhima Nikaya"

1- مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے
"The First Fifty discourses from the collection of medium length discourses of Gautama the Buddha — By Bhikkhu Silchera, F-3-5."

2-Buddhism in Japan By E. Dale Saunders, Page 82 to 88
Charles E. Tuttle Company, Tokyo, First Edition 1972.

بدھ طریقہ کے حوالے سے جاہانی صورت میں داخل طرح۔ جاہانی صورت میں دھماں گماں، استغفران اور
شکر کی بڑی اہمیت رہی۔ جاہانی صوفی روش اور ہفتہ کیلئے تھے۔ ہر دھماں کے بیان کے مطابق

”جاہان کے صوفیہ فکر میں دھماں اور شکر پر بہت زیادہ زور دیا گیا
ہے اسے نہی کا اثر بھی کہا جا سکتا ہے لہذا نہی سے پہلے ہی جاہان
میں یہ ایک قسم کی جائے کی رسم تھی جسے ایک مذہبی فہم کی حیثیت
حاصل تھی۔ اب بھی یہ رسم مذہبی تقدس کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔
اس رسم میں بھی دھماں پر زور دیا جاتا ہے۔ جاہانی طبقہ ”فطرت سے محبت
کرتا ہے اور فطرت کے مشاہدے سے جو اسے روحانی تسکین ملتی ہے وہ اسے اپنی
فکر کا محور بناتا ہے پس شکر کی حالت میں لعلہ عرفان ہے مگر اس کے لیے
پہلے علی ذات اور لا لہنی ضروری ہے۔“ ۱۔

بدھ فلسفے کے مطابق حواس کے لیے خود کا فنا ہونا ضروری نہیں البتہ اس میں حواس ختم ہو
سکتے ہیں۔ جاہانی صورت میں بھی حواس کے ختم ہونے کا لا لہنی کے تصور کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے
جاہانی صورت میں لا لہنی کے پندرہ عرفان کا حصول ممکن نہیں۔ اس میں صوفی کی مختلف ذہنی کیفیات کا
ذکر بھی تفصیل سے ملتا ہے اور صوفی کے مختلف فرقے بھی بتائے جاتے ہیں جن میں ہر فرقے کا ایک
خواہی سلسلہ بھی دیا ہے۔ ہر دھماں کے بیان کے مطابق

”جاہانی صورت میں صوفی پائنت اور خواہی زہدی اختیار کرتا ہے اور جس
خواہی کا سلسلے سے وہ وابستہ ہوتا ہے اس کے رسم و رواج اور آداب کی پابندی
کرتا ہے یہ پابندی بڑی سختی سے کی جاتی ہے اس کی نمایاں خصوصیت صوفی
کا لعلہ فکر ہے جسے جاہانی بدھ مت میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔“ ۲۔

(6) ہندو شکت

ہندی صورت کی ابتدا ہندی سے ہوئی جس میں تعلیق کائنات، عالم بالا، عالم

مٹی اور وحدت الوجود کے مابین میں تعلقات موجود ہیں۔ بعض اقوال سے حوالے کی اہمیت پر بھی روشنی

۱۔ ہمزاد ”اسلامی صورت میں برد کا تصور“ (تعلیق مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی۔ فیصلہ) از ہر دھماں
معدا، ۲۳۵ء۔ یہ مقالہ (گما پوجیوشی سلطان میں پیش کیا گیا ہے۔

ہوتی ہے۔ ہدی کے آخری حصے ایشدو پر مشتمل ہیں جس کا پیش کردہ صوت "برہم سوتر" کہلاتا ہے ایشدو کو صوت کی قدیم ترین تحریریں قرار دیا جاتا ہے، پروفیسر روائس (Royce) کے مطابق "صوفیہ نظام کی پہلی داستان ان کتابیں ہیں جن میں قلم بند کر دی گئی ہے۔۔۔" 1۔

بعض ایشدو کا زمانہ تصنیف آٹھویں صدی ق م ہے۔ ایشدو کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ عرفان حقیقت ہے اور حقیقت سے مراد "خدا" ہے۔ عرفانی حقیقت کا واحد ذریعہ عشق ہے۔ ایشدو میں توحید کا تصور نمایاں طور پر ملتا ہے۔ یہ بھی کہ کائنات اس ذات واحد کا مظہر ہے۔ ایشدو کی شرح کرنے والی میں سب سے زیادہ اہمیت اور مقبولیت شری شکر اچاریہ کو حاصل ہوئی۔ شکر اچاریہ کے علاوہ ہدایت کا ایک بڑا مبلغ پانچسلی ہے۔ وہ بھی وحدت وجود کا قائل تھا 2۔

شکر اچاریہ کے صوفیہ نظام فکر کو "ہدایت" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ "ہدایت" کے اثرات بہت دوروں اور دیہاں ثابت ہوئے حدود صوت میں دوسرا اہم نام رشی جاس کا ہے جس کی کتاب "ہنگوت گیتا" فلسفے اور صوت کے مرکب پر مشتمل ہے اس کا زمانہ تصنیف پانچویں صدی قبل از مسیح سے لے کر دوسری صدی عیسوی تک بتایا گیا ہے۔ 3۔ ہدیوں کے صوفیہ افکار کے سلسلے میں ایشدو، برہم سوتر اور "ہنگوت گیتا" نہایت اہم اور مستند مآخذ تسلیم کئے جاتے ہیں۔

(۶) اسلامی صوت

جہاں تک اسلامی صوت کا تعلق ہے کہہ لوگ اس کی تعلیمات کو قرآن حکیم سے منسلک کرتے ہیں اور ثبوت کے طور پر کئی ایک آیات کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور بعض لوگ صوت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں اور اس میں شک بھی نہیں کہ حضور، صحابہ کرام اور تابعین کی حیات میں یہی عبادت گزاری، فکر و استفادہ، تکرار، ایشار اور پاکیزگی کے تمام ایسے فضائل موجود تھے جنہیں اسلامی صوت کی بنیاد تو تیار دیا جا سکتا ہے لہٰذا اصطلاحی معنی میں اس پر صحت

1۔ بحوالہ "کائنات اور نبی" جلد اول، باب چہم، ص 104

2۔ بحوالہ "صوت کی حقیقت" ص 36

3۔ بحوالہ "تاریخ صوت" از یوسف سلیم چشتی، ص 55

کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ دراصل اسلام میں صوفیہ کے آثار خلافت راشدہ کے بعد نمایاں ہونا شروع ہوئے، کہا جاتا ہے کہ معاویہ اور یزید کے عہد میں دمشق اور بغداد میں دارالخلافت کی تبدیلی سے اسلامی الحکار پر عجمی اثرات کا دخل شروع ہوا۔ بنو امیہ کے دور آخر میں خصوصاً اسلام کے تہذیبی، ثقافتی، علمی اور سیاسی اقدار پر عجمی اثرات کا رنگ بڑی طرح غالب آئے لگا اور عباسیہ دور میں تو اس رنگ کے سامنے عجمی کا رنگ بالکل پھیکا پڑ گیا۔¹ اور ادبی اثرات کی وجہ سے سلطانی میں صوفی کا آغاز ہوا۔ محمد حسن لکھتے ہیں

"صوفیہ کی ابتدا بعض سیاسی، سماجی اور فکری تقاضوں کا نتیجہ تھی پہلی صدی ہجری تک صوفیہ کا "اصطلاحی رنگ" واضح اور متعین نہیں ہوا تھا۔ لیکن معاویہ اور یزید کے دور سے بعض روحانات نمایاں ہونے لگے ہیں اور خلافت عباسیہ کے دور میں یہ میلانات زیادہ مربع اور قطعی شکل اختیار کرنے لگے ہیں۔"²

اسلام میں صوفیہ کے ابتدائے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خلافت کے ہمہ ملکیت قائم ہونے پر حکمرانی کی شان و شوکت ظلم و ستم اور جمہوریت کشی کے رد عمل کے طور پر صوفیہ کا میلان بڑھا۔ اسے میں صوفیاد کا وہ طبقہ وجود میں آیا جس نے عروجی اور خارجی حالات کی سنگینی کے پیش نظر گوشہ نشینی اختیار کی اور روحانیت کی تبلیغ کرنے لگا۔ کمالیہ محمد کاظم کے الفاظ میں

"اسلام میں صوفیہ کا ارتقاء حالت خوف سے چل کر حالت عشق اور پھر حالت فنا و اتصال کا سفر ہے۔"³

پہلا شخص جسے صوفی کا لقب دیا گیا ابوہاشم عثمان بن شاکر کوئی⁴ (متوفی 160/776ھ) میں اور بعض

1- مزید تفصیل کے لیے علامہ فرانی "Literary History of Persia" by Browne, Vol-I, P- 203-208

2- بحوالہ رسالہ ظلم قبیلہ، طبع آمل، اگست 1981ء، ص 113

3- بحوالہ پیش لفظ، محمد بغدادی، از ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر - ترجمہ محمد کاظم، پراؤل 1987ء، مطبوعہ مکتبہ جدید لاہور، ص 8

4- مولانا عبدالرحمان جاسی لکھتے ہیں اکتھے ان سے پہلے بھی بہت سے بزرگ زہد و عروج و عظمت اور طریق تنقید و صحبت میں شگہ نام تھے لیکن سب سے پہلے اس طبقے میں ان حضرات نے جس کو صوفی کا لقب دیا وہ ابوہاشم صوفی تھے ان سے پہلے کسی بزرگ کو صوفی کے نام سے ان حضرات نے نہیں پکارا (بحوالہ "حیات صوفیہ" ص 113، ادارہ تبلیغ اسلام)

(حاشیہ جاری ہے....)

لوگ جاہر ہیں جہاں کو پہلا صولی قرار دیتے ہیں¹۔ یہ اسلام میں تحریک تصوف کا پہلا مرکز کوٹہ اور پھر مے جہاں تصوف کا آثار دوسری صدی ہجری میں ہوا۔ یہیں سے یہ تحریک دوسرے اسلامی ممالک میں پھیلتا شروع ہوا۔ اے وجہ آری کے مطابق خراسان اس تحریک کا اہم مرکز قرار پایا²۔ اس کے بعد بلخ میں، جو اسلام سے پہلے بدھ مت کا اہم مرکز رہا ابراہیم بن ادھم نے تصوف کی روایت کو آگے بڑھایا۔ بدھ کے زمانے میں ایران کی مروجہ تصوف کا اہم مرکز بن گئی اس دور آؤں کے صولیا میں حضرت اویس قرنی، حضرت محمد وایع، حضرت حسن بصری، راہقہ بصری، داؤد طائی، حضرت حبیب مجیب، حضرت خواجہ فضل بن صاضہ، حضرت ابراہیم ادھم وغیرہ شامل ہیں۔

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ خواجہ غلام فرید نے لفظ صولی کی ابتداء اور پہلے صولی کے متعلق جس خیال کا اظہار کیا وہ اس طرح ہے

".... پہلے صولی حضرت شیت علیہ السلام ہیں کیونکہ آدم علیہ السلام کے بعد نبوت وراثت کے طور پر حضرت شیت علیہ السلام کو ملی اس لئے ان کو حق تعالیٰ نے صولی کے نام سے یاد فرمایا۔ ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام صولی ہیں۔ ان کے بعد افضل و اکمل صولی حضور حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس کے بعد فرمایا کہ جو لوگ آں حضرت پر ایمان لے آئے اور اس ایمان پر نجات ہوئے وہ اصحاب کہلاتے ہیں۔ جن لوگوں کو اصحاب صولی کی صحبت نصیب ہوئی ہے وہ تابعین ہیں اور جن لوگوں کو تابعین کی صحبت نصیب ہوئی ہے وہ تبع تابعین کہلاتے ہیں۔ تبع تابعین کے بعد طبقہ صولیا کرام ہے چنانچہ پہلے صولی حضرت ابوالہاشم ہیں۔"

(بحوالہ "مناہس المجالس" جمع و ترتیب مولانا رکن الدین، شریعہ و محقق کپتان واحد بخش، سال 688ھ، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور 1979ء)

... البتہ ریویئر یوست سلیم چشتی نے حضرت حارث الصامی (163ھ - 243ھ) کو پہلا صاحب تصوف صولی قرار دیا ہے ان کی تصانیف کی تعداد سترہ بتائی جاتی ہے جن میں سے چار کتابیں شائع ہو چکی ہیں یعنی (1) کتاب الریایۃ فی الصوف (2) من احباب ابی اللہ (3) ہارۃ از کتاب الصبر والریاض (4) کتاب التوہم — ان کتابیں میں "کتاب الریایۃ لمعلق اللہ و ایقان بہا" تصوف پر اہم کتاب تصور ہوتی ہے جو سوال و جواب کے انداز میں لکھی گئی ہے۔

(بحوالہ "تاریخ تصوف" از ریویئر یوست سلیم چشتی، ص 143)

4- لیکن یوست سلیم چشتی نے ان کی وفات 162ھ/778ء بتائی ہے۔

1- بحوالہ "اقبال اور سلف تصوف" ص 38

حضرت اہلس قریب کا شمار تاجیں اور پہلے دور میں ہوتا ہے۔ شیخ فرید الدین عطار کے مطابق "آپ جلیل القدر تاجیں اور چالیس ہیشوائی میں سے ہوئے ہیں۔¹" اگرچہ آپ کو حضور کا دیدار کرنے کا موقع نہ ملا لیکن ان کے دل میں حضور کی صحبت اسی قدر شدت سے جاگزیں تھی کہ جب غزوہ احد میں حضور کے دھان مبارک شہید ہوئے اور حضرت اہلس قریب کو اس کی خبر ہوئی تو انہی نے اپنے سایہ دہائی ٹوڑ لئے۔ ان کے اہدائی امام قلب میں گزریے پھر کوئے چلے گئے اور جنگ سلاطین میں شہادت پائی۔ حضرت اہلس قریب کی زندگی میں عروج کے طغی پہلو نمایاں تھے۔ ان کے پاس لباس تک نہ ہوتا تھا چنانچہ بڑے خواہ کی زحمت میں بیٹھے رہتے تھے اور کوئے سے روشی کے ٹکڑے جس کر لاتے ان کو دھوتے تھے اور کچھ ان میں سے خود کھاتے اور کچھ غیرات کوئے تھے۔² خدا اور رسول کی صحبت میں سرشاری کا نتیجہ تھا کہ آپ کی ساری زندگی عارفانہ اہواز میں گزری۔

اہدائی سولہاد میں سے حضرت حسن بصری کا نام گرامی خاص طور پر سے منسوب ہے۔ حضرت حسن بصری (متوفی 728) مدینہ میں پیدا ہوئے لیکن ان کی زندگی کا زیادہ تر حصہ بصرہ میں گزرا اس نسبت سے بصری کہلاتے۔ انہیں حضرت طلیؑ کے قریبی میں بیٹھ کر فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔ وارث لیکٹر کے

صاحب "3" He sat at the feet of Ali

محمد اظہار قہشی اسدی لکھتے ہیں

"نسبت حسن بصری در ارادت بہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ صیبت"۔⁴

حضرت محمد واسع شہوت اور طہارت روئی پر کاہت تھے، حضرت علی مجہدی (ناٹا گنج بہشت)

کے بقول "آپ اہل مجاہدہ کو دعوت دینے والے، مشاہدہ میں حیشہ قائم اور عیج تاجیں میں شمار ہوتے

- 1۔ "تذکرۃ الاولیاء"۔ از فرید الدین عطار غریبہ مولانا قاری محمد طار لکھان مطبوعہ کتب خانہ غوثیہ لاہور ص 9
- 2۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص 66 (ترجمہ کتاب الطبقات اکبری از علامہ عبدالوہاب الشمرانی) از سید عبدالغنی وارث مرحوم، علی اکبری، شریعت رٹ کراچی۔ 3

3. "What is Sufism" -- P-104.

- 4۔ بحوالہ کتاب "غلامہ الاحباب" (غیو مطبوعہ قلمی نسخہ فوٹو کاپی سری تحصیل میں ہے) صفحہ ثالث 1166ھ
- ص 59۔ لیکن ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر، منہاج السنہ (ابن تیمیہ) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "... یہ کہتا صحیح نہیں کہ حسن بصری کی طائفات حضرت طلی سے ہوئی وہ ان کے رفقاء سے ضرور طلی ہی کے اس لئے کہ جب حضرت طلی نے وفات پائی ہے تو حسن بصری اس وقت کم سن ہی تھے اس بناء پر استادی شاگردی کا یہ سارا سلسلہ قائم کرنا صحیح نہیں ہے۔" (بحوالہ "جدید بغداد" اردو ترجمہ از محمد کاظم ص 61)

ہیں۔ آپ کے زمانے میں کوئی بزرگ آپ کے برابر نہ تھا۔¹ "آپ کا حضرت خواجہ حسن بھری کے پاس کافی آنا جانا تھا۔ آپ ضبط ظن کے لئے بہت ریاضت کرتے تھے اور رکھی سوکھی کھا کر گزارا کرتے تھے آپ کو حرمت حاصل ہوئی تو فرمایا کرتے تھے میں جس چیز کو دیکھتا ہوں اس میں حق تعالیٰ کو دیکھتا ہوں۔²

حضرت حبیب بھی حضرت خواجہ حسن بھری کے مرید تھے اچھی ذہن و علم بھی خواجہ بھری سے حاصل کیا۔ آپ ساری رات عبادت کرتے، آپ کو بھی اس لئے کہا جاتا تھا کہ آپ قرآن اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے تھے۔³ اگرچہ خواجہ حسن بھری کی صحبت میں آنے سے پہلے ہی حد مالدار تھے یہاں تک کہ اہل بصرہ کو سود پر قرض دیا کرتے۔⁴ لیکن ان کے حسن ارادت میں شامل ہونے کے بعد آپ نے سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا دیا اور اپنے پاس کچھ نہ چھوڑا۔ دریائے فرات کے کنارے ایک حجرے میں عبادت الہی میں مشغول رہتے تھے۔

حضرت خواجہ فضیل بن عباس کا شمار مشائخ کے پہلے طبقے میں ہوتا ہے۔ فریدالدین عطار کے مطابق "حضرت فضیل صانع از کبار مشائخ بود و عمار طریقت و ستودہ اقران بود مرجع قوم و در ریاضیات و کرامات شافی رفیع داشت و در روح و معرفت ہی مہتا بود"۔⁵ آپ سمرقند میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں آپ غزالی کے سوار تھے۔⁷ لیکن جب حضرت فضیل کے دل میں خدا کی صحبت پیدا ہوئی اس کے بعد اس کام سے توبہ کر لی اور بصرہ جا کر حضرت خواجہ عبدالواحد سے بہت ہوئے۔ سلیم الاولیاء کے مطابق حضرت فضیل بن عباس نے امام ابوحنیفہ کے شاگرد، ابراہیم بن ادریس، سفیان ثوری اور داؤد طائی کے ہم عصر اور عبدالواحد بن زید کے مرید اور پیروکار تھے۔⁸ آپ غلط فہمی صحبت سے نہیں کرتے تھے اور

- 1- بحوالہ کشف المحجوب (ترجمہ اردو بعنوان بیان الطلوع) مطبوعہ فیروز سکر، 19۰۷ء، ص 148
- 2- بحوالہ مراۃ السوار جلد اول، از حضرت شیخ عبدالرحمان چشتی، ص 223۔ مولیٰ فاؤنڈیشن لاہور، 1982ء
- 3- بحوالہ "مراۃ السوار" جلد اول، ص 246
- 4- بحوالہ "ذکر الاولیاء" ص 29۔ از فریدالدین عطار ترجمہ مولانا قاری محمد عادل خان، مطبوعہ کتب خانہ //
- 5- بحوالہ "ذکر الاولیاء" (فارسی) ص 49، از فریدالدین عطار۔ مطبوعہ دولکشور، اپریل 1891ء (حسب فائل کی زانیہ لائبریری سے استعارہ کیا گیا۔)
- 6- جن لوگوں کا خیال ہے کہ آپ بخارا کے رہنے والے تھے بحوالہ "حیات سلیمہ" ص 123 جبکہ "اقبال کے محبوب سلیم" از اصحاب الحق فارسی، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول جنوری 1976ء ص 8 میں لکھا ہے کہ آپ کوہ کے رہنے والے تھے۔
- 7- بحوالہ "اقبال کے محبوب سلیم" اقبال اکادمی پاکستان، ص 9
- 8- سلیم الاولیاء (اردو ترجمہ) ص 120

اگر کبھی اطلاع سے ملتا پڑتا تو آپ نہایت جرأت اور دلیری سے ان کی غلطیاں ان پر منہ ہر کہہ دیتے آپ کی وفات ماہ محرم (187ھ/802ء) میں تھے عیالہ میں اس طرح واقع ہوئی کہ کسی نے "سورة الفاجہ" پڑھی آپ نے ایک سفر لگایا اور جاں بحق ہو گئے۔¹

حضرت ابراہیم بن ابراہیم مولانا کے پہلے طبیب سے تعلق رکھتے ہیں آپ کو خرقہ خلافت حضرت فضل بن عباس سے ملا۔² کہا جاتا ہے کہ ایک دن شکار کے لئے گئے ہوئے تھے کہ فہیسی آواز آئی "ابراہیم تجھے اس کام کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔"

یہ آواز سے کر ان کے ذہن میں تبدیلی آئی فطرت دور ہوئی طبیعت میں مضبوط قدم رکھا۔³ آپ کی وفات ملک شام میں 181ھ میں ہوئی۔⁴ لیکن "حیات صوفیہ" کے مطابق ان کی وفات 188ھ میں ہوئی۔⁵

حضرت راہبہ بصری راہبہ مدینہ منورہ کی تھیں وہ بہ حد صراحت گزارش شک اور دروغ صحت منافی تھیں، وہ ایک عرصہ تک غلام بھی رہیں، دن کو ہمیشہ بڑھ رکھتیں اور اپنے آقا کی خدمت کرتیں اور رات کو خدا کی عبادت میں مشغول ہو جاتیں۔⁶ ہر وقت نم زدہ رہتیں اور بیض رہتیں۔ دھڑ کا ذکر سنے ہی ہمشوش ہو جاتی تھیں۔⁷ لوگ انہیں کہتے دیکھتے تو لہجے سے انکار کر دیتیں اور کہا کرتی تھیں کہ مجھے دنیا کی کچھ حاجت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ بہت کمزور تھیں۔ طبقات الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپس بوس کی عمر میں پہنچ کر بڑی مشک جیسی ہو گئی تھیں اور چلنے میں گر پڑتی تھیں۔⁸ راہبہ مدینہ حضرت خواجہ حسن بصری کی شاگرد تھیں جب تک وہ حسن بصری کی مجلس میں نہ جاتیں آپ وحلہ ۵۵ قریبانے الفاظ یہ ہیں "اگر راہبہ در مجلس حسن بصری بیویوں سے شگفتی"۔⁹ لیکن مارشل لیکٹر کے مطابق "جب

1۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" ص 257

2۔ -- ایضاً -- ص 280

3۔ بحوالہ "حیات صوفیہ" ص 130

4۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد اول، ص 281

5۔ حیات صوفیہ (طبقات الامم) ص 130

6۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" ص 236

7۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص 138

8۔ -- ایضاً -- ص 138

9۔ بحوالہ "تذکرۃ الاولیاء" (تاریخ) ص 38 از امجد الدین مظاہر۔ مطبوعہ دیوبند اپریل 1891ء (حسب

قادی کی ذاتی تالیفوں سے استفادہ کیا گیا۔)

حسن بصری فوت ہوئے تو رابعہ بصری کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ " 1۔

حضرت داؤد طائی کا شمار طبقہ اول کے سوطیاء میں ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور حضرت

فضیل بن عیاض اور ابراہیم ادرہم کے مفسر تھے۔ کشف المحجوب اور ضیاء اللامع کے مطابق آپ ابوسعلم

حبیب بن سلم الراسی کے مرید تھے اور انھیں سے انکساب کیا تھا۔ 2۔ آپ زہد و ورع میں کھیرالشان تھے،

دعش کا یہ عالم تھا کہ ان کے مرض الموت میں جو لوگ ان کے کفر کئے انھیں دے اس میں ان چھٹے کے

سوا کچھ بھی نہ پایا، چھوٹا سا مٹکا جس میں سوکھی روٹیاں تھیں۔ ایک بدھٹا اور ایک بڑی سی کچی

ایٹ جس سے وہ نمک کا کام لیتے تھے اور پس یہ اپنے ہاتھ سے کھا کرتے تھے کہ دیکھو خیردار تم میں سے

کون شخص اپنے کفر میں اس سے زیادہ اسباب نہ رکھے جس قدر کہ دیر جانے والے سوار رکھتے ہیں۔ 3۔ آپ

نے آئندہ صبح الاول 165ھ میں وفات پائی۔ 4۔

ان لوگوں نے اپنے طرز فکر کو اجتماعی شکل دینے کی کوشش نہیں کی بلکہ انفرادی سطح پر عبادت

و ریاضت میں مشغول رہے کیونکہ وہ اپنے ماحول سے دل برداشتہ تھے اس لیے دنیا کے جھگڑے کو چھوڑ کر

عبادت میں مگنی ڈھونڈنے لگے۔ اس دور کے سوطیاء کی تصنیفات بہت سی کتاب ہیں البتہ عبداللہ بن مبارک

(متوفی 181ھ/797ء) نے "کتاب الزہد" کے نام سے رسالہ تصنیف کیا جس میں وہ احادیث جمع کیں جن

میں زہد کی تلقین کی گئی تھی اس طرح حضرت سلیمان نخعی (متوفی 161ھ/777ء) کے مابعد یہ کتابیں

مضبوط کی جاتی ہیں (1) الجامع الکبیر فی الفقه والاعتقادات (2) الجامع الصغیر (3) کتاب الدقائق

(4) کتاب التظہیر۔ 5۔ آپ 97ھ میں پیدا ہوئے، لوگوں نے ان کا نام حدیث کے "امیرالصحیح" رکھا

تھا۔ 155ھ میں کوفہ سے پھر آئے پھر باقی زہد کی یہیں بسر کی آپ بہت بڑے عالم اور زاہد تھے۔

سوطیاء کا دوسرا گروہ اس وقت سامنے آیا جب یونانی فلسفے اور عقلی علوم کی بدولت اسلامی حاشیے

میں بھی غور افروز کی شمع روشن ہوئی۔ فقہ حنفی کے بعد یونانی علوم سے اسلامی کا تعارف ہوا بخواسہ

1- "What is Sufism" P-106.

2- بحوالہ "جمعہ بغداد" از ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر متروم محد کاظم، ص 61

3- "طبقات الاولیاء" ص 158

4- "مراۃ الاسرار" جلد اول، ص 271

5- کہا جاتا ہے کہ انھوں نے حق وقت وصحت کر کے اپنی کتابیں جلا دیں تھیں لیکن "کتاب التظہیر" کا

ایک معلم تدریس صفحہ رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ (بحوالہ "شائعہ جنت" ص 74-75)

6- بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص 105

اور خلافت عباسیہ کے عہد میں مختلف علوم و فنون کے تراجم عیسوی میں کئے گئے فلسفے کی طرف خاص طور پر دھیان دیا گیا۔ عباسی رشید کے زمانے میں بیت الحکمت قائم کیا گیا جس نے لٹری مختلف سالک سے عقلی علوم کی کتابیں حاصل کی گئیں۔ مامون رشید کے زمانے میں مناظرات کا اہتمام کیا گیا۔ فلسفے کا زور پیدا ہوا لوگوں کے اعتقادات میں تشکیک کا پہلو شامل ہوا۔ عقلیت کی وجہ سے ذات و صفات، دفع و جہت، خلق قرآن، حیزات، حراج و فیرہ کے بارے میں مباحث کھڑی ہوئیں۔ حتیٰ کہ قرآنی آیات کی عقلی توجیہات کی جائزہ لگیں اسے دور میں صوفیاء کی کا وہ گروہ پیدا ہوا جس نے عقل سے ہزاری کا اظہار کیا اور عقل کے مقابلے میں عشق اور جذب پر زور دیا۔ ان صوفیاء نے عقل اور فلسفے کے پیدا کردہ ذہنی اشار اور تشکیک کو قلبی کیفیت اور جذب درہی کے ذریعے کم کرنے کی کوشش کی عشق الہی کو قلبیت حاصل ہوئی۔ اس دور کے صوفیاء میں حضرت ابو سعید احمد بن عیسیٰ الخزاز، حضرت بایزید بسطامی، حضرت جعفر بغدادی، مصری حلاج ابو عبد اللہ حارث بن الصغاسی، حضرت زوالفی صری، حضرت عیون کرینی، القطار اور حضرت سہی سقانی قابل ذکر ہیں۔

حضرت ابو مفلوط مشرق کرینی (متوفی 201ھ - 200ھ) کرینی کے سلسلے کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔¹ آپ زہد و اعتقاد اور پرہیزگاری میں بے مثال تھے۔ انہی نے استفراخ پر زور دیا۔² حضرت داؤد طائی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ امام طہی موسیٰ رضا کے حاتم پر سلطان ہوئے تھے۔³ ان کا مزار بغداد میں واقع ہے اور مرجع خاص و عام ہے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے اور ان کا واسطہ دے کر ہزاران رحمت کی دعا کی جاتی ہے۔⁴ آپ نے خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں 200ھ میں وفات پائی۔⁵

حضرت بایزید بسطامی 161ھ/777ھ میں پیدا ہوئے۔ مذہباً "آتش پرست" تھے۔ لیکن مشرق بہ اسلام ہوئے۔ شیخ فرید الدین عطار ان کا شمار اکابر مشائخ میں کرتے ہیں حضرت جعفر بغدادی کا قول ہے کہ "خواجہ بایزید عمارے دجوان اس طرح میں جسے ملائکہ کے دجوان حضرت جبریل "پھر فرمایا" تمام سالکین راہ خدا کے مقامات کی جواہر ہے وہ خواجہ بایزید کی ائمہ ہے۔"⁷ فرید الدین عطار بایزید

1- بحوالہ "مراۃ السار" جلد اول، ص 65

2- بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت" از علامہ خلیق احمد عظامی، ص 86۔ 3- بحوالہ "حیات صوفیہ" ص 125

4- بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص 130۔ 5- بحوالہ "مراۃ السار" جلد اول، ص 285

6- بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" ص 14۔ 7- ایضاً ص 300

ہستانی کے متعلق لکھتے ہیں " آتش محبت میں قلوب تھے اور تن کو ہمیشہ مجاہدہ اور دل کو مشاہدہ میں مشغول رکھتے تھے۔¹ آپ خلیفہ متوکل کے عہد میں 234ھ میں فوت ہوئے۔²

ایمگر بن حنبلہ شہلی کے آباؤ اجداد خراسان کے رہنے والے تھے مگر وہ بغداد میں پیدا ہوئے اور سن بلوغ تک وہیں مقیم رہے۔³ وہ بغداد میں خلیفہ کے مہتمم امیر خاکی تھے لیکن بعد ازاں شہر کے مکان پر ایک اجتماع کے دوران میں آپ نے صورت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ سرکاری طازت سے دستبردار ہو کر حضرت حماد کے حلقہ اطاعت میں داخل ہو گئے۔⁴ امام مالک کے پیروکار اور حضرت حماد بغدادی کے شاگرد تھے انھوں نے بہت سی حدیثیں بھی جمع کیں۔ عبادت اور ریاضت بہت کرتے تھے۔ سن 387 (سال کی عمر پائی) 334ھ میں فوت ہوئے اور بغداد میں مقبرہ خضران میں دفن ہوئے۔⁵

ابو عبد اللہ حارث بن ایدالمحاسنی 165ھ کے لگ بھگ پھرہ میں پیدا ہوئے۔ وہ عرب تھے لیکن بعد میں بغداد آئے اور یہیں قیام کیا۔⁶ "طبقات الاولیاء" کے مطابق یہ بزرگان صوفیہ میں سے علوم ظاہری و علوم خفیات کے عالم تھے۔ ان کی تصنیفات مشہور ہیں۔⁷ پروفیسر ریاض سلمہ چشتی کے مطابق ان کی تصانیف میں سے صرف ستہ کتابیں کے قلمی نسخے دہلی میں موجود ہیں۔ ان میں سے چار قلمی نسخے اب تک زمر طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں (1) کتاب الرجاء فی الصوت (2) صی اباب الی اللہ (3) ہارۃ از کتاب الصبر والرفا (4) کتاب التوہم۔⁸ سری سقلی اور حماد بغدادی کے دوست تھے۔ 243ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

حضرت سری سقلی کی پیدائش 155ھ میں ہوئی اور انھوں نے سات آٹھ عباسی خلفاء کا زمانہ

پایا۔⁹ سقلمی کا سلسلہ آپ سے منسوب ہے۔¹⁰ آپ حضرت حماد کے نامی اور شیخ تھے۔ آپ نے حضرت

- 1- بحوالہ " تذکرۃ الاولیاء " (اردو ترجمہ) ص 125 ، مطبوعہ لاہور
- 2- بحوالہ " مرآۃ الاسرار " جلد اول ص 300 -3- بحوالہ " تذکرۃ الاولیاء " ص 310
- 4- بحوالہ " حماد بغدادی " ص 110 -5- بحوالہ " طبقات الاولیاء " ص 209
- 6- بحوالہ " حماد بغدادی " (مترجم محمد کاظم) ص 91 -7- بحوالہ " طبقات الاولیاء " ص 155
- 8- بحوالہ " تاریخ صوت " ص 147 -9- بحوالہ " حماد بغدادی " ص 48
- 10- بحوالہ " مرآۃ الاسرار " ص 66

حضرت کوئی کی صحبت میں وقت گزارا۔ آپ پہلے صوفی ہیں جنہی نے بغداد میں علم توحید پر گفتگو کی۔
 علامہ خلیف احمد نظامی کے مطابق اسی نے توحید کا وہ نظریہ پیش کیا جس نے بعد کو وحدت الوجود کی
 شکل اختیار کر لی ¹۔ فہرہ الدین قطار نے اسی "امام اہل صوت" "مکہ حلم و ثبات" اور "خزانۃ
 صوفیہ و شفت" کہہ کر پکارا ہے ²۔ اسی نے اشعار ہوس کی صر پائی۔ حضرت جنید کا قول ہے کہ
 " میں نے سقلی سے زیادہ عبادت گزار اور کوئی نہیں دیکھا۔ اپنی تمام اشعار ہوس کی صر میں سوائے
 مرض الموت کے امام کے، وہ گھبراہٹ جاتے ہی نہیں تھے کہ سوتا اور آرام کرتا کیا چیز تھی ہے۔" ³
 " حیات صوفیہ " کے مطابق آپ کی وفات ⁴ 253ھ میں، قنبری کے ⁵ 257ھ میں اور ابن عساکر کے ⁶
 خیال میں 251ھ میں ہوئی۔

شیخ ابوبکر محمد بن مسلم عبدالرحمان القطری (متوفی 260ھ) بغداد کے رہنے والے تھے۔ آپ
 اپنے تعلقاً اور درجہ شاہ زہدی کی بدولت مشہور تھے۔ آپ خلوت پسند، کم گو اور کالی خاردار تھے۔ سفیان
 ثوری کا مجموعہ احادیث ایک نہایت ہی ظہیل ماضیہ پر ہل کر کے اپنی گرد سر کا سامان کرتے تھے۔

حضرت ابوالفتح ذوالنبی صری کا اصل نام ثناء بن ابراہیم ⁸ تھا۔ ان کے والد لہجہ کے رہنے والے
 تھے لیکن ذوالنبی صری نے حیرہ میں وفات پائی۔ کشف المحجوب کے مطابق " آپ تحقیق و کراحت کی کشتی
 شرف ولایت کے غزاہ میں اور بزرگ تھے تنہا تاجیں میں شمار ہوتے ہیں۔" ⁹ آپ امام مالک ابن انس کے
 شاگرد اور اسرائیل کے مرید تھے جو اہل ضرب کے بہرو تھے آپ کا ملک طامسہ تھا۔ آپ بڑے صاحب ریاضت
 اور کراحت تھے ¹⁰۔ اسی نے اپنی مصنفیت میں حال و مقام پر بحث کی ¹¹۔ آپ کی وفات 245ھ میں ہوئی
 حضرت ابوسعید ابن عساکر الخزاز (متوفی 286ھ) ¹² تیسری صدی ہجری کے اہم صوفیاء میں شمار
 ہوتے ہیں۔ ان کا وطن بغداد تھا۔ ذوالنبی صری اور سری سقلی جیسے بزرگ صوفیاء کی صحبت/صوفی

1- بحوالہ " تاریخ مشائخ چشت " ص 86

2- بحوالہ " تذکرۃ الاولیاء (فارسی) " ص 176

3- حیات صوفیہ از مولانا عبدالرحمان جامی ص 146

4- تاریخ بغداد (خطیب) جلد 3 ص 102

5- تہذیب، جلد 3 ص 79

6- رسالہ قنبری، ص 10

7- " تاریخ بغداد " (خطیب) جلد 3 ص 256

8- طبقات الاولیاء از سید عبدالقادر، ص 146 (طبع اکادمی کراچی طبع اول فروری 1965ء)

9- " کشف المحجوب " (اردو ترجمہ) ص 162

10- مرآۃ الاسرار، جلد اول، ص 265

11- " تاریخ مشائخ چشت " خلیف احمد نظامی، ص 86

حضرت جلیل القدر کے شاگردوں میں سب سے زیادہ شہرت ابوالمظاہر الحنفی ابن مصور الحلاج کو

حاصل ہوئی جن کی شخصیت بڑی متنازعہ لی رہی ہے لیکن ان کی شخصیت کی دلکشی کا اندازہ امریات

سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر زبان کے ادب و شعر میں ان کا ذکر موجود ہے۔ حسن حلاج سید سلیمان ندوی

کے مطابق 244ھ (59-858ھ) میں بھٹا (فارس) نواح طبرستان میں پیدا ہوئے۔¹ سید سلیمان ندوی کے مطابق

"حسن بن مصور حلاج کی تاریخی شخصیت" کے مطابق حسن بن مصور حلاج ضلع ابڑائی تھا، اس کا

دادا پارس تھا، سب سے پہلے اس کا باپ اسلام لایا۔ فارس کے شہر بھٹا میں پیدا ہوا، واسطہ میں جو

بصرہ اور کوفہ کے درمیان واقع ہے۔ شیعہ پائی بغداد میں بھی اس کی آندورفت ثابت ہے۔² "مصور

حلاج کے خلاف یہ الزام تھا کہ وہ "اطالع" کا شعر لگاتے ہیں۔ علماء نے ان کے خلاف قتل کا فتویٰ دیا۔

قتل سے پہلے انہیں جیل میں رکھا گیا۔ آخر کار خلیفہ کے حکم سے انہیں 309ھ میں قتل کر دیا گیا۔ ان

کی تصنیف "کتاب الطوائف" خاص مشہور ہے اسے پندرہ سو مائیدی نے 1913ھ میں بصرہ سے شائع کیا۔

اسلامی تصوف کا تیسرا عہد وہ ہے جب سلفیوں کی مسلسل فتوحات نے بہت سے صالح کو ان کے

زیر شکن کر دیا دوسری اقوام کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے بہت کم ایسے سائل پیدا ہوئے جن کو حل کرنے

کے لئے اجتہاد فکر کی ضرورت تھی چنانچہ اس دور میں فقہ کی ترتیب و عدویں کا کام شروع ہوا۔ امام

ابوحنیفہ (796ھ - 809ھ) امام مالک (715ھ تا 795ھ) امام شافعی (766ھ تا 820ھ) اور امام احمد بن

حنبل (780ھ تا 855ھ) جیسے فقہاء نے اسلام فقہ ترتیب دے کر اس عہد کے دینی تقاضی کو پورا پورا کیا

لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرنے پایا تھا کہ اجتہاد کا راستہ بد کر دیا گیا۔ لوگوں نے گمراہی کا راستہ

اختیار کیا خلیفہ احمد نظامی بغداد کے بقول

"فہم سائل میں حیلہ بازی کا دروازہ کھول دیا گیا ہر شئی حکم

سے بچنے کے لئے حیلے اور ہر قہد شئی سے کھل بھاگنے کے لئے بہانے تراشے

جائے لئے، فقہ کی کتابوں میں ایک مستقل باب "باب الحیل" کا اضافہ

کیا گیا ان حیلہ بازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تزکیہ نفس اور اصلاح

باطن جو مذہب کا اصلی مقصد تھا بالکل بھلا دیا گیا اور مذہبی روح

1- بحوالہ "اقبال کے محبوب مولانا" ص 36

2- حسن بن مصور حلاج (شخصیت و افکار) ترتیب و تہذیب غوثیہ دہلی، ص 79۔ سلفی جیل پہلی کتب خانہ

ذہاقل مردہ ہو کر رہ گئی۔ " 1۔

نیز سید خلیفہ بن سید، (العمارات، 142) "مردہ البقرہ" (151) اور سرورہ الجحیم (152)۔

ان حالات میں صوفیاء کا وہ طبقہ سامنے آیا جس نے مذہب کی حقیقی روح کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور اخلاق کو سواڑے اور باطن کی اصلاح کرنے کی طرف توجہ دی ان صوفیاء میں شیخ ابوسعید ابن العریضی (متوفی 652ھ) شیخ ابو محمد الخلدی (متوفی 959ھ) شیخ ابوصبر السراج (متوفی 378ھ/888ھ) شیخ ابوطالب مکی (متوفی 386ھ/996ھ) شیخ ابوبکر (متوفی 1000ھ) اور ابو عبدالرحمان السبسی (متوفی 412ھ/1021ھ) خاص طور پر اہم ہیں۔

حضرت ابوسعید ابن العریضی پیدا تو مصر میں ہوئے لیکن بعد میں مکہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور یہیں 94 سال کی عمر میں 341ھ میں انتقال کیا۔² آپ ممتاز صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ محدث اور فقیہ بھی تھے۔ حضرت جنید بغدادی کے پیروکار اور طہارت کے تھے۔ کتاب جنید بغدادی میں لکھا ہے کہ وہ حضرت جنید پر سدا تھے اور ان کی روحانی قیادت کا اعتراف بہت احسان بھی کرتے جنہاں کے ساتھ کرتے تھے۔³ آپ کی مصنفیت "طبقات الصالح" قدیم صوفیائے سوانحی حالات اور افکار پر مبنی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب نایاب ہے لیکن اس کے اقتباسات دوسری کتابوں میں مل جاتے ہیں۔

شیخ ابو محمد الخلدی کا پورا نام ابو محمد جعفر ابن صبر ابن القاسم الخواسی الخلدی تھا۔ 252ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ حضرت جنیدی کی صحبت میں رہے اور انہیں کے مہدی میں شمار ہونے لگے۔⁴ انہی نے اپنی زندگی کا آغاز بطور ایک محدث کے کیا لیکن بعد میں تصوف کی طرف مائل ہو گئے۔ انہی نے احادیث کی جہاں میں اور اختلاف کرنے کا علم سیکھا تھا۔⁵ مقدم طرہ بھی کرتے بقول "آپ علم تصوف کے فنی میں بہت بڑے فاضل اور شائع کے کلام کے حافظ اور ان کے حقوق کی واپس کرنے والے تھے۔⁶ ان کی مصنفیت "حکایات الاولیاء" نایاب ہے لیکن اس کے اقتباسات دوسری کتابوں میں مل جاتے ہیں تاہم "تاریخ بغداد" کے مطابق

"دعا میں عجائبات میں ہیں شبلی کے اشارات، المتوسل کے کلمات اور جعفر

1۔ بحوالہ مشائخ چشت از ذاکر خلیفہ احمد نظامی، ص 88-89، دارالمطبعی، اسلام آباد

2۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص 233 حوالہ "جنید بغدادی" ص 21

3۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص 235 حوالہ "جنید بغدادی" ص 21

4۔ بحوالہ کشف المحجوب (اردو ترجمہ) ص 245

الغدی کی کتابات - 1

الغدی نے 348ھ میں وفات پائی۔

عبد اللہ بن علی بن محمد بن محمد ابو النصر سراج کا وطن طوس تھا۔ لقب "طاوس القراء" تھا۔
 2۔ پرویز یوسف سلم جشتی کے مطابق پہلی مرتبہ ان کا ذکر "فہم الدین طاری مصنف تذکرۃ الاولیاء میں کیا گیا۔ 3۔ پھر موطا جامی نے "طحات الناس" میں ان کا ذکر شامل کیا۔ 4۔ عبد القابند دہا باری نے موطا جامی کی "طحات الناس" کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابو النصر سراج نے صوت پھر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ 5۔ لیکن آج مجز "کتاب اللغ" کے اور کئی ہذاہر موجود ہیں بلکہ ان کے نام تک بھی معلوم نہیں البتہ ان کی یہ تصنیف پر حد قبول ہوئی۔ اسے پرویز آر۔ اے۔ نکلیں نے 1914ء میں مرہب کر کے شائع کیا۔ 6۔ یہ کتاب صوت کے مسائل اور تصورات پر مشتمل ہے اور صوت کے علم پر مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔

ابوطالب مکی مکتبہ میں پیدا ہوئے بعد میں ہمرہ گئے لیکن پھر بغداد منتقل ہوئے اور وہیں 386ھ میں وفات پائی۔ 7۔ آپ قرآن اور حدیث کے جتہ عالم تھے۔ ان کی تصنیف "فہم اللغ" میں عبارات کے باطنی پہلو پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں انصاف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صوت حقیقتاً قرآن و حدیث کی ہذاہر ہے۔ 8۔

شیخ ابوبکر ابن اسحاق محمد ابن ابراہیم ابن یعقوب البزار الکاتبانی بخارا کے ایک عظیم کاتبان میں ہذا ہوئے۔ ان کے سن وفات کے بارے میں اختلافات پایا جاتا ہے۔ یوسف سلم جشتی نے 385ھ لکھا ہے۔ 9۔ ڈاکٹر پیر محمد حسن نے اشیا آس Delhi Arabia " کے مخطوطہ 1846ء کے حوالے سے 380ھ اور 384ھ اور 383ھ دج کیا ہے۔ 10۔ دارالشکوہ نے بھی 383ھ (995ھ) لکھا ہے۔ 11۔

1۔ "تاریخ بغداد" (مخطوط) جلد 9، ص 19

2۔ "صوت اسلام" از عبدالعزیز دہلوی، ص 9، الطاعت لاہور، بار اول 1393ھ

3۔ مطالعہ نجف "تذکرۃ الاولیاء" (قاس) مطبوعہ مکتبہ امین، اہل 1891ء ص 391 تا 392

4۔ "تاریخ صوت" ص 325

5۔ "صوت اسلام" ص 10

6۔ "بحوالہ" تاریخ شائع جشت ص 92

7۔ "حیات صوفیہ" ص 236

8۔ "تاریخ صوت" ص 377

شیخ ابوبکر کی مصاحف میں کتاب التصوف کے علاوہ "بحر الخوارق فی طایف الاخبار" بھی شامل ہے جو 222 منتخب احادیث کی شرح پر مشتمل ہے۔ دراصل شیخ ابوبکر کی تمام تر شہرت کا دار و مدار ان کی مصنفیت "التعارف الطہر اہل تصوف" پر ہے۔ یہ کتاب تصوف کی حفاظت میں لکھی گئی ہے اس کا انگریزی ترجمہ پروفیسر ای جے آری نے "The Doctrine of the Sufism" کے نام سے کیا اور اس میں اسے بہر معتمد حسن نے ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب علم تصوف پر معروف اور مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح ابو عبد الرحمن السبکی کی مصنفیت "طبقات الصوفیہ" مشائخ کے حالات پر مبنی ہے۔ یہ کتاب ایک اہم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے بعد میں شیخ عبد اللہ اصراری اور مولانا جاس نے اس کتاب سے دھماقی حاصل کی۔

یہ دور دسویں صدی عیسوی تک کا زمانہ ہے جس میں تصوف کی روایت کو استحکام بھی حاصل ہوا اور اس کو ایک تحریک کی صورت بھی ملی۔ تصوف کی اصطلاحات وضع ہونے کے علاوہ کچھ کتابیں بھی تصوف شہود پر آئیں جن میں مختلف مشائخ کے سوانحی حالات اور ان کی تعلیمات کا ذکر بھی تھا اور تصوف کے موضوعات پر بھی مباحث شامل تھیں۔ اس دور میں صوفیاء کے مختلف سالک اور گروہ وجود میں آئے۔۔۔ مصور سلاج کے حوالے سے ادب و شعر میں تصوف کی آغوش شمع ہو گئی اگرچہ یہ سب کچھ ابھی بھی وضاحت کے ساتھ سامنے نہیں آیا تھا تاہم اس دور تک کچھ ابتدائی بہت رفت غریب حلق اور صوفیاء سالک سلامتی کی صوفی زندگی کا ایک حصہ بن گیا اس سے آگے آئے والے دور میں تصوف کو خاص شور و شا حاصل ہوا۔ یہ دور گیارھویں صدی عیسوی کا ہے۔

گیارھویں صدی کے مشہور صوفیاء میں شیخ ابو نعیم اصبہانی (متوفی 430ھ) شیخ ابوالقاسم قشیری (متوفی 465ھ/1072م) شیخ علی ہمدانی (متوفی 472ھ/1079م) شیخ عبد اللہ اصراری (متوفی 1088م) اور شیخ ابو سعید اسی النضر (متوفی 357ھ/967م) شامل ہیں ان بزرگوں نے مصوفیہ خیالات کی شرح میں بڑے جوش و کرم حصہ لیا بلکہ تصوف کو عوامی تحریک بنانے کی کوشش کی تاکہ لوگ پاکیزہ زندگی کی طرف مائل ہوں اس دور کی شاعری میں بھی باقاعدہ طور پر تصوف کی چاشنی شامل تھی۔

مصوفیہ اصطلاحات کی تشریح و توضیح بھی اسی دور میں کی گئی اور فلسفے کی فکری اور اصولی تدبیر و

ترتیب کا کام بھی اسی عہد میں شروع ہوا۔ اسی زمانے میں اس خیال کی ترویج بھی کی گئی کہ تصوف اور شریعت و سنت کوئی بھد نہیں ہے اس طرح وہ علماء جو تصوف کی طرف رجحان نہیں رکھتے تھے از خود اس کی طرف مائل ہو گئے۔

شیخ ابوسعید ابی الفخر 357ھ/967ء میں خراسان کے نواح میں پیدا ہوئے۔

"مرو میں ابو عبد اللہ حضری میں تحصیل فقہ کی اور شیخ ابوالفضل حسن سورہی، ابو القیاس احمد قصاب اور ابوالحسن خرقانی سے اکتساب فیض کیا اور حضرت ابو عبد الرحمن سلجی سے غرقۂ خلافت حاصل کیا۔۔۔" 1۔

صاحب طبعات کے مطابق آپ سلطان وقت، جمال اہل طریقت اور شرف الطوب تھے۔ تمام مشائخ عصر آپ کے سحر اور کرم تھے۔ 2۔ وہ پہلے صوفی شاعر ہیں جنہوں نے اپنے کلام بالخصوص رباعیات کے ذریعے صوفیانہ خیالات کی ترویج کی۔ لہذا ادب میں تصوف کی جانشین پیدا کرنے والے پہلے صوفی شیخ ابو سعید ابی الفخر ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں

"سب سے پہلے صوفیانہ خیالات حضرت سلطان ابو سعید ابوالنضر نے ادا کئے۔" 4۔

ان کے اشعار میں عشق حقیقی کی لذت بھر جاتی ہے۔ انہی نے 440ھ (1049ء) کو 83 سال کی عمر میں وفات پائی۔

شیخ ابوالقاسم قشیری 376ھ میں مشاہیر کے ایک موقع استوا میں پیدا ہوئے۔ 3۔ پہلے شیخ ابوبکر

محمد بن ابی بکر الطوسی (متوفی 403ھ) سے علم فقہ اور پھر امام ابوبکر ابن فوک (متوفی 406ھ) سے

- 1۔ بحوالہ "انہال کے مصبوب صوفیہ" ص 43
- 2۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد اول، ص 461
- 3۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا خیال ہے کہ "موجودہ زمانے میں رباعیات کا جو مجموعہ ان کے نام سے بازار میں فروخت ہو رہا ہے وہ بالکل جعلی ہے۔"
- (بحوالہ "تاریخ تصوف" ص 512)

- 4۔ "شعر العجم" جلد پنجم، طبع دوم، ص 12

- 5۔ "تاریخ تصوف" - از پروفیسر یوسف سلیم چشتی، ص 457

لیکن عبدالعاجد دہا بادی ان کا مؤید خراسان اور مدنی مشاہیر بتاتے ہیں۔

(بحوالہ "تصوف اسلام" ص 61، الطحطاوی لاہور، بار اول 1393ھ)

علم الأصول سیکھا اور دینی علوم میں درک حاصل کیا۔ بعد میں ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الاسفرائینی

(المتوفی 418ھ) کے مدرسے سے تحصیل کی۔ ان کے شیخ طریقت ابو علی الحسن بن علی الدقاق تھے۔ 437ھ

میں عشا پور میں حدیث کا درس شروع کیا۔¹

عبدالعاجد درہمادی نے شاہ عبدالعزیز دہلوی کے حوالے سے جو تصانیف درج کی ہیں ان کی تعداد

دس ہے۔ ان میں رسالہ القشیرۃ، معالطوب، لطائف الاشارات، کتاب الجواهر، کتاب المطجات، کتاب آداب

المولیۃ، کتاب صی اللجود، کتاب المحتسب، ایک عظیم الشان تفسیر القرآن اور کتاب احکام الساع شامل ہیں²

لیکن آپ کی سب سے اہم تصنیف جس پر ان کی تمام تر شہرت کا دار و مدار ہے۔ "رسالہ قشیرۃ" ہے جو

صوفیہ کے ذیل میں ایک نہایت مستند اور اہم ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے یہ رسالہ 437ھ میں لکھا گیا۔

اس تصنیف میں یہ مؤلف اختیار کیا گیا ہے کہ تصوف شریعت سے الگ نہیں ہے اس وجہ سے تصوف کی مقبولیت

اور ترقی میں اضافہ ہوا۔ شیخ ابوالقاسم قشیری ہی کی بدولت تصوف کی بہت سی اصطلاحات وضع ہوئیں

انھی نے قرآن حکیم کی شرح "لطائف الاشارات" کے نام سے کی۔ ان کی تاریخ وفات 16 ربیع الثانی

465ھ ہے۔³

عین علی بن عثمان جمہوری المعروف بہ داتا گنج بخش کا وطن غزنی (افغانستان) تھا جہاں

400ھ (1009ء) میں سلطان محمود غزنوی نے عبد حکومت میں پیدا کیے۔⁴ ان کا نسب نامہ نو واسطی

سے جناب علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔⁵ جمہور اور جناب میں ان کا قیام رہا۔ پھر مدوستان آ کر

لاہور میں مستقل حکومت اختیار کر لی۔ لاہور میں ان کا وفات 431ھ میں ہوئی۔⁶ حضرت جمہوری نے نو

کتابیں تصنیف کیں جن کے نام یہ ہیں (1) کشت المحبوب (2) کشت السوار (3) منہاج الدین

1- بحوالہ تاریخ صوفیہ از بیعت سلیم چشتی، ص 458

2- بحوالہ صوفیہ اسلام، ص 62

3- ضحاک الامین (حیات صوفیہ) میں تاریخ وفات 405ھ درج ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے "حیات صوفیہ ص 447)

لیکن "تاریخ صوفیہ" از پرویز بیعت سلیم چشتی (ص 457) اور "صوفیہ اسلام" از عبدالعاجد دہا

یادی (ص 61) میں 465ھ دی گئی ہے اور یہی تاریخ درست ہے۔

4- "داتا گنج بخش" از بشیر احمد مدنی، مطبوعہ البیان، لاہور، بار اول 1969ء، ص 41

5- بحوالہ "بیان الطوبی" (اردو ترجمہ کشت المحبوب) از علوی فیروز الدین، مطبوعہ فیروز ستر،

19ویں بار، 1976ء، ص 5

6- بحوالہ "داتا گنج بخش" از بشیر احمد مدنی، ص 67

(4) دیوان علی ہجویری (5) الروایۃ المحققۃ اللہ (6) کتاب الفہام البقا (7) اسرار الحق والموت
(8) بحرالعلوم (9) کتاب البیان لاهل البیان --- لیکن اس وقت سوانح " کشف المحجوب " کے کوئی
کتاب دستیاب نہیں ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی تھی اس کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ ہو
چکا ہے۔ شیخ محمد اکرام کے بقول

" فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے اس کی تاریخ اہمیت
بھی بہت زیادہ ہے۔ " 1۔

فارسی حاشیہ کے بقول

" سعد علی ہجویری کی اہمیت پنجاب میں تہذیبی صوفیہ روایت کی داغ
بہل ڈالنے والے کی حیثیت سے ہے۔ " 2۔

حضرت ہجویری کے سال وفات کے بارے میں بڑا اختلاف ہے۔ عام طور پر 485ھ بتایا جاتا ہے لیکن آغا
عبدالعلی حبیب اور خالد محمود نے یہ تحقیق ان کا سال وفات 481ھ (1088-89م) ثابت کیا ہے۔ 3

شیخ عبداللہ اصاری 396ھ میں پیدا ہوئے ان کا لقب شیخ الاسلام ہے۔ 6۔ شیخ عبداللہ اصاری

اپنے زمانے کے مشہور محدث اور صوفی تھے۔ ان کی تصنیف شدہ کتب میں منازل السائین، طبقات الصوفیہ، کتاب
جامع الکلام اور طبقات مشہور ہیں۔ منازل السائین عہدی زبان میں صاف تصوف پر اہم کتاب ہے، جس کی
بے شمار شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ 7۔ کتاب " طبقات الصوفیہ " عبدالرحمان ملسی کی کتاب ہے مفسر
ہے۔ کتاب جامع الکلام میں دینی مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ " طبقات " جیسا کہ نام سے ظاہر ہے
ہر ہر تاثیر طبقات پر مشتمل ہے۔ آپ نے 481ھ/1088م میں وفات پائی۔

- 1۔ بحوالہ " آب کوثر " مطبوعہ ادارہ ثقافت لاہور، ساتویں بار 1975ء، ص 78
- 2۔ بحوالہ " پنجاب کے صوفی دانشور " مطبوعہ شیخ نظام علی ایڈ سز لاہور، طبع اول 1979ء، ص 41
- 3۔ بحوالہ " تصوف اسلام " ص 39، اقبال کے مصوب صوفیا " ص 66، " آب کوثر " ص 77
- 4۔ طاحنہ لسانی اویٹل کالج حکن، جلد 36
- 5۔ تفصیل کے لئے طاحنہ لسانی " رانا گنج بخش اور ان کا عہد " از خالد محمود، مطبوعہ مقبول اکیڈمی
لاہور، طبع اول 1975ء، ص 30 --- ص 34
- 6۔ بحوالہ " شائع چشت " ص 100
- 7۔ بحوالہ " حیات صوفیہ " (تفسیر طبقات الامس) ص 457

شیخ ابو نعیم املہانی 336ھ میں پیدا ہوئے اور 420ھ میں اصفہان میں وفات پائی۔¹

علم حدیث کے ماهر تھے ان کی کتاب "حلیۃ الاولیاء" دس جلدی پر مشتمل ہے جس میں ہزاروں صوفیاء کے حالات و واقعات قلم بند کئے گئے ہیں، یہد کے زمرے میں حضرت امام ابن جوزی نے اس کا علامہ ہانچ جلدی میں مرتب کیا۔²

بارہویں صدی عیسوی میں عالم اسلام کے سیاسی حالات زہی حالی کا شکار رہے۔ اخلاقی زوال عیسوی رنگ اختیار کر چکا تھا۔ خلافت بغداد بھی بحران کا شکار تھی۔ مسلمان ملاطین کے کردار قابل اصلاح تھے اسے زوال آمادہ دور میں صوفیاء میدان عمل میں آئے اور انہی نے اصلاح احوال کی کوشش کی اسی وجہ سے بارہویں صدی عیسوی سے صورت کا وہ دور شروع ہوا جب صورت کا فلسفہ باقاعدہ طور پر ترویج دیا گیا اور اسے ایک مستقل مکتب فکر کی حیثیت حاصل ہوئی، صورت کی مروجہ اصطلاحات کے علاوہ بھی نئی اصطلاحات وجود میں آئیں۔ صوفیاء تعلیم کو مذہبی حکمت، وجدان اور نفسیات کے ساتھ مربوط کیا گیا۔ اس دور کے اہم صوفیاء میں امام غزالی، شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی، شیخ نجیب الدین، عبدالقادر سہروردی، شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ شہاب الدین سہروردی قابل ذکر ہیں۔ ان صوفیاء کے علاوہ اس صدی میں کچھ ایسے صوفی شعراء بھی پیدا ہوئے جنہوں نے شاعری میں صورت کے مسائل کو موضوع بنایا۔ ان صوفی شعراء میں حکیم سنائی، خواجہ نیر الدین غطار، ظاہی گنجوی زیادہ مشہور ہیں۔³

حضرت ابو حامد محکمیں احد غزالی 450ھ (1058-1088ء) طوس میں پیدا ہوئے۔⁴ امام غزالی (المتوفی 1111ء) نے بڑی زہد کی صوفیاء رنگ میں غزالی ان کی عظمت کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے طامہ شبلی لکھتے ہیں کہ

"حضرات صوفیاء اور فلسفہ اسلام کے سرکاری مؤلفا روز، شیخ الاشراف ابن رشد اور شاہ ولی اللہ صاحب ہیں۔ ان بزرگی کی صفات در حقیقت و دراصل امام غزالی کے خیالات کا آئینہ ہیں۔"⁵

1- بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص 137

2- بحوالہ "مشائخ چشت" ص 97

3- بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" ص 75

4- بحوالہ "مشائخ چشت" ص 102 --- لیکن تاریخچہ نے اپنی کتاب "Influence of Islam on Indian Culture"

on Indian Culture " صفحہ 59 میں سال وفات 1112ء درج کیا ہے۔

5- بحوالہ "الغزالی" جامعہ باہمی پریس کا بیروت ص 260

مارش لکٹر کے مطابق یہ امام غزالی تھے جنہوں نے سب سے بڑھ کر صوف کی عیسوی پہچان کے لئے راستہ
 ہموار کیا۔¹ امام غزالی نے صوف کا کٹھن مطالعہ کیا اور اپنے تجربات اور خیالات کا مجموعہ "احیاء العلوم
 الدینیہ" میں پیش کیا اس کتاب میں اسی نے سلاطین کو مدت تنقید بتایا اور پھر ان کو ان کے مذہبی
 اور دینی فرائض سے آگاہ کرنے کی خاطر "صحیح الطولک" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ امام صاحب چونکہ
 خود فلسفے میں درک رکھتے تھے اس لئے اپنی تصنیفات میں اسی نے جو اسلوب اختیار کیا وہ مدلل بھی
 اور فکر انگیز بھی۔ حضرت امام غزالی نے 1111-12/505ھ میں طوس میں وفات پائی۔

حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کی ولادت باغتلاط روایت 470ھ یا 471ھ میں ہوئی۔
 مولد نواح طبرستان میں قصبہ جیلان ہے۔² آپ نے مطلق حیثیت سے صوف کی تحریک کو آگے بڑھایا، مارش
 لکٹر کے بقول یہ کہتا ہے جا نہ عو کا کہ حضرت علی کی وفات کے بعد کس بھی شخص نے اتنے دیر
 روحانی اثرات نہیں چھوڑے تھے جتنے حضرت عبدالقادر جیلانی نے۔³ آپ کو سلطان المصلح کے نام سے
 پکارا جاتا تھا۔⁴ آپ نے وعظ و صحبت اور اخلاقی تعلیم کے ذریعے لوگوں میں صوف کو مقبول بنایا۔ ان
 کے وعظ پر مشتمل دو کتابیں الفتح الہامی اور فتح القیوب ملتی ہیں یہ دونوں کتابیں مصر میں شائع ہوئیں⁵
 ان کے علاوہ ان کی دو اور معروف کتابیں فیض الطالبین اور الفیوض الیاضہ ہیں، اول الذکر کتاب میں اسلام
 کے کم و بیش تینتر (73) فرقوں کا ذکر کیا ہے اور انہیں کے حوالے سے بارہویں صدی کے اسلامی ماحول کو
 سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ آپ کی وفات 561ھ (1166ء) میں ہوئی۔

اس صدی کے ایک اور مشہور مصلی بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین ابو نجیب عبدالقادر السیرینی
 (المتوفی 733ھ) امام غزالی اور شیخ عبدالقادر جیلانی کے فیض یافتہ تھے۔ ان کا نسب حضرت ابوبکر صدیق

1. "What is Sufism" P-111.

2- "بحوالہ "صوف اسلام" از عبدالقادر دہا بادی، ص 78

3. "What is Sufism" P-111.

4. Ibid, P-112.

5- یہ کتاب فارسی زبان میں طبع ہوگئی ہے 1305ھ میں شائع کی، اس کے ساتھ فارسی شیخ ہے جو
 عبدالحق محدث دہلوی نے لکھی ہے اور یہ کتاب جناب حبیب اللہ کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوئی۔

6- بحوالہ "شائع جنت" ص 109

تک پہنچتا ہے۔¹ آپ نے علی طور پر صورت کی ترویج کی اور لوگوں کے اخلاص و کردار کو سنوارنے میں بڑا حصہ لیا۔ مشائخ چشت کے مطابق "دجلہ کے غریب کفار پر آپ کی غلطیاں تھیں اس سے متصل ایک طرف سے بھی بنوا دیا تھا۔ ایک طرف علوم ظاہری کا نظام تھا دوسری طرف تصفیہٴ قلوب و تزکیہٴ علوم کا کام جاری تھا۔" ²

حیات مویہ (تفہیم طہات الائمہ) میں لکھا ہے کہ آپ کی تصنیفات اور تالیفات بے شمار تھیں لیکن صرف ایک کتاب کا نام درج ہے اور وہ ہے "آداب المہدی" ³۔

برخیز پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کے موصی اور بانی حضرت خواجہ حسین الدین اجمری سمجھے جاتے ہیں۔⁴ آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اختلافات ہیں لیکن ڈاکٹر ظہیر الحسن شارب نے براۓ الاسرار کے قلمی نسخے رام پور لائبریری (پرنس موزیم) کے حوالے سے 530ھ درج کی ہے۔⁵ آپ نے منطق مالک کی سیاحت کی۔ جس میں بغداد، حرمین شریف، شام، کربلا، بخارا، بدخشاں، دمشق، اصفہان وغیرہ شامل ہیں۔ 586ھ (1190ء) میں اجمر پہنچے، اس وقت راجہ پریموی راج اجمر کا لیواں رہا تھا۔⁶ حضرت حسین الدین کی بدولت ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ وسیع پیمانے پر پھیلا۔⁷ آپ دو شخصہ 6 وجہ 632ھ (1234-35ء) کو اجمر میں فوت ہوئے۔⁸

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی 533ھ (1144ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت ابوکر صدیق کی اولاد سے تھے اور صورت میں ان کی نسبت اپنے چچا ابوالعجب سہروردی سے تھی۔⁹ آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں سے سب سے اہم "نوار الطارق" ہے۔¹⁰ جو صورت کی نہایت اہم کتابی میں شمار ہوتی ہے۔ سہروردیہ سلسلے کے علاوہ دوسرے سلسلے سے وابستہ لوگوں نے بھی اس کتاب کے اثرات قبول کئے۔ اس

1- بحوالہ "طبقات الاولیاء" ترویج الطبقات الکبریٰ، ص 273-274 2- بحوالہ "مشائخ چشت" ص 110

3- مطالعہ لوائیہ "حیات مویہ" ص 365 4- بحوالہ "اقبال کے مصوب صوفیا" ص 119

5- بحوالہ "حسین الہد" طبوۃ تاج پبلشرز دہلی، تیسری بار 1981ء، ص 17

6- - - - - ایضاً - - - - - ص 57

7- بحوالہ "What is Sufism" by Martin Lings, P-112.

8- بحوالہ "اقبال کے مصوب صوفیاء" ص 132 --- مارش لنگز نے سن 1236ء درج کیا ہے۔

(مطالعہ ہو "What is Sufism" P-112.)

9- بحوالہ "حیات مویہ" ص 626

کتاب میں قرآن و سنت کے حوالے سے تصوف کے تصورات اور خیالات بیان کئے ہیں۔ آپ کی وفات بروز چہار شنبہ یکم ماہ محرم 632ھ خلیفہ مستصر کے عہد میں ہوئی۔¹

حضرت شیخ محمد الدین ابن عربی (1165ء - 1240ء وفات) بارہویں صدی کی عظیم شخصیت ہیں۔ ماویٰ لکڑ نے انہیں امام غزالی، عبدالقادر جیلانی، عیس الدین چشتی اور جلال الدین رومی جیسے عظیم صوفیا کی صف میں شمار کیا۔² ان کی تصنیفات پانچ سو کے قریب ہیں، لیکن ان سب میں سے "فصوص الحکم" اور فتوحات مکیہ "کو لازوال شہرت حاصل ہوئی۔ ابن عربی کے تصورات میں سب سے زیادہ اہمیت وحدت الوجود کے نظریے کو حاصل ہوئی ابن عربی نے اس مسئلے پر جتنی تفصیل سے لکھا ہے۔ اتنا شاید ہی کسی نے آج تک لکھا ہو گا۔ مراۃ الاسرار کے ~~مجموعہ~~ تراجم و تفسیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ "شیخ اکبر وحدت الوجود کے قائلین کے سردار ہیں۔"⁴ وحدت الوجود کی تفہیم کے سلسلے میں آج بھی "فصوص الحکم" سب سے بڑا ماخذ ہے، اس نظریے نے نہ صرف لوگوں کے اخلاق اور زندگی کے بارے میں ان کے نقطے کو متاثر کیا بلکہ ادب و شعر کے موضوعات میں بھی مستقل جگہ پائی۔ "فصوص الحکم" کے بارے میں ستار طاہر لکھتے ہیں

"حقیقت یہ ہے کہ شیخ اکبر محمد الدین ابن عربی کی تصنیف فصوص الحکم نے بعد جو فلسفی، دانشور، شاعر اور ادیب اس دماغ میں سامنے آیا خواہ وہ کسی رنگ، ملت، ملک اور قوم سے تعلق رکھتا تھا وہ شیخ اکبر محمد الدین ابن عربی کے نظریہ اور فلسفہ وحدت الوجود سے شعری یا غیر شعری طور پر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔"⁵

بارہویں صدی کے ان صوفیا کے علاوہ حکیم سنائی، خواجہ محمد الدین غطار اور نظامی گنجوی جیسے صوفی شعرا بھی قابل ذکر ہیں جنہوں نے اپنے کلام کے ذریعے تصوف کے حقائق و مسائل کو شعری رنگ و آمیزگی میں پیش کیا۔ محمد الدین بن آدم حکیم سنائی فرزند (متوفی 545/51-1150ء) بارہویں صدی عجمی کے صوفی میں پیدا ہوئے۔⁶ شیخ میں دیہار سے وابستہ رہے۔ حکمرانی، اسرار اور فناء کے

1- بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد دوم، ص 65 -2- ملاحظہ فرمائیے "What is Sufism" P-112.
3- بحوالہ "عیات صوفیہ" ص 683 -4- بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد دوم، ص 66
5- بحوالہ "امریز" ہفت روزہ ادبی ایڈیشن، 21 جنوری 1983ء، ص 7
6- بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" ص 91

قصیدے لکھتے رہے لیکن ایک مذبذب کی بات کا ایسا اثر لیا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشین ہو گئے۔¹ ان کے نام سے چھ مثنویاں منسوب ہیں، جن میں سے عشق نامہ، عقل نامہ، کفر الہوی اور فیہب نامہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ "حدیثہ" اور "سیرالمنار" دو صوفیانہ تصانیف بھی شامل ہیں، ان دونوں کتابوں میں تصوف کی مبادیات اور مقامات سلوک کی بید تشبیح و تصویر ملتی ہے۔ سعد بن ابیہر ابراہیم خواجہ نیر الدین طائر مضافات مشاہیر میں 513ھ کو پیدا ہوئے۔² ان کی شاعری صوفیانہ شاعری کی زہد میں آتی ہے اسی نے جملہ اصناف میں سے تصوف کے ضامن بنا دیے، وحدت الوجود کا نظریہ بالخصوص ان کے کلام کا موضوع بنا ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد بڑے شمار ہے، بعض روایتوں کے مطابق ان کی تعداد قرآنی سورتوں کے ہم عدد یعنی 114 ہے۔³ ان میں اسرار نامہ، الہی نامہ، پھ نامہ، وحیت نامہ، خسرو گد، شیخ القلب، دیوان صیبت نامہ قابل ذکر ہیں۔ لیکن ان کی شہرت کا دارو مدار تذکرۃ الاولیاء اور مطلق الطیر پر ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے "تذکرۃ الاولیاء" صوفیا کے حالات پر مشتمل ہے اور اس سلسلے میں بڑا اہم ماخذ ہے "مطلق الطیر" مثنوی ہے، اخلاق و عورت کا مظہر غزاد ہے۔ طالع شبلی نے ان کے اشعار کی تعداد لاکھ سے زیادہ بتائی ہے۔⁴ آپ نے تاناہوں کے ماضی شہادت پائی، سال وفات 527ھ ہے۔ آپ کی عمر ایک سو چودہ سال بتائی جاتی ہے۔⁵ شیخ نظامی گنجوی کی ساری زندگی گوشہ نشین، قنات اور تنگل میں گزری۔ اسی نے دیوار داری سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ ان کی مثنوی "ہنجگاہ" بہت مشہور ہے۔ اس میں اسی نے انسان کی صورت میں حقائق و حارت کی دنیا بھائی ہیں۔ مولانا جامی کے مطابق یہ مثنوی سلاطین کی اسعدا پر لکھی تھی تاکہ اس نظم کی وجہ سے ان کا نام بھی زندہ رہے۔⁶ اس کے علاوہ "اسکدر نامہ" تصنیف کیا۔ یہ ان کی آخری کتاب ہے۔

تیرھویں صدی کا زیادہ سلطانی کی سیاس، سماجی اور اخلاقی زوال کی داستان کو دھراتا ہے تاتاری حملے نے اس صدی میں عالم اسلام کو جو ہلاں پہنچایا تاریخ کے صفحے اس کے گواہ ہیں بغداد، مروج اسلامی تہذیب و تمدن کا عظیم الشان مرکز تھا۔ ہریت خاک تباہی سے دوچار ہوا۔ لائبریریاں ذر آتش کو

2- بحوالہ "تذکرۃ الاولیاء" (اردو) ص 2

4- بحوالہ "شعرالعجم" حصہ پنجم، ص 125

6- بحوالہ "حیات صوفیہ" (ترجمہ ضحاک اللمی)

1- بحوالہ "مشائخ چشت" ص 123

3- بحوالہ "صوت اسلام" ص 125

5- بحوالہ "مرآۃ الاسرار" ص 113

خود سے اہل دل بن گئے۔ آپ کی تاریخ وفات 5 جمادی الآخر 672ھ بتائی جاتی ہے¹۔ مولانا رحمہ کی تصنیفات میں فیہ مافیہ (ملفوظات کا مجموعہ) دیوان شمس تبریز (مجموعہ غزلیات) اور مثنوی مولانا رحمہ قابل ذکر ہیں۔ مولانا رحمہ کی زیادہ تر شہرت اس مثنوی کی مرہی منت ہے۔ یہ مثنوی جس کو پہلی زبان کا قرآن کہا جاتا ہے، تصوف کے عارفانہ مضامین پر ایک عظیم مظلوم ادب پارہ ہے۔ امیرالاحق قدوسی کے الفاظ میں

"مثنوی مولانا رحمہ کعبۂ عارف ہے۔" ²

حضرت شیخ فخرالدین ابراہیم عراقی حیدر آباد کے ایک قصبے کونجاں میں پیدا ہوئے۔ مراۃ الاسرار کے مطابق "کعبۂ شوق و اشتیاق، در طہر عشق بگاہ آفاق مست تومید بہ شراب و ساقی، فرید وصال شیخ فخرالدین ابراہیم عراقی قدس سرہ کا شمار ہے پاکان روزگار میں ہوتا ہے۔" ³

علوم کی تحصیل حیدر آباد کے مدرسے سے کی اور پھر اس مدرسے میں تدیس بھی کی، حافظ قرآن تھے اور قرآن اس انداز میں پڑھتے تھے کہ حیدر آباد والے ان کی آواز پر عاشق اور دیوانہ تھے⁴۔ تفسیر اور درستی کی ایک جماعت کے ساتھ ہرگزیر پاک و حق میں آئے۔ طائف میں پہنچے تو حضرت بہاء الدین زکریا طائفی سے ملاقات ہوئی اور ان سے وہ لگاؤ پیدا ہوا کہ جیسے کئی دو کر رہ گئے، حضرت بہاء الدین زکریا نے اپنی صاحبزادی کی شادی ان سے کر دی اور وہ جیسے جیسے انھیں کئے پاس رہے۔ یہاں تک کہ حضرت شیخ نے اپنی وفات کے وقت عراقی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر فرما دیا لیکن زکریا طائفی کے مہدی سے ان کی دھندہ نہ سکی اس لئے وہیں چلے گئے⁵۔ پھر وہاں سے دمشق چلے گئے۔ عراقی نے دمشق ہی میں 688ھ (1289ء) میں وفات پائی ان کا مزار بھی وہیں واقع ہے۔ عراقی بلند پایہ شاعر تھے، ان کے کلام میں صوفی اور عرفانی کے مضامین ملتے ہیں۔ مثنوی اور فزل ہر طبع آزمائی کی۔ شعر میں ان کی مشہور کتاب "لحات" ہے جو ابھی وقت کی مہرۃ الکام کتاب مجموعی جاتی ہے۔ مولانا جاس نے "اشعۃ اللمعات" اور مولانا صائب الدین علی

1- بحوالہ "حیات صوفیہ" (تفہیم و ترمیم ضحیات الاصل) ص 516

2- بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیہ" ص 175 3- بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد دوم، ص 173

4- بحوالہ "حیات صوفیہ" ص 741

5- تفہیم کے لئے ملاحظہ فرمائے "اقبال کے محبوب صوفیہ" ص 207 تا 216

تو کہ اصحابی نے "شو اللغات" کے نام سے اس کی شرحیں لکھیں۔¹ شیخ سعدی کے باب میں مزاح الاسرار میں لکھا ہے

"عارف معرم اسرار، عاشق بر اختیار، فارغ از مستقبل و ماضی، زبدۂ عالم شیخ شرف الدین شیرازی قدس سرہ، دیانت قوی الحال باکمال بزرگ تھے۔ تمام شاہری و باطنی علوم اور آداب صوفیہ سے بہرہ ور تھے۔"²

مکرم کتاب و مستند شیخ شہید الدین سروری کے قول سے اور

شیخ سعدی/شیخ ابو عبد اللہ خلعت کی شاہانہ کی جاہور رہے۔ آپ نے بہت سیاحت کی یا پناہ کئی حج کئے۔ سیاحت کے بہت غارت میں بھی گئے اور مدینہ کے بہت کو توڑ دیا۔³ آپ نے ماہ شوال کی شب (جمعہ) 891ھ میں وفات پائی۔ شیخ سعدی کی سیاحت میں گلستان و بوستان خاص طور پر مشہور ہیں اور ادب کے مباحثات میں شمار ہوتے ہیں۔ گلستان و بوستان اخلاص، اصلاح پسندی، رشد و ہدایت اور طراقت مضامین کے لحاظ سے دنیا کی اہم کتابوں میں شامل ہوتے ہیں، اس دور کے ایک اور صوفی شاعر اوسدی نے بھی موصوفات مسلک کی شاعری کی اور طراقت مضامین کو ادب کے حوالے سے لوگوں میں مقبول بنایا۔ منصرف یہ کہ تیرھویں صدی عیسوی تک مسلک صوفی ایک مربوط تحریک کی صورت میں دماغی اسلام کی اخلاقی، روحانی اور باطنی اقدار کو متاثر کرتا رہا۔ موصوفات کے حلقہ ارادت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا یہاں تک کہ ان کی وفات کے بعد ان کی شاخیں اور مکتبے مجمع خلافت بن گئے۔

جیسا کہ اوپر کی تفصیل میں بتایا گیا ہے کہ تصوف کا آغاز بعض سیاسی، سماجی اور فکری

تکالیف کے دھل کے طور پر ہوا تھا۔ خلافت کے بعد جب طوٹت کا دور آیا اور حکمران راہ راست سے ہٹنے لگے، رہا بر حاکم کا سلسلہ شروع ہوا۔ شام و شکت کے حصول، ہوس اقتدار، آبرام نظام اور جبروت کشی کے لئے عام ہوئے۔ رضائے الہی، خلوص و محبت، خدمت، ایثار اور قربانی جیسی مثبت اقدار ہوا و ہوس جو و جلا اور مردم آزادی جیسے عقلی و فنی میں تبدیل ہونے لگیں تو اسی صورت حال میں صوفیا کا وہ طبقہ وجود میں آیا جس نے حالات کی سنگینی کے پیش نظر گوشہ نشینی اختیار کی اور مادیت کی شدید خواہشات کے مقابلے میں روحانیت اور اخلاص و اخلاقی اقدار کی تبلیغ کرنے لگے۔ صوفیا کا طبقہ اول عبارت

1- بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیہ" ص 213 - 2- بحوالہ "مزاح الاسرار" جلد دوم، ص 171

3- بحوالہ "حیات صوفیہ" (مضامین الامس) ص 740

رباعیہ جذبات کے ترفع اور روحانی بلندی کی طرف مائل ہوا۔ ان صوفیاء نے کسی مہبوط تحریک کو جنم نہیں دیا بلکہ اطرازی سطح پر صوفیاء سلک کی تحریک و ترفع کے لئے کوشاں رہے۔ البتہ ان کے اثرات اسلامی ممالک میں خود بخود پھیلتا شروع ہوئے۔

شروع میں تصوف کا پہلا مرکز کوفہ اور بصرہ بنے یہیں سے دوسرے اسلامی ممالک میں تصوف کی ترویج شروع ہوئی۔ پہلے دور کے صوفیاء میں حضرت ابو ہاشم عشان، ابراہیم بن ادہم حضرت اہس قرنی، حضرت محمد واسع، حسن بصری، ربیعہ بصری، داؤد طائی، فضیل بن عیاض اور حضرت سلیمان ثوری اہم ہیں۔ ان صوفیاء نے شریعت و طریقت دونوں کی پابندی کی۔ عبادت اور ریاضت سے زیادہ کی۔ ضبط نفس، مادی اور دنیوی ان کا سلک رہا، ترک طلاق کر کے روحانیت کی منزلیں طے کیں۔ حکمرانوں کے سامنے کبھی دست احتجاج نہیں پھیلایا بلکہ جب کبھی موقع ملا ان کو ان کی بر راہ رہی اور غلطیوں پر سرزنش کرنے سے باز ہوئے۔ اس دور کے صوفیاء کی تصنیفات بہت ہی کم ہیں۔ چند کتابوں کا ذکر ملتا ہے جن کی تفصیل سابقہ صفحات میں دی جا چکی ہے۔

بنو امیہ کے بعد جب عباسی کے دور کا آغاز ہوا تو روحانی علوم و فنون پر مشتمل کتابوں کے تراجم شروع ہوئے اور عقلی علوم کا سحاب آگیا، مامی الرشید کے زمانے میں خاص طور پر فلسفہ و حکمت کی کتب مصر میں منتقل ہوئیں، ان عقلی و منطقی علوم کی بدولت طائفہ و طبقات کی دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوا۔ عقیدتی کی دنیا میں تشکیک کے بقیے در آئے۔ قرآنی آیات کی تاویلات منطقت اہل علم کی جانے لگیں۔ متنازعہ فی سائل پر بحث و مناظرے کا آغاز ہوا، ایسے دور میں صوفیاء کا وہ طبقہ وجود میں آیا جو عقل کے مطالبے میں اعتقاد، ایمان و ايمان اور عشق الہی کے مرقانی جذبہ کو ہرگز کار لایا۔ زہد و انقطاع، پرہیزگاری، استغراق، فنا و بقاء، مجاہدہ اور مشاہدہ حد کی باطن عام ہوئیں۔ قلبی واردات اور جذب نفس کے ذریعے ذہنی خلشار اور تشکیک کے بقیے کو کم کرنے کی سعی کی جانے لگی۔

اس دور کے صوفیاء میں حضرت عیون کریمی، حضرت ہارون ہسٹامی، ابوبکر بن حنبل و حنبل، منصور حلاج، ابو عبد اللہ حارث بن المعاسی، حضرت زوالی صری، القطری اور حضرت سی سقلی اہم ہیں۔ ان صوفیاء میں سے بہت سی تصنیفات بھی مشہور ہوئیں۔ جن میں المعاسی کی کتاب الجایۃ الحقیق

اللہ، " السوازی کی تصنیف " کتاب المدق " حضرت حمید بغدادی کی تصنیفات المشال القرآن اور کتاب مسائل
مصور حلاج کی کتاب " الطواسین " خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس زمانے کے بعد کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ اللہ کی تدبیر کا کام مکمل کرنا ضروری ہو گیا۔
علم اللہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مسلمانوں کی مسلسل فتوحات نے بہت سے ممالک کو اسکا مطیع بنایا۔
دوسری اقوام کے ساتھ میل جول اور روابط سے بہت سے مسائل پیدا ہوئے کہ غیر عیسائی اقوام کا ماحول،
تہذیبیں اقدار اور ذہنی رجحان مختلف تھے اس لئے عیسائی اور عیسائی تہذیب کو ایک مذہب کی لڑی سے پہنچنے
کے لئے اجتہاد فکر کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد
بن حنبل نے اللہ کی توفیق و مددوں کا کام مکمل کیا اور اس طرح اس دور کے دینی تقاضے کو پورا کیا، لیکن
ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اجتہاد فکر کا راستہ روک دیا گیا۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا
کہ طے زمانے کے ساتھ ساتھ طے مسائل اور تقاضے بھی سامنے آتے ہیں، اس لئے اجتہاد فکر کی ضرورت ہر
دور اور ہر زمانے میں پیش آتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے لوگوں نے ذاتی مفادات کی خاطر یا تو اجتہاد کے
دریازے بند کر دیئے اور یا بقول طائفة خلق احمد نظامی

" ایک زبردست گمراہی اس زمانے میں یہ پیدا ہوئی کہ کہیں مسائل
میں حیلہ بازی کا دروازہ کھول دیا گیا۔ ہر شے حکم سے پہنچنے کے لئے اور
ہر قید شے سے کھل بھاگنے کے لئے بہانے تراشے جانے لگے اللہ کی
کتابی میں ایک مسئلہ باب " باب العمل " کا اضافہ کیا گیا۔ " ۱۔

ان غرابیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہبی رجحان کے برعکس ذاتی مفادات کو بڑی توجہ دی گئی۔ باطن کی پاکیزگی
باقی نہ رہی۔ لیک اخلاقی ہستی کا شکار ہو گئے چنانچہ صولیا کا وہ طبقہ جو ان حالات میں سامنے آیا
انہیں غرابیوں کو دور کرنے پر مجبور ہوا۔ انہی نے فکر و عمل کے درمیان بگڑا اور منافقت کے خلاف جہاد
کیا۔ خارجی مسائل کی تنظیم کے بعد لوگوں کی اخلاقی اصلاح پر توجہ دی۔ اس عہد کے (دسویں صدی
عیسوی) صولیا میں شیخ ابو سعید ابن العریض، شیخ ابو حامد الغدیری، شیخ ابوصبر السراج، شیخ ابوطالب
مکی، شیخ ابوبکر اور ابو عبد الرحمن سلمی قابل ذکر ہیں۔ ان صولیا کی تصنیف کردہ کتب میں منطق مشائخ

اور صوفیائے سوانحی حالات اور ان کی تعلیمات مضبوط ہوئیں۔ ان میں تصوف کے سلسلے کی نظری مباحث بھی شامل ہیں۔ ان تصنیفات میں الخلدی کی حکایت الاولیاء، ابو الصر سراج کی "کتاب اللع" ابو طالب مکی کی "قوت القلوب" ابوبکر کی "التعرف" اور عبدالرحمان السلی کی "طبقات الصوفیوں" خاص طور پر قابل ذکر ہیں حقیقتاً اس مدی میں تصوف کی روایت کو استحکام ملا، صوفیہ اصطلاحات وضع ہوئیں اور اب صوفیہ مسلک نے ایک باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کر لی۔

گیارھویں صدی عیسوی میں تصوف کی اس تحریک نے عوامی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اب مسلک تصوف ایک مربوط سلسلہ فکر بن گیا۔ عام زندگی کے علاوہ شعر و ادب میں بھی تصوف کی جانشی شامل ہوئی۔ اس مدی کے صوفیوں میں شیخ ابوالفتح امبہانی، شیخ ابوالقاسم قشیری، شیخ علی ہجویری اور شیخ عبداللہ اصراری جیسے بزرگی کے علاوہ شیخ ابوسعید ابی الفرج جیسے صوفی شاعر بھی شامل ہیں۔ انھیں بزرگی کی کوششیں سے صوفی ایک عوامی تحریک بنی۔ تصوف کی جو اصطلاحات اس دور سے پہلے وضع ہو چکی تھیں ان کی تشریح و توضیح کا کام اس مدی میں ہوا۔ اس مدی میں فلسفے کی فکری اور نظری تدوین و ترتیب کا کام بھی ہوا۔ اور تصوف و شریعت کا تعلق قائم رکھا گیا۔ اس دور کی کتابیں میں قشیری کا "رسالہ قشیریہ" علی ہجویری کی تصنیف "کشف المحجوب" عبداللہ اصراری کی منازل السائین اور طبقات الصوفیہ امبہانی کی حلیۃ الاولیاء اہم ہیں۔ ان کتب نے صوفی کی مقبولیت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب صوفی کی نہایت اہم اور تاریخی کتابیں میں شمار ہوتی ہیں۔

جناب طالعہ خلیق احمد نظامی نے اس مدی میں تصوف کی صورت حال پر بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ

کالا ہے کہ

(1) "صوفیہ خیالات تیزی کے ساتھ عوام میں پھیل رہے تھے، تقریباً ہر مذہب کے مشاہیر صوفیہ اور طاع نے تصوف کی حمایت میں قلم اٹھا لیا۔ (شیخ ابوالفتح امبہانی، شافعی مذہب تھے، شیخ علی ہجویری حنفی تھے، شیخ عبداللہ اصراری حنبلی تھے)

(2) شیخ ابوسعید ابوالفخر نے اپنی تصانیف، شیخ عبداللہ ہروی نے اپنی کتابات اور شیخ ہجویری اپنی کشف المحجوب کے ذریعے صوفیہ خیالات کو عوام تک

پہنچا کر، صوت کے موافق تھمک پختے اور سلاسل کے منظم ہونے کا سامان
ہم پہنچایا دیا۔" ۱۔

صوت کی تاریخ میں بارہویں صدی مسعودی کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ اس عہد میں اسلامی
صوت کو باقاعدہ طور پر فلسفے کی شکل ملی اور یہ ایک مستقل فن بن گیا۔ بارہویں صدی کا زیادہ عالم
اسلام کے سیاسی زوال کا زمانہ ہے۔ بغداد کی خلافت بحران کا شکار ہو چکی تھی۔ سلمان حکمرانی کے
کردار اور اعمال اصلاح کا تقاضا کرتے تھے۔ اس دور میں صوفیاء نے اصلاح احوال کی سعی کی۔ مروجہ
اصطلاحات میں نئی اصطلاحات کا اضافہ کیا۔ صوفیاء تعلیمات کو مذہبی حکمت، وجدان اور نفسیات کے ساتھ
ہم آہٹ اور مربوط کیا گیا اس دور کے شاہان صوفیاء میں امام غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی، عبدالقادر
سیروردی، ابوالعریسی، شیخ شہاب الدین سیروردی قابل ذکر ہیں۔ اس صدی میں حکیم سنائی
فرید الدین عطار اور نظامی گنجوی جیسے صوفی شعراء بھی پیدا ہوئے، جنہوں نے شاعری میں صوت کے ضابطہ
باندھے۔

بارہویں صدی کے صوفیاء میں امام غزالی کو بطور خاص ستار مقام حاصل ہے۔ اسی نے صوت کو
فلسفیانہ رنگ دیا۔ ان کی کتاب "احیاء العلوم الدینیہ"۔۔۔ استدلالی اسلوب بیان کا شہکار ہے۔ عبدالقادر
جیلانی نے "صوت علی طور پر بلکہ علی سطح پر بھی صوت کو مقبول بنایا، ان کی تصانیف میں "فتح
الغیب" فیض الطالبی اور الفیحات اہم ہیں۔

شیخ شہاب الدین سیروردی کی تصنیف "نوار العارف" صوت کی نہایت اہم کتابوں میں
شمار ہوتی ہیں۔ ابوالعریسی کی تصانیف کی تعداد پانچ سو کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے لیکن ان میں
سے "فصوص الحکم" اور "فتوحات مکیہ" کو بے پناہ اور لازوال شہرت حاصل ہوئی۔ وحدت الوجود کے
مسلے پر جس سبط و شرح کے ساتھ ابوالعریسی نے لکھا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی۔

حکیم سنائی کی چھ مثنوی کے علاوہ صوت پر دو کتابیں سیرالعباد اور حدیقہ بھی خاص مشہور
ہوئیں۔ فرید الدین عطار کی "تذکرۃ الاولیاء" اور "مطلق الطیر" بہت مشہور ہوئیں اور شیخ نظامی گنجوی

کی مثنوی "ہنگامہ" اور "اکبر نامہ" اہم ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں لکھی گئی تصنیفات صرف کی دنیا میں ایک مستقل مقام کی حامل ہیں اور ان کتابوں نے صرف کو ایک باقاعدہ فلسفیانہ علم کی حیثیت عطا کر دی۔

ترہویں صدی مسوی کا زمانہ تاریخی کی بظاہر اور بغداد کی تباہی کا دور ہے۔ مغلوی کے حملے اور قتل و غارت نے مسلمانوں کی تمدنی، صرانی اور اخلاقی و روحانی اقدار کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ سیاس، اخلاقی اور سماجی زوال نے مسلمانوں میں انتشار کی ایک مفعولی حالت پیدا کر دی کہ صورت کو از خود پہلے پہلے کا موقع مل گیا۔ صوفیاء نے مسلمانوں کے بھولے ہوئے اعتقاد کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ انہیں مشترک خدائی سے کمال کر اجتماعیت کی ہرکتی سے سرشار کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی طور پر بھی ابھارنے کی سعی کی۔

اس صدی کے صوفیاء میں زیادہ تر وہ شاعر شامل ہیں، جنہوں نے صوفیانہ شاعری کی اور خود بھی مصروف زندگی گزاری۔ ان میں شہزادہ میں مولانا روم، شیخ سعدی، عراقی اور اویسی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اس صدی میں صورت کا پورا نظام اپنی تمام تر تفصیلات اور اشکات کے ساتھ وضع ہوا۔ روحانی سلسلے قائم ہوئے اور اس صدی تک جو کچھ صوفیاء نظام مشعبی ہوا وہی آئندہ کے لئے بھی معتبر سمجھا۔ اس صدی کے بعد ظہری طور پر صورت میں کوئی متدبیرہ اضافہ ہو سکا۔

یہ تو صورت کے بہت سے سلسلے رہے ہیں لیکن ان میں زیادہ اہم اور فعال سلسلے یہ ہیں۔
سلسلہ چشتیہ --- اس سلسلے کے بانی خواجہ ابو اسحاق شامی ہیں جو چوتھی صدی ہجری کے زمانہ کے ہیں، صوفیاء کا یہ سلسلہ سب سے قدیم ہے۔ ہر مغیرہ پاک و ہند میں یہ سلسلہ چشتی صدی ہجری میں خواجہ حسین الدین اجمیری کے ذریعے پہنچا۔ حسین الدین اجمیری کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے پھر ان خلفاء کے ذریعے یہ سلسلہ آگے تک چلتا رہا ان میں قطب الدین بختیار کاکی، فرید الدین عابد گنج شکر و شیخ راجہ قتال وغیرہ قابل ذکر ہیں، سلسلہ چشتیہ کے بعد میں دو گروہ بن گئے تھے جن میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ اور سلسلہ چشتیہ مابریہ شامل ہیں۔ سلسلہ چشتیہ نظامیہ فرید الدین گنج

شکر کے خلیفہ خواجہ نظام الدین اولیاء سے منسوب ہے۔ جن کے خلفاء برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی خدمات سے ایک عالم نصیر باب ہوا۔ ان خلفاء میں امیر خسرو اور حسن دہلوی جیسے نامور مولوی شہداء کے ساتھ ساتھ شیخ حسام الدین ملتانی، حضرت حافظ جمال، خواجہ سلیمان توسوی جیسے مولوی بزرگ بھی شامل ہیں۔

سلسلہ چشتیہ ماہریہ بھی خواجہ نیر الدین گنج شکر کے ایک اور خلیفہ شیخ علاء الدین علی احمد ماہر کلبری سے منسوب ہے ان لوگوں نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ساتھ ساتھ کام کیا اور آج کل بھی فعال ہے اس سلسلے کی نمایاں خدمات سر انجام دینے والی میں شیخ عبدالحق ریلوی اور شیخ عبدالقدوس گکڑو ہیں۔

سلسلہ قادریہ --- شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی سے منسوب سلسلہ قادریہ نے عراق، شام اور برصغیر پاک و ہند میں گراں قدر خدمات انجام دیں (پنجاب میں یہ سلسلہ شاہ ہریت غوثیسی اور شیخ میر محمد ہریت بہ میان میر لاہوری نے پھیلا یا) اس سلسلے نے خصوصاً "سہد" میں بہت کام کیا وہاں کا راشدی سلسلہ اور نوشاہی سلسلہ اس کی شاخیں ہیں۔ ملتان میں اس سلسلے کے نامور مولوی بزرگ عبدالرشید حقانی کے علاوہ شاہ علی محمد اور سلطان ایوب قتال ہیں۔

سلسلہ نقشبندیہ --- یہ سلسلہ ترکستان میں خواجہ محمد انصاری سے شروع ہوا اور سلسلہ خواجگان کے نام سے مشہور ہوا پھر خواجہ بہاء الدین نقشبند نے اسے صحیح تک پہنچایا تو ان کی صحبت سے یہ سلسلہ نقشبندیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ ہندوستان میں یہ سلسلہ خواجہ محمد باقی ہریت بہ خواجہ باقی اللہ سمرقندی کابلی نے پہنچایا۔ شیخ احمد فاروقی سرحدی مجدد الف ثانی کی صحبت سے اسکی ایک شاخ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کہلاتی ہے۔

سلسلہ سہروردیہ کی بنیاد شیخ فیاض الدین ابو العجب عبدالقادر سہروردی نے رکھی اور اس کی اشاعت و ترویج کے سلسلے میں شیخ شہاب الدین سہروردی کا نام قابل ذکر ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں قاضی محمد الدین ناگوری نے اور ملتان سے شیخ بہاء الدین زکریا نے اسے خوب پھیلا یا۔ بہاء الدین زکریا کے خلفاء اور پھر آگے ان کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے جو اس سلسلے سے وابستہ تھے ان میں سے چند

کے نام یہ ہیں۔ شیخ جلال الدین سرخسہاری، شیخ حسام الدین مقلی ملتانی، خواجہ حسن افسان، صدرالدین عارف، شاہ رکن الدین عالم، شاہ دانا شہید، شیخ حسین گاہر وغیرہ سلطان میں اس سلسلے سے وابستہ لوگ کئی سو سال تک چھائے رہے۔ سندھ و پنجاب میں یہ سلسلہ خوب پھیلا۔

اس سلسلے کے بانی شیخ ضیاء الدین ابوالخضیب عبدالقادر سہروردی کے خلیفہ شیخ نجم الدین کبریا کی نسبت ہے اس سے ایک اور سلسلہ کبرویہ بھی تورات و کشمیر میں بہت مشہور ہوا۔

ان کے علاوہ بھی صوفیاء کے کئی سلسلے ہیں جن میں سے کچھ تو برصغیر پاک و ہند پہنچے اور کئی اس سے باہر دوسرے ممالک تک ہی پھیلے رہے۔ ان میں سلسلہ قادریہ (بانی شیخ بدرالدین عرقی)، سلسلہ شطاریہ (بانی شیخ عبداللہ شطاری)، سلسلہ شاذلیہ (بانی شیخ ابوالحسن شاذلی)، سلسلہ مولویہ بانی مولانا جلال الدین محمد رحیمی، سلسلہ حیدریہ (بانی شیخ قطب الدین حیدر) شامل ہیں۔

(ج) اصطلاحات تصوف

صوت کی دنیا پاکیزگی اور طہارت کی دنیا ہے جس کی ڈھک ڈھالی ہے، اس دنیا میں انسانی رقص اربعیت کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ طرہ، کدورت، مقلات اور خود غرضی کو اس دنیا میں دخل نہیں ہوتا۔ صوفیاء ملک کو اگر صحیح نظر میں دیکھا جائے تو یہ راہ راست پر چلنے کا ایک رقبہ ہے۔ اس دنیا میں کھف و مستی، جذب و شوق، انہماک اور محبت کا چلی عام ہوتا ہے۔ اس دنیا میں اتصال کو راستی اور گفتار کو سچائی اور صداقت کا درس ملتا ہے۔ اس لیے صوت کی راہ پر چلنے والی میں بڑے بڑے راستکار، مفلس، فیرت مد، صابر، قناعت پسند، متوکل، سادہ دل عارف اصناف دکھائی دیتے ہیں۔ صوت کی دنیا میں الفاظ کی صحبت بھی بدل جاتی ہے۔ لفظ اپنی اصلیت کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ ان کا رنگ اور آلودگی دور ہو جاتی ہے۔ فکر گدائی نہیں رہتی۔ توکل کاہلی اور مستی کا نام نہیں ہوتا۔ قناعت پر مبنی نہیں رہتی۔ لہذا یا گوشہ نشینی ترک کر دیا نہیں۔ طرہ و آگہی محض مادیت سے کنارہ کشی نہیں۔ صبر و تحمل۔۔۔ یہ فہم یا عزت ظن کے مطابق ہواشت کا نام نہیں۔۔۔ عشق سے مراد ہوالہوسی نہیں، بلکہ یہ سب لفظ، یہ سب جذبے ایک مثبت مفہوم یا لیتے ہیں، ان میں شے بانی کی دنیا آباد ہے۔

جاتی ہے۔

ہم یہاں تصوف کی چند اصطلاحات کا مفہم درج کرتے ہیں کیونکہ یہ وہ الفاظ ہیں جن کے مفہم نے اعمال کا درجہ پایا اور صوفیاء مسلک کو قبول پانچ میں حصہ لیا۔ اگر یہ سارے پتے آج بھی عامیہ حاشیہ میں راہ پا جائیں تو اضرار اور اجتناب زہدی کی حلیت بدل جائے۔

تسویل

=====

تسویل میں توکل نام ہے عہد کے حصول کی کوشش ناتمام کا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ عہدہ خدا کے ہاتھ میں ہے دیا۔ یہ کوشش سبکی کیفیت نہیں کہ عائد پر عائد رکھ کر پیش کرنے کو توکل کا نام ہے دیا جائے بلکہ یہ ایک حقیقی جذبہ ہے جس میں خدا پر یقین کا عمل شامل ہے، قرآن مجید میں آتا ہے

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَجِيلاً^۱

ترجمہ = جس نے خدا پر توکل کیا اس کا کام آسانی سے ہو جائے گا۔^۱

اسی طرح دوسری جگہ آیا ہے

وَعَلَى اللَّهِ تَكْلَفُ^۲ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ

ترجمہ = پس توکل کرو اللہ پر اگر تم ایمان والے ہو۔^۲

اس میں شک نہیں کہ سنی کرنا اصناف قدرت کے احاطے میں شامل ہے لیکن اس سے کا عہدہ پایا اس کے اختیار سے ہٹ کر اللہ کے اختیار میں شامل ہو جاتا ہے۔ اب اگر انسان اپنی صلاح کے بد نتائج کے اخذ سے اللہ پر بحیثیت کر تو اس کا اضطراب ایک سطح سے تبدیل ہو جائے گا اور اگر عہدہ برکت بھی ملے تو اس پر راضی ہوتا ہو جائے، یہ غیوریت احمد گیلانی کے مطابق

"عام ذرائع و وسائل کو استعمال میں لا کر، امور طاقت میں بھی

دلچسپی لے کر، کامل تشدد اور مکمل حق پرستی سے کام کر کے نتائج

کو اللہ کے سپرد کر دینے کا نام توکل ہے۔"^۳

۱۔ سورتہ شوریٰ، آیت ص 88 / 81

2۔ سورتہ النور، آیت ص 23

3۔ بحوالہ "روح صوف" سید غوث احمد گیلانی، ص 158

4۔ الفاظ یہ ہیں "Utter dependence upon God (Tawakkal)"

"Influence of Islam on Indian Culture" Book Trade, L.H.S., 1979, P-65

ابو عبد اللہ قشیش فرماتے ہیں

"توکل یہ ہے کہ تو اللہ کے سوا اسباب کے پاس پناہ لینا چھوڑ دے۔" 1۔

اصطلاحات صرف میں توکل کی دو اقسام بتائی گئی ہیں

"ایک یہ کہ اسباب ظاہری کی طرف بالکل متوجہ نہ ہونا بلکہ اسباب ظاہری کو بالکل مطلق کر دینا اور ہر امر میں صرف ذات کی طرف متوجہ رہنا یہ توکل خواص اہلاد کرام کا ہے، دوسری معنی یہ ہیں کہ ظاہری اسباب کو استعمال تو کیا جائے لیکن بصریہ ذات حق تعالیٰ ہی پر ہو۔" 2۔

جب انسان اپنی سعی کے بعد خدا پر توکل کرتا ہے اور اس کا نتیجہ مرضی کے مطابق نکلتا ہے تو وہ حالت شکر میں داخل ہو جاتا ہے لیکن اگر نتیجہ مرضی کے برعکس ہو تو حالت صبر اس پر ظاہری ہو جاتی ہے۔ ان دونوں حالتوں کا مطلق نتیجہ یہ ہے کہ متوکل انسان ہر حال میں عجز اور انکساری کا حامل ہوتا ہے۔ یہ عجز خدا کے لئے ہوتا ہے اور وہ عجز سیرتِ نبوی کی حالت میں نتیجہ خدا کے ہاتھ میں دے دینا ہوتا ہے۔ شیخ ابو علی دقاق کے مطابق

"پہلا مرتبہ توکل، دوسرا تسلیم اور تیسرا تضرع، اللہ کے وعدہ پر اطمینان کہ وہ ضرور حاجت پوری فرمائے گا، یہ توکل ہے، یہ طریقہ کہ اللہ کو صبری حالت کا بھروسہ علم ہے، اسے تسلیم کیا گیا، خدا کے ہر حکم پر رضامندی، خواہ موافق ہو یا مخالفت یہ درجہ تضرع ہے۔" 3۔

حضرت امام فزالی نے توکل کے تین درجات بتائے ہیں۔

- 1۔ متوکل حال اس شخص کی حالت ہو جس نے مقدمے میں کسی زبردستی سے تضرع، عجز یا انکساری کو مقدر کر لیا ہو اور اس پر کامل اعتماد کرتا ہو۔
- 2۔ متوکل کی حالت اس شخص کی ہے جو اپنی ماں کے علاوہ کسی اور کو جانتا ہی نہیں۔
- 3۔ متوکل اس موقع کی طرح ہو جو فساد کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ 4۔

ظاہر ہے یہ تینوں درجات سعی اور تضرع کی حالت کو ظاہر کرتے ہیں، حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی فرماتے ہیں

- 1۔ بحوالہ تضرع - امام ابوبکر اسحاق کلاہازی، ص 155
- 2۔ بحوالہ "اصطلاحات صوفیہ" خواجہ شمس الدین عظیمی، ص 32، مطبوعہ مکتبہ پاکستان، لاہور۔
- 3۔ بحوالہ "رسالہ قشیش" ابوالقاسم قشیری ترجمہ پیر محمد حسن، ص 267، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔
- 4۔ بحوالہ "کیمیائے سعادت" امام فزالی ترجمہ محمد یزدانی، ص 1076، مطبوعہ مکتبہ اسلامی، لاہور۔

توکل کی تین اقسام ہیں ۔

- 1- یہ کہ انسان جس کام میں بھی مشغول ہو اس کا حاصل میں جامع اللہ جانے اور اس کام پر بھروسہ کرے۔
- 2- دل کو شام ظاہری اور باطنی تعلقات سے منقطع کر کے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ اور مشغول کھلو جائے حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ مل کر نظام وصال کی لذتیں سے محظوظ ہو۔
- 3- انسان اپنی ہستی موصوم کو اس طرح سمو کر دے کہ سوائے ذات باری تعالیٰ کے کوئی چیز باقی نہ رہے۔ ہر جگہ اور ہر حالت میں صرف وہی رہے۔ توکل کی یہ قسم حقیقت سے تعلق رکھتی ہے۔¹

صورت میں توکل کا مفہوم قرآن و حدیث کے میں مطابق ہے۔ صوطاً یہ توکل کو جن معنی میں لیا ان کے مطابق تو یہ کل اسباب کے پردے میں مسبب الاسباب کی طرف مراجعت کرنے کی حالت کا نام ہے۔ اللہ پر بھروسہ کرنے کا نام دعا و آخرت کی کامیابی مشکوک ہوتی ہے۔ شیخ عبداللہ اصراری کے مطابق "توکل یقین کا ہلہ ایمان کا ستھ اور اخلاص کی منزل ہے۔" 2-

محمد اصطفی علی طوی نے کہا

"توکل کے معنی بھروسہ کرنے کے ہیں اور اسلام میں وہ بھروسہ جو اللہ تعالیٰ پر کیا جائے توکل ہے۔" 3-

حضرت شیخ سلطان باہو نے ان ^{ذیل آیت} کو ترک کرنے کو توکل قرار دیا جو خالق کی راہیں ہیں، شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا

"اگر تو سب کچھ چھوڑ کر اللہ کی طرف لپکا، اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا، تو اس وقت اللہ تیرے اور اپنے فضل کے درمیان حجابات اٹھا لے گا۔ تیرے حسب حال نصرت میں زیادتی فرمائے گا اور اپنی عنایت سے اس طرح ہر مشکل آسان کر دے گا جسے ایک مہربان اور دوست طبیب مریض کے لئے تدابیر کرتا ہے۔" 4-

حقیقت یہ ہے کہ توکل اسلام پر ایمان رکھنے والی کی تعلیمات کا ایک ضروری عنصر رہا ہے۔ ایمان

علیہ السلام کی اپنی زندگی میں توکل کی خاصی بدرجہ اتم دکھائی دیتی ہے اور تمام انبیاء نے اپنی اپنی کو بھی توکل کی تعلیم دی ہے۔ حضرت دج علیہ السلام ہی یا حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام ہی یا عیسیٰ علیہ السلام سب نے یہ صرف اپنی زندگی میں توکل کی صفات پیدا نہیں بلکہ زبان و گفتار سے اپنی قومی کو بھی یہی تلقین کی۔ حضور اکرم کی زندگی میں توکل کو جو اہمیت حاصل رہی ہے وہ کسی بھی مسلمان سے پوشیدہ نہیں۔ آپ نے ہر ہر مقام پر اللہ پر توکل کیا اور مسلمانوں کو بھی توکل کرنے کی ہدایت فرمائی۔ صورت پر کاربست موصیاء نے بھی توکل کو اپنی سیرت کا جزو لایمکن بنایا۔ انہی نے ہمیشہ خدا پر بھروسہ کیا۔ ہر حال میں خدا کا شکر ادا کیا اور کسی احتیاج کی خاطر شاہی ایوانوں تک نہیں گئے۔ آج کے مسلمانوں میں توکل کی شدید کمی ہے۔ ہماری حرص و ہوس، احتیاج، بے اعتدالی اتنی بڑھ چکی ہے کہ ہم دوسری کے حق کو مار کر بھی اپنے پیٹ کی خاطر جمع جتھا کرتے ہیں اگر ہم موصیاء کی تعلیمات میں سے توکل کی خاصی اہل اہل پیدا کر لیں تو بہت سے عواض سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

تفسیر

صوفی کے مسلک میں یہ تو قدر، تک دستی، غیبت مطلق یا کدائی ہے اور یہ ظن کو تکلیف میں ڈالتا یا ترک دنیا کرتا ہے، بلکہ قدر سے مراد درویشی، فقر، مادی مطہرت سے بے نیازی، مظلوم کی حمایت اور ظالم کے سامنے ڈٹ جانا ہے۔ قدر اللہ کی رضا کے سامنے طع یا ہٹان سے غنی ہو جانا ہے۔ قدر جد و جہد کا نام ہے جو اللہ کی رضا کے لیے کی جاتی ہے اور اس میں کسی صلے یا انعام کی توقع نہیں کی جاتی، ^{کہا جاتا ہے} حضور نے فرمایا:

"القدر فقر"

"مجھے اپنی فقیری بہ ناز ہے۔"

فقیری کی یہ شان صوفی کا اڑھٹا بچھوتا ہے۔ وہ بھی حضور کی تقلید میں یہی رو کرنا ہے اور دنیا کے آسائش و آرام کو اپنے لیے وقت نہیں کرتا دوسری کا حق سمجھتا ہے۔ اس کا وجود دوسری کی خبر کا باعث بن جاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش کا قول ہے کہ

"قدر وہ ہے کہ اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور نہ کسی چیز سے اس کا
بھان ہو نہ تو اسباب و معارف کے موجود ہونے سے وہ غنی ہوتا ہے اور نہ
ہونے سے اس کا محتاج رہتا ہے۔ اسباب کا ہونا نہ ہونا اس کے قدر کے
قریب بہرہر ہے۔" 1۔

امام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے فرماتے ہیں
"قدر کی صفت یہ ہے کہ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اسے کوئی حاصل
ہو اور جب کچھ مل جائے تو غیظ نہ کر دے اور ایشار کرے۔" 2۔

حضرت شبلی سے کسی نے قدر کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا
"قدر یہ ہے کہ حق کے سوا اور کسی چیز کی برآ نہ کی جائے۔" 3۔

شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ اعجازی ہروی نے قدر کی تین اقسام بتائی ہیں
" (1) قدر اضطرار (2) قدر ایشار (3) قدر تحقق " 4۔

جبکہ سعد غوثیہ گیلانی نے قدر کی پہلی دو صورتیں کا حوالہ اپنی کتاب "روح تصوف" میں دیا ہے۔ دوسری
کے قریب قدر اختیاری سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی اور مشاہد سے آسائش و آرام کے لوازمات کو ترک
کر کے درخشندہ زندگی اپنائے۔ اس قدر کی بدولت انسان کو بلند درجات حاصل ہوتے ہیں اور قرب الہی حاصل
ہوتا ہے۔ جبکہ قدر اضطراری میں خدا کا عذاب ہے۔ خواجہ عبداللہ اعجازی ہروی نے قدر کی تیسری قسم
یعنی قدر تحقق کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔ اس کی نعمتیں بہ حد و
حساب ہیں اور مصیبتیں بھی اس کی بات نہیں اور نہ ہی وہ اللہ کی یہ حساب نعمتیں کا شکر اس
طور سے ادا کر سکتا ہے جو اس کی ذات کے شایان شان ہو۔

صوفیائے کرام کی تعلیمات میں قدر کی بڑی اہمیت رہی ہے۔ درخش اور قدر کی زندگی اشیاء

کا بھی طریقہ رہا ہے اس طرح تمام اکابر صوفیا کی زندگی میں عین قدر کی شان دکھائی دیتی ہے۔ قدر

1- بحوالہ "ہدایا المطلب" (ترجمہ اردو کشف المحجوب) ص 41 - 2- بحوالہ "تعارف" ص 146

3- بحوالہ "فوارت المعارف" ص 111 محمد شباب الدین سیوری (مترجم حافظ سید ارشد احمد ارشد)

مطبوعہ شیخ ظہار علی ایڈ سٹر، اشاعت دوم، 1977ء

4- حد میدان، ص 26

میں انسان صبر اور شکر کا بھدہ بن جاتا ہے کچھ مل جائے تو خدا کا شکر ادا کیا نہ ملا تو صبر کر لیا۔ مل کر چھٹی کیا تو شکوہ نہ کیا۔ فقیر کا دل دھاری احتیاجات سے بے نیاز ہوتا ہے۔۔۔۔۔ شیخ ابو بکر کتابی کے الفاظ میں

"جب انسان حقیقی طور پر اللہ ہی کا محتاج ہو جائے تو پھر وہ حقیقی طور پر "فنی باللہ" ہو جاتا ہے۔" 1۔

فقیر جب دنیا کے لذات سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو وہ اپنی نہیں دوسری کی فلاح کا خیال رکھتا ہے امام ابو بکر اسحاق کتابی لکھتے ہیں

"میں نے فارس کو کہتے سنا میں نے ایک بار ایک فقیر سے کہا اور مجھے اس میں بھوک اور تشنگی کے آثار دکھائی دیئے تو لوگوں سے سوال کیا نہیں کرتا تاکہ وہ مجھے کھانا دے دیں اس نے جواب دیا، مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر میں ان سے سوال کرے اور وہ نہ دیں تو فلاح نہ پائیں گے کیونکہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی بات پہنچی ہے کہ اگر سائل سچا ہے تو وہ دینے والا فلاح دے پائے گا۔" 2۔

ایک فقیر منشا انسان دنیا جہاں کی آسائشی کو تھ کر اس دنیا میں بھی سکھ پاتا ہے اور اس کی آخرت بھی مندوب جاتی ہے۔ شیخ ابو بکر براتی فرماتے ہیں

"دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں فقیر کے لئے خوشخبری ہے، لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا، اس لئے کہ دنیا میں بادشاہ اس سے خواجہ نہیں لیتا آخرت میں خدا حساب نہیں مانتے گا۔" 3۔

قدر میں جو کہ مادیت کا کم سے کم دخل ہوتا ہے اس لئے صوفی مسلک کے تحت اس کے اور اللہ کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جاتا ہے۔ قدر کی اس صفت نے مولانا کو روحانیت کی سراج تک پہنچایا تھا اقبال نے اپنے کلام میں مسلمانوں کے لئے قدر پر بہت زور دیا ہے، اس لئے اگر آج ہم صوفیوں کی اس صفت کو اپنی زندگی کا اڑھٹا بچھونا بنا لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس دنیا میں بھی سر بلند ہو جائیں اور دوسری دنیا

میں بھی موجود ہیں۔ قدر صفت امتیاز ہے، قدر صفت صوفیا ہے اور قدر اللہ کو پسند ہے کہ انسان بہر حال ایک عاجز بندہ ہے۔

فنا
=====

فنا سے مراد اپنے وجود مستعار کو ختم کر کے وجودِ سودی میں ضم ہو جانا ہے، قلم کا اپنی ذات سے رہا کر کے وجود میں مراجعت کرنا ہے۔

ع دل ہر قطرہ ہے سار انا لجر (غالب)

اپنے جزوی وجود کو وجودِ خداوندی میں شامل کر کے اپنے وجود سے یہ غار ہو جانا فنا ہے۔ صوفی جب اپنی ذات کو محض اضافی جان کر وجودِ باری تعالیٰ کو مقدم خیال کرتا ہے تو وہ فنا کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی نے فنا کے تین درجے متعین کئے ہیں۔

" 1- پہلی قسم کی فنا یہ ہے کہ تم اپنی صفات، اخلاق اور مزاج کی قصد سے آزاد ہو جاؤ۔

2- دوسری قسم کی فنا یہ ہے کہ تم اپنے حلقہ نفس سے بالکل دستبردار ہو جاؤ۔

3- تیسری قسم کی فنا یہ ہے کہ تجلیات ربانی کا تم پر اتنا غلبہ ہو جائے کہ تمہارے اس وجودِ موجود کی حقیقت تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔ " 1۔

فنا کی پہلی قسم وہ ہے جہاں انسان کو اپنے نفس امارہ اور اخلاقِ مذمکہ پر قابو پانا ہوتا ہے۔

لذاذ اور دہشوں خواہشات کو ترک کرنا ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز جو قصد کی راہ میں رکاوٹ بنے ترک کرنی

ضروری ہے۔ فنا کی دوسری حالت یعنی وجود کی خواہشوں سے دستبردار ہونا دراصل پہلی حالت کی توسیع

ہے یعنی دنیا کی دلچسپی سے کنارہ کش ہو کر خود کو خدا کی ذات میں اس طرح گم کر دینا کہ کوئی

دوسرا ہیج میں نہ رہے۔ فنا کی یہ حالت ذہنی اور داخلی ہوتی ہے۔ فنا کی تیسری اور آخری حالت یہ

ہے کہ انسان اپنے ادراک و شعور کو بھی فراموش کر دے اور ذات الہی کو خود پر اس طرح طاری کرے کہ

اپنے آپ کو بھول جائے یہ ایمان اور معیت کی منزل ہے۔ یہاں سے فنا اللہ کی منزل شروع ہوتی ہے جہاں

صوفی ابدی زندگی کا حصہ بن جاتا ہے۔ یہ درجہ فنا سے بقا کی طرف مراجعت کا ہوتا ہے۔ اصطلاحات

سولہ کے مطابق

"سائلک کا اپنی ہستی اور وجود انسانی کو فنا کر کے رسولِ حقیقی ذاتِ حق سے سبھاہ کر کے ساتھ بٹا حاصل کرنا۔ بٹا باللہ ہو جاتا ہے یعنی دوسرے بصیرت سے اپنے وجودِ انسانی کو عدم محسوس جاتا ہے اور صرف ذاتِ حق سے سبھاہ (ہو وجودِ حقیقی ہے) کو موجود جانتا ہے۔" 1۔

حضرت خواجہ شمس الدین عیالوی نے فرمایا

"فنا کے معنی مراعات میں چنانچہ رسولِ خدا کی فنا دوسرے تمام بقصیر فنا پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس طرح اولیائے کرام کے مراعات فنا بھی آپس میں متکافوت ہیں۔" 2۔

ایک اور جگہ فرمایا

"صداقت کا مقصد فنا اور فنا اللہ اور بٹا باللہ ہے۔" 3۔

حضرت شیخ سلطان باہو کے مطابق

"راہِ سلوک کی ابتدا فنا ہے اور اہلِ فنا نے اللہ۔" 4۔

خواجہ شاہ محمد عبدالصمد نے فنا کے تین درجے بتائے ہیں۔

1۔ سائلک کا مرشد کی بعضی میں منہک ہونا اور اپنی ہستی و وجود کو مرشد کی

ہستی میں فنا کر دینا یہ پہلا درجہ ہے۔

2۔ سائلک کا وجود باوجود عیس کہم علیہ السلام میں سمو ہونا اس کا رتہ فنا

فی الشیخ ہے، یہ دوسرا درجہ ہے۔

3۔ سائلک کا جملہ مراعات صفات و مدارج صریح و خفیہ طے کر کے ذات میں سبھاہ میں

سمو ہو جانا۔ اس کا رتہ فنا فی الرسول ہے، یہ تیسرا درجہ سب سے اعلیٰ ہے۔" 5۔

1۔ "اصطلاحات سولہ" مرتبہ خواجہ شامد محمد عبدالصمد، ص 107

2۔ "مرآت العاشقین" اردو ترجمہ غلام نظام الدین، ص 165

3۔ "ایضاً" - - - - - ص 165

4۔ "سوانح حیات" - حضرت شیخ سلطان باہو "مربع حافظ حمید اختر، ص 93

5۔ "اصطلاحات سولہ" ص 107

شیخ شہاب الدین سہروردی کے نزدیک فنا کا مفہوم یہ ہے کہ

" ہر چیز کا حظ اور لطف جاتا رہے اور خدا کی ذات میں فنا ہو کر

ہر چیز سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ " 1۔

آگے جہ کر انہیں نے فنا کی دو قسمیں بیان کی ہیں، ظاہر فنا یعنی حق تعالیٰ کی تجلیات اس طرح سامنے آئیں کہ انسان کا اپنا ارادہ اور اختیار ختم ہو جائے اور وہ حق کے سوا کسی دوسرے کے فضل کو نہ دیکھ سکے۔ دوسری قسم باطنی فنا کی ہے یہ کیفیت اس وقت طاری ہوتی ہے جب صوفی ذات الہی کی صفت کا مشاہدہ اس طرح کرے کہ اس کا دل صوفی سے پاک ہو تو وہ باطنی فنا کے درجے تک پہنچتا ہے۔

لیکن ان تمام مباحث کے باوجود فنا کا مفہوم متعین کرنا آسان نہیں، اس لیے کہ بعض صوفیا کے نزدیک فنا کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اپنے وجود کو خدا کے وجود میں منتقل کر دے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی رضا کو خدا کی رضا میں شامل کر دے۔ انسان اپنی انسانی صفات سے گذر کر خدائی صفات میں داخل ہو جائے، تو اسے فنا کہیں گے، لیکن یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہئے کہ خدا کی صفات خود خدا نہیں بلکہ خدا کو اس کی صفات کا ہم عن قرار دینا جائز نہیں ہے۔ 3۔ صوفی عبادت و ریاضت کی تمام منازل طے کرنے کے بعد اپنی انفرادیت بالکل کھو دیتا ہے، فنا ہو جاتا ہے لیکن یہاں بھی وہ خدا سے الگ ایک وجود رکھتا ہے خالق اور مخلوق کے درمیان پردہ پھر بھی حائل رہتا ہے۔

نظریہ فنا، نظریہ توحید اور نظریہ وحدت الوجود کے مسائل کو بھی سامنے لانا ہے، لیکن ہم

اس بحث کی نزاکت سے ہٹ کر صرف حضرت حمید ہمدانی کے اس خیال کا جائزہ لیتے ہیں۔

" کہ انسان اپنے ارادے سے جو کہ اس دینی انفرادیت کا ایک خاصہ سمجھی جاتی ہے، دستبردار ہو جائے، کاطناً اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے اور خدا تعالیٰ کے اعدا اپنے ابدی وجود کی طرف واپس لوٹ جائے۔ اس طرح وہ خدا کے ساتھ اس حد تک متحد ہو گا جس حد تک متحد ہونے کی خود خالق نے اپنی مخلوق کو اجازت دی ہے۔ " 4۔

1- "معارف النوار" ترجمہ حافظ سید رشید احمد ارشد، ص 519

2- اس ضمن میں حضرت حمید ہمدانی کا نام لیا جا سکتا ہے۔

3- مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے "حمید ہمدانی" از ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر، ص 189 تا 194

4- بحوالہ "حمید ہمدانی" ص 184

صبر سے مراد کس چیز سے اپنے آپ کو روکنا ہے یعنی ارادے کی ایسی بھنگی جس سے انسان

خود کو عظامی خواہشات اور زہدی کی مشکلات سے ~~روکے~~ روکنے شروع اپنے صبر کے بتائے ہوئے ^{صحیح} راستے پر

چلتا ہے اور اگر اس راستے میں کوئی رکاوٹ یا پھنساں سامنے آتی ہے تو وہ ہمت نہیں ہارتا بلکہ بڑی مستقل

مزاجی سے پھر کوئی شکوکہ کٹھن جو کہ راستے پر ڈٹا رہتا ہے کوئی دغاویں لالچ اس کے ارادے کو متزلزل

نہیں کر سکتا۔ قرآن حکیم میں بار بار صبر کی تلقین کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو مضامین سے بچنے

کے لئے جو طریقہ بتایا ہے وہ " صبر " ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ 1

اور خوشی سنا ثابت رہنے والی کو، کہ جب ان کو پہنچے کچھ مصیبت

قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ ط 2

کہیں ہم اللہ کا مال ہیں، اور ہم کو اس کی طرف پھر جانا ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا ہے

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ط

اور ٹھہرنے والے سختی میں اور شکست میں اور وقت لڑائی کے

إِنَّكَ لَآتٍ بِكَ مَدَدُ قَوْلَا ط وَأَنَّكَ هُمُ الْمُهْلِكُونَ 3

وہی لوگ ہیں جو سچے ہوئے اور وہی بھانپاؤں میں آئے۔

صبرِ انسانی زہدی کے لئے اعلیٰ حد کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ خود صبر کا لفظ مآلِ اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی ساری زہدی صبر و استقامت کا مربع تھی، صحابہ کرام نے بھی صبر و تحمل کے اعلیٰ نمونے پیش

کئے ہیں، حضرت صبر نے فرمایا تھا کہ

" افضل صبر (بہترین زہدی) ہم نے صبر میں پائی۔ " 4

صوفیاء کرام نے یہ صفت اپنی زہدی میں بلکہ اپنی تعلیمات میں بھی صبر کو اہمیت دی ہے۔

1- بحوالہ " جنتِ خلداد " ص 194

2- بحوالہ سورۃ البقرہ ، آیت صبر 155-156

3- بحوالہ " قرآن اور تصوف " ص 43

4- بحوالہ سورۃ البقرہ، آیت صبر 177

سید خورشید احمد ٹیپانی کے مطابق

"صوفیاء کرام کی زندگی میں جو تکل، استقلال، ایثار، جفاکشی، سادگی، کی کیفیات پائی جاتی ہیں، یہ صبر کی مختلف صورتیں ہیں، کیونکہ تمام امور بخوشی اللہ کے سپرد کر دینا کمال درجے کا صبر ہی تو ہے۔" -1-

تقریباً ہر صوفی نے اپنی تعلیمات میں صبر و تحمل کا ذکر کیا ہے اور اس پر زور دیا ہے، صوفیاء کے نزدیک صبر و تحمل کیا ہے؟ اس کا جائزہ لیتے ہوئے الحاج محمد اسطیٰ علی طوی لکھتے ہیں

"ناکامی کے وقت کامیابی کے لئے جدوجہد کرنا، صحت کے وقت صحت کو برداشت کر لینا، اپنی جدوجہد میں مخالفت کی پروا نہ کرنا ان کی غلطیوں کو طاق کرنا صبر ہے۔" -2-

شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ اصراری فرماتے ہیں

"صبر کے تین ارکان ہیں

- 1- صحت پر صبر کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اصبر
- 2- صحت سے صبر کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا واسبر
- 3- اطاعت پر صبر کرنا جس کے بارے میں فرمایا ورا بطا " -3-

ان کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عبداللہ اصراری نے بتایا کہ ظلمت پر صبر صحت کی وجہ سے ہوتا

ہے اس میں دل کی یکسوئی، ظلم کی ہانک بھی اور نور فراست شامل ہے اور جب دل میں کٹاہ کا غوت ہو تو اسے میں جو صبر ہوتا ہے، اس میں دل کی گہرائی، پاکیزگی اور دعا کی قبولیت شامل ہے، اطاعت پر صبر احد کے ساتھ کرتے ہیں، اس میں آفات کا ٹل جانا، روزی کا غیر متوقع طور پر پہنچنا اور شکم کی طرف میلان شامل ہے۔ حضرت شیخ عبداللہ رجبانی نے اپنے مریض کو صحت کرتے ہوئے فرمایا

"صبر و رضا، مؤقت اور تدبیر خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم ہونے کی عادت اختیار کرنا اگر تجھے یہ چیزیں صحت نہ ہو سکیں تو پھر

بارگاہِ خداوندی میں عاجزی و زاری، گناہوں کے اعتقاد، اور ظن کی برائی
کی جزا کیے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا اللہ تعالیٰ کی نصیحت پر اس کی
بھروسہ اور توبہ کا اقرار، شرک سے احتساب، صبر و رفا اور طلبِ مروت
کو ضروری جاننا یہاں تک کہ دوشہ شہر پر مکمل ہو جائے۔ صیغہ مل جائے
اور نصیحت و فرحت، صبر اور غصہ کا دور دورہ ہو جائے۔ " 1۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی نے صبر کو مسافرت پر فوقیت دینے شروع کیا

" صبر کا مرتبہ مسافرت سے اونچا ہے، بھوک کا مرتبہ بہت بھر کر کھانے سے
بلکے ہے، جس مرتبے تک ماہر پہنچتے ہیں۔ اہل مسافرت کو وہاں کی خبر
پہنچ نہیں اور جس مقام پر قافلہ کش پہنچتے ہیں، امراء کو وہاں کی بو نہیں
پہنچتی۔ " 2۔

امام ~~غفرلہ~~ ابو اسحاق کناہازی مہل کے حوالے سے فرماتے ہیں

" اللہ کے طرف سے کشاف کا منتظر رہنا صبر کہلاتا ہے، پھر فرمایا،
ہیں اہل توبہ اور ملک تہی خدمت گزار ہیں۔ " 3۔

مختصر یہ کہ صبر جملہ اہماتی اوجات میں سے ایک نہایت اعلیٰ درجے کی صفت ہے۔ انسانی زندگی

میں صبر نہ ہو تو زندگی گزارنا دھیر ہو جائے۔ عزم و استقامت، ہامدوں و استقامت کے ماہر جذبات ماہر

بڑ جائیں، یہ ایسی درخشندہ صفت ہے جس کے طفل بقول صبر علی اللہ

" صواب کن برداشت ہو جاتی ہے تم کے مامل جھٹ جاتے ہیں،

فکر کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ " 4۔

=====

مروت صورت میں ایسی حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان دنیاوی بددھنی سے آزاد

ذاتی فائدہ سے پاک اور ظن کی کنجش کو دور کر کے اللہ تعالیٰ سے لو لگا لے اور اپنے اعمال میں مخلص

ہو کر ذاتِ خداوندی کی عظمت اور اس کے حق و جلال کا مشاہدہ کرے۔ ہر وقت اپنے دل کو خدا کے حضور

میں جھکائے رکھے جب کوئی صوفی سلسلہ اپنے باطن کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ قائم کرتے ہوئے ان اسرار کا علم حاصل کر لیتا ہے جن کی وجہ سے دنیا میں اس کے احکام جاری ہوتے ہیں تو وہ معرفت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

عرفت کا مقصد توحید کی پہچان حاصل کرنا ہے لیکن اس کو حاصل کرنے والے مختلف ذہن اور مختلف ذرائع ہوتے ہیں اور خدا تک ان کی پہچان اپنے اپنے ذہن اور طریق کار کے مطابق ہوتی ہے۔ ایک عام شخص کی معرفت ایک ولی کی معرفت سے مختلف ہوتی ہے۔ ولی کا درجہ عام "عارف" شخص سے مختلف ہو گا کیونکہ اس کے نظریات اس کا فہم اور اس کا ذہن عام شخص سے مختلف ہوتا ہے پھر انسان کا ذہن محدود ہوتا ہے جبکہ خدا تعالیٰ کی نوعیت غیر محدود ہے، سہل فہم ہوتے ہیں

"ہاں وہ خدا جس کی معرفت/کفر میں بندہ ہے وہی ہاں کہ
وہ اس کی معرفت حاصل کرنے سے عاجز ہیں۔" 1۔

اس لئے انسان اپنے وجود کو مکمل طور پر اس ذات میں مدغم نہیں کر سکتا، شیخ سلطان مامون کے مطابق

"عرفت میں تین باتیں ہیں، اول صحبت کے وقت صبر دوم صفا کے وقت شکر سوم قضا پر راضی رہنا جو شخص معرفت کا دعویٰ کرے اور باتیں اس میں نہ پائی جائیں تو سجدہ لو کہ یہ سچا نہیں۔" 2۔

عرفت دو طرح کی ہوتی ہے، معرفت حق اور معرفت حقیقت۔ معرفت حق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن صفات کا اظہار کیا ہے ان کی بدولت حق تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنا اور معرفت حقیقت سے مراد یہ ہے کہ انسان یہ اقرار کر لے کہ حقیقت تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

حضرت جنید نے معرفت الہی کی دو قسمیں بتائی ہیں "عرفت اولیٰ" اور معرفت آخری "جن میں سے پہلی قسم مدلل معرفت کی ہے اور دوسری وجدانی معرفت کی۔" 3۔

حضرت داتا گنج بخش نے بھی اپنی کتاب کشف المحجوب میں معرفت الہی پر کافی بحث کی ہے، انہی نے معرفت کے متعلق لوگوں کے خیالات پر بحث کرتے ہوئے محذولہ کی اس بات کو رد کیا ہے کہ اللہ

1۔ بحوالہ "معرفت" ص 89 شیخ
2۔ بحوالہ "مناہج حیات" حضرت سلطان مامون مرتبہ حافظ محمد حمید اختر، ص 94
3۔ بحوالہ "جنید بغداد" ص 220

تعالیٰ کی معرفت عقل سے حاصل ہوتی ہے اور سوائے عقل سے لوگوں نے کسی کو معرفت الہی حاصل نہیں
ہوتی بلکہ ان کے خیال میں

" معرفت الہی کی علت اور مشیت الہی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ،
اس کی مطابقت کے بغیر عقل ٹاپتا ہے۔ اس لئے کہ عقل اپنی نسبت خود
جاہل ہے اور کسی مطلقہ نے آج تک اس کی حقیقت کو نہیں پہچانا
ہے اور جب وہ اپنی نسبت جاہل ہے تو وہ اپنے ضمیر کو کس طرح
پہچانے گی اور اللہ بزرگ و بلند کی مطابقت و رہنمائی کے بغیر محض
دلہل سے استدلال کرتا اور اس میں فور کرتا بھی خطا ہے کیونکہ
سب اہل ہوا اور ملحدوں کے گروہ استدلال ہی کہا کرتے ہیں لیکن
اکثر ان میں سے غارت نہیں۔ " 1۔

اس بات کو ابھرتے ہوئے اس طرح فرماتے ہیں

" جب اللہ نے عقل کو پیدا کیا تو فرمایا میں کبھی ہوں ؟ عقل خاموش رہی
اس پر اللہ نے اسے وحدانیت کا سبق لگا دیا۔ تب جا کر عقل نے آنکھیں
کھولیں اور کہا، تو وہ خدا ہے جس کے سوا کوئی وجود نہیں عقل میں
اس قدر طاقت ہے کہ اللہ کی مدد کے بغیر اسے پہچان سکے۔ " 2۔

طاہر اقبال نے بھی عقل کی دو قسمیں کی ہیں ایک عقل ہرمانی جو استدلال کے سہارے آگے بڑھتی
ہے لیکن اس کی تقدیر میں حضوری نہیں ہوتی ، دوسری عقل ہرمانی یا عقل ہرمانی ہے جو عشق کے مترادف
ہیں جاتی ہے اور اس میں حق تجلی شامل ہوتی ہے۔

۔۔۔ ہے حق تجلی بھی اس خاک میں پھنسا

فاسل تو سرا صاحب ادراک نہیں ہے

خواجہ عبداللہ انصاری ہروی کے نزدیک

" معرفت سے مراد پہچان ہے اس کے تین پانچ ہیں اور تینوں درجے تھے
توتہی کے ساتھ

باب اول = وجود باری تعالیٰ، اس کی یکتائی اور اس کے ہر مثل وجود کا مٹنا۔

دوم = اس کی قدرت، دانائی اور مہربانی کی شناخت

سوم = اس کے احسان، دوست داری اور قرب کی پہچان۔ " 1۔

فرض ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر کے الفاظ میں

"حرف الہی اپنے بلند ترین مدارج میں دیکو کاری، ہر لمحہ خود خداوندی اور مخلوقات کے اور جلوہ خداوندی کے مشاہدے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس حالت میں انسان اخلاق کا ایک نہایت ارفع عیار قائم کرتا ہے اور جس چیز سے بھی خدا نے منع کیا ہے اس سے کاملاً اجتناب ہو جاتا ہے۔" 2۔

فہرست فہرست

=====

لفظ اعتبار سے نفس کے معنی کسی چیز کا وجود اور اس کی حقیقت ہے یہ وہ صلاحیت ہے جس کی بدولت انسانی شخصیت کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کا شعور اور احساس ہو سکے۔ اس کے علاوہ یہ لفظ عقل، علم، قلب، عظمت و وسعت، کشادگی، وحدت، فیروز، ارادہ اور طاقت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس کے معنی شئی جس سے کسی اور عہدہ سے جس کی طرف انسان لپک کر جائے۔ سورہ المائدہ میں آیا ہے۔

تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسٍ وَلَا نَفْسٌ يَعْلَمُ مَا فِي طَائِفَةٍ

ترجمہ = (اے میرے رب) جو کچھ میں دل میں ہے تو اسے جانتا

ہے لیکن جو کچھ میں ہاں ہے میں اسے نہیں جانتا۔ 3۔

عام حالات میں نفس سے مراد کہیں روح اور کہیں جسم بھی لیا گیا ہے لیکن صوفیہ کرام کے یہاں اس کا مفہوم بالکل مختلف ہے، وہ نفس کو برائی اور شر کا سوجھ بوجھ کہتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں تمام برائیوں کی جڑ نفس ہے، قرآن حکیم میں بھی آیا ہے کہ

ان ظن لا مآرہ بالآسود

ترجمہ ۔ "یقیناً ظن برائی کا حکم دیتا رہتا ہے۔" 1۔

حضرت بانہدہ ہسٹامی نے لکھا

الظن صفة لا تشك إلا بالباطل

(یعنی ایک ایسی صفت ہے جو صرف باطل سے ہی شکیں پاتی ہے یعنی وہ
کبھی حق کے راستہ پر نہیں چلتا۔) 2۔

غلام احمد پھول نے "لغات القرآن" میں قرآن کے حوالے سے ظن کی قسمیں بتائی ہیں

(1) ظن امارہ ۔ "کسی مسئلہ قدر کو پس پشت ڈال کر، پشت مظاہر کی طرف جاتا ہے تو
اسے عام طور پر ظن امارہ کہا جاتا ہے۔" 3۔

(2) ظن لومہ ۔ "جس اوقات ظن افسان کی یہ کیفیت بھی ہوتی ہے کہ جب اس سے کوئی برائی
سوز ہو جائے تو اس کے بعد اس میں احساسِ ہدایت بیدار ہو جاتا ہے۔
اسے ظن لومہ کہتے ہیں۔" 4۔

(3) ظن مطہیہ ۔ "ذات کی کشمکش ختم ہو جاتی ہے۔ ذات، پشت جاذبیتی پر غالب آ جاتی
ہے۔ اسے قرآن کریم نے ظن مطہیہ سے تعبیر کیا ہے۔" 5۔

خواجہ شاہ عبدالصمد نے ان تین اقسام کے علاوہ ایک چوتھی قسم "ظن طہیہ" یا "ظن دسمیہ" بھی
بتائی ہے جو ان کے بیان کے مطابق صرف اہلِ ایمان طہیم الصلوٰت اور اکمل اولیاء کو حاصل ہوتا ہے۔ 6۔
اب ضبط ظن سے مراد اپنے وجود کی خواہشات پر قابو پانا، اپنے اندر سے اخلاقِ رذیلہ محسوس و
طمع، غرور و تکبر اور کینہ و کدورت کو مٹانا ہے۔ مولانا حمیدہ ظن کے غلاتِ جہاد کرتے رہے حضور نے
فرمایا ۔۔۔۔۔ "مجاہدہ وہ ہے جس نے اللہ کے لئے اپنے ظن سے جہاد کیا۔" 7۔

1۔ بحوالہ قرآن مجید، آیت صر 53/12

2۔ بحوالہ "بہارِ المطلب (اردو ترجمہ کشف المحجوب)" ص 305

3۔ بحوالہ "لغات القرآن" از غلام احمد پھول، ادارہ طبع اسلام، لاہور، ص 1648

4۔ ایضاً ۔۔۔ ص 1648

5۔ ایضاً ۔۔۔ ص 1648

6۔ "اصطلاحات صوفیہ" ص 155

7۔ بہارِ المطلب (اردو ترجمہ کشف المحجوب) ص 306

حضرت شیخ سلطان باحو ضبط طس کی تلقین بھی کرتے ہیں

" طس ہرست تو سار ہوا کرتے ہیں لیکن خدا ہرست بہت کم ہوتے ہیں۔
شہوت، فتنہ، طمع، حرص ہوا اور ریت کو روک ڈال تاکہ تو ہیکارہی مرد
ہیں جائے۔ " 1۔

حضرت داتا گنج بخش نے نزدیک طس پر ریاضت اور مجاہدے کے ذریعے قابو پایا جا سکتا ہے

چنانچہ وہ فرماتے ہیں

" ریاضت و مجاہدہ سے ان ہیں اوجات تو اپنے سے دلع کیا جاتا ہے، کثاہ
اوجات ظاہری میں سے ہیں اور ہیں اغلال اوجات باطنیہ میں سے اور ریاضت
افعال ظاہرہ میں سے ہے اور تہہ اوجات باطن میں سے۔ پس جو دبی اوجات
باطن میں پیدا ہوتے ہیں وہ ظاہر کے اچھے اوجات سے پاک ہو جاتے ہیں۔
اور جو بد افعال ظاہر میں پیدا ہوتے ہیں وہ باطن کے پسندیدہ اوجات
سے دور ہو جاتے ہیں۔ " 2۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنے مہدی کو درس دیتے ہوئے ضبط طس کی بھی تلقین کی ہے

" مکمل بھلائی اسی میں ہے کہ تمام حالات میں طس سے دشمن رکھی جائے
اگر تو پھرینگار ہے تو طس کا لفظ " طس سفالت ہو جا کہ لوگوں کے حواری اور
مشتبہ مال، احسان، بھروسہ، اعتماد اور ان سے خوف، ایذا اور مزید متاع دینا
بھلا میں سے جو کچھ ان کے پاس ہے اس سے بڑی طرح بے نیاز ہو جا۔ " 3۔

طمانہ اقبال نے شکل اصابت کے لیے جو قس دے شخص کئے ان میں سے دوسرا ضبط طس

ہے، اسرار خودی میں فرماتے ہیں

طس تو مثل شکر خود ہرور است
خود ہرست و خود سوار و خود سرائت
مرد شوآر زمام او ہرکست
تاشکوی گوہر اگر باشی غرت

1۔ " سوانح حیات ۔۔ حضرت شیخ سلطان باحو " ص 96

2۔ بحوالہ " بیان الطلوب " اردو ترجمہ کشف المحجوب (ص 299

3۔ بحوالہ " فتح القیب " ص 33

ضبط نفس موافقہ مسلک میں اہم ہے۔ اس میں ناگزیر مصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ضبط نفس کے بغیر کوئی صواب صحیح عقلی میں صواب نہیں ہو سکتا۔ آج جو ہم انسانی درجے سے بھیڑ کر چکے ہیں تو اس کی ایک وجہ نفس کی غلامی بھی ہے۔ اپنے نفس پر قابو پانے بغیر کوئی بھی انسان انسانیت کے اوج کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔ ضبط نفس سے یہ مراد نہیں کہ جائز خواہشات یا امنگی کا بھی گلا گھونٹ دیا جائے بلکہ

جیسا کہ پہلے وضاحت کی گئی ہے اخلاق و ذہن اور وجود کی ہر اور فاجائز خواہشات کو قابو میں رکھنا ہے۔ فرض یہ اور اس قسم کی اصطلاحات صوت کی دنیا میں گہرے حقائق اور مطالب کی حامل ہیں۔ اس

لفظی کے پیچھے صوفیا کی ریاضت، کردار کی پختگی اور اعمال کی نیکی، ایسے تجربات جھانکتے ہیں۔ صوفیائے کرام نے تکرار، صبر، فقر، ضبط نفس اور معاہدے کی سینکڑوں ہزاروں مثالیں صوت پر لکھی گئی کتابیں ہیں موجود ہیں۔ ان مثالوں میں مافوق الفطری رنگ بھی جھلکتا ہے۔ انتہا پسندی کے شوق بھی ملتے ہیں۔

لیکن ان مثالوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان جب نیکی کی راہ اختیار کرتا ہے تو پھر اپنے نفس پر کس طرح قابو پا لیتا ہے۔ رکھ، صاحب، شہادہ اور مشکلات اس کے ارادے کو متزلزل نہیں کر سکتیں۔ وہ

پامردی، ہزم و استیصال اور جرأت کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ ان سائنسی کو طے کرنے کے بعد وہ ایسے مرتبے پر فائز ہوتا ہے جہاں اس کی آئندہ اللہ کی آئندہ اور اس کا خاتمہ اللہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ مرتبہ اور مقام ہر بوالہوس کو صیب نہیں ہوتا بلکہ

یہ مرتبہ بلند طاقتوں کو مل گیا

ہر بوالہوس کے واسطے دایو وہی کہاں

خاک کی انسان نے جو لڑتے جیسی ملکوتی صفات حاصل کیں تو دراصل اپنے نیک اعمال، عبادت اور ریاضت کی بدولت، ہم تصور، صوت کے تابع ہی اوقاف اور تصور کے بنیادی مسائل کی گفتگو اب ختم کرتے ہیں اور اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ یہ کہ صوت کی دنیا میں ملتان کا حصہ کیا ہے؟ آئندہ حصے میں ہم ملتان کی عبادت، اس کی سیاسی سماجی اہمیت اس کے تہذیبی رشتے اور اس کے بارے میں سچائی کے بیانات کا ذکر کریں گے تاکہ ملتان کی تہذیب اور اس کی زندگی میں صوفیائے کرام کا جو کردار رہا ہے اس

کا تفصیلی جائزہ لے سکیں۔

کتابیات
.....
(پہلا باب)

نمبر نمبر	موضوع	کتاب	مصنف	تاریخ اشاعت
1	ابن تیمیہ	الفرقان (مترجم مولانا غلام ربانی مرحوم)	الکتبہ السلفیہ، ستی محل روڈ لاہور	جولائی 1978ء
2	ابن حنیف	سات دیہات کی سرزمین (تین ہزار خٹکے اور ملتان)	کاروان ادب، ملتان، مار آور	اکتوبر 1980ء
3	ابن حنیف مزا (مترجم)	نوادرات و مخطوطات (جشن ملتان کے سلسلے میں ہونے والی شائع کا پرورش)	الائڈ پریس لاہور	
4	ابن عربی، سید الدین، شیخ	فصوص الحکم (مترجم مولانا عبدالقادر عبدقی)	الکتاب، گنج بخش روڈ، لاہور	1979ء
5	ابوالولیت عبدقی، ڈاکٹر	اقبال اور ملک صحت	اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع اول	1977ء
6	ابولکر محمدی، سید (مولانا)	تاریخ سجدہ	مطبع طارق اعظم کراچی، 1386ھ/1947ء	
7	احمد سرمدی، امام ربانی، شیخ	مکتوبات مجدد الدت ثانی تلخیص کفہ، مولانا شاہ ہدایت علی نقشبندی	مکتبہ صوفیہ گنج بخش روڈ لاہور، مار آور	1386ھ/1976ء
8	اختر رشی (مترجم)	فتح نامہ سجدہ مرتبہ جج نامہ (مصنف، محقق اور شارح ڈاکٹر شبیہ بخش خان بلوچ)	سجدہ ادبی بورڈ، پہلا ایڈیشن	اپریل 1983ء
9	اسد علی سید، ڈاکٹر	ہدایہ ادب کے بھٹی کال بر مسلم ثقافت کے اثرات (مترجم ڈاکٹر ماجدہ اسد)	ترقی اردو بورڈ، مشی دہلی، پہلا ایڈیشن	1979ء
10	اشرف علی تھانی، مولانا	فصوص الکلم فی حل فصوص الحکم	خبر ستر پبلشرز، اردو بازار لاہور	مار آور، اگست 1978ء
11	امجدالرحمن قدوسی	اقبال کے محبوب صوفیاء	اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع	اول، جنوری 1976ء
12	افاطی	جمہوریہ افاطی (مترجم محمد رفیق چوہان)	مشتعل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد	مار آور، 1980ء

(ب)			
13	المبعض ، ابوہاشم	کتاب العهد	پہلا صفحہ غائب ہے، گورنمنٹ کالج بوسن ریڈی لائبریری سے حاصل ہوئی
14	الخطیب	تاریخ بغداد	القاهرة، 1931ء
15	اللہ یار خان، مولانا	دلائل السلوک الصوفیہ بہ البیان فی مسائل السلوک والاحسان	نشار آرٹ پریس جمیلریڈی لائبریری بار دوم
16	امام ابوہریرہ بن ابواسحاق	تعارف صوفیہ کے عقائد و احوال پر قدیم ترین کتاب (مترجم پیر محمد حسن، ڈاکٹر)	الطائف، گنج بخش ریڈی لائبریری بار اول، رمضان المبارک 1391ھ
17		شرح تعریف	مطبع مشی غوثیہ، لکھنؤ، اشاعت 1912ء (1330ھ)
18		انوار اصفا (مزینہ ادارہ "صحیف و تالیف")	شیخ غلام علی ایڈیٹر لائبریری، اشاعت سوم، 1978ء
19	بشیر احمد ڈار	تاریخ صوفیہ (قبل از اسلام) (ہوائی، ہندو، عیسائی اور جینی صوفی کا تعارف اور تاریخی جائزہ)	ادارہ ثقافت اسلامیہ، کتب ریڈی لائبریری اشاعت اول، اکتوبر 1962ء
20	بشیر احمد سعدی، سید	داتا گنج بخش	البیان، چوک انارکلی، لائبریری، بار اول 1969ء
21	برہنہ غلام احمد	صوفی کی حقیقت	ادارہ طلوع اسلام، گلبرگ-2، لائبریری اشاعت اول، ستمبر 1981ء
22	ایضاً	لفات القرآن (جلد اول تا چہم) (قرآنی مطالب کا اضافی کتب و بیڈیا)	ادارہ طلوع اسلام، گلبرگ، لائبریری اشاعت اول، مارچ 1960ء
23	ایضاً	لفات القرآن (جلد دوم تا ششم) (قرآنی مطالب کا اضافی کتب و بیڈیا)	ادارہ طلوع اسلام، گلبرگ، لائبریری طبع اول، اکتوبر 1960ء
24	ایضاً	لفات القرآن (جلد سوم تا دہم) (قرآنی مطالب کا اضافی کتب و بیڈیا)	ادارہ طلوع اسلام، گلبرگ، لائبریری بار اول، جنوری 1961ء
25	ایضاً	لفات القرآن (جلد آٹھ تا دس) (قرآنی مطالب کا اضافی کتب و بیڈیا)	ادارہ طلوع اسلام، گلبرگ، لائبریری بار اول، اپریل 1961ء
26	ثامن آرٹھ و لکھنؤ، سر	صوفیہ اسلام مترجم عبدالعزیز سالک	مطبوعہ مجلس ترقی ادب لائبریری بار اول 1960ء
27	نظام الحق مدنی	صوفی کی حقیقت	اعلیٰ بیت اکیڈمی، کراچی، بار اول 1976ء
28		حسی بن ناصر حلاج (شخصیت و انکار) ترتیب و تہذیب خوشیدہم	سنگ میل پبلی کیشنز، اردو بازار لائبریری اشاعت اول 1981ء

29	جیلانی و محی الدین عبدالقادر (شیخ)	فتح الغیب (فارسی)	مطبوعہ نولکشور 1305ھ
30	حسین نظامی، خواجہ (مرتبہ)	فوائد الفوائد (مترجم پرویز محمد سرور)	اولیات ملک/ اکڈمی پنجاب، لاہور، طبع دوم 1400ھ/ 1980ء
31	حضرت خواجہ شاہ محمد عبداللطیف (مرتبہ)	اصطلاحات صوفیہ	مکتبہ بکر، 5 بخشی سٹریٹ، پریس موری در بازار، لاہور
32	خالد محمود	داتا گنج بخش اور ان کا عہد (حیات و تعلیمات)	مقبول اکڈمی، چوک اٹارکلی، لاہور طبع اولہ، 1975ء
33	خاور حسینی	روح فرید (خواجہ فرید کے فن اور شاعری پر مقالات)	ہزم ثقافت ملتان، ہار اول
34	خواجہ عبداللہ اصاری ہروی، شیخ الاسلام	صد (100) میدان	اسٹاک بک فاؤنڈیشن، اشاعت 1397ھ/ 1977ء
35	غوث شاہ احمد گیلانی، سید	روح صوف	فائنس پبلی کیشنز پریس، لاہور، ہار- اولہ، 1981ء
36	دارا شکوہ	سکینۃ الاولیاء (احوال و فضائل حضرت ماں مر و میدان باسعادت) (مترجم پرویز محمد قبول بیک بدخشاں)	پنکجز لکچر، لاہور
37	ولیس احمد حقیری	صوف اسلام	علی پرنٹنگ پریس، لاہور، طبع دوم 1984ء
38	سلیمان ہروی، سید (مولانا)	مرب و وحد کے تعلقات	مدرسہ ثانی اکڈمی، بیس، والہ آباد اشاعت 1930ء
39	سید محمد مبارک علوی کرماتی الہدوی، امیر خیر	سیر الاولیاء (مترجم اصحاب الحق فارسی)	مرکزی اردو بورڈ لاہور، طبع اول 1980ء
40	شارب، ظہیر الحسن، ڈاکٹر	حسین الحد (خواجہ حسین الدین چشتی کے حالات، تعلیمات اور کرامات کا بیان)	مطبوعہ تاج پبلشرز، دہلی، ہار سوم جولائی 1981ء
41	ایضاً	دلی کے باغیچہ خواجہ	مطبوعہ تاج پبلشرز، دہلی، ہار سوم، مارچ 1982ء
42	شعلی شعلانی، علامہ	الفرالی	مطبوعہ قلمی پریس، کراچی
43	ایضاً	شعر الصمیم (جلد پنجم)	تاج پبلشرز، دہلی، بازار لاہور، طبع دوم
44	شرف الدین احمد دہلوی	کتبیات حدی (جلد اول و جلد دوم کامل) (مترجمہ) حضرت سید شاہ نجم الدین احمد نور دوس اور حضرت سید شاہ الیاس، یاس پوری، فردوسی	ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

45	شہد احمد شرافت نوشاہی مسد	شہد التواہخ (جلد اول، موسوم بہ تاریخ الاقطاب)	ادارۃ عارف نوشاہیہ، ساہی پال شہد (طبع گجرات) طبع اول 1979ء/1399ھ
46	شمس الدین سیالوی (خواجہ)	مرآت العاقلین (مرتبہ سید محمد سعید) (مترجم صاحبزادہ غلام نظام الدین)	اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، اشاعت 1977ء/1397ھ
47	شیخ حیدر الدین ابی الحسن علی بن یوسف	تذکرہ حضرت فخر العظیم (بہجۃ الاسرار اللہ والہ کی قیوں دکان، لاہور و حدین الاولیاء)	اشاعت 1980ء
48	خیر اللہ اختر	علم مصروف	ادارۃ کتابت اسلامیہ لاہور، طبع اول 1951ء
49	عبدالحق، مولوی، ڈاکٹر	اردو کی ابتدائی شہروں میں صوفیائے کرام کا کام	انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، اشاعت چہارم، 1977ء
50	عبدالرحمان چشتی، شیخ	مرآۃ الاسرار (جلد اول، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خواجہ فتاح عاریض) زمانہ تالیف 1045ھ تا 1065ھ (ترجمہ و تحقیق کپتان واحد بخش سیال) قدیم و غیر مطبوعہ تذکرہ صوفیہ کا اولین اردو ترجمہ	سوی فاؤنڈیشن، لاہور، اشاعت 1402ھ/1982ء
51	ایضاً	مرآۃ الاسرار (جلد دوم، خواجہ شمس الدین چشتی کا حضرت شیخ حسام الدین ماکھڑی) زمانہ تالیف 1045ھ تا 1065ھ (ترجمہ و تحقیق کپتان واحد بخش سیال) قدیم و غیر مطبوعہ تذکرہ صوفیہ کا اولین اردو ترجمہ	ایضاً
52	عبدالرحمان مجاہد، نقاد	طحات الناس مع سلسلۃ الذهب	شیخ الہی بخش محمد جمال الدین تاجران کتب، کشمیری بازار، لاہور، اشاعت 1345ھ/1927ء
53	ایضاً	طحات الناس (اردو) (مترجم حضرت شمس بہاؤی)	مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایبٹ آباد، جٹاچ روڈ کراچی، اشاعت اول مئی 1982ء
54	ایضاً	حیات صوفیہ (تلفیظ و ترجمہ "طحات الناس" (مترجم معتمد الدین احسان))	ادارۃ تبلیغ اسلام، صادق آباد، پاکستان
55	عبد السلام مدنی	اسوۃ صحابہ	مکتبہ عارفیہ، رقبہ ہلاک، ڈاکٹر ضیاء الدین روڈ، کراچی، اشاعت اول جولائی 1972ء
56	عبداللہ رحیمانی، شیخ	فتح القیوم (مترجم سید محمد فاروق قادری)	العارف، گنج بخش روڈ، لاہور، بار اول رشاد المبارک 1394ھ

- 57 **عبدالعاجد ربابی** صوت اسلام
(صوت کی عزت) اہم کتابی کا
اجمالی جائزہ مطالعہ
1393ھ
- 58 **عبدالحق عارف** ہرگز ہرجول (ہنجاس)
مطبوعہ جدید ناشرین، لاہور
بار اول 1979ء
- 59 **عبدالوہاب الشعراوی، علامہ** طبقات الاولیاء اردو ترجمہ، الطبقات
الکبریٰ (مترجم سید عبدالغنی واری مرحوم)
طبع انکیزی، کراچی، طبع اول،
فروری 1965ء
- 60 **عشرت حسن انور** اقبال کی مابعد الطبیعات
(مترجم ڈاکٹر شمس الدین صدیقی)
اقبال اکادمی پاکستان، لاہور،
طبع اول 1977ء
- 61 **عطار، نذیر الدین، شمع** تذکرہ الاولیاء
(مترجم مولانا فاروق محمد عادل
خان)
کتاب خانہ، خوشیدہ، 40-سارو
بازار لاہور
- 62 **ایضاً** تذکرہ الاولیاء (فارسی)
مطبوعہ دولکشر ایڈیل 1891ء
- 63 **علی حسن عبدالقادر، ڈاکٹر** جہد بغداد (مترجم محمد کاظم)
کتبہ جدید، لاہور، بار اول 1967ء
- 64 **عمر بن محمد شہاب الدین** عوارب العارف
(مترجم حافظ سید رشید احمد ارشد)
سپر روزی
شیخ غلام علی ایڈیٹر، اشاعت
دوم، 1977ء
- 65 **غزالی (امام)** کیمیائے سعادت (مترجم مجید یزدانی)
مطبوعہ ناشران قرآن، لاہور
- 66 **غلام فرید، خواجہ** مقامیں المعالی
(جمع و ترتیب رکن الدین)
(تحقیق و ترجمہ کپتان واحد بخش سیال)
اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور 1979ء
- 67 **قاسم غنی، ڈاکٹر** تاریخ صوت در اسلام
پنجاب کے صوفی دانشور
- 68 **قاضی حاجد** شیخ غلام علی ایڈیٹر ستر پبلشرز، لاہور
طبع اول 1979ء
- 69 **قشیری، امام ابوالقاسم** رسالہ قشیریہ
ترجمہ، مقدمہ، تعلیمات ڈاکٹر پیر
محمد حسن
- 70 **قشیری، ابی القاسم** الرسائل القشیریہ
عبد الکریم بن حوزن القشیری (ترجمہ الدكتور فیض محمد حسن)
شرفا الخدم المركزي للہ ہمای
الاسلامیہ (پاکستان) 1354ھ/1964ء
کراچی
- 71 **قلم قبیلہ (مرتب ثاقبہ رحیم الدین)** قلم قبیلہ (ادبی تنظیم) کوئٹہ، طبع اول
(مجموعہ)
اگست 1981ء

مرکزی مجلس سہروردیہ، لاہور، ہار اول	الفرخ لکھری	72	قادر علی صاحب
نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی، اشاعت اول 1976ء	ظہیر کے بنیادی مسائل	73	قیصر الاسلام، قاضی
استراج پہلی کھش، لاہور، ہار اول 1978ء	تاریخ ملتان (پانچ ہزار سال قبل مسیح سے دور حاضر تک)	74	کرم الہی بدر
ایجوکیشنل سروس، کراچی، فروری 1963ء	لحائقی	75	محمد اسطغی علی علی، الحاج
ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور ساتھ ہار 1975ء	آب کوثر (اسلامی مہد و پاکستان کی مذہبی اور علمی تاریخ مہد خلیہ سے پہلی)	76	محمد اکرام، شیخ
ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، نویں ہار 1975ء	موج کوثر (اسلامی کی مذہبی اور علمی تاریخ کا دور جدید اضمیں مدنی کے آغاز سے زمانہ تاحال تک)	77	ایضاً
ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ساتھ ہار 1979ء	رؤ کوثر (اسلامی مہد اور پاکستان کی مذہبی اور علمی تاریخ مہد خلیہ)	78	ایضاً
طبوعۃ الکتاب، لاہور، اشاعت اول 1967ء	حقیقت مصروف	79	محمد زوقی شاہ، السید
مکتبہ سلطانیہ، کھڑ فلح گومراوالہ ایڈیشن دسواں، ستمبر 1980ء	سوانح حیات حضرت شیخ سلطان باہو	80	محمد حمید اختر (مرتب)
اسلامک بک فاؤنڈیشن سال اشاعت 1979ء	حضرت خواجہ محمد سلیمان توسلی	81	محمد حسین للہی
فریز سٹر لیٹ، لاہور، اضمیں ہار 1976ء	بیان المطلوب ترجمہ اردو کشت المحبوب (مترجم مولوی فریوالدین)	82	مندوم علی مجہوری (داتا)
دارالضبط، اعظم گڑھ 1960ء	مہد وستانی عربی کی نظر میں (جلد اول) (مہد وستان کے متعلق قدیم عربی مضامین خصوصاً جغرافیہ نویسی اور سیاحی کے بیانات کا اردو ترجمہ)	83	سموعلی مدنی (مولانا)
اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، اشاعت 1395ھ	گلزار اہرار (اردو ترجمہ ازکار اہرار) (جہاںگیری مہد کے ایک غیر مطبوعہ نکسے کا نایاب ترجمہ مترجم فضل احمد جہیری)	84	محمد فوٹو شاپار، ماڈری

- 85 محمد یوسف کوکن عمر امام ابن تیمیہ (ابن تیمیہ کے حالات اور مجدداً کارنامی کا تذکرہ) پہلی بار 1402ھ/1982ء
- 86 مہر عبدالحق، ڈاکٹر ملتان (سرائیکی زبان میں) پاکستان پمپاس اسی بورڈ، لاہور بار اول، اگست 1980ء
- 87 ضامی، خلیق احمد، علامہ تاریخ مشائخ چشت (تذکرہ بزرگان دین) دارالمؤلفین، اسلام آباد
- 88 ولی الدین مہر، ڈاکٹر قرآن اور تصوف پروگرام پکس، اردو بازار لاہور، اشاعت اول، جی 1979ء
- 89 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر تاریخ تصوف (عہد، بیوانی، اسلامی) علامہ اکیڈمی، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، اشاعت اول 1396ھ/1976ء

فیہ مطبوعہ/قلمی نسخے

- 1 شمع شرف الدین قریشی منبع البرکات (فارسی) تذکرہ حقایق قلمی نسخہ کی فوٹو کاپی (حالات حضرت مخدوم عبدالرشید حقائق)
- 2 محمد افضل قریشی اسدی خلاصۃ الاحباب (فارسی) قلمی نسخہ کی فوٹو کاپی سن ثالث 1156ھ
- 3 منور حسین حیدر عقائد و مذاہب قلمی نسخہ (فوٹو کاپی) گورگانی سٹریٹ بہاول نگر
- 4 محمد اسلم، پروفیسر اسلامی تصوف میں فرد کا تصور فیہ مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، یہ مقالہ زکریا یونیورسٹی ملتان میں پیش کیا گیا ہے۔

S.No.	AUTHOR	T I T L E	P U B L I S H E R
1-	Alexander Burnes, Sir	Travels into Bokhara together with a narrative of a Voyage on the Indus. (Vol: I, II, III)	Oxford University Press, 1775.
2-	Browne E.G.	A Literary History of Persia	Cambridge, 1928.
3-	Charles Masson	Narrative of various Journeys in Balochistan, Afghanistan and the Punjab (Vol-I, II, III)	Oxford University Press, Karachi, 1974.
4-	Edward Jaber Jurji	Illumination in Islamic Mysticism.	Singh Sagar Academy, Lahore.
5-	Hughes, Baron Charles	Travels in Kashmir and the Punjab (Memoirs, Voyages and Travels)	Quessin, Lahore, 1976.
6-	Masquin Bin Mansur Al-Halifi	The Tawasin (Translated by Aisha Abd Rahman.	Al-Bisuni, Islamic Book Foundation, Lahore, 1978.
7-	Iqbal Ali Shah, Sindar	Islamic Sufism	The Book House, Urdu Bazar, Lahore.
8-	MacLagan, S.D.	Gazetteer of the Multan District 1901-02 (Revised Edition)	Research Society of Pakistan First Impression, May, 1977 (Lahore)
9-	Martin Lings	What is Sufism?	London George Allen & Unwin Ltd; Buskin House- Museum Street First Published in 1975
10-	Mir Wajiduddin, Dr.	The Javanic Sufism	Progressive Books, Urdu Bazar, Lahore Second Revised edition Pakistan, 1978
11-	Mohan Lal	Travels in the Punjab, Afghanistan, Pakistan to Balk Bokhara and Herat and a visit to Great Britain and Germany.	Al-Bisuni, Lahore, 1975.

*****			*****		
	Nicholson R.A.	The Mystics of Islam.		London, 1974.	
13.	Sachau, Edward C(Dr.)	Alberuni's India (Vol-I,II)		Sh.Mubarak Ali, Lahore, 1962.	
14.	Saunders E.Dale	Buddhism in Japan		Charles E-Tuttle Company,,Tokyo First Edition 1972.	
15.	Shushtery A.M.A.	Outlines of Islamic Culture(Historical and Cultural Aspects).		A Sharp Ir-ss, Lahore, First Edition 1975.	
16.	Tara Chand, Dr.	Influence of Islam on Indian Culture		Book Traders, Lahore 1st Publish edition 1979	
17.	William Foster	Early Travels in India (1583-1619)		Al-Biruni, Lahore, 1978.	
*****			*****		

باب دوم

ملتان

(الف) ملتان کی قدامت و اہمیت اور سیاسی تاریخ

(ب) ملتان کی مذہبی، معاشرتی اور تہذیبی زندگی کا جائزہ — مسلمانوں کے
بیانات کی روشنی میں —

(ج) سر زمین ملتان میں نسلی تشکیلات کا خاکہ

دوسرا باب

(الف) ملتان کی قدامت و اہمیت اور سیاسی تاریخ

ملتان کی قدامت و اہمیت

راہی، چناب، جہلم کی مروج لہریں میں گھرا ہوا ملتان کا زرخیز علاقہ اپنی قدامت اور تاریخی حیثیت کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ اپنی سوسیزی و شادابی، زراعت اور دراواں دلدھار کی وجہ سے ہر حملہ آور کے لیے کشش کا باعث بنا رہا۔ ہر سماج اور جغرافیہ نویس نے، چاہے وہ عرب و عجم سے تعلق رکھتا تھا یا یورپ کی سرزمین سے، اپنی تصنیف یا تالیف میں اس علاقے کا ذکر ضرور کیا ہے۔ ان کے بیانات سے ملتان کی قدامت اور اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ ملتان کی قدامت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ "رگ وید" جس قدیم مذہبی کتاب کا کچھ حصہ ملتان کے آس پاس کے علاقے میں تصنیف ہوا۔ "رگ وید" ملتان کی وسیع وادی میں تیرہ سو سال قبل از مسیح سے لے کر قبل مسیح آٹھ سو سال تک میں مکمل ہوئی اور یہی زمانہ تھا جب آریا مشرقی سندھ کے علاقے سے ہجرت کر کے آئے اور وہیں سے سرسوتی یعنی ہستنا کے علاقہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ یہیں رگ وید، کا کچھ حصہ تصنیف ہوا علامہ حقی لکری کی تحقیق کے مطابق

"اس کا قص چوتھائی سے بھی زیادہ حصہ پنجند، علی پور، ملتان اور ساہیوال یعنی حڑپہ کے علاقے میں تصنیف ہوا ہے۔ اس میں جھنگ، شوگرٹ بھی شامل ہے کیونکہ ایک ہزار قبل مسیح شوگرٹ کے قلعہ بھارت سے آریا کی ایک زمانہ تک جنگ رہی تھی اور شوگرٹ کی سیوی حکومت کے بجائے کچھ آثار سکھ کے وقت تک موجود تھے جو ختم ہو کر چند روایت کی حکومت میں شامل ہو گئے۔" 1۔

رک وہ نہ تو ایک شخص کی لکھی ہوئی ہے اور نہ ایک ہی وقت میں لکھی گئی ہے۔ صدیوں کے مذہبی تہذیبی اور تاریخی سوانح کو محفوظ رکھنے والی رُک وہ، کئی دہائیوں کے مختلف اوقات میں لکھی۔ یہ بھجئی، اشوکی پر مبنی ہے جو آریاؤں کے صدیوں کے ذہنی و فکری ارتقاء کا نتیجہ تھا۔ سفکرت کالج کلکتہ کے پرنسپل اور ہندی فلسفے کے سکالر ایس۔ آر۔ این گھٹا کے مطابق

" رُک وہ کے بھجی نہ تو شخص واحد کی محنت کا ثمرہ ہیں نہ وہ کسی ایک خاص زمانے سے متعلق ہیں، غالباً، مختلف زمانوں میں مختلف دہائیوں نے ان کو لکھا ہے، اور یہ بھی اقلب ہے کہ بعض تو آریوں کے ہندوستان آنے سے قبل ہی مرتب ہو چکے تھے، یہ روایتا پہنچے ہیں اور ہند کی نسلی کے شعراء کے جدید اضافے ہوئے لگے اور جب مجموعہ بہت بڑھ گیا تو غالباً اس کو موجودہ صورت کی حالت میں ترتیب دیا گیا، یا اور کسی قدیم صورت میں ترتیب دیا گیا ہوگا، جو موجودہ حالت اور ترتیب کا ماخذ ہے، اس لئے ہندوستان میں آنے سے قبل یا بعد میں یہ ہند مختلف زمانوں میں آریا قوم کی تہذیب کا آئینہ رہے ہیں۔ یہ یکتا یادگار اس طویل فاصلہ شدہ زمانے کی ہے جس کی جمالیاتی قدر بہت اہم ہے اور جس میں اصلی شاعری کی زبردست جھلک ہے۔ " 1۔

آریا جب کھیتی باڑی کے لئے زمیں کی تلاش میں ملتان کے وسیع علاقے میں پہنچے تو انہی نے دیہاتوں کے آس پاس آبادیاں قائم کر لیں۔ رُک وہ میں دیہاتوں کے لئے بھجئی کے علاوہ ان دیہی کا ذکر بھی ملتا ہے جس کے کنارے وہ آباد تھے چنانچہ ان کی شاعری میں خاص طور پر سندھ دی کا ذکر ملتا ہے جس کی ریانی سے وہ اپنی شاعری کی ریانی اور فصاحت کو تشبیہ دیتے تھے چنانچہ سندھ دی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

" چکنے والی، دیشیاں، مالی شام، نہ فتح ہونے والی ہے، سب دیہی سے زیادہ اس میں پانی ہے، خصوصیت اہل دیہی کی طرح جس میں اس کا پانی گھاٹ سے ادھر چڑھ جاتا ہے۔ " 2۔

1۔ بحوالہ " تاریخ ہندی فلسفہ " جلد اول از ایس۔ آر۔ این، گھٹا، ص 21-20 مطبوعہ دارالطبع جامعہ عقابہ سرکار حیدرآباد دکن، 1945ء

2۔ " ویدک ہند " از میڈم ریڈ اے راگھون، ص 203 اردو ترجمہ مولوی حمید احمد انصاری، مطبوعہ دارالترجمہ

آہائی نے مشرقِ سحر اور ملتان کی وسیع سر زمین کا رگ و پد میں ذکر کیا ہے اگرچہ بعد میں اسی نے کٹا جٹا کی طرف رہائش اختیار کر لی تھی لیکن اپنی تحریروں میں جو رسم الخط اور اعداد اپنایا اس میں مشرقِ سحر اور ملتان کی سر زمین کا اثر ہے بقول علامہ حقیق فکری

" ہمیں رگ و پد میں تو ہمارے لکھنؤ کا بہار کا شاعر کا ذکر ملتا ہے۔ بلکہ پشاور جو زمانہ قدیم میں ملتان کی سلطنت کے تحت تھا اس کی قدی سیرتوں جو ایک زمانہ ہوا ختم ہو چکی ہیں کا نام ملتا ہے یا پھر مشرقِ سحر اور ملتان کے علاقے کا ذکر ملتا ہے۔ " ۱۔

محقق ماهر آثارِ قدیمہ مرزا ابن حنیف اپنی تصنیف " سات دریاؤں کی سر زمین " میں اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ رگ و پد کی پہلی کتاب کے 132 ص گیت میں جن دو شہری " جل استعان " اور مہاول استعان کا ذکر ہے وہ دراصل ملتان ہی کا قدیم نام ہے، وہ لکھتے ہیں

" اس گیت سے یہ بات تو ظاہر ہے کہ ان دونوں شہری جل استعان کا اور مہاول استعان کو آریا پہلے ہی سوار کر چکے تھے۔ سؤل ہے کہ یہ آخر کئی سے شہر ہو سکتے ہیں؟ ملتان کا ایک نام " مول استعان " (ملی استعان) بھی رہا ہے چنانچہ کیا کسی طرح یہ ممکن ہے کہ رگ و پد کا جل استعان کا (جلا استعان کا) یا مہاول استعان، جس سؤل میں ہزار برس پیشتر ملتان ہی ہوا اور ملتان ہی کا نام اس وقت جل استعان ہو؟ میں نزدیک ایسا مکتی تو ہے کہ " جل استعان " کا زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ بکڑھچ تغیر و تبدل کے سبب " مول استعان " بن گیا ہو۔ ایک صورت اور بھی سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ ہو سکتا ہے کہ رگ و پد کے دور میں ملتان کا نام مول استعان (مل استعان) ہو۔ آہائی شاعر نے اپنی نظم میں مول استعان یا اس سے بالکل ملتا جلتا ہی کوئی ایسا نام یاد کیا جو صرف ہم (م) سے شروع ہوتا ہو مگر جب مدنی بعد اس گیت کو ضبطِ تحریف میں لایا گیا تو زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ تلفظ بھی تبدیل ہو جانے سے لوگوں کی زبانی ہر اس کا نام جل استعان کا چڑھ گیا ہو اور لکھا گیا ہو۔ بہرِیکت میں خیال میں یہ بات بعد از قیاس نہیں کہ

"ہل استعاں کا" مول استعاں اور مولستان، بنا ہوا مول استعاں کو آریاؤں نے ہل استعاں کا۔ نام دیا ہو اور یہی لکھا بھی ہو۔ اگر میری یہ قیاس آرائی درست ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ سکندر کے حملے سے بھی ہزار بارہ سو سال قبل ملتان کا نام ہل استعاں، مہاہل استعاں، مول استعاں یا پھر ان سے ملتا جلتا ہی کوئی نام ہو گا۔" 1۔

رک ود کے متعلقہ حصے کا انگریزی ترجمہ رالت شی۔ ایچ گرفتہ نے اپنی کتاب "The Hymns of the Rigveda" میں بھی کیا ہے۔

"اے مکھی! ان طاقت ور دلمبر جادو گرہی کو مار بھگا۔ انہیں تنگ کر دے، گہرا اور تنگ کر دے میں پھینک دے۔" 2۔

گرفتہ نے کوئی ایک صدی قبل (1889ء) رک ود کا دو جلدی میں مکمل ترجمہ کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت ودی زبان کے بارے میں معلومات بہت کم تھیں اور ترجمہ کی جملہ اور ضروری سہولتیں بھی میر نہیں تھیں۔۔۔ چنانچہ گرفتہ نے "ہل استعاں کا" اور مہاہل استعا "۔۔۔ کا اپنی معلومات کی حد تک لفظی ترجمہ کر دیا یعنی اس نے "ہل استعاں"۔۔۔ کا ترجمہ "تنگ کر دے" اور "مہاہل استعا"۔۔۔ کا ترجمہ "گہرا اور تنگ کر دے" کیا۔ حالات خود رک ود کے مذکورہ گیت کی رو سے بھی یہ دونوں شہر تھے اور اس گیت کی رو سے تباہ ہو چکے تھے (رک ود میں متعدد تباہ شدہ شہری اور بڑی بڑی تباہ شدہ آبادی کے شہری کا ذکر ملتا ہے)۔۔۔ چنانچہ بعد میں بریٹ اور میٹالین نے اپنی کتاب "The Rise and Fall of civilisation in India & Paki" میں انہی سطریں کا جو ترجمہ کیا ہے وہ یہی ہے

"اے مکھی! (اور) تباہ شدہ شہر ہل استعاں اور تباہ شدہ شہر مہاہل استعا میں جادوگرہی کے فلول کو تباہ کر دے۔" 3۔

ان سطریں کے بارے میں یہ قیاس درست ہو یا نہ ہو تاہم اس میں شک نہیں کہ تہذیب انسانی کے حامل ہم تنہا شہری میں ایک ملتان ہے۔ اگر سی شہل کے مطابق "جس وقت زمیں و آسمان کی مدت

1۔ "سات دہائی کی سطریں" سے پراسرار غلطی اور ملتان از اس حقیقت پبلشر کاروان ادب ملتان،

2۔ مار آپل، اکتوبر 1980ء، ص 235 تا 236

3۔ "The Rise and Fall of civilisation in India and Pakistan" Page 308

By BRIDGET AND RAYMOND ALCHIN.

"The Hymns of the Rigveda, Translated by HULSH T.H. GRIFITH.

6,285,000 برس تھی اس وقت سے ملتان آباد ہے اور چاندی روپی سے گزر چکا ہے۔ پہلے دور میں اس کا نام راہنہ پور تھا۔ " 1۔

ملتان کی قدامت کا اندازہ لگاتے ہوئے مرزا ابن حنیف مزید لکھتے ہیں کہ

" ملتان کی قدامت اور اہمیت کے سلسلے میں ایک بات اور ذہن میں رہنی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ یہ صرف سکندر اعظم بلکہ مروج یافتہ ہڑپائی دور (2500 ق م تا 2000 ق م) میں بھی ملتان میں قلعہ اور قصبہ موجود تھی۔ ہڑپائی دور میں بالفرض یہ جی تو کم از کم سکندر کے زمانے میں تو ملتان میں عظیم الشان اور مضبوط و مستحکم قلعہ بہر حال موجود تھا۔ چنانچہ سو دو ہزار سال قبل ملتان میں قلعہ کی موجودگی سے آسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسے اتنا بڑا مرکزی اور اہم شہر بننے میں کتنا عرصہ صرف ہوا ہو گا کہ جہاں قلعہ بھی بن سکے۔ ظاہر ہے کہ شہر کا یہ تدریجی ارتقاء چند برسوں میں تو ہونے سے رہا ہزاروں سال ہی لگے ہی گئے۔ " 2۔

کرم الہی بدر کے بیان کے مطابق

"جب آیا لوگ یہاں آئے تو انہی نے دریائے سندھ کی مناسبت سے اس شام طاقے کو سندھ کہنا شروع کر دیا جو دریائے سندھ سے سیراب ہوتا تھا۔ لورہ لائی سے ریوڑ تک اور سوات سے راجپوتانہ تک آری کی اصطلاح میں سندھ میں سندھ ہے ہم کہتے ہیں کہ اگر ملتان کو مرکز مان کر پرتگال بمبیرہ عرب تک کھینچی جائے تو جتنا علاقہ اس کے اندر ہو گا اس کی طبعی اور لسانی وحدت ہو گی اور یہی آری کا سندھ تھا۔ " 3۔

پھر آگے چل کر کرم الہی بدر اپنی بات کے ثبوت میں لاؤچر (Foucher) کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ

" لاؤچر صاحب بنی وثق سے کہتے ہیں کہ ہم ملتان کے قدامت سے انکار نہیں کر سکتے۔ یہ چھ ہزار سال ق م میں کشمیر پورہ کے نام سے موجود تھا

1۔ حکایات پنجاب (حصہ سوم) مرتبہ آرس ٹیمل، ترجمہ میاں عبدالرشید، ص 362، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول 1962ء

2۔ بحوالہ "بات دریائے سندھ" میں ہراسرار خطے اور ملتان" ص 221

3۔ "تاریخ ملتان" (زبان ہزار قبل مسیح سے دور حاضر تک) مصنف کرم الہی بدر، بار اول 1978ء، استخراج پہلی

اور تیسری صدی ق م میں جب آپس کے قافلے وادی سعد میں آتے تو
ملتان ہوتے اور آپس دونوں راستوں کے لحاظ سے وادی سعد کے ممتاز
شہروں ہڑپہ اور موئن جو دڑو کو ملانے والا مرکزی شہر تھا۔¹

(2) ملتان کے قدیم نام اور ان کا جائزہ

دور قدیم میں ایک نہایت اہم اور مرکزی شہر ہونے کی حیثیت سے ملتان ہمیشہ حلقہ

آپس کی زد میں رہتا تھا اس لیے یہ شہر بار بار اجڑتا اور بستا رہا اور اس کے متکراں بھی بدلتے
رہے اور اسی بناء پر مختلف زمانوں میں اس کے نام بھی بدلتے رہے۔ ملتان کے مختلف ناموں اور وجہ تسمیہ
کا جائزہ اسے تو سابقہ صفحات میں آنے والے ناموں کے علاوہ بہت کچھ اور ناموں کے سامنے آتے ہیں۔ ملتان کے

قدیم ناموں میں قدیم ترین نام "کسپ پورہ" یا کسپ پورہ ہے۔ یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس

484 تا 445 ق م اور حکانانیوں H CATAESUS (500 ق م) نے قدیم زمانے میں ملتان کے نام کو

کسپ پورہ یا کسپ ٹورس اور ٹولوی KLAUDIOS PTOLEMAIOS (دوسری صدی عیسوی) نے کسپورا

کہہ کر پکارا ہے۔ قدیم مشرق وسطیٰ میں اس کا نام "کسپ پورہ" آیا ہے یہ بھان پورہ، سہا پورہ اور

ہنس پورہ کے ساتھ آیا ہے۔² ہندو دیوانائی کہانی کے مطابق ملتان "مہارشی کسپ"³ نے آباد کیا

جس کی وجہ سے اس کا نام کسپ پورہ یا کسپ پورہ پڑ گیا۔⁴

1- "تاریخ ملتان" (پانچ ہزار قبل مسیح سے دور حاضر تک) صحت کرم الہی ہدرہ، ص 68، مطبوعہ استخراج
پبلی کیشنز، لاہور مارچ 1978ء

2- مزید تفصیل کے لیے مطالعہ فرمائیے (العم تاریخ ملتان از کرم الہی ہدرہ، ص 20 تا 51
(ب) سات دیہاتی کی سر زمین، ص 237

3- کسپ ہدی دور کے سات عظیم ترین رشتوں میں سے ایک تھا، بحوالہ سات دیہاتی کی سر زمین، ص 237

4- سید نور علی خاں لکھتے ہیں "چھٹی صدی قبل از مسیح کے راجا اول کے نوٹادہ مشہور جہاز

راں مکائی لیکس کی دیہات سعد کی تفتیش سیاحت کا مطالعہ پکھیکا شہر کسی پٹوس

Patrus سے گزار کرنے کا ذکر ہے۔ پندرہویں صدی کے مصنف نے اس کو KASYAFANURA

ایپورا بنا دیا ہے۔ ہیروڈوٹس نے یونانی میں تلفظ ڈھالا تھا۔ البیسی نے اصل مقامی تلفظ کہہ

ڈالا اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ وہ شہر ملتان تھا۔ غالباً اس کا قول درست ہے۔" (ملاحظہ فرمائیے

تذکرہ شیخ سکندر خاں آپس یونانی) مطبوعہ تحقیق و تذکرہ احمد پور شرقیہ، 1966ء، ص 26

ملتان کا ایک نام " پرہلاد پورہ " بھی ہے جس کی وجہ تسعہ صدی کی قدیم تہن مقدس

ہراں کتابی میں درج کی گئی ہے۔¹ یہ نام بھکت پرہلاد کے نام پر پڑا تھا۔ بھکت پرہلاد کا مہر اب تک ظہر کے شرف کی طرف حضرت کوٹ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مزار کے پاس موجود ہے۔

بھاگوٹ ہراں کی رو سے ملتان راجہ کرشن کے بیٹے شامپ کے نام سے " شامپ پورہ " بھی کہلایا

کیونکہ شامپ نے ملتان کو آباد کیا تھا۔ شامپ کو کس رش کی بددعا کی وجہ سے کوڑھ کی بیماری ہو گئی تھی عرصہ تک علاج کروانا رہا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ ایک عرصہ تک شریف کے درختی کے سائے میں

لیٹا رہا اس طرح اسے صحت حاصل ہوئی اس خوشی میں اس نے ملتان شہر کو جو عرصہ سے غیر آباد چلا آ رہا تھا آباد کیا، یہی ملتان اس کے نام پر " شامپ پورہ " یا " شام پورہ " کہلایا۔²

ملتان کے نامی میں ایک " سب پورہ " بھی آتا ہے جس کے متعلق مقدس ہراں میں یہ کہا جاتا

ہے کہ ایک جنگ میں رانی حب وطن نے کرشن جی کے ساتھ وفاداری دکھائی۔ کرشن جی کے رتھ کا لٹھا ٹوٹ گیا تو رانی نے اس کی جگہ اپنا بازو دے دیا۔ چنانچہ کرشن جی نے کامیابی کے بعد ملتان شہر رانی

کے بیٹے سب کو بخش دیا جس نے ملتان کو جدید طرز سے آراستہ کیا اسی وجہ سے ملتان کا نام سب پورہ پڑ گیا۔³

ملتان کا ایک نام " منہ " بھی تھا۔ منہ کے معنی " سوچ دینا کا شہر "۔⁴ ہے۔ اسی

لئے کہا جاتا ہے کہ ملتان کا نام " منہ " منہ " سوچ دینا منہ کی وجہ سے راجہ پا گیا تھا۔ ملتان کا نام ارستادہ، بھی منہ کی طرح راجہ سب کے زمانے میں مشہور ہوا۔ ارستادہ کے معنی " اریکا کا شہر "۔⁵

1- طالعہ نوائے بھاگوٹ ہراں (ساتواں اسکند) کو دور بیس لاہور، 68-1867ء، ص 110 تا 112 (علامہ عقل فکری کی ذاتی لائبریری سے حاصل کی گئی۔)

2- بھاگوٹ ہراں، ص 245

3- بحوالہ بھاگوٹ ہراں (اثبہ سٹوں ان اریٹائی) ص 346، مطبوعہ کو دور بیس لاہور 68-1867ء (مسکرت سے بیچ بھاشا میں ترجمہ از منٹن ہریرائی باغات ہڈت بہادر منگھ)

4- مزا ابن حقیق کے مطابق ابتدائی دور میں شمس دیوٹی کی تعداد چھ تھی جس میں سے ایک کا نام " منہ " تھا۔ تفصیل کے لئے مطالعہ نوائے " سات دریائی کی سرزمین " ص 238

5- مزا ابن حقیق کے مطابق " اریکا " کے معنی سوچ دینا کے ہیں۔ تفصیل کے لئے مطالعہ نوائے " سات دریائی کی سرزمین " ص 238-239 (ملتان کے کسی مغلط نام یعنی سب پورہ، منہ اور ارستادہ

تینوں ایک ہی راجہ سب کے دور میں مشہور ہوئے یہ نام مختلف واقعات کی بنا پر مشہور ہوئے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔)

کے متعلق ہیں۔ سوچ کٹ یعنی " سوچ کا تالاب " ملتان میں آج بھی موجود ہے۔ ملتان کے مختلف نامی کا جائزہ لیتے ہوئے مزا اہن حضرت عباس ظاہر کرتے ہیں کہ

" کسی زمانے میں اس کا ایک نام ملوہ ^۱ بھی تھا اس سے ملتا جلتا کوئی نام بھی رہا ہو گا اور میں ممکن ہے کہ اسی کے نام پر اس عظیم شہر کے زہر اثر طالع یعنی وسطی پنجاب کو ملوہ کہا جاتا ہو جیسا کہ ایک وقت میں ہمالہ شہر کے نام پر اس کے زہر اثر مرقا کے ایک مقصور و بڑے حصے کو ملک ہمالہ بھی کہا گیا۔ " ۱۔

ان نامی کے علاوہ مختلف ادوار میں ملتان کے یہ نام بھی رہے ہیں۔ ہنس پورہ، بھال پورہ، مولیان پورا، میاں ^۲، ماستغان پورہ، مولتان ^۳ اور پھر آخر میں ملتان۔ دراصل ان نامی کے سلسلے میں مختلف حوالی میں جو دیو مالائی کہانیاں اور مافوق الفطرت واقعات درج ہیں ان کو تاریخی واقعیت کی حیثیت تو نہیں دی جا سکتی تاہم ان سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ " ملتان " وادی سندھ کا قدیم ترین شہر ہے اور اس کا تعلق اس زمانے سے ہے جب انسانی تہذیب و معاشرت اور اعتقادات میں دیوی دیوتاؤں اور دیو مالاکا کا بڑا دخل تھا۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی " بافال ٹریڈ سلیم " میں ذکر سامنے آتی ہے کہ ملتان ایک بڑے وسیع اور مہذب آزاد اور خود مختار علاقے کا مرکز تھا۔ اور ملتان کے لفظ سے ایک خاص شہر کے علاوہ ایک بہت بڑی اعلیٰ ولایت، ملک راجدھانی، سلطنت حکومت بلکہ خاص جغرافیائی وحدت مراد لی جاتی تھی۔

ملتان کا قدیم لفظ (اسی لفظ ہاج) بھی ملتان کی وحدت کا ایک ثبوت ہے اگرچہ سرور زمانہ کے تحت اس میں تبدیلیاں ہوتی رہیں کسی کیونکہ یہ ہر خطہ آو کا شاہد بھتا رہا ہے اس کی حیثیت ہر حاکم کے لئے صدر مقام کی تھی اس لئے یہ بار بار تباہ ہوا اور پھر نئی تبدیلیوں کے ساتھ آباد ہوتا رہا۔

1۔ " سات دہائی کی موزوں " ص 225

2۔ مشی عبدالرحمان خان کے مطابق ملتان کا سب سے پہلا نام میاں تھا، طاحنہ لوائی " آئینہ ملتان " ص 26، مکتبہ اشرفیہ، ملتان، اشاعت اول

3۔ منشی جناب حبیب لالی کی لائبریری سے ایسا کارڈ دستیاب ہوا ہے جس پر مولتان (MOOLTAN) کی مہر ثبت ہے۔ یہ کارڈ 23 مارچ 1896ء کا ہے اور اس پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی مہر بھی لگی ہے۔ (اس کی ٹیوشنٹ اس مقالے کے آخر میں منسلک ہے۔)

اس قلعہ کی غاری سے برآمد ہونے والی مٹی کی ٹھیکریاں ہر جو حریف کشتہ^۱ تھے ان کا رسم الخط مومن جو دڑو اور ہڑیہ کی تہذیب کا ہم عصر ہے۔ علامہ صدیق لکری کی تحقیق کے مطابق

"قلعہ قدیم سے نکلا ہوا رسم الخط مومن جو دڑو اور ہڑیہ کی تہذیب کا ہم عصر ہے اور یہی ملتان اور اس کے گرد و خوار کی تہذیب قبل مسیح 2500ء کے لگ بھگ تھیں ہو جاتی ہے پھر جو ظروف اور اشیاء برآمد ہوئی تھیں اس سے بھی قدامت کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کام ابھی ابتدائی صورت کا حامل ہے، لیکن جب اس ابتدائی کام کی کڑیاں رک و ہد میں تلاش کرنے سے مل جائیں تو پھر یقین ہو جاتا ہے کہ اگر قبل مسیح 1500ء سو سال ملتان کا وسیع علاقہ آریا اور دراویدی پھیل اور کٹاریہ^۱ کی وزم گاہ تھا اور مومن جو دڑو بھی اس بزم گاہ کی ایک مکمل اور مثبت کڑی ہے تو پھر ملتان کے قلعہ اور اس کی قدامت کے مزید ثبوت کی حاجت نہیں رہتی۔" 2

(3) عربی اور اہل ہند کے روابط قبل از اسلام

سندھ اور ملتان کے مابین میں تمام تاریخی سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہاں کے لوگ ہمیشہ سے راست باز، صاف دل، صلح پسند، معش، زعمی اور ہنکے علاقہ رکھنے والے سندھ کے سارے خدا پرست لوگ تھے۔ مذہب کا عمل دخل ان کے ہر شعبہٴ زیست میں رہا ہے۔ ہرمفید پاک و ہند میں اسلام کی باقاعدہ روشنی تو اس قاسم کے حملے کے بعد پھیلی اور ان ہی علاقوں کے طفیل ہندوستان کے دوسرے حصے تک پہنچی لیکن اس دور کی کڑی اس تاریخی حملے سے پہلے بھی اس خطہٴ ارض کو منور کر رہی تھیں اور اس کی زیادہ تر وجہ عرب اور ہند کے تعلقات تھے۔ جو زمانہ قدیم سے چلے آتے تھے، یہ تعلقات قبل از اسلام بھی موجود تھے اور بعد اسلام کے بعد بھی یہ صورت قائم رہے بلکہ اور زیادہ استوار ہو گئے۔ کرم الہی بدر کے مقام کے مطابق

"اسلام کی آمد سے صدیوں پیشتر عرب کا تجارتی سامان لے کر ہندوستان آتے تھے اور یہاں سے دور دراز مالک تک جاتے تھے۔ تاریخی طور پر عربی

1- کلہار نام کی قوم اب بھی خوار ملتان میں آباد ہے۔

2- "ہندوستان" جلد اول، ص 34، 35

کے روابط سوزنیں حدوستان سے بہت قدیم ہیں۔ " 1۔

ہنٹر کے (Hunter) کے بیان کے مطابق

" حدوستان اور مغربی مالک یعنی عرب، فلسطین اور مصر کے درمیان تجارتی روابط کی تاریخ بہت ہی پرانی ہے۔ سلیمان بادشاہ نے اپنا سونا (Ophir) جو مومبوہ Bey pur ہے سے حاصل کیا۔ اسی طرح چاندی، شائعی دانت، ہونچ اور مور بھی حاصل کئے۔ " 2۔

زمانہ قدیم سے عرب و حد کے درمیان تجارتی تعلقات کی بناء پر حدوستان کے مختلف علاقوں سے جو تجارتی اشیاء عرب جایا کرتی تھیں

" ان میں حدوستان سے ہر قسم کا مود، معدل، کافور، ماخور، جوزبلا، قرطل (لوتک) قاقہ، کتابہ، نارچمل، پینچ شباتی کپڑے، روش کے مشعل کپڑے اور شائع دھار عرب میں جاتے تھے، سرحد سے ہر قسم اور ہر رنگ کے باقوت، موتی، بلور، شہادج، ملی اور سنبھان (سداں) سے قفل (مرچ) کٹے سے ریشائی قلعی جنوب سے ہقم اور رازی یعنی تازی، اور سندھ سے قسط، پائنس اور ہند کی لکڑیاں عرب میں بھیجی جاتی تھیں۔ " 3۔

ان چیزوں کے علاوہ جو چیزیں حدوستان سے عرب جاتی تھیں ان کی تفصیل اظہر مبارکپوری اس طرح دیتے ہیں

" ہندی تلواریں، سجدہ سے سجدہ کپڑے، سجدہ مٹی، پالہ اوٹ (تالچ) جس کی نسبت سے عرب کا مشہور بھٹی اوٹ ہوتا ہے، معدل سے مودھدی بیوں (بھڑچ) سے بھڑچیں تھیں اور ان کے باصرہ کھمبات اور سداں سے لقال کتابت یعنی کھمبات کے جوتے اور نارچمل، شہاد سے صدہ کپڑے، اور اسی طرح مختلف مقامات کی مختلف چیزیں عرب جایا کرتی تھیں۔ " 4۔

1۔ " تاریخ ملتان " ص 71

، "History of British India by Hunter Vol-I Page 25.

3۔ " عرب و حد عہد رسالت میں " ص 27، 29

4۔ - - - - - ایشا - - - - - ص 27، 29

(4) عرب و ہند تعلقات عہد رسالت میں

عرب میں ہندوستان کا مال بھی تو بھی عرب میں جاتا تھا لیکن اہلہ، حمار، عدن اور جار میں خاص طور پر تجارتی مشایاں قائم تھیں۔ رسول کہم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہفت کے وقت عرب میں غیر ملکی کی خاصی تعداد موجود تھی۔ ان میں رومی، ایرانی، حبشی اور ہندی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عرب و ہند کے تجارتی تعلقات عہد رسالت میں بھی اسی طرح قائم رہے جیسے پہلے تھے۔ تجارتی تعلقات کی بدولت ہندوستان سے درآمد شدہ اشیاء کا استعمال عربی میں عام تھا۔ یہاں تک کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہندوستان کی کئی چیزیں کو استعمال کیا اور اپنی پشت کا اظہار بھی فرمایا۔ علامۃ الطہر مبارک پوری کا بیان ہے کہ

”عہد رسالت میں ہندوستان کی بہت سے اشیاء کا استعمال عام تھا، ان کے نام اور خیال سے لوگ واقف تھے، کافور، انجیل (اندرک) جودھ، عود، مشک، قوطل (لوگم) شل (سرج) ہندی صنی ہندی تلوار، ہندی کپڑے وغیرہ روزمرہ کی زندگی میں استعمال کئے جاتے تھے۔ اور قرآن و حدیث میں بھی ان کے نام موجود ہیں۔“ ۱۔

حضور نے ہندوستان کی جن چیزیں کو پسند فرمایا اور انہیں استعمال کیا، ان کا مندرجہ جواز اس طرح ہے ۔

مشک --- حضور کی پسندیدہ چیزیں میں خوشبو بھی شامل ہے۔ آپ جب کہیں سے گزرتے اپنی خوشبو سے پہچانے جاتے تھے۔ خوشبوی میں مشک آپ کی پسندیدہ خوشبو تھی۔

عود اور کافور --- حضور کو عود اور کافور کی ملی جلی خوشبو پسند تھی اور انہیں میں عود کے ساتھ کافور بھی ملگاتے تھے۔

لوگ، مشک اور عود کا ہار --- ہم زمانے میں عرب میں لوگ کے دائیں اور عود کے بٹنی سے ہار بٹایا جاتا تھا۔ جسے حجاب کہتے تھے۔ یہ ہار خوشبو کے ساتھ ساتھ زینت کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔

رجسٹر (ادرک) --- جسے جنت کی لذتیں میں سے ایک کہا جاتا ہے۔ یہ بھی حدوستان سے عرب جاتا تھا، کشت ہدی کی لکڑی سے علاج عہد رسالت میں نہ صرف عام تھا بلکہ حضورؐ نے بھی اسے دوا کے طور پر استعمال کرنے کی بار بار تاکید کی ہے۔ حضورؐ اس سے سات بیماریوں میں شفا کی خبر دی ہے۔ 1۔

ساگوان کی لکڑی کا استعمال عرب میں عام تھا، حضورؐ جس تخت پر آرام فرماتے تھے اس کے پائے ساگوان کی لکڑی کے تھے اس کے علاوہ ہدی مینہ، ہدی ثلوار، سدھی کوئی، کرہ لنگی کا استعمال، ہدی طرز کی مو تراشی وغیرہ کے متعلق بھی عہد رسالت میں تذکرہ ملتا ہے۔ کرہ لنگی کا استعمال تو ملتان اور سندھ میں آج بھی عام ہے خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا رواج ملتان اور سندھ کے لوگوں کی وجہ سے عرب میں ہوا ہو گا۔

ظاہر ہے کہ تجارت لین دین کے سلسلے میں لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی جاری تھا اس لیے حدوستان کے لوگوں سے عرب والے بھی طرح وافر ملتے تھے۔ یہاں تک کہ حضورؐ ان کے حلیم، شکل و شہادت اور رنگ سے اچھی طرح مامور تھے چنانچہ حضورؐ نے وفات سے چھ ماہ قبل حدوستان کے آدمی کا ایک موقع پر ذکر فرمایا تھا۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دجوان سے قبیلہ بنی حارث ابن کعب کا وفد حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا "من هو لاد القوم؟ کادہ رجال الحد" 2۔

ترجمہ = یہ کی لوگ ہیں جو حدوستان کے آدمی کی طرح ہیں۔

حضورؐ کی احادیث میں نہ صرف حدوستان بلکہ حدوستان کی اشیاء اور اہل حد کا ذکر مفصل اہاز میں ملتا ہے۔ عرب و حد کے قدیم تعلقات اہداف میں صرف تجارتی اور حاشیہ تھے مگر بعد میں فکری، تمدنی اور ثقافتی تعلقات بھی پیدا ہو گئے بلکہ تجارتی و اقتصادی تعلق کو فکری اور ثقافتی تعلق نے اور زیادہ مضبوط کر دیا۔

1- مزید تفصیل کے لیے مطالعہ فرمائیے "عرب و حد عہد رسالت میں" ص 173 - 174

2- سیرۃ النبی کامل از ابن ہشام، جلد 2 ترجمہ عبدالجلیل صدیقی، ص 592 مطبوعہ شیخ غلام علی

ایڈسٹر، لاہور، اشاعت اول، 1962ء

عربی نے اپنے ملک میں پہلے والے ہندوستانی کو "زط" (پہلے لفظ طاقی تلفظ کے تحت) جھٹ میں کیا۔ جس کے معنی شتر بان کے ہیں۔ (کی آواز ج سے بدل جاتی ہے) اسدہ ساجہ ، احامہ 2 مد ہاسرہ اور شاکرہ وغیرہ کے نامی سے موسوم کیا۔ کسی دوسرے ملک کے آدمی کو اتنے زیادہ نام و لقب سے یاد کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی تعداد وہاں بہت زیادہ ہے اور ان کا وہاں کی طاقی ، عاشقی زندگی میں گہرا دخل ہے۔ چونکہ عربی اور ہندوستانی میں بڑی حد تک ذہنی یک جہتی تھی اس لیے ہندوستانی باشندے بڑی آسانی سے عربی کے ساتھ کھل مل گئے۔ اہل ہند اور عربی میں اس اعتبار سے بھی ہم آہنگی تھی کہ اصنام پرستی ، مظاہر پرستی اور کوکب پرستی دونوں میں عام تھی۔ عربی اور ہندو کے بہت ماننے بھی مشترک تھے جن کی پوجا کے لیے ہندوستانی عرب جاتے اور عرب کے لوگ ہندوستان آتے تھے۔ ہندوستان کے جس ہٹی کی باترا کے لیے ہندوستان آتے تھے ان میں ملتان کا جت بھی شامل تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محد بن قاسم کے حملے سے بھی پہلے عربی کے قدم ملتان کی سر زمین پر پڑ چکے تھے۔ عربی کی آمد کا ایک مقصد کسی نہ کسی اعتبار سے مذہبی بھی ہوتا تھا۔ وہ جت کی باترا کے لیے آتے تھے اور محد بن قاسم کے ساتھ آئے کا مقصد بھی کسی حد تک یہی تھا کہ اسلام کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ محد بن قاسم کے حملے کے بعد سوزمین ہند میں اسلام کی اشاعت کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔ نہ صرف مذہبی اشاعت کا بلکہ اسلامی علوم کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ شروع ہوا۔ اس حملے کے بعد عرب مسلمانوں نے سحر اور ملتان کے طاقی میں مستقل سکونت اختیار کی اور ان کے مذہبی ، سیاسی ، تمدنی ، تہذیبی ، لسانی اور علمی اثرات خود بخود یہاں پر پہنچنے والی اقوام میں پھیلنے لگے۔

- 1- ہندوستان کی مختلف قومی ملک عرب میں مختلف کاسی اور ہٹھی کی وجہ سے مشہور تھے یہ لوگ ہندوستان کے مختلف علاقوں کے رہنے والے تھے ان میں سے زط (جاش) اور مد قوم کے طاقی ملتان تک پھیلے ہوئے تھے۔ اسطوری کے مطابق ولد السدھو الصوره و اراشی الزط، و باؤالا عالی الطشان (ترجمہ -- سحر کا ملک مصر اور زط کی ہٹھی اور اطرات و جواب سحر طشان تک پھیلا ہوا ہے۔ 7 بحوالہ "عرب و ہند تعلقات عہد رسالت میں" ص 63
- 2- مد قوم کا کام جہازی اور کشتی کو لوٹنا تھا۔ اس قوم کی ہٹھاں باقول اطہر مبارک پوری "دہانے سحر کے ساحلی مقامات سے لے کر ملتان تک ان کی آبادیاں تھیں بلکہ کجرات اور کوکن کے ساحل میں بھی یہ سموری لٹھی بلکرت آباد تھے۔" (بحوالہ "عرب و ہند عہد رسالت میں" ص 58)

(5) هندوستان پر سلمانوں کے حملے کا آغاز

تجارتیں لیں رہی اور روایت کا سلسلہ تو اسلام سے پہلے بھی قائم تھا جس کی تفصیل مذکورہ صفحات میں آچکی ہے۔ لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کے گواہ ہیں کہ هندوستان پر سلمانوں کا پہلا حملہ حضرت عمرؓ کے دور میں ہوا۔ 15 ہجری (636ء) میں حضرت عمرؓ نے عمان میں ایسی فوجیں بھیجیں اور عمان کا گورنر قید کیا۔ عمان نے ایک بحری بیڑا تیار کر کے هندوستان پر حملے کے لئے روانہ کیا یہ جہاز اتفاق سے بحرہند (جو گجرات اور کوئٹہ کے ساحل پر ہے) پہنچا عرب یہاں سے بہت سا مال نصیب لے کر عمان پہنچے۔¹ حضرت عمرؓ کو جب اس حملے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اسے قاصد روانہ کر کے عمان بھیج دیا کہ

"اے عثمان! تو نے کھانہ کو لکڑی پر سوار کر کے سحر کے حوالے کر دیا ہے، خدا کی قسم اگر سلمانوں پر کوئی آفت آئی تو تمہاری قوم سے اس کا بدلہ لیں گا۔" 2۔

لیکن عثمانؓ نے اپنے بھائی خیرہ ابن عباسؓ کو پھر ایک بھتیجے کا امیر بنا کر بھیجا اس نے عمان میں سحر کے شہر ساحل دیبل پر حملہ کیا اور مال نصیب کے ساتھ واپس بحری گئے۔³ یہ سحر ہجری کا پہلا حملہ تھا۔ هندوستان پر عربوں کے اصل حملے غنکی کی جانب سے ہوئے جہاں وہ ایران کو فتح کرتے ہوئے مکران، کپتان اور سیستان تک پہنچے اس طرح سحر تک ان کی سرحدیں اسلامی فوجوں کے سامنے مل گئیں۔

1۔ (1) ابن ابی شیبہؒ کے مطابق یہ سلمانوں کا هندوستان پر پہلا بحری حملہ تھا (بحوالہ تاریخ سحر حصہ اول ص 80) مرکزی اردو بیورو، لاہور، بار اول، ج 1، 1971ء
(2) اہلبیت کی "تاریخ هندوستان" میں لکھا ہے

"The first Muslim fleet appeared in Indian waters in 630 A.D. during the Caliphate of Umar when Usman Sakfi the Governor of Bahrain and Oman, sent an army across the sea to Yana" (The History of India Vol. I By Elliot, H.M. Sir, Page 115-116. Islamic Book Service, 1976, Lahore.)

2۔ اس کی اصل عبارت فتح البلدان، ص 420 میں یہی درج ہے۔ "فصب الیہ عمر یا اغاشقت حلت یو اظن عود، و انی اقلت ہالہ ان لوا یکتبوا لیا غدت من قوبک مشلہم۔"
3۔ ج 72-73 اور صفحہ اکرام، ص 31 میں درج ہے کہ خیرہ دیبل میں شہید ہوئے لیکن فتح البلدان ص 442 اور تعلیقات ج 72-73 ص 416 کے مطابق خیرہ فاتح کی حیثیت سے واپس آئے تھے۔

محرم 22ھ میں حضرت عثمان بن عفان خلافت ہوئے، 25ھ میں انہی نے اپنے مامی زاد بھائی

عبداللہ بن عامر بن کھز کو سیستان روانہ کیا جہاں سے وہ کابل پر حملہ آور ہوا جو اس عہد میں سیستان کا حصہ تھا۔ سیستان تو حضرت عمر کے عہد میں فتح ہو چکا تھا کابل اب فتح ہوا لیکن عربی کے جانے ہی کابل پھر خود مختار ہو گیا۔ 29ھ میں عبداللہ بن عمر لشی سیستان کے حاکم مقرر ہوئے تو انہی نے کابل میں سرکشی پر قابو پایا۔ دوسری طرف عبداللہ بن عمر کراں کے حاکم مقرر ہوئے جو فتوحات کرتے ہوئے ہندوستان کی سرحد تک پہنچے۔ تیسری طرف عبدالرحمان بن عیسیٰ کراں کے گورنر مقرر ہوئے۔ انہی نے کراں میں باغی بر قابو پا کر اس و امان قائم کیا۔ ان علاقوں میں باغی کی مسلسل سرکشی کی وجہ سے ابن عامر خود سیستان پہنچے اور سیستان میں رعب بن زیاد حرثی کو اور کراں میں مجاشع بن صفور کو حاکم مقرر کیا۔ ان لوگوں نے آ کر یہاں باغی بر قابو پا کر اس و امان کی صورت بحال کی۔ اگرچہ سرکشی کی بار بار غارت کی وجہ سے حاکمی کے دل پر صل آ گئی تھی مگر مذہبی احکام کی وجہ سے قتل و غارت سے احتساب کیا گیا۔ صرف ان کے سرفروں اور فسادوں کو جلا وطن کیا گیا۔

243ھ میں حضرت امیر معاویہ نے عبداللہ بن سوار عبیدی کو سواحل ہند کے سرکشی لوگوں کو سزا دینے کے لیے چار ہزار کا لشکر دے کر بڑے کراں بھیجا انہی نے قحطان کے سرکشی کو شکست دی اور مال نصبت لے کر امیر معاویہ کے دیار پہنچے۔ 44ھ میں مہلب بن ابی صفور اپنی فوج لے کر ہند کی طرف بڑھے۔ 3۔ مہلب کابل اور پشاور کی گھاٹی سے ہندوستان میں داخل ہوئے زیادہ قدیم کی طرح یہ علاقے اس وقت بھی وادی سندھ میں شامل تھے۔ یہ سب کچھ تباہ کنے ہوئے واپس میں ملتان اور پشاور کے دیہاتی علاقوں کو ہمال کر ڈالا۔ شہر قہاہیل کے پاس نعم سے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی۔ مال نصبت

1۔ "اس زمانے میں بلوچستان کے نام کا کوئی صوبہ نہ تھا بلکہ کراں اور سیستان ہی سندھ سے ملے ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے ہندوستان کی سرحدیں پر یہ پہلا حملہ خشکی کی طرف سے ہوا اور یہی پہلا علاقہ ہندوستان کا ہے جو سلتانی کے قبضہ میں آیا اور خود صحابہ رسول کے مقدس ماتمی سے فتح ہوا۔" (بحوالہ "تاریخ سندھ" از ابو ظفر ندوی، ص 31-32)

2۔ ابو ظفر ندوی نے تاریخ سندھ ص 34 پر تاریخ مقدس، جلد اول، ص 678 لیدن کے حوالے سے 43ھ بتایا ہے جبکہ ابن خلدون کے تاریخ سندھ کے ص 67 اور طائفة فضل لکری کی "تاریخ ملتان" ص 251 کے مطابق 44ھ ہے۔

3۔ اس کی یہ روشنی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ عربی میں وہ پہلے شخص ہیں جو ہند کے اس دیوانے سے داخل ہوئے جس سے آج تک ہند میں توں آتی رہی ہیں، یہ درہ خیبر تھا۔ (بحوالہ تاریخ سندھ، از ابو ظفر ندوی، ص 35، مطبع طارق، اعظم گڑھ، 1947ء)

لے کر ملک لٹان آئے تو ترکی سے لڑائی ہوئی اور ترکی کو شکست دی۔ پھر سلطان بن سلطنت بن محمد
 ہذلی جسے عالم فاضل شخص نے سکواں اور سندھ میں اس قائم کر کے خود انتظام سنبھالا۔

40ھ میں حج کے موقع کے بعد اس کا بھائی چندر سندھ کا حکمران بنا وہ بدھ مذہب کا پیرو کار

تھا۔ 48ھ میں اس کی وفات کے بعد ملک میں طوائف الملوک شروع ہو گئیں اور ابراہیم (البر) کے تخت پر حج
 کا چھوٹا بیٹا راجہ داهر بیٹھا۔ راجہ داهر کے دربار میں کچھ عرب محدث بن حارث طائی کے مامیت
 اسلامی ملکی سے بغاوت کر کے بھاگ آئے تھے اور البر میں اس کی زبردستی سرگرد رہے تھے۔¹۔ محدث بن
 حارث طائی نے راجہ داهر کو بہت سی جنگیں میں ملحد مشیخہ دئیے۔ جس کی بدولت راجہ کبھی داخلی
 مشکلات میں گرفتار نہ ہوا، یہاں تک کہ 92ھ/710ء میں 43 برس حکومت کرنے کے بعد محدث بن قاسم کے
 خاتمے اس کا اور اس کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ راجہ داهر نے محدث بن طوائف طائی اور اس کے
 خاندان کو بڑے اچھے طریقے سے رکھا خصوصاً محدث بن حارث طائی کو راجہ کے دربار میں خاص اہمیت
 حاصل تھی، معدود حسن شہاب کے مطابق

"وہ راجہ کا محدث خاص تھا۔ حتیٰ کہ سبکی پر ایک طرف راجہ داهر کا نام

کدہ ہوتا تھا اور دوسری طرف محدث بن حارث طائی کا۔ تاہم جب محدث

بن طوائف قاسم پر حملہ آور ہوا تو محدث بن حارث نے اپنے سلطان بھائی

کے خلاف صف آرا ہونے سے انکار کر دیا۔"²۔

1۔ محدث بن حارث طائی کے خاندان کی سندھ میں رہنے کی وجہ کچھ یوں بیان کی جاتی ہے کہ حجاج
 بن یوسف ثقفی جب عراق کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے محدث بن طوائف کلبی کو سکواں کا طائفہ سپرد کیا۔
 محدث نے وہاں کے ایک شخص سلیمان بن لام الحماوی سے اپنی مدد کے لیے کہا اور اس کے انکار کرنے پر
 ناراض ہو کر اسے قتل کر ڈالا۔ یہ شخص محدث بن حارث طائی کا رشتہ دار تھا۔ طائی نے موقع ملنے ہی
 سید کو قتل کر ڈالا۔ حجاج نے سید کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے طائی خاندان کے ایک سردار سلیمان کو
 قتل کر کے اس کا سر سید کے خاندان کو بھجوا دیا اور شجاعت بن سحر قصی کو بڑے لشکر کے ساتھ طائی
 کی سرکشی کے لیے بھیجا لیکن ان کے آنے سے پہلے ہی محدث بن حارث اور اس کے ساتھی بھاگ کر سندھ
 چلے گئے جہاں راجہ داهر نے انہیں پناہ دی اور مہابت عزت و احترام کے ساتھ رکھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے) (1) "ہج ۲۸۵" از علی بن احمد بن ابی بکر کوفی، مرتبہ ڈاکٹر سی بخش خان بلوچ،
 سندھ ادبی بورڈ حیدرآباد، پبلیا ایڈیشن، اپریل 1963ء۔ 112 تا 117 (2) تحفہ الکرام، ص 222 تا 266

2۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے، "ہج ۲۸۵" ص 222 تا 223

3۔ بحوالہ - خطہ پاک - اوج، ص 102، مطبوعہ اردو انکوائی، بہاول پور، طبع اول 1967ء

اس تفصیل سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہی اور حدوتانی کے درمیان بہت فرق ہے۔ لڑائیاں ہو رہی تھیں عربی کا کوئی نہ کوئی لشکر مغلطہ ادوار میں حدوتان کے کسی نہ کسی طاقے پر حملہ آور ہوتا رہا جس میں سعد کا علاقہ خاص طور پر شامل ہے۔ سعد کا ملک نسبتاً عراق سے نزدیک تھا اور ایرانی سرحد بھی سعد سے ملتی تھی۔ اسلامی فتوحات کی حدود ایران کی طرف تھی سے بڑھ رہی تھیں۔ دوسری طرف سعد کا راجہ دامر چاہتا تھا کہ ایرانی علاقہ سلطانی کی دست برد سے محفوظ رہے اس سلسلے میں وہ ایرانی شہسود کو بھی اپنے طاقے میں پناہ دیتا تھا خصوصاً سعدی قزاقی کو سلطانی نے ابھی تک سعد کی فتح کی جانب باقاعدہ توجہ نہیں دی تھی لیکن ایک فوری وجہ ایسی بنی کہ جس کی بناء پر سعد کی فتح ناگزیر ہوئی اور وہی فاتح سعد معمر بن قاسم کے قدم سرزمین ملتان تک بھی پہنچے۔ سزاہد یہ کہ راجہ نے جزیرہ بواقیت سے خلیفہ ولید بن عبدالملک کی خدمت میں دوستی کی غرض سے آٹھ جہاز تحائف کے بھیجے جن میں انواع و اقسام کے موتی و جواہر، حبشی غلام، کنفزی اور دوسرے نامور چیزیں شامل تھیں۔ ان جہازوں میں کچھ سلطان مروت بھی تھیں جو کتبہ شریف کی زیارت کے لیے جا رہی تھیں جہاز جب ملک قازق کے نزدیک پہنچا تو مخالفت طوقانی ہوائی کی وجہ سے جہازوں کا رخ دھیل کے ساحل کی طرف ہو گیا جہاں انھیں قزاقی کے ایک کیرہ نے جن کا تعلق مد قوم سے تھا، لوٹا لیا۔ انھیں نے مروتی مروت کو گرفتار کر کے جواہرات پر قبضہ کر لیا۔ اس موقع پر ایک عورت نے چلا کر کہا **قُرَشِي يَا حُجَّاج**۔۔۔ یہ عورت پر ہومہ خاہدان کی تھی۔ کچھ مسافری نے، جو کسی طرح بچ بچا کر حجاج تک پہنچے سارا حال سنایا اور اس عورت کی فیاد کے بارے میں بھی بتایا جسے سترے میں حجاج نے اختیار لپیٹ لپیٹ، کہا اور اس نے فوراً ایک خط راجہ دامر کو لکھا کہ ہمارے ملک کے لوگ جو تمہارے علاقے میں قید کر لئے گئے ہیں، ان کو ہا عزت طریقے سے واپس کرو اور جو مال و اسباب لوٹا ہے اسے واپس کرو۔

1- بحوالہ تحفۃ الکرام، ص 27 از میر علی شیر قانع نقشبندی مرحوم اختر رضوی، مطبوعہ مدھی ادبی بورڈ کراچی، اشاعت اول 1958ء

2- حج طاع میں اس عورت کو قبیلہ حذیر کی بتایا ہے جبکہ فتح البلدان میں بلذری نے ص 435 پر اسے ہومہ خاہدان کی بتایا ہے اور اعجاز الملحدوس نے بھی تاریخ سعد، ص 82 پر بلذری کی تائید کی ہے۔

تاؤں ادا کرو۔ راجہ داہر نے اس کے جواب میں بڑی لاپرواہی سے لکھ بھیجا کہ یہ کام سعدی قزاقی کا ہے جس پر غمراہ ہیں نہیں چلتا۔۔۔ حجاج نے یہ جواب دیکھ کر ولید بن عبد الملک کو تمام حالات لکھ کر سعدی پر حملے کی اجازت طلب کی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ حجاج نے چند دن کے بعد دوسری عرضداشت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ امیرالمؤمنین نے کثیر اغراجات کی وجہ سے حملے کی اجازت نہیں دی، لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ جتنا خرچ ہو گا اس سے دوگنی رقم خزانے میں جمع کروا دی گا جس پر ولید نے یہ سنی کر اجازت دے دی کہ اس میں کوئی نقصان نہیں۔ اجازت حاصل ہونے ہی حجاج نے سعدی کا نام کو اس مہم پر بھیجا۔ راجہ داہر 10 رمضان 711/93ء میں لڑتا ہوا مارا گیا اور سعدی عربی کے قبضے میں آ گیا۔

(7) ابن قاسم کے غاصبی فتح ملتان

95ء میں سعد بن قاسم سعدی کے مشفق طاقی کو فتح کرتا ہوا سیکہ تک پہنچا جو ملتان کے قریب تھا۔ سترہ دن تک سیکہ والے صلحاتی سے لڑتے رہے۔ آخر کار مایوس ہو کر حاکم سیکہ رات کی تاریکی میں ملتان کی طرف چلا گیا اور عربی نے سیکہ فتح کر لیا۔ اس کے بعد سعد بن قاسم دیہاتے راہ (موجودہ راوی، چناب، جہلم) پار اترا جو ملتان اور سیکہ کے درمیان تھا۔ فوج شہر ملتان کے سامنے کھٹکتی ہو اتنی صفوں میں سعدی ملتان کی فوج والی سیکہ کے زبردستی حملہ آور ہوئی۔ والی سیکہ، سیکہ میں اپنی شکست کا بدلہ بجاں لےنا چاہتا تھا۔ اس لیے بڑا زبردست حملہ کیا۔ شام تک جنگ چلتی رہی۔ اسی دوران عربی کا ایک بہادر امیر زاہد بن صبرہ الطاقی شہید ہو گیا۔ اس کی شہادت سے صلحاتی میں اتنا جوش پیدا ہو گیا کہ ہر ملتان سربویش کے لیے تیار ہو گیا۔ چنانچہ ان کے حملے کی شدت سے کھپڑا کر ملتان لشکر قلعہ بے ہو گیا اور قلعہ سے نکلے پتھر وغیرہ پھینکے لگا۔ عربی نے دیکھ کر قلعہ کا سامروہ کر لیا۔ یہیں پر تک سامروہ جاری رہا تو عربی فوج پریشان ہو گئی کیونکہ وہ اپنے مراکز اوروہ صفت اور برجیں آباد سے دور تھیں۔ سامان رسد ختم ہو گیا تھا اور آس پاس کے علاقے طاقوں تھے۔ طاقہ پاکستانی تھا اس لیے پانی کی کمی تھی۔ فوج بجاں تک پہنچی کہ لوگ ہانپواری والے گدھے ذبح کر کے

کھاتے لگے۔ آخر ایک صف میں نے اسے ڈالنے کا ہتہ بٹایا جہاں سے ہائی ایک جھیل میں جمع ہوتا تھا اور اس جھیل

تھے۔ سلطان نے اس کے ہائی کا رخ بدل دیا۔ ملتان ہمارے منہ لگے۔ مجبوراً قلعے سے باہر نکل کر لڑتے منہ پر آمادہ ہو گئے۔ اس وقت راجہ دھرم کے بھائی چدر کا لڑکا نور محمد ملتان کا حاکم تھا جب اس کے فتح کی کوئی امید نظر نہ آئی تو وہ رات کی تاریکی میں راجہ کشمیر سے مدد لینے کشمیر چلا گیا۔ ملتان فتح اس کی غیر حاضری میں بھی لڑتی رہی۔ محاصرہ طویل ہوتا گیا تو عربی میں سے جتنی پھیلنے لگی۔ وہ قلعے کے چاروں طرف گھوم پھر کر اس کا ایک ایک کونہ دیکھنے لگے کہ کہیں سے کوئی رختہ نظر آئے تو قلعے میں گھس کر پھریرہ حملہ کریں تاکہ خود کو قلعے سے نجات دلا سکیں۔ اتفاق سے ایک دن ایک شخص قلعے سے نکلا عربی نے اسے گرفتار کر لیا اس نے پٹاہ ماشی تو اسے اس شرط پر پٹاہ دی گئی کہ قلعے کے اندر کا حال بتائے اور قلعے کے کمزور حصے کی نشاندہی کرے۔ اس شخص نے بتایا کہ شمالی جانب دریا کے کنارے کی طرف ایک جگہ کمزور ہے۔ مصدقین قلم نے تحقیق کا رخ اس طرف کر کے تین دن مسلسل اس قدر پتھر بھجائے کہ دیوار ٹوٹ گئی اور اندر جانے کا راستہ بن گیا۔

ملتان فتح نے جب دیکھا کہ دیوار ٹوٹنے والی ہے تو اسی نے قلعے کا دروازہ کھول کر ایک دم حملہ کر دیا۔ عربی فتح اس کے لیے پہلے ہی سے تیار تھی اسی نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ملتان مقابلے میں نہ ٹھہر سکے اور بدحواس کے عالم میں قلعے کی طرف واپس اس طرح بھاگے کہ قلعے کا دروازہ بند کرنا بھی بھول گئے۔ اس طرح عربی فتح فاتحانہ شان سے قلعے میں داخل ہو گئی۔ اس پسند شہری محفوظ رہے اور صلح فوری سپاہی جمع کر کے مقابلہ کیا تھا ان میں سے تقریباً چھ ہزار مارے گئے۔² جو مال فوجیت مانجہ آیا وہ تمام سپاہیوں میں تقسیم کیا گیا۔

- 1۔ ہلاڑی اسے تالاب کہتا ہے، اس کا بیان ہے کہ "یہ ایک تالاب تھا جس میں دھرم پتھ کا ہائی جمع ہوتا تھا۔ ملتان والی کی زبان میں اس کے لیے جو لفظ تھا عربی میں اس کو "بلاج" کہتے ہیں۔ سلطان نے اس کو بدکر دیا۔" (فتح البلدان (جز دوم) ص 191، دارالطبع وچاندہ حیدرآباد دکن، 1940ء)
- 2۔ ہلاڑی نے فتح البلدان (جز دوم) (توجہ از سدا بالآخر مدووی ص 191) میں کہا ہے کہ یہ چھ ہزار ہجاری تھے جن کی جان بخشی کی گئی اور ان کو غلام بنا لیا گیا۔ جبکہ چھ ماہ، ص 342 اور تاریخ سہ از ابو ظفر مدووی کے ص 114 کے بیان کے مطابق یہ چھ ہزار ہجاری نہیں بلکہ فوج سپاہی تھے۔

مطنان پر پہلے 132ھ تک بنی امیہ کا قبضہ رہا پھر ان کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی مطنان بنو عباس کی حکومت کے تحت آ گیا۔ اس کے بعد صورتحال کچھ اس طرح رہی کہ اگر مرکز میں خلیفہ طاقتور ہے تو اردگرد کے سارے علاقے اس کے ماتحت رہتے ہر کوئی اپنی اپنی الگ حکومت بنانے کے چکریں میں پڑ جاتا۔ مطنان بھی کچھ ایسی ہی صورت حال سے دوچار رہا کبھی یہ مرکزی حکومت کے تحت ہوتا اور کبھی یہاں کے حاکم خود مختار حکومت قائم کر لیتے۔

مطنان پر بنو سامہ نے بھی حکومت کی تھی جو غالباً عریسی النسل تھے جن کا سلسلہ قریش کے لوی بن غالب سے جا ملتا ہے۔ جو قریش کے اجداد میں سے تھا۔ لوی کی اولاد میں سے ایک کا نام سامہ تھا اسی کی اولاد بنو سامہ کہلاتی۔ یہی لوگ "بنو سبہ" کے نام سے بھی مشہور ہوئے۔ تیسری صدی ہجری کے آخر میں تقریباً 290ھ میں ان کی حکومت کا پتہ چلتا ہے۔ 280ھ میں انہی اہل رستہ مطنان آیا تھا اور مطنان میں سامی حکومت کا تذکرہ سب سے پہلے اس نے الاطال الطیبہ میں کیا اس کے مطابق "مطنان میں ایک قوم ہے جو اپنے آپ کو سامہ بن لوی کی اولاد سے بتاتی ہے ان کو وہاں بنو سبہ کہا جاتا ہے، یہی لوگ ہمدستان میں مطنان پر حکمران ہیں، یہ امیر المعین کے لئے دفا کرتے ہیں۔" 1۔

مشہور سیاح سعودی (جو 300ھ میں مطنان آیا) لکھتا ہے

"ان الطلک فی واد سامہ بن لوی بن غالب، و هو ذو جیوش و متعہ، و هو شفر من شفر الصلیح الکبار" 2۔

ترجمہ :- اس ملک میں سامہ بن لوی بن غالب کی حکومت ہے اور یہ ملک سلطانی کی وسیع سرحدوں والے ممالک میں نہایت اہم ہے جس کی فتح کثیر اور قابل شکست ہے۔

بنو سامہ کی حکومت کافی عرصہ تک رہی۔ 373ھ میں مطنان کا حاکم جلم بن شیمان تھا جو

اسماعیلیہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا یہ پتہ نہیں چلتا کہ مطنان پر کب بنو سامہ کی حکومت ختم ہوئی اور

1۔ بحوالہ الاطال الطیبہ ص 139 مطبع لایڈن سنہ اشاعت 1892ء۔ اصل عبارت اس طرح ہے "وبالطنان قوم یذمی اعلم من ولد سامہ بن لوی یقال لهم بنو سبہ و هم الطوک علی العہد لیہا و هو یذمی لآ امیر المعین۔"

2۔ بحوالہ مروج الذهب و حاشی الجہر از سعودی، المزاویہ ص 188۔ مطبوعہ بیروت الطبعۃ النابیہ بیروت 1380ھ/1960ء (جناب علامہ عتیق فکری کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا۔)

کہ اسماعیلی یہاں کے حکمران بنے۔ اسماعیلی شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے جبکہ ہندو سامت سنی العقیدہ تھے۔ جلم بن شیمان کو اسماعیلی امام العزیز باللہ (قاہرہ مصر، منقذ 386ھ) نے 382ھ میں فوجی مدد کے ساتھ سندھ بھیجا تھا۔ تاریخ سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس راستے سے سندھ گیا اور وہاں ملتان پر اس کا کوئی حملہ ثابت ہوتا ہے۔ ابو ظفر مدنی کے مطابق

"ایسا ظلم ہوتا ہے کہ جلم بن شیمان نے ملتان پر کوئی حملہ باہر سے نہیں کیا، بلکہ اندریں شہر بغاوت کرا کے خود بادشاہ بنا، اور پھر سردار ہو گیا۔" 1۔

جلم بن شیمان نے ملتان پر قبضہ کر کے سب سے پہلے فاطمہ خلیفہ کا مکان اور ان کے نام کا خطہ جاری کروایا۔ اس نے اس قدیم شہر کو بھی توڑ دیا جو فتح ملتان سے لے کر اب تک صحیح حالت میں تھا اور یہاں کے حکمرانی کے لیے سیاسی و مالی فوائد کا باعث تھا۔ اس مدد کی جگہ ایک جامع مسجد بنوائی اور محدثین قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو ہندو اسیت کی یادگار مسجد کر دیا کروا ڈالا۔ جلم بن شیمان نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے کافی جدوجہد کی اور مقامی ہندو راجاؤں سے عائد کر کے اپنی سلطنت کو مضبوط بنایا۔

جلم بن شیمان کے بعد شیخ حمید ملتان کا حاکم بنا وہ بھی اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتا تھا اس کے زمانے میں 381ھ میں فرزد کے ترک حاکم امیر ناصر الدین سبکتی نے سندھ پر قبضہ کرنے کے بعد 381ھ یا 382ھ میں ملتان کو فتح کرنے کے لیے اس طرف پیش قدمی کی۔ شیخ حمید جاننا تھا کہ وہ اکیلا ترکی کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور گورد سے بھی امداد کی توقع نہیں تھی اس لیے اس نے صلح کرنے میں مامیت سمجھی، صحت دھوکے کے مطابق

"جب الہنگی لوٹ اور سبکتی اس کا قائم مقام ہوا شیخ حمید نے ہوشیار میں صلاح اور فلاح دیکھی اور پیغام دیا کہ ہمارے اور تمہارے اسلام کی شوکت کے سبب سے نہایت یک جہش ہے مزاراں مزاحم خداوندی وہ ہے کہ اس گروہ کو اپنے دوستی سے تصور لیا کر صا کر مصورہ کو مامور کہیں کہ مالک ہند کے

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آندھال نے قوی جنگ کے نام پر ہندوستان کے تقریباً تمام راجاؤں سے مدد حاصل کی اور بڑا لشکر تیار کر کے محمود غزنوی کے مقابلے کے لیے پشاور پہنچا۔ ملتان کے امیر شیخ ابوالفتح داؤد بن مصر نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ 399ھ میں محمود بھی اپنی فوج لے کر آگیا جالندھر تک دہلی فوجیں آمنے سامنے رہیں لیکن جب محمود نے دیکھا کہ ہندوستانی فوج کی تعداد بڑھ رہی تھی تو اس نے دہلی طرف خدقیں کھدوا کر مقابلہ شروع کیا اور زبردست شہرے کے بعد ہندوستانی فوج کو شکست دی۔ محمود غزنوی کو ملتان کے حاکم کے ساتھ بھی ہر بہت فخر آیا۔ اسے مزہ چکھانے کے لیے 201ھ میں غوریوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد وہ تیزی سے ملتان کی طرف آیا۔ ملتان والی کو تیاری کا موقع نہ مل سکا اس لیے وہ قلعہ بند ہو گئے مگر محمود غزنوی نے زبردست حیلہ کر کے ملتان کو فتح کیا۔ بڑے پیمانے پر گرفتاریاں اور قتل و غارت ہوا۔ شیخ داؤد بن مصر بن حمید بھی گرفتار ہوا جسے غزوہ لے جایا گیا اور وہیں قلعہ فورک میں قید کے دوران اس کا انتقال ہوا۔ اب صوبہ ملتان پر مکمل طور پر محمود غزنوی نے قبضہ کر لیا۔ جلم بن شہان نے اپنے دور میں ملتان میں محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو بند کرکے ایک نئی مسجد تعمیر کی تھی۔ محمود غزنوی نے اس مسجد کو بند کرکے مسجد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو دوبارہ آباد کیا۔

(10) صوفیا اور بزرگی کا رویہ سوزن پاک و ہند میں

اس ساری تفصیل سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ سوزن ملتان کی عادات، اہمیت، مرکزیت اور محاسن و تاریخی عظمت کتنی تھی۔ یہ سوزن مروج جو دارو، ہڑہ اور ہابل و صنوا کی تہذیب کی ہم عصر تھی۔ دوسری تہذیبیں مثلاً گیس لیکن ملتان کیسے قائم رہا۔ مختلف ادوار میں اس کے مختلف نام رہے۔ مختلف قویں مختلف اوقات میں یہاں حیلہ آور ہوئی رہیں۔ دوسری قویں کے ساتھ اور بالخصوص مغربی کے ساتھ اس کے روابط اور تعلقات ہمیشہ قائم رہے۔ قبل از اسلام یہ روابط تجارتی بھی تھے اور مذہبی بھی۔ محمد بن قاسم کے حملے کے بعد ملتان میں باقاعدہ طور پر اسلام کی روشنی پھیلی۔ اس حیلہ کے بعد یہاں اسلامی اقدار کو فروغ حاصل ہوا شروع ہوا۔ تہذیب و ثقافت اور علم و ادب کے

جراغ روشن ہوئے۔ محمود غزنوی کی فتح ملتان تک عرب مسلمانوں کی حکومت یہاں کسی نہ کسی صورت میں قائم رہی۔ محمود غزنوی کے حملے کے ساتھ ہی یہ شہر صوفیاء، بزرگ ہستیاں، مذہبی شخصیتیں اور علم و فضل کے حامل لوگ ہندوستان میں آنا شروع ہوئے۔ ان میں "کشف المحجوب" کے مصنف مشہور صوفی بزرگ علی بن عثمان علی ہجویری غزنوی سے روایت ہو کر مسلمانوں کا سفر کرنے ہوئے آخر لاہور پہنچے اور یہاں مستقل قیام فرمایا۔ شیخ اسحاق بخاری اور شیخ فرید الدین عطار بھی ہرغیر میں آئے۔ حضرت شہاب الدین سہروردی کے شاگرد رشید شیخ جلال الدین تبریزی بخال پہنچے۔ عبدالکریم الجلیلی صفت افسانہ کامل نے بھی ہرغیر کا سفر اختیار کیا۔ اسی طرح سعد محمد گیسو دراز، پیر عبداللہ، سعد یوسف الدین ہرغیر میں سکونت پذیر ہوئے۔

سبزیں ملتان تو سب زمینی سے بڑھ کر بزرگی اور صوفیوں کے لئے ایک عظیم مرکز بنی رہی۔ اسی لئے اسے مدینۃ الاولیاء کہا گیا ہے۔ حضرت خواجہ عین الدین چشتی اجپوری نے ملتان کئی برس تک قیام فرمایا۔ مقامی زبان میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے بعد بغیر اشاعت اسلام اجپور جا کر مستقل قیام فرمایا۔ سعد جلال الدین بخاری آج شریف میں اور بابا فرید الدین گنج شکر پال ہنس میں قیام پذیر ہوئے۔ قطب الدین بغتار کاکی ملتان شریف لائے۔ قیام فرمایا اور تبلیغ کے بعد دہلی کوچ کر گئے۔ جلال الدین سرخ پوش پٹواری نے آج میں اور فخر بہاء الحق (کوا) نے ملتان میں سکونت اختیار کی۔

اس شہر پر مثال میں حضرت امیر خسرو اور صوفی شاعر عراقی کی آمد بھی ہوئی ان کے شعر و کلمہ سے اس کی فضاںیں گونجیں۔ حضرت خواجہ فرید کی روح پور شاعری نے اس سبزیں میں شرف کے بیج بونے۔ اشاعت کو صاوت، اغوت، امن، عشق اور آشتی کا نظام دیا۔ البتہ جسے محقق اور مؤرخ نے ملتان میں قیام کر کے نہ صرف کتاب القند جیسی اہم کتاب تصنیف کی بلکہ ہندی علوم کی بہت سی کتابیں کے ترجمے بھی عربی زبان میں کئے۔ ان تمام بزرگان دین، علماء، نقشبند اور صوفیاء کی بدولت اسلامی فلسفے کے طائر صحت بھی بھرے ہرغیر پال و ہند میں پھیل گیا۔

اس اجمال کی تفصیل تو ہم اگلے باب میں پیش کریں گے فی الحال اس باب کے دوسرے حصے میں ہم ملتان کے بارے میں سیاحی کے بیانات کا جائزہ لیتے ہیں۔۔۔ جن سے ملتان کی مذہبی، معاشرتی، اقتصادی، لسانی اور تہذیبی زندگی کا عکس ہماری سامنے آئے گا۔

تک ان ساحوں نے قلم بہت کثرت سے محفوظ اوقات و اقدار میں ملتان میں آکر قیام پذیر رہے یا اس سلسلے سے گزرتے رہے۔ ان ساحوں نے اپنے مشاہدات اور تجربات پر مبنی حالات قلم بہت کثرت سے ہیں۔ مختلف ساحوں کے بیانات سے ملتان کی تہذیبی زندگی کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں اور ہم ان تفصیلات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں جو تاریخ میں بھی موجود نہیں ہیں ان ساحوں نے جو کچھ دیکھا یا محسوس کیا اس کو کبھی احوال سے اور کبھی تفصیل کے ساتھ اپنے سفرناموں میں درج کیا۔ یہ ساج رہا کے مختلف خطی سے تعلق رکھتے ہیں ان میں یونانی، چینی، عربی، فرانسیسی اور برطانوی ساج قابل ذکر ہیں۔ ہم زبانی لحاظ سے ان ساحوں کے بیانات کا جائزہ لیتے ہیں۔

(2) یونانی اور چینی ساج

تاہم اعتبار سے سب سے پہلے سکندر اعظم مقدونی اپنی فتح کے ساتھ سر زمین ملتان اور حلقہ آور ہوا۔ یہاں کے علاقے خٹاں کے ساتھ بوسر بیکار رہا۔ جسے اس نے وہ مہلک تہہ کھایا جس سے بعد میں اس کی موت واقع ہوئی۔¹ ڈاکٹر رفیق خٹاں کے بیان کے مطابق سکندر اعظم کی فتح کے ساتھ ایک مہینہ ایمباں² (Arrrian) بھی تھا جس نے اپنی کتاب *Anabasis* میں یونانی حلقے کی بصری تفصیل درج کی ہے اس نے ملتان سے ہونے والی قوم کو "ملوئی" یا ملی "کے نام سے پکارا ہے اور اس قوم کی بہادری اور جرأت مدی کی بے حد تعریف کی ہے۔³

- 1۔ سکندر کے زخمی ہونے کا کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔
(الف) تاریخ یونان "از پروفیسر ہیری ٹیوٹن سیدھاشی فیہ آہاری مطبوعہ دارالطبع عثمانیہ سکرار عالیہ حیدر آباد دکن، مار آور، 1910ء، ص 694 تا 698
(ب) تاریخ یونان 4م از پروفیسر اڈولف ہوم ٹیوٹن سیدھاشی خان شہزادی، مطبوعہ دارالطبع عثمانیہ سکرار عالیہ حیدر آباد دکن، مار آور، 1931ء، ص 494 تا 495
- 2۔ ڈاکٹر رفیق خٹاں کے یہ بیان درست نہیں ہے کہ ایمباں سکندر کی فتح کے ساتھ آیا تھا کیونکہ ایمباں سکندر کا ہم عصر نہیں تھا۔ اس کا زمانہ 95ء تا 175ء تھا، ملاحظہ فرمائیے
"The Oxford companion to classical literature by Sir Paul Harrey,
Oxford University Press London (First Published October, 1937, Page 51)
جبکہ سکندر یونانی کا زمانہ 323 تا 356 قبل از مسیح ہے البتہ ایمباں نے سکندر کے حلقے کے بارے میں سات کتابیں پر مشتمل *Anabasis* لکھی۔ اور آٹھویں کتاب میں پاکستان، بنگلہ کے لوگوں کے رسم و رواج اور غلط فہم میں غریبوں *Hearches* کے محوری سفر کی تفصیلات درج کی ہیں۔ غریبوں سکندر اعظم کا اصرار بھر تھا۔
- 3۔ بحوالہ ضمنی از ڈاکٹر محمد رفیق خٹاں "ملتان فیر ملکی ساحوں اور مورخین کی نظر میں" مطبوعہ امیر ملتان، دسمبر 28 جی 1978ء

چینی سماج میں سادگی (HIUENTSANG) جو بدھ مت کا پیروکار تھا، اکتوبر 1964

میں ملتان پہنچا تھا، اس نے ملتان شہر کا نام "جیو لووان یولو" 2۔ بیان کیا ہے، اس نے اس شہر کی تمدنی، علمی اور ادبی، اقتصادی، مذہبی اور روحانی زندگی کے بارے میں جو تفصیل بیان کی ہے وہ بڑی دلچسپ ہے۔ میں یہ تفصیل اکثر معذرفہ خذ کے الفاظ میں درج کرتی ہوں

"اس علاقے کا دارالخلافہ (ملتان) تیس "لی" (تقریباً پانچ میل) کے

علاقے پر محیط ہے۔ یہ شہر بڑا کچھان آباد ہے یہاں کے لوگ بہت

امیر ہیں اور یہ علاقہ چکا (CHIKA) مملکت کے ماتحت ہے۔

یہاں کی مٹی بہت زرخیز ہے آب و ہوا خوشگوار ہے۔ لوگ بہت سادہ

اور ایمان دار ہیں۔ علم و ادب، باہمی عزت اور نیک اقدار سے محیط

رکھتے ہیں۔ بیشتر لوگ بومی کے لقمے کھاتی دیتے ہیں اور بہت کم

گرم بدھ کے اصولی پر قائم ہیں۔ یہاں پر بدھ مت کی دس شاخیں

ہیں یہ زیادہ تر شکستہ حالت میں ہیں کچھ مذہبی پیشوا ہیں جو

مطالعہ تو کرتے ہیں مگر اس میں کمال حاصل کرنے کی خواہش نہیں

رکھتی یہاں پر ہندوؤں کے آئندہ مقرر ہیں جن میں مشنریز ذات کے

لوگوں کے ماتھے دھتے ہیں۔ ایک مقرر جو کہ "سوج دیوتا" کا ہے

بہت عالیشان ہے اور گویا کسی آرائش سے مزین ہے۔ سوج دیوتا کا ہت

پہلے سوئے کا ہٹا ہوا ہے اور اسے مادر جواہرات سے سجایا گیا ہے۔

عورتیں اس مقرر میں سوج دیوتا کی تعریف میں مشغول رہتی ہیں

گاتی بجاتی ہیں اور پھل اور قطر دیوتا کی خیر کھینچتی ہیں۔ یہ

رسم بہت قدیم ہے۔ بادشاہ اور امراء کے اہل خاندان قیمتی جواہرات

اور ہتھیار پر مشتمل تحائف دیوتا کو پیش کرنے سے کبھی نہیں چوتے

تہیہ ہی ایک حکم پر کھاتے ہیں کا اعظام ہے جہاں گویا کھاتے کھانا

اور ہائی تھم کیا جاتا ہے اور بھاری کھانے دوائی دی جاتی ہیں بہت

سے علاقے سے خزانے کی تعداد میں لوگ دعا مانگتے آتے ہیں۔ مقرر کے

1- Extracts from the Distt. & States Gazetteers of the Panjab (Pakistan) Vol. II, Page 137. Research Society of Pakistan University of Punjab, Lahore. First impression 1977.

جانبی طرف تالاب ہے جس میں خوبصورت پہول آگے ہوئے ہیں۔ " 1۔

(3) چچ نامہ کی روایت

=====

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا باقاعدہ ورود محمد بن قاسم کی سرکردگی میں ہوا۔ محمد بن قاسم سندھ کو فتح کرتا ہوا۔ آٹھویں صدی مسوی کے اوائل میں ملتان پہنچا۔ ملتان میں مسلمانوں کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اہل ملتان قلعہ بند ہو کر لڑے۔ دو ماہ تک فسیلی سے محصور اور فدرک (ایک آگہ حرب) کے ذریعے پتھر اور تھر بوسائے۔² آخر ملتان فتح ہوا۔ چچ نامہ میں اس حملے کی جو تفصیلات درج ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ "ملتان میں دولت کی ریل پھل تھی۔ فتح مکمل ہوئی تو شہر کے رئیس اور سپہاوی نے جمع ہو کر ساٹھ ہزار دم فن کی چاندی تقسیم کی۔ ہر سوار کو خاص طور پر چار سو دم فن کی چاندی ملی۔"³ اس کے علاوہ ایک بت سے یہ شمار خزانہ حاتمہ لگا۔ چچ نامہ میں لکھا ہے کہ ایک برہمن محمد بن قاسم کے پاس آیا اور کہا

"اے عادل امیر! یہ وہی بت ہے کہ جو ملتان کے راجا جیوں نے بتوایا تھا اور جو مال دہی کر کے فوت ہو گیا تھا۔" 4۔

محمد بن قاسم ذریعہ اور ثانی کے ساتھ اس بت خانے میں آیا۔ یہاں اس نے سونے کا ایک بت دیکھا جس کی آٹھویں میں سچ باقوت چڑے ہوئے تھے۔⁵ محمد بن قاسم کے حکم سے جب اس بت کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے سے دو سو تیس سو سونا اور سونے کی کتھ سے بھرے ہوئے چالیس تھکے ہوئے کل تیرہ ہزار دو سو سونا دھننے سے نکلا۔ وہ سونا اور بہت سے بت خزانے میں لائے گئے، اس کے علاوہ وہ موتی اور جواہرات جو کہ ملتان کی لوٹ میں حاتمہ آئے تھے وہ اور بہت سے دوسرے خزانے اور دھننے بھی قبضے میں کئے گئے۔⁶

1- ضعیفی از ڈاکٹر محمد رفیق خٹل پھولوں "ملتان فہرہ ملی سماجی اور مورخہ کی نظر میں" مطبوعہ امروہ ملتان صبر، 28 جوی 1978ء

2- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) اس باب کا حصہ الف ص 87 تا 89
(2) چچ نامہ از علی بن احمد بن ابی بکر کوفی مرتبہ ڈاکٹر عیسیٰ بخش خاں بلوچ، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد پبلیا ایڈیشن، اپریل 1963ء، ص 340 تا 347

3- بحوالہ چچ نامہ، ص 342 تا 343

4- بحوالہ چچ نامہ، ص 345

5- چچ نامہ، ص 342

6- بحوالہ چچ نامہ، ص 344

مال و دولت کی بہتات کی وجہ سے سلطان کو فرج بن الذهب (سورج کی سرحد) کہا

جانا تھا۔ عرب سماج نجد اذہ (الشیخی 300/312) اپنی مشہور کتاب "الہمالک و العجائب" میں لکھتے ہیں۔

"جستان کے شہر زائع سے سلطان دو سچے کی راہ ہے، اور سلطان کو فرج بن الذهب (سورج سرحد) کہتے ہیں کیونکہ حجاج کے بھائی سعد بن یوسف نے یہاں ایک گھر کے اندر 40 ہزار سونا پایا تھا اور ہمارا 3331 من کا سونا ہے اسی مقام پر سلطان کو فرج بن الذهب کہتے ہیں۔" 1۔

تیسری صدی ہجری کا ایک عرب سماج اور تاجر ابو زید حسن سمرانی (الکتاب الثانی من سلسلۃ التلخیص میں) سلطان کے مشہور بت کے بارے میں لکھتے ہیں

"صخرہ کے قریب سلطان میں جو مشہور بت ہے اس کی زیارت (یا تبرا) کے لیے لوگ کئی کئی مہینہ کا سفر طے کر کے آتے ہیں، اور اپنے ساتھ مشہور عود ہندی قاضی لائے ہیں، قاضی ایک شہر ہے جہاں عودہ قسم کا عود پیدا ہوتا ہے لوگ اسے بت پرستوں کے لیے لائے ہیں اور مہنتی کے حوالے کر دیتے ہیں جس اقسام کے ایک من عود کی قیمت دو سو دینار ہوتی ہے اس کی بعض قسمیں اتنی قیمتی ہیں کہ اگر ان پر انگلیوں سے مہر لگائی جاتی تو اس کی چھاپ آ جاتی ہے۔ تاجران خارجی سے عود کو خریدتے ہیں۔" 2۔

3۔ عرب مہینج اور حفریہ دان احمد بن یحییٰ بن جعفر بلذری (الشیخی 279 ہجری 892) کی تصنیف کتاب "فتح البلدان" ہے جو اسلامی فتوحات کے سلسلے کی تاریخ ہے اور اس میں سعد بن سلمان کے حملے کی تفصیل موجود ہے۔ بلذری کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان میں بت بیستی کا بڑا رواج تھا اور یہاں اسے بت موجود تھی۔ کی زیارت کے لیے دور دراز کے علاقوں سے لوگ آتے تھے۔

- 1۔ "الہمالک و العجائب" از عبد اذہ حجتہ از مولانا محمود علی مدنی بھٹوان "ہندوستان عربی کی نظر میں" جلد اول ما اقسام عبادت ہیں اعظم کتب 15
- 2۔ "ہندوستان عربی کی نظر میں" (ترجمہ) 44-47

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے مسلمانوں کو یہ شمار دولت ملی۔ البلاذری لکھتے ہیں کہ

"یہاں سونے کی کثیر مقدار حاصل آتی، بد خانے میں دس گز سے آٹھ گز کا ایک حجرہ تھا۔ جس میں بد کے چڑھاویں جمع کئے جاتے۔ حجرہ چاروں طرف سے بند تھا، چھت میں ایک بڑا سا روضہ تھا جس سے چڑھاویں اس میں ڈالے جاتے تھے، اس حجرہ کی وجہ سے ملتان کو "فتح بہت الذهب" کہتے تھے۔ فتح کے فتح سوجھ گئے بھی ہیں۔

ملتان کا بد ایک ایسا بد تھا جس کیلئے اموال ہدیہ کئے جاتے اور اس پر فرائض چڑھائی جاتیں۔ سجدہ والے اس کی بڑی عظمت کرتے۔ زیارت کو آتے اور ڈانٹتے اور سر مٹا کر اس کا طواف کرتے لوگوں کا گمان ہے کہ یہ بہت ایوب علیہ السلام کا مجسمہ ہے۔" 1۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

"کہتے ہیں حجاج نے مہم کے عمارت اور فرائض کا حساب کیا تو معلوم ہوا کہ 6 کھڑ خرچ ہوئے اور 12 کھڑ حاصل ہوئے۔ کہا ہم نے اپنے غنوں کا بدلہ پا لیا جو کچھ خرچ کیا۔ اس پر 6 کھڑ درہم مزید حاصل آئے اور دھنر کا سر ملا۔" 2۔

ابو عبد اللہ ابن قتیبہ ہمدانی بھی تیسری صدی کے آخر کا اشاء پرداز اور جغرافیہ دان تھا اس کی تصنیف کا نام "کتاب البلدان" ہے اس کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ جب وہ اس علاقے میں آیا تھا تو بحر ہند ملتان کو عبور کرتا ہوا گزرا تھا وہ لکھتا ہے کہ

"یہ سحر نظرم سے وادی قری ہوتا ہوا بہرہ ملان، دیبل اور ملتان کو عبور کرتا ہوا جس میں چشمہ پہاڑ تک چلا آیا ہے۔" 3۔

اس نے ملتان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا

1۔ بحوالہ فتح البلدان صحت البلاذری ترجمہ سید ابوالخیر مودودی، طبع انکیشی کراچی، طبع اول ستمبر

1962ء، ص 623

2۔ فتح البلدان (ترجمہ) ص 623

3۔ بحوالہ "کتاب" البلدان "ترجمہ از مسعود علی ہمدانی (مدرسہ اعلیٰ قادیان) ص 151

اس قصہ کا ہم عصر اور احمد بن عمر بن رستہ اگرچہ خود ہندوستان میں نہیں آیا تھا مگر اس نے اپنی معروف تصنیف "الاعلاق النضیہ" (صفحہ 290ھ) میں ملتان کے بارے میں بہت سی دلچسپ معلومات درج کی ہیں۔ مثلاً اس کے یہاں کے مطابق ملتان میں بسنے والی قوم سامہ بن لولی کی ایک شاخ بنو امیہ کے خاندان سے متعلق رکھتی تھی۔ یہی قوم ہندوستان کے اس حصے پر حکمران تھی اور خلیفہ (بغداد کے نام کا خطبہ پڑھتی تھی۔ اس رستہ نے ملتان کے بت کا بھی ذکر کیا ہے جس کی لمبائی 20 گز سے زائد بھی وہ آدمی کی شکل و صورت تھا۔ اور اس کے چار چہرے تھے اس لئے جس طرف بھی آدمی رخ کرتے وہ اس کے سامنے رہتا اس کی پشت چھبے تھی یہ بت دو ہزار سال پہلے کی تصور تھا۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق یہ بت آسمان سے اترا تھا اور انھیں اس کی ہمدی کا حکم دیا گیا تھا۔ لوگ سال ہا سال کی مسافت طے کر کے اس کی زیارت کے لئے آتے تھے یہاں آکر اپنا سر مٹاتے تھے اور بائیں جانب سے سات بار طواف کرتے تھے اس کے سامنے رکتے تھے، پگھلاتے اور زمین پر لوثتے۔ کچھ لوگ تو اپنی آنکھیں نکال کر اس کی آستین میں رکھ دیتے۔ بعض لوگ اپنی جان اس بت کی غر کر دیتے طریقہ یہ ہوتا تھا کہ ایک لمبی لکڑی کے سرے کو انتہائی تیز اور ٹوکھا بنا کر اسے زمین میں گاڑ دیتے پھر اس کے اوپر چڑھ جاتے تھے اور لکڑی کا تیز اور ٹوکھا سرا اپنے پیٹ میں اس طرح چھپو دیتے تھے کہ وہ پشت کے راستہ باہر نکل آتا۔ 1۔

علی بن حسین ابوالحسن المصعودی (المتوفی 346ھ/357ھ) ایک بلند مرتبہ جغرافیہ دان، سیاح اور سماج گزرا ہے۔ اس کی دو کتابیں "مرج الذهب و حای الجوہر" اور "القنبہ والا شراب" --- بہت مشہور ہیں۔ مرج الذهب و حای الجوہر میں ہندوستان کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مصعودی کی یہ تصنیف 332ھ/343ھ کے بعد لکھی گئی تھی۔ اس میں ملتان کے بارے میں بھی کچھ معلومات درج ہیں۔ اس نے بھی ملتان کو "سوخ کی سوعد" کہہ کر بتایا ہے۔ اس کے مطابق ملتان کا حکمران قبیلہ قبش کی ایک شاخ اسامہ بن لوی بن غالب کے خاندان سے متعلق تھا، اس نے لکھا ہے کہ دریائے سندھ ملتان کے بعد مصورہ سے گزرتا ہوا دیبل کے قریب سحر میں گرتا تھا۔ اس دریا میں گھنٹال رہتے تھے اور

سعودی کے مطابق جس مانی میں کھڑا ہوا وہ بڑا شہر ہوتا ہے سعودی نے ملتان کو سلعانی کی ایک اہم سرحد قرار دیا ہے جس کے چاروں طرف ایک لاکھ بیس ہزار گاؤں آباد ہیں پھر اس نے اس ^{بہت خانے} کا ذکر بھی کیا ہے جس کی باترا کے لقی ہمدونستان پھر سے لوگ خوشحالات لے کر آتے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ جب کوئی ہمدون راجہ ملتان پر حملہ آور ہوتا اور سلطان اس کا مقابلہ نہ کر پاتے تو وہ اس بہت خانے کو توڑ دینے کی دھمکی دیتے۔ اس دھمکی پر ہمدونی کی قومیں واپس چلی جاتیں۔ اس نے ملتان کی اپنی عیش و عشرت و راحت کی چیزیں، کھانسی اور تانبے کے برتنوں کی بہت تعریف کی ہے۔¹ سعودی کا 300 ہ کے بعد ملتان جانا ہوا تھا۔ 331ھ میں بنو سعودی کے تقریباً تیس سال بعد ابن سہیل سعد آیا۔ ملتان کے بارے میں اس کا بیان ہے کہ

"ملتان ایک بڑا شہر ہے جس میں تحصیل بھی ہے وہاں لوگ (ہمدون) اس طرح حج کرتے جاتے ہیں جیسا کہ ہم مکہ میں وہاں اسلامی سلطنت ہے اور غیر مسلم ان کے ماتحت ہیں۔ وہاں ایک بڑا قلعہ ہے اور اس کے نزدیک سلعانی کی جامع مسجد ہے۔ عام طور پر لوگ شہر کے تابع ہیں اور دینی امور پر عمل کرتے ہیں۔" ²

ابراہیم بن معد ابو اسحاق اصطخری 340ھ/951ء میں ہمدونستان آیا تھا۔ اس کی دو کتابیں کتاب المقالیم اور "سالک السالک مشہور ہیں۔ سالک السالک میں سعد اور ہمدونستان کا ذکر موجود ہے۔ سعد کے فہم میں ملتان کے بارے میں تحصیل سے لکھا ہے۔ اصطخری نے بھی ملتان کو "فرج بیت الذهب" کہہ کر پکارا ہے اور ملتان کے بہت خانے کا ذکر تحصیل سے کیا ہے اس نے بہت کے بارے میں کہہ ایسی باتیں لکھی ہیں جو دوسری نے نہیں لکھی مثلاً یہ کہ یہ مورتی انسانی شکل کی ہے اور ایٹ اور گچ کی بنی ہوئی ایک کرسی پر بالٹھی مار رہی ہے۔ اس کا سارا جسم سحاب کے چٹے کی طرح ایک بے سبز چٹے سے بڑھا ہوا ہے اور صرف اس کی آنکھیں نظر آتی ہیں دوسری آنکھیں جواہرات کی ہیں۔ سر پر سونے کا ایک تاج ہے۔ آگے چل کر اصطخری لکھتا ہے کہ

"ملتان محفوظ اور مستحکم شہر ہے۔ یہ ایک سر سبز و

1- فرج الذهب و عمار الجور (مصری) ص 189-190 (الجز اول) مطبوعہ بیروت الطبع الاول، بیروت

1385ھ 1965ء (علامہ متقی فکری کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا۔)

2- بحوالہ تاریخ سعد از مولانا سید ابو ظفر حسن، مطبعہ مہارک اعظم گڑھ، 1947ء، ص 212

شاداب طاقہ ہے ملتان کے باہر ڈیرہ جیل پر بہت سی عمارتیں ہیں جن کو جسر اور کہا جاتا ہے۔ یہ امیر کی چھاؤں ہے۔ اس کے مطابق اہل ملتان لکھی اور کرتہ استعمال کرتے تھے۔ مصروف ملتان اور ان کے مقامات کے باشندوں کی زبان سہمی اور مرہٹھی تھی۔ " 1۔

ایک اور عرب سیاح محمد بن احمد شمس الدین ابو عبد اللہ بشاری مقدسی کی کتاب " احسن التاقسیم فی معرفۃ الاقاسم " میں ہندوستان کا ذکر پایا جاتا ہے۔ یہ کتاب 375ھ/85ھ میں لکھی گئی تھی۔ بشاری مقدسی کے مطابق ملتان میں پھل بہت مستے تھے پٹی فی درہم 30 ص اور سری فی درہم 3 ص ملتی تھی۔ مکان ساکوں کی لکڑی کے بنے ہوئے تھے اور کئی کئی منزلہ تھے۔ شراب اور زنا کا رواج بالکل نہ تھا اور جو شخص اس جرم کا ارتکاب کرتا تھا وہ سخت سزا کا مستوجب ٹھہرتا تھا۔ یہاں تک کہ قتل بھی کیا جاتا۔ اہل ملتان خرید و فروخت اور لین دین میں چھوٹے کام نہ لیتے تھے اور نہ ڈپ تول میں کمی کرتے تھے۔ سامان سے محبت سے پیش آتے وہ دریا کا عمدہ پانی بہتے تھے۔ بشاری مقدسی نے ملتان کو آسودہ شہر قرار دیا۔ یہ تجارت کا مرکز تھا اور یہاں صنعتی کی فراوانی تھی۔ بادشاہ عادل اور محمود مصطفیٰ مزاج تھے۔ عورتیں بناؤ سنگھار کر کے بازار میں لے آ سکتی تھیں اور نہ کوئی عورتی سے بات چیت کر سکتا تھا۔

بشاری مقدسی کے مطابق ملتان کا پانی عمدہ اور زہدی راحت سے پر تھی لوگ خوشحال و بامروت والی طرف، تدبیرت اور توانا تھے۔ لکھی کا رنگ گدھی اور سیاہ تھا۔ زبان صواباً فارسی تھی البتہ ملتان کی رسم سنگھار، مکافات تک اور ہوا گرم خشک تھی۔ بشاری مقدسی نے ملتان کے پت خانے کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے لیکن یہ تفصیلات کم و بیش وہی ہیں جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ 2۔

ایک اور مسلمان سیاح اور مؤرخ ابن حوقل دو بار ملتان آیا۔ دوسری بار 979ھ میں وہ یہاں مقیم رہا۔ اس نے بھی ایسا سفر نامہ لکھا ہے۔ جو طابا سید ابو ظفر دہی کے بیان کے مطابق 367ھ میں تیار ہوا۔ 3۔ ملتان کی تاریخ اور حالات کے بارے میں ابن حوقل کے اکثر بیانات اصطخری کے مکتوبات

1۔ تفصیل کے لئے طابحاہ فیہا ہے " ہندوستان میری کی نظر میں " ص 368 تا 378

2۔ " احسن التاقسیم فی معرفۃ الاقاسم " ترجمہ بعنوان " ہندوستان میری کی نظر میں " ص 388 تا 400

3۔ تاریخ سہد از مولانا ابو ظفر دہی ، ص 223

پر منحصر ہیں۔ حوقل کے بیان کے مطابق شہر کا نام ملطون کے صروف بت کے نام پر رکھا گیا تھا جبکہ البیرونی کے نزدیک ملطان کا نام "مول استعان" تھا جو بعد میں ملطان بن گیا۔ ملطان کی تخریص کے بارے میں ابن حوقل کا بیان ہے کہ وہاں پہلی طاطری سکے/سائرا کے راجہ کا تھا جو مختلف فن کا ہوتا تھا کہیں $1\frac{2}{3}$ درہم، کہیں $1\frac{1}{8}$ درہم مرقا کے برابر اور کہیں 5 درہم مرقا کے برابر۔ جب اسماعیلیوں کا ملتان پر قبضہ ہوا تو ایک اور سکے رائج ہوا جس کو "قاسمہ" کہتے تھے یہ صر کے فاطمی آئینہ کے نام سے قاسمہ میں بنایا جاتا تھا جو مرقا کے پانچ درہم کے برابر ہوتا۔¹ ملطان کی مصنوعات کے بارے میں ابن حوقل کہتا ہے --- ملطان سے ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ڈبہ، چھری، چاقو، صندوقے اور ہتھیاروں کے دستے تیار ہو کر بڑی تعداد میں غیر مالک کو جاتے تھے۔ ہاتھی دانت کی چوڑیاں بھی بقی تھیں جنہیں مہد و مورتیں استعمال کرتی تھیں۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے ابن حوقل کے مطابق چوتھی صدی کے وسط تک ملتان اور مصورہ کے لوگ وہاں کی ملکی زبان میں دب (سمہی) اور عربی میں گفتگو کرتے تھے۔²

ابو یحیٰی البیرونی،³ عالمی شہرت یافتہ سماج، تاریخ اور جغرافیہ دان تصور ہوتا ہے وہ 1011ء میں ملتان میں قیام پذیر رہا۔ اس کی تصنیف "کتاب الحہد"⁴ پر حد صروت ہے۔ البیرونی نے بھی بڑی تفصیل کے ساتھ ملتان کے حالات ظہر بہ کثرت ہیں۔ البیرونی لکھتا ہے

"مشہور ہستی میں ایک آفتاب کے نام کا بت ملتان کا تھا اور اس صبت سے لاسکا نام آرت رکھا گیا تھا۔ یہ بت لکڑی کا بنا ہوا اور بکری کسی طرح سبز رنگ کی کھال میں مڈھا ہوا تھا اس کی دونوں آنکھوں میں دو مالوت سبز جڑے ہوئے تھے۔ مہد و کہتے ہیں کہ وہ سب سے پہلے کرتا جگ میں بنایا گیا تھا۔ فرض کرو کہ وہ اس جگ کے آخر میں بنا تو اس وقت سے ہم لوگوں کے زمانہ تک 216432 یعنی دو لاکھ سولہ ہزار چار سو بیس

- 1- سفرنامہ ابن حوقل، ص 226، طبع لندن
- 2- سفرنامہ ابن حوقل ہندوستان، ص 226 لندن
- 3- البیرونی برسی ملتان میں رہا۔ یہیں اس نے مہدی طوم پر مشتمل کئی کتابیں کو عربی میں منتقل کیا اور یہیں اس نے اپنی نہایت اہم کتاب "کتاب الحہد" لکھی (بحوالہ "برخبر پر ملتان کے علمی اثرات" از علامہ شمس لکڑی، امیر ملتان صبر، ص 5)
- 4- کتاب الحہد 234ھ میں مکمل ہوئی (بحوالہ ابو یحیٰی البیرونی، مکمل میل پہلی کشت، لاہور 1965ء، ص 101)

سال ہوتے ہیں۔ " 1۔

البرونی نے ملتان کے صرف صدر کے ذکر کے علاوہ مسجد بن قاسم کی بتوائی ہوئی مسجد کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائی ہیں اس کے بیان کے مطابق جب ابن قاسم نے ملتان فتح کیا تو سوچ صدر کے قصبہ ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔ جب قراطینی نے ملتان پر قبضہ کیا تو اسی نے یہ صرف اس پت کے پتھر پھرنے کرا دیئے، یہ صرف پجاریوں کو قتل کرایا بلکہ مسجد بن قاسم کی بتوائی ہوئی مسجد کو بھی بھ کر دیا اور اس کی جگہ ایک علیحدہ مسجد بنوائی۔ پھر محمود غزنوی نے 1005ء میں قراطینی کا قلع قمع کیا اور معدنی قاسم کی مسجد کو دوبارہ آباد کیا۔² البرونی نے ملتان کے کئی قدیم نام بھی درج کئے ہیں البرونی نے ملتان کے ایک عیسائی تالک کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے اس کا بیان ہے کہ ملتان میں ایک ایسا تالاب ہے جس میں نہانا ہندو اپنی پوجا کا حصہ سمجھتے ہیں۔³

ایک اور مسلمان جغرافیہ دان سیاح اور مؤرخ الادریسی نے 1103ء میں اپنی کتاب "نزهت المشتاق فی اقتدار الافاق" میں ملتان کا ذکر کیا ہے اس نے سوچ دیوتا کے پت کا حال خاص طور پر تفصیل سے بیان کیا ہے۔

1262ء سے متعلق ایک اور مسلمان مؤرخ اور سیاح زکریا قزوینی نے ملتان کے بارے میں کچھ ماضی ورج کی ہیں یہ بھی کم و بیش اسی قسم کی ہیں جن کی تفصیل اس سے پہلے سیاحوں نے پیش کی ہیں۔ قزوینی کی کتاب کا نام "اسرارالبلاد و اخبار القند" ہے جس میں اس نے ملتان کے باشندوں کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ وہ مسلمان اور کافی پر مشتمل ہیں لیکن حکومت مسلمانوں کے عائد میں ہے۔

ابن بطوطہ کا شمار دنیا کے مشہور ترین سیاحوں میں ہوتا ہے۔ رئیس احمد جعفری نے "سفرنامہ ابن بطوطہ" کو اردو میں منتقل کیا ہے اس سفرنامے کی دوسری جلد میں ملتان کا ذکر کئی صفحات پر مشتمل ہے ابن بطوطہ کے مطابق ملتان میں داخل ہونے سے پہلے دس کوں کے قلعے پر ایک دریا عبور کرنا

1۔ بحوالہ "ابو یحییٰ البرونی" سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور 1985ء، ص 144

2۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "ابو یحییٰ البرونی" ص 144

3۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے

پڑتا ہے جو تک لیکن صید ہے اور بغیر کشتی کے صید نہیں کیا جا سکتا۔ وہاں دریا پار کرنے والی کی تلاش بھی ہوتی تھی۔ تاجریں سے ایک چوتھائی مال بطور محصول لیا جاتا تھا ایک گھوڑے پر سات دینار محصول لگتا تھا۔ ان ہطوطہ جب آج سے ملتان آیا تو اسے تلاش کی بڑی فکر تھی لیکن ملتان کے حاکم قلیب الطک کی ہدایت کے مطابق اس کی تلاش نہ لی گئی۔ ان ہطوطہ جب حاکم سے ملنے گیا تو اس نے ایک فٹام، ایک گھوڑا اور کشتی اور بادام کے تحفے پیش کئے ان ہطوطہ کے مطابق ملتان میں کشتی اور بادام نہیں ہوتے تھے اس لیے یہ تحفہ بہت پسند کیا جاتا تھا۔

ان ہطوطہ نے ملتان میں گھوڑا سواری اور نر تندر اعداز کی بے حد تعریف کی ہے اس کے مطابق اگر کوئی اپنی سواری کا کمال دکھانا چاہتا تو پہلے گھوڑا دوڑاتے ہوئے ایک چھوٹے سے ڈھانے پر سوار لگاتا اور پھر ایک چھوٹی سی دیوار پر لگی ہوئی اشوٹھی کو تھپنے کی آواز میں ہڑکراشوٹھی لے جاتا۔ جس قدر کمال کوئی ان کھیلوں میں دکھاتا تھا اس قدر اس کے عہدے میں ترقی ہوتی تھی۔ ان ہطوطہ نے دو ماہ تک ملتان میں قیام کیا یہاں کے آداب طعام، دسترخوان کی وسعت اور رنگا رنگ کھانسی کی بڑی دلچسپ تفصیل ان ہطوطہ نے درج کی ہے وہ لکھتا ہے

" اس ترتیب سے کھانا لاتے تھے - پہلے روٹیاں لاتے ہیں جو دیہات ہٹوں جہانگاہ ہوتی ہیں بکری کو بھی لیتے ہیں اور اس کے چار یا چھ ٹھنڈے کر کے ایک ایک آدمی کے سامنے رکھتے ہیں پھر گھی میں تلی ہوئی روٹیاں لاتے ہیں جس کے پیچ میں حلوا یا بوشہ بھرا ہوا ہوتا ہے اور ہر ایک شے کے بعد ایک مٹھی ریش رکھتے ہیں۔ جس کو خوشی کہتے ہیں اور اس کو گڑے اور شکر اور گھی سے بناتے ہیں پھر ایک چیز لاتے ہیں جس کو مسوہ کہتے ہیں اور وہ قلعہ کیا ہوا گوشت ہوتا ہے اس میں بادام اور جاقٹ اور پستہ اور ہماز اور گرم مصالحہ ڈال کر ہٹوں جہانگاہ میں لیٹ دیتے ہیں اور پھر گھی میں تلی لیتے ہیں ہر ایک شخص کے سامنے پانچ یا چار مسوہ رکھتے ہیں پھر چاول گھی میں پکے ہوئے لاتے ہیں اور اس کے بعد گھی ہوتا ہے پھر لقیات الطافی لاتے ہیں اس کو ہاشمی بھی کہتے ہیں۔ پھر قابہ لاتے ہیں حاجب کھانا شروع کرنے سے پہلے دسترخوان پر کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ اور سب حاضرین بادشاہ کی

تعظیم کرتے ہیں اور تعظیم ان کے ملک میں یہ ہے کہ سر کو رکوں کی طرح صبح جھکاتے ہیں جب یہ کر چکتے ہیں تو دسترخوان پر بیٹھنے میں اور کھانا شروع کرنے سے پہلے چاہی اور سبز اور کاج کے پتوں میں صبری اور گلاب کا شربت پیتے ہیں جب شربت پس چکتے ہیں تو حاجب بسم اللہ کہتا ہے اس وقت سب کھانا شروع کرتے ہیں کھانا ختم ہونے پر قاع کے پتے آتے ہیں اور جب قاع پس چکتے ہیں تو ہاں ساری آتا ہے۔ جب ہاں چھالو لے چکتے ہیں تو حاجب بسم اللہ کہتا ہے جب اندھ کھڑے ہونے میں اور جیسی کھانے سے پہلے تعظیم کی تھی اسی طرح پھر کرتے ہیں اور پھر دسترخوان سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ " ۱۔

(5) یورپی سیاحی کے حوالے

اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں سات انگریزی نے یکے بعد دیگرے شمالی اور جنوبی ہندوستان

کی سیاحت کی۔ ان سیاحوں کے نام یہ ہیں۔

1583 - 91	Ralph Fitch	رالف فچ	1
1599-1606	John Milden Hall	جان ملڈن ہال	2
1608 - 13	William Hawkins	ولیم ہاکنس	3
1608 - 11	William Finch	ولیم فینچ	4
1612 - 16	Nicholas Withington	نیکو لاس وڈ انگٹن	5
1612 - 17	Thomas Coryat	تھامس کوریات	6
1616 - 19	Edward Terry	ایڈورڈ ٹیری	7

ولیم ہوسٹر نے ان سیاحی کے طویل بیانات اپنی مصحفیت (1619) Early Travels in India

(1583) میں مرتب کئے ہیں۔ ان میں سے ولیم ہاکنس ، ولیم فینچ ، تھامس کوریات اور ایڈورڈ ٹیری نے

ملتان کا ذکر کسی نہ کسی لحاظ سے کیا ہے۔ اگرچہ ان سیاحی نے ملتان کے بارے میں کوئی زیادہ تفصیل

1- " سفرنامہ ابن بطوطہ " حصہ دوم مترجمہ رئیس احمد جعفری، ص 498 تا 499 ، پبلس انکلیٹی کراچی

طبع چھاپہ اہل 1968ء

ہیں تھیں کی تاہم اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ وہم لہجہ کے مطابق جب لاہور ایک چھوٹی سی بستی تھا ملتان توئی یافتہ شہر تھا۔¹ تعارض کویات ملتان کو ملتان کہتا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد اسے دور دراز کا سفر کرنا پڑا تب وہ ملتان پہنچا۔ ملتان میں اسے کافر کہہ کر پکارا گیا جس پر اسے غصہ آیا اور اس نے ایک سو مسلمانوں کے ہجوم کے سامنے اطالوی زبان میں فی البدیہہ تقریر کی۔ اس کی زبان سوائے ایک، دو ان کا سردار تھا، کوئی نہ سمجھ سکا۔ اس ایک نے دوسری کو کچھ معلوم سمجھایا۔ اس تقریر میں کویات نے مسلمانوں کے مذہب، ان کے رسول اور قرآن حکم کے بارے میں تا زیا اور گستاخانہ کلمات کہے لیکن اسے کچھ نہ کہا گیا کیونکہ خود اس کے اعتراضات کے مطابق مغل سلطنت میں عیسائیوں کو آزادی سے بولنے کی اجازت تھی۔² اسی طرح ایڈورڈ ٹیوری ملتان کو اس دور کے عظیم اور بڑے شہری میں شمار کرتا ہے جس کی حدیں جنوب میں کابل اور قندھار سے ملتی تھیں اور مغرب میں ایران سے۔³

22 مئی 1614ء کو دو یورپی سفاح کویٹر اور اسٹیل بھی ملتان آئے۔ ان دونوں سفاحوں نے اسے ایک قدیم اور عظیم شہر کہہ کر پکارا ہے۔ البتہ ان کے مطابق یہاں کے لوگ غریب تھے۔ اس وجہ سے مغلط قاضی کو کئی دن تک رک لیتے تھے تاکہ شہر والی کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔⁴ شاہ جہاں اور امریک زب عالمگیر کے زمانے میں بھی ایک فرانسیسی سفاح جین بپتیسٹ شوروئر (Jean Baptiste Tavernier) اصلہاں اور قندھار سے ہوتا ہوا ملتان پہنچا اس کا سفرنامہ فرانسیسی زبان میں 1678ء میں شائع ہوا تھا اس کا انگریزی ترجمہ وی بال (V. Ball) نے کیا ہے۔ شوروئر لکھتا ہے

"ملتان ایک ایسا شہر ہے جہاں بڑی تعداد میں کھڑا ہوتا ہے۔ یہ سارا کھڑا دریا کا صفہ ریت سے بہت دھوئے ہوئے شعلہ کی طرح لے جایا جاتا تھا۔ اب جبکہ وہ راستہ بڑی کشمکش کے لئے بہت ہو چکا ہے تو یہ (کھڑا) اور لاہور میں بنی ہوئی چیزی کا کچھ حصہ آگہ اور آگہ سے سورت بھیجا جاتا ہے۔ چونکہ مال کی نقل و حمل بہت مشکل

- 1- ملاحظہ فرمائیے "Early Travels in India" دوسرا ایڈیشن البیونی، لاہور 1978ء ص 161
- 2- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے ("Early Travels in India" دوسرا ایڈیشن - البیونی لاہور 1978ء ص 271 تا 275
- 3- - - - - ایسا - - - - - 291

یہاں ہر ایرانی خدو خال کے مرد زیادہ نظر آتے ہیں جو زیادہ تر شہسوار ہیں۔۔۔ مٹی زرخیز ہے مگر زیادہ تر گاؤں اجڑ چکے ہیں اور جہاں جاہلی کاشت ہو رہی ہے وہاں بھی انحطاط پذیر ہیں۔ گندم جوہ کھاس، شلغم، گاجر اور تیل پیدا ہوتا ہے۔ درخت زیادہ تر نیم کھجور اور پھل کے ہیں۔۔۔ سارے علاقہ میں ہر قسم کا شکار ملتا ہے۔ ہمارے قیام کے دوران موسم بہت اچھا تھا۔۔۔ رات کو کبیر بڑتی تھی لیکن دن قدرے گرم تھے۔ " 1۔

چارلس مینس کا سفرنامہ "Narrative of Various Journeys in Balochistan

Afghanistan & the Punjab کے نام سے پہلی بار 1842ء میں لندن میں شائع ہوا۔ یہ تین جلدی پر مشتمل ہے۔ چارلس مینس اپنے سفر کے دوران 1827ء میں دو مرتبہ ملتان آیا اور کئی روز تک قیام کیا۔ اس نے ملتان شہر کے بارے میں دلچسپ تفصیل درج کی ہے وہ لکھتا ہے

"دور سے تو یہ شہر بہت بڑا دکھائی دیتا ہے لیکن قریب آ کر اس کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ یہ تین میل کے دائرے میں پھیلا ہوا ہے اور پھیل ہوا ہے اس کے بازار بڑے بڑے لیکن کلیتہً حد تک تنگ ہیں اور ان میں وہ گھسا گھسی بھی نہیں ہے جس کی توقع کسی بڑے مشہور تجارتی شہر سے کی جاتی ہے۔ قلعہ بہت زیادہ مضبوط ہے تو نہیں لیکن غیر معمولی توجہ سے بنایا گیا ہے اور غیر یورپی امتیازی کے بنائے گئے قلعے کی نسبت زیادہ سلیقے سے بنایا گیا ہے۔ اس کی حفاظت کیلئے ایشیائی کی خدمت بنائی گئی ہے اس کے دیواروں کی حفاظت ایک کھجواؤ پل کے ذریعے کی گئی ہے۔" 2۔

میں نے مطالبہ اگرچہ مکھی کے ملتان پر قبضے کے بعد تجارت میں کسی آگلی تاہم بازاری کی روح اور اشیا کے صرف کی طلب بہم رسانی باقی ہے یہی ہے جسے کالین دین کرتے اور سوتی اور ریشمی کپڑا بنانے والے یہ شمار لوگ موجود تھے۔ ملتان کی خالیاں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں اور یہاں کی کڑھائی کا کام بہادرپور کے کام سے ملتا تھا۔ افغانستان اور سندھ کے قلعے غلطی کے ساتھ اس کی تجارت جاری ہے۔

آگے چل کر میں ملتان کی قہری، مہربانی، مساجد اور خانقاہی کا ذکر بڑی تفصیل سے کرتا ہے وہ اس روایت کا ذکر بھی کرتا ہے کہ سرزمینِ ملتان/ایک لاکھ ویں دہائی میں ملتان کے باغات کی کثرت اس بے کمال ترقی کے وہ لکھتا ہے کہ

"ملتان میں باغات کی کثرت ہے، ان میں پھل دار درخت مثلاً آم، مانٹا، لیمو اور سنکھڑا عام ہیں۔ کھجور اور سبزی کی خوب پیداوار ہوتی ہے۔ دیہاتے راہی اگرچہ زمین میل کے واسطے ہر ہے لیکن طبعی کے زمانے میں اس کا پانی شہر تک آ جاتا ہے۔ دریا ہر کشتی کی بددعا سے بنائی گئی ہے جہاں سے دیہاتے سفر اور انجام کار سفر تک راستہ جاتا ہے۔" 1۔

میں نے احادیث کے مطابق اس وقت ملتان میں آٹھ یا نو ہزار کان مومند تھے اور اس کی آبادی چالیس پچاس ہزار غلوں پر مشتمل تھی 2۔

جس مساجد میں چارلس ہوگل (Baron Charles Hugel) (1796-1870ء) پنجاب اور کشمیر کی سیاحت پر 1835-36ء میں آیا۔ اس نے اپنے تاثرات ایک کتاب کی صورت میں لکھے جس کو جارج بی جیروں (T.B. Jervis) نے 1844ء میں انگریزی میں منتقل کیا۔ چارلس ہوگل نے اپنے سفرنامے کو ایک تاریخی چیز بنا دیا ہے اس نے ملتان شہر اور قلعے کی تعمیر کی ہے اور مبارکہ رنجیت سنگھ کی فوج کے خاصہ خوب مظہر خاں اور اس کے بھائی کی شہادت اور قلعہ کی تعمیر کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہے 3۔

جس مساجد لیفٹیننٹ الیزبٹ ہروس 15 جی 1831ء کو ملتان میں داخل ہوا۔ اس نے 21 جی تک یہاں قیام کیا۔ اس کا سفرنامہ "Travels into Bokhara" 1834ء میں تین جلدوں میں لکھا گیا تھا۔ اس سفرنامے کی تیسری جلد میں ملتان کا حال بڑی تفصیل سے درج ہے۔ ہروس کے مطابق وہ 15 جی 1831ء کو ملتان پہنچا اسے دو سے مہربانی کے گنبد دکھائی دیے وہ شام کے وقت

201۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے

"Narrative of various Journeys in Baluchistan, Afghanistan & the Punjab". Oxford Press 1974. Page 394 to 398.

3۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے

"Travels in Kashmir & the Punjab." مطبوعہ نویں، لاہور 1976ء، ص 373 تا 378

حضورِ باغ میں اتنے جو شہر سے ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ اس باغ کے گرد کچھ دیوار تھی۔ راستے کشادہ تھے پھل دار درخت ہر طرف سایہ کٹے ہوئے تھے۔ مقامِ حکام نے ہر طرف کا شاہکار طریقے سے استعمال کیا۔ جیسے سو بھی، شعاعی سے بھی ایک سو ٹوکے اور کالی مقدار میں پھل پیش کیا۔ ہر طرف اہل ملتان کی مہمان نوازی اور لافانی سے یہ حد متاثر ہوا اور اس نے کھلے دل سے اعتراض کیا ہے کہ ملتان پہنچ کر اسے بہت خوشی ہوئی۔

ہرمس کے بیان کے مطابق ملتان اس وقت تین میل کے فاصلے پر پھیلا ہوا تھا۔ شہر کے گرد ایک بوسیدہ دیوار تھی اور شمال میں ایک مضبوط قلعہ تھا اس شہر کی آبادی تقریباً ساٹھ ہزار نفوس پر مشتمل تھی جن میں سے ایک تہائی ہندو تھے اور باقی مسلمان۔ مکانات پکی اینٹوں کے تھے جن کی چھتیں چوکر تھیں یعنی مکانات چھ چھ منزلہ تھے جو تنگ گلیوں کو اور تاریک بنا رہے تھے۔ باشندے زیادہ تر کھڑے رہنے اور رکنے کا کام کرتے تھے۔ ریشی پارچہ جات میں "کھیس" زیادہ مشہور تھے جو ہر رنگ میں دستیاب تھے اور ان کی قیمت 20 سے 120 روپے تک تھی۔ ہرمس کے مطابق یہ کھیس بہاولپور کی بنی ہوئی لکھنؤ کی نسبت ذرا کم قیمت پر تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ملتان پر قبضے کے بعد اس صنعت کی اور ترقی ہوئی کیونکہ مہاراجہ نے نہ صرف اس صنعت کی حوصلہ افزائی کی بلکہ اپنے دیوار میں کسی اور کپڑے کے استعمال کی اجازت نہ دی اس طرح اس کے استعمال میں یہ حد اضافہ ہوا۔ یہ کھیس خراسان اور ہندوستان میں برآمد کئے جاتے تھے۔ ہرمس نے ملتان کی تجارت کی بڑی صنعت کی ہے اس کے مطابق یہاں شکار پر کے 20 ہزار روپے کا لین دین کرتے تھے۔ ملتان کے مزارات سب سے ہوئے تھے۔ ہرمس نے غلط فہمی بہاولپور، شاہ ولی عالم اور بھکت پرنالہ کے مہار کا ذکر کرتے کے بعد قلعے کی تفصیلات بہاولپور خاص درج کی ہیں۔ ہرمس ملتان کو ہندوستان کے قدیم ترین شہروں میں شمار کرتا ہے۔ اس نے ملتان کی قدامت پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ ملتان کی آب و ہوا کے بارے میں ہرمس لکھتا ہے کہ ملتان کا موسم سب سے علاقے سے مختلف ہے۔ بھدا بھدی اور بارش ہر موسم میں ہوتی رہتی ہے۔ پھر بھی گرد و غبار ناقابل برداشت ہے۔ طوفان باد و باران عام ہیں اور کوہ سلیمان سے آنے والے ہرمس نے یہ شعر بھی درج کیا ہے

چہار چہرہ صفت ملتان

گرد و گھاہ گدا و گورستان

ہومس نے اس شعر کی حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ ہومس نے ملتان کی زراعت، یہاں کے کھیتوں اور نہروں کی خوب تعریف کی ہے۔¹

(6) موهن لال کاشمیری کا بیان

=====

ہری رام گپتا نے موهن لال کاشمیری کی حیات اور کارناموں پر ایک کتاب موصوف کی جو

لاہور سے 1943ء میں شائع ہوئی۔² اس میں موهن لال کاشمیری (1812ء تا 1877ء) کے کابل میں دو

سال کے قیام اور اس سلسلے میں اس کے سفر کی داستان بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ موهن لال

کاشمیری ملتان بھی آیا اور اس نے جو تفصیلات ملتان کے بارے میں درج کیں ہیں وہ بڑی دلچسپ ہیں۔

موهن لال 16 دسمبر 1835ء کو ملتان پہنچا شہر سے دو میل باہر اسے روک دیا گیا۔ اس وقت ملتان

پر دیوان سائی مل کی حکومت تھی دیوان کی اجازت کے بغیر اس کو شہر میں داخلے کی اجازت نہیں مل

سکتی تھی اور دیوان سائی مل دیر پر کھڑا ہوا تھا۔ 20 دسمبر کو اسے اجازت ملی اور اس کے قیام کا

بعد دست دولت گنٹ کے باہر ایک مکان میں کیا گیا جہاں وہ 31 جنوری 1836ء تک رہائش پذیر رہا۔ اس

کے بیان کے مطابق ملتان میں میل کی کاشت کثرت سے کی جاتی تھی۔ ہر رنگ کا ریشم تیار کیا جاتا تھا۔

ریشم کی تیاری کے لئے شہر میں 150 کارخانے تھے۔ جن میں ہر سال چالیس ہزار گز ریشم کپڑا اور دو

لاکھ گز ریشم اور سوچ ملا کپڑا تیار کیا جاتا تھا۔ اپنے ملتان میں قیام کے دوران موهن لال کے شکار پوری

اور لوہانی سوداگری سے گہرے تعلقات پیدا ہو گئے۔ ان سوداگری نے 30 جنوری کو موهن لال کے اعزاز

میں طعام اور رقص کی سہولت ترتیب دی۔ موهن لال کے مطابق ملتان کی رقصاں دہلی کی رقصاں کے

مقابلے میں زیادہ محنت کرتیں جبکہ انہیں دہلی والوں کے مقابلے میں طاقتور صرف تیسرا حصہ ملتا، لیکن

وہ مل دار الحکومت کی بھیجی کے مقابلے میں اپنی حرکات و سکنات، لباس اور زیورات کے معاملے میں کم دیکھ

کی تھیں۔³

1- مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ فرمائیے "Travels into Bokhara" Oxford University Press Karachi 1975, Page 109 to 121.

2- اس کتاب کا ترجمہ مسعود عبدالرشید نے کیا ہے جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اصل کتاب کے ساتھ ساتھ مجھے یہ ترجمہ جناب مرزا اس حقیقت کے پاس دیکھنے کا موقع ملا ہے۔

3- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "Travels in the Punjab Afghanistan, Turkistan to Balh Bokhara & Harat by Mohan Lal, Al-Biruni, Lahore 1890.

(7) ملتان کی مذہبی، معاشرتی، اقتصادی

اور تہذیبی زندگی کا مجموعی جائزہ

=====

سیاحی کے ان بیانات کی روشنی میں جب ہم بحیثیت مجموعی ملتان کی مذہبی،

معاشرتی، اقتصادی، لسانی اور تہذیبی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہاں کے

لوگوں پر شروع میں سے مذہب کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ مذہب کا فعل دخل زندگی کے ہر شعبے میں

بہت زیادہ تھا۔ لوگ مذہبی شعائر کی سخت پابندی کرتے تھے۔ مذہبی عمارتیں بنانے کا رواج شروع سے

عام تھا۔ مزاروں اور عبادت گاہوں کو خوب سجاایا جاتا تھا۔ دار جواہرات اور سوئے چاہی کے استعمال

سے ان کی آرائش کی جاتی تھی۔ ہتھی کی پیمیا، چڑھار، ضر و خزانے دینے کا بڑا رواج تھا۔ لوگ

مقیدت کے تحت اپنا سر بڑھواتے، طواف کرتے، کہیں اپنی آنکھوں کا خدراہ پھینک دیتے۔ یہاں تک کہ

دیوتاؤں کے سامنے اپنی جان تک کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ لوگوں میں خدا خوں عام تھی۔

فریبی اور مستحاجی کے لقمے کھانے پھینکے کا مفت انتظام کیا جاتا تھا۔ بیماری کے لقمے دعاؤں کے علاوہ دواؤں

کا بھروسہ بھی کیا جاتا تھا۔ لوگ عام طور سے مکی کے کام کرنے کی طرف مائل رہتے۔ بڑے کی پابندی

عام تھی مورتیں حنا والی تھیں، اور ہٹاؤ سکھار کر کے کھلے عام نہیں آتی تھیں۔ فیر مورتوں سے بات

چیت کرنا بھی ممنوع تھا۔ بدکاری، شراب، زنا اور دیگر معاشرتی برائیوں کے لقمے سخت تعزیرات قرار

تھیں۔ اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کو سخت سے سخت سزا دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی

اُسے قتل بھی کر دیا جاتا تھا۔

سیاحی کے بیانات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سرزمین ملتان میں دولت کی ریل پھل تھی۔

سونا، چاندی مٹی کے حساب سے ہوتا تھا۔ مٹی اور دیگی میں بھر کر رکھا جاتا تھا۔ مسند بن قاسم

کو ملتان کے پت خانے سے جو دھبہ ملا تھا اس میں سوئے کا فن تیرہ ہزار دو سو مل تھا۔ اس کی تفصیل

سابقہ صفحہ میں درج کی جا چکی ہے۔ غالباً اسی لقمے ملتان کو فوج بیت الذهب (سنبھری سرحد) بھی

کہا جاتا تھا۔ یہاں سوئے کے پت بنائے جاتے تھے اور ان کے جسم میں پاقوت فہمے جواہرات اور قیمتی

لکھنے جڑے جاتے تھے۔ سب چاہتے ہیں کہ جہاں دولت کی ریل پھل ہو وہاں عیش و عشرت کے سامان بھی

پیدا ہو جاتے ہیں اور لوگ تسمیہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ (چنانچہ کہیں کہیں امراء کے یہاں
 ناچ گانے ہوتے تھے ایک آدھ سیاح نے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔) لیکن ملتان کی صوبہ ہاشمی زہدی
 ان تسمیہات سے فاری تھی غالباً اس کا سب سے بڑا سبب ملتان میں مذہب و اخلاق کا عمل دخل تھا۔
 یہ سرزمین قبل از اسلام بھی اور اسلام کی روشنی پہنچنے کے بعد بھی عیشہ نیک لوگوں کے اثر میں رہی
 اسلام سے پہلے بھی یہاں مذہب کی گروت ضبط رہی اور یہ علاقہ حدود و حدود اور حدود و حدود
 کی بدولت بھی تھا۔ اسلام کی اشاعت کے بعد مسلمان صوفیائے کرام نے اس سرزمین کے لوگوں کو رشد و
 ہدایت کے ذریعے عیشہ نیک پر مائل رکھا۔ اسی لئے یہاں کے لوگ ابھادار، سادہ اور علم و ادب کے
 دل دار تھے۔ فنی لطیفہ ہی یا فنی ملکہ زمانہ قدیم میں سے ملتان اس سلسلے میں اہم شہر رہا
 اس کے مدورہ مہر اور صادرات کی تسمیہ کا اعلیٰ شوق سمجھے جاتے رہے ہیں۔ امراء کے مکانات عام طور پر
 ساکوں کی لکڑی کے بنائے جاتے تھے جو کئی کئی منزلہ ہوتے تھے۔ صحت و حرکت اور گھریلو نوعیت کی
 اداکاری کے اعتبار سے بھی ملتان بے حد ہیئت رہا ہے۔ ہاتھی دانت کا کام، کھلنے بنانے کا کام اور
 تانبے کے برتن بنانے کا بڑا رواج تھا۔ بہت سے سیاحوں نے ان کی تسمیہ کی ہے۔ ہاتھی دانت سے تیار
 کردہ چٹائی میں چڑیاں اور ڈھان زیادہ اہم تھیں۔ کھلنے، تانبے کے برتن، چھری چاقو، مسدوقے اور
 ہتھیار کے دستے بھی تیار کئے جاتے تھے اور غیر ملکی کو برآمد کئے جاتے تھے۔ کپڑے کی صحت کے لئے
 ملتان شروع میں سے ایک اہم مرکز رہا ہے۔ ریشم کی مصروفیات کے لحاظ سے بھی ملتان کی مرکزی حیثیت
 تھی۔ سونے کپڑا بھی بنتا تھا۔ کڑھائی کا کام بہت بھاری ہوتا تھا اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا
 قالین، کھیمہ شالیں، لٹیاں اور کپڑے بنانے کا عام رواج تھا اور یہ سب اشیاء غیر ملکی مٹھی میں بڑی
 مقبول تھیں۔ سیاحوں کے بیانات کے مطابق ملتان تجارت کے لحاظ سے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں سے
 قندھار، غزنی، ایران اور عرب کو اشیاء برآمد کی جاتی تھیں۔ لاہور کے راستے ہندوستان کے دیگر مقامات
 کو بھی بد چٹریں مہیا کی جاتی تھیں۔

سیاحوں کے بیانات کے مطابق ملتان کا علاقہ بہت سرسبز و شاداب تھا۔ یہاں کی فصلیں میں

گندم، گنا، جوہ، کپاس، سبزی، میوے، گلابیں، درختی میوے، کھجور اور پھل اور پھل میں آم،

مالٹا، سحرہ، لیبی اور کھجوریں بکثرت پائی جاتی تھیں۔ پھل عام تھے اور بہت سے تھے، ہاں میٹھا اور مدہ تھا۔ یہاں کا زری نظام دیہات اعلیٰ تھا اور آبپاشی کا کام زیادہ تر کنوئیں سے لیا جاتا تھا۔ شہر والے آسودہ حال تھے۔ صنعتی کی فراوانی تھی زرعی راجت سے پر تھے۔ لوگ باسوت، عالی ظرف، عالی دماغ، تدبیرت اور توانا تھے۔ مہاں عوازی کے لحاظ سے اہل ملتان مشہور تھے۔ ان بھڑوٹے نے یہاں کے لوگوں کے آداب طعام، دستوخواں کی وسعت اور رنگا رنگ کھانسی کی دلچسپ تفصیل درج کی ہے جو سابقہ صفحات میں آچکی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کھانا جدید دور کے "کوس" کے انداز پر کھایا جاتا تھا۔ ہنسی و ہنسی سے مختلف چیزیں لائی جاتی تھیں اور مہمانوں کی خوب توجہ کی جاتی تھی۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ملتان کے لوگ کتنے فیاض، مہمان دوار اور شہہ دل تھے۔ اسلام کی اشاعت کے بعد یہاں کے لوگوں میں حکومتی سطح پر بھی اور عوامی سطح پر بھی مذہبی رواداری عام تھی۔ یہاں تک کہ جب ایک سیاح تھامس کوربات نے مسلمانوں کے مذہب، قرآن اور منہر کے بارے میں نازیبا کلمات استعمال کئے تو اب بھی اس سے کچھ تعرض نہ کیا گیا۔ کیونکہ خود اس کے یہاں کے مطابق ہندو سلطنت میں عیسائی کو آزادی سے بولنے کی اجازت تھی۔¹

بہت سے سیاحی نے اہل ملتان کی بہادری اور شہہ سواری کی بہت تعریف کی ہے۔ ان کے یہاں کے مطابق اہل ملتان کو شہہ سواری اور بہادری کے جوہر دکھانے کا بہت شوق تھا۔ حسی ملاحظہ کرنے کے لحاظ سے وہ دیہات اعلیٰ درجے کے تھے۔ سکندر اعظم کو یہاں سے حد تک اٹھانی پڑی۔ یہاں تک کہ ملتان کے نواحی علاقے میں اسے جو مہلک زخم لگا وہی اس کی موت کا باعث بنا۔ گھوڑ سواری اور فی ثر انداز میں اہل ملتان کا جواب نہیں تھا۔ شہہ سواری کے مقابلے منعقد کرائے جاتے تھے۔ آج بھی فرس اور ملی میں شہہ سواری کے کوچہ دکھائے جاتے ہیں۔

1831ء کے اعداد و شمار کے مطابق ملتان کی آبادی 60 ہزار طوس پر مشتمل تھی جس میں

سے ایک تہائی حصہ تھے اور باقی مسلمان²۔ کچھ سیاحی نے اہل ملتان کی زبان کو سدری قرار دیا۔

¹ "Early Travels in India" Page 274

² Travels in to Bokhara Page. 109

1875ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی کا تناسب یہ تھا، مرد 15614 + عورتیں 13708 =

(بمقابلہ تاریخ ضلع ملتان، لالہ حکیم محمد، ص 410) کل = 29322

کچھ نے عیسیٰ اور کچھ نے لائوس۔ پھر حال یہ تھی زانیہ ساحلی کی آہ کے زمانے میں یہاں سمجھی
اور بڑی جاتی تھی۔

(ج) سر زمین طشانی میں لسانی تشکیلات کا اصل

(1) لسانی تشکیلات کا اصل

جہاں تک طشانی کی زبان کا تعلق ہے کہد سواحی میں اہل طشانی کی زبان کوہ جیسا کہ سابقہ صفحات میں درج کیا گیا ہے، سندھی قرار دیا، کہد میں مہس اور کہد میں فاروس۔ بہر حال یہ تینوں زبانیں سواحی کی آمد کے زمانے میں یہاں سمیٹیں اور یوں جاتی تھیں لیکن جس بات کہد اس سے پہلے زبان سے شیعہ کرئی ہوئی کیونکہ جن سواحی میں طشانی کی زبان کے بارے میں ذکر کیا ہے وہ سب کے سب سواحی کی حدوستان میں آمد سے کہد کے سماج میں بھی ان کا تعلق زیادہ تر چوتھیں اور پانچویں صدی عیسوی سے ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمانہ ما قبل اسلام طشانی کی زبان کیا تھی؟ اس سلسلے میں حتیٰ طور پر کہد نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ زمانہ ہم کا ادب و شعر دستیاب نہیں ہوا جس سے اس دور کی زبان کا پتہ لگایا جا سکے۔ سندھ ہو یا طشانی شریعہ میں سے سلسلہ شوشی اور لغر ملکی حملہ آفرینوں کی زد میں رہا۔ اس لیے اس دور کے ادب و شعر کے سوانح کا قانع ہو جانا بعد ازاں نہیں۔ ہم تینوں سندھی زبان میں لکھی جانے والی وہ قرآنی نسخہ ہے جو ایک عراقی نے 270ھ میں لکھی۔ یہی حدوستان میں قرآن مجید کا پہلا نسخہ ہے۔² عراقی سماج بزرگ بن شہیار کی روایت کے مطابق 270ھ میں منصور کے رہنے والے ایک شخص نے، جو عراق کا باشندہ تھا لیکن اس کی پرورش حدوستان میں ہوئی تھی، راجا اور (البر) کی فرمائش پر اسلامی احکام و قواعد کی تشریح اور قرآن مجید کی

1۔ ان سواحی میں اصطوری، ابن حوقل، ہشام مقدس وغیرہ قابل ذکر ہیں اور ان کے حوالے سابقہ صفحات میں آ چکے ہیں۔

2۔ حوالے کے لیے دیکھئے (1) تاریخ سندھ از ایوب طہر، ص 357 (2) طشانی زبان اور اس کا تعلق ادو کے ساتھ از ڈاکٹر مہر عبدالحق، ص 321 (3) تاریخ سندھ از امیرالحق، ص 314، 286

تفسیر ہندی زبان میں لکھی ¹۔ اسی طرح ابو ظفر ہندی نے اپنی مہلہل کی کتاب سیرالہند اظہار کے
 قلمی نسخے کے حوالے سے ملتان کے ایک شاعر ہارون بن عبداللہ ملتانی کا ذکر کیا جو اپنی شجاعت اور
 بہادری کے کارنامے کو نظم کیا کرتا تھا۔³

جس زبان میں یہ تفسیر لکھی گئی یا شاعری کی گئی اسے سندھی زبان کہا جائے یا ہندی بہر
 حال وہی زبان تھی جو سندھ، مصر اور ملتان میں بولی، سمجھی اور لکھی پڑھی جاتی تھی اور اس
 ہر سلسلے کی زبان کے اثرات یقیناً پڑ چکے تھے کیونکہ ہندوستان میں ان کی آمد کا باقاعدہ سلسلہ پہلی
 صدی عجمی سے شروع ہو چکا تھا۔ سند سلیمان ہندی کی تحقیق کے مطابق
 "ملتانی کی عربی و فارسی سب سے پہلے ہندوستان کی جس زبان سے
 منسلک ہوئی وہ سندھی اور ملتانی ہے۔"⁴

اسی طرح ڈاکٹر مہر عبدالحق کی لسانی تحقیقات میں اس ناقابل تردید حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے
 کرتے ہیں کہ

1- ابو ظفر ہندی (تاریخ سندھ، ص 357)، ڈاکٹر مہر عبدالحق (ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق،
 ص 321) اور امین الحق ہندی (تاریخ سندھ، ص 314) نے بزرگ بن شہرہار کی کتاب عجائب العہد،
 مطبوعہ لدیان کے حوالے سے اسے "سندھی" زبان کا صحت قرار دیا ہے لیکن مولانا صفوح علی ہندی نے
 (ہندوستان عربی کی نظر میں، ص 195) اس کتاب سے ہند کے بارے میں اقتباسات ترجمہ کرتے وقت اسے
 "ہندی" لکھا ہے۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانی نے بھی (اردو شعر کا آغاز و ارتقاء، ص 2) عجائب العہد کے
 حوالے سے اس زبان کے لیے "ہندی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہی اصل عبارت یہ ہے
 "و کان فیما مابین طارح سالہ ان تفسیر لہ القرآن بالعہدیہ"

اس لیے ہندی ہونا چاہیے۔ لیکن دراصل اس زمانے میں سندھی اور ہندی میں کوئی فرق نہ تھا۔ ڈاکٹر
 اشتیاق حسینی قریشی کے مطابق "ہم امراضی کے یہاں ہند کا لفظ دراصل سندھ ہے اور اس سے
 ہم تاریخ میں وہ علاقہ مراد ہے جسے آج پاکستان کہتے ہیں۔" (پروفیسر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ،
 ص 1) بزرگ بن شہرہار چونکہ ایرانی تھا اس لیے یہ بات کہیں نہیں لکھی ہے۔ اسی طرح شہید الدین
 پیرزادہ نے ڈاکٹر اشتیاق حسینی قریشی کے حوالے سے لکھا ہے "لفظ سندھ کا صحیح تفسیر لفظ ہند کے
 استعمال کا باعث بنا۔ سندھ سکرت کے لفظ "سہ" سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی پہنچنے کے ہیں
 اور "سہ" درجائے سندھ کا نام ہے۔ سہاد سے سندھ اور ہند کے نام نکالے گئے ہیں۔ علم اللسان کی
 رو سے ہندوستان دراصل دریائے سندھ کی سواہی ہے۔" (بحوالہ "پاکستان مقلد بہ منزل" از شہید
 الدین پیرزادہ، ص 6، مطبوعہ گلڈ اشاعت گھر، کراچی، طبع اول، اگست 1965ء)

2- بحوالہ ہندوستان عربی کی نظر میں، ص 193 تا 195 (اسکی تحصیل آگے درج ہے۔)

3- تاریخ سندھ، ص 357

4- بحوالہ "فہرست سلیمان" دارالحدیث، اعظم کراچی، ص 34

"جوتھی عرب مسلمانوں نے اور ان کے مہمسے، فارس، ترکی اور بلوچی
زیادہ سے بڑھنے والے صاکر نے وادی سندھ میں دم رکھا۔ ایک نئی زبان
کی بنیاد پڑنا شروع ہو گئی۔" — ۱۔

(2) زمان کی تشکیل کا عمل ماقبل از اسلام

[illegible]

"جب محمد بن لاسم نے 12/94ھ میں سندھ و ملتان فتح کیا تو یہاں ایک

ایسی کھجڑی زبان بولی جاتی تھی جو پسلی اثرات بھی رکھتی تھی اور

شوریسی اثرات بھی۔ " 2۔

1۔ بحوالہ "ملتان زبان اور اس کا اردو سے تعلق" ص 489، مطبوعہ اردو اکادمی، بہاولپور، ہماراؤل 1967ء

2- بحوالہ "تاریخ ادب اردو" جلد اول، ص 817، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول، جولائی 1975ء

ڈاکٹر شاہدہ بیگم بھی جمیل جالبی کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں وہ کہتی ہیں کہ

" --- شمالی اور مغربی ہندوستان میں جو زبانیں مروج تھیں وہ لگ بھگ سب کی سب شورشمنی ابھرنے سے متاثر تھیں۔ پنجاب راجپوتانہ اور گجرات میں تو ایک حد تک لسانی آہٹک پایا جاتا تھا۔ سہہ کچھ الگ تعلق سرور تھا لیکن اس پر بھی آپ بھرنے کی شاخ پہاچی کے ساتھ ساتھ شورشمنی کا اثر غالب تھا اور وہاں کی زبان پنجاب کی زبان سے زیادہ دور تھی۔ " 1۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق نے سلسلے کی آمد سے پہلے ملتان کی زبان کے بارے میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ

" --- جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے وہ صرف اتنا بتاتی ہے کہ وادی 2
سہہ کی زبان اسی آپ بھرنے سے جو پہاچی کی ما تو شاخ ہے ما
اس سے متاثر ہوئی ہے۔ " 3۔

آگے چل کر ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں

" رواجڈ آپ بھرنے وہ آخری زبان تھی جس کے بعد اس علاقے میں سہہ
اور ملتان بولی جانے لگیں۔ " 4۔

گھا سلسلے کی سہہ اور ملتان میں آمد سے پہلے ملتان کی زبان ایک ملی جلی زبان تھی جس میں پہاچی اور ابھرنے کے اثرات موجود تھے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اور ڈاکٹر شاہدہ بیگم کے مطابق یہ شورشمنی ابھرنے تھی اور ڈاکٹر مہر عبدالحق کے بقول یہ رواجڈ ابھرنے تھی۔ اگر ظفر ہادی کا اس بارے میں یہ خیال ہے کہ

" سہہ اور ملتان کی اصلی زبان جس میں وہاں کے عوام بات کرتے تھے وہ متعدد تھی، پھانچ (پھیر) سے لے کر سہہ کے بالائی حصے تک تو اردو بولی

1- بحوالہ " سہہ میں اردو " ص 41، مطبوعہ اردو اکیڈمی سہہ، کراچی 1980ء

2- 111ء سے پہلے تک ملتان وادی سہہ کا حصہ رہا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں " لسانی تاریخ میں 111ء کو اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ اس وقت سے صرف ملتان کی ریاست سہہ سے الگ ہو گئی بلکہ ملتان کی زبان سہہ کی زبان سے علیحدہ ہو گئی اور آزادانہ طور پر ترقی پانے لگی۔ (بحوالہ " ملتان کی زبان اور اس کا اردو سے تعلق " ص 98)

3- بحوالہ " ملتان کی زبان اور اس کا اردو کے ساتھ تعلق " ص 86

4- --- اہم --- ، ص 95

کا رواج تھا۔ یعنی صف ناگری، کیونکہ یہ مختلف زبانوں سے مل کر پھیل
 زبان بن گئی تھی۔ اسی زبان میں یہ لوگ خط و کتابت کرتے تھے۔ اور
 کتابیں بھی لکھی جاتی تھیں۔ سعد کے ساحلی علاقوں میں ملکاری زبان کا یہ
 زیادہ رواج تھا۔۔۔۔۔ لیکن مصوٰرہ اور برہن آباد میں ایک اور زبان رائج
 تھی جس کو سین وپ (سندھی) کہتے تھے۔ " 1۔

(3) سلطانی کی آمد اور اثرات زبان پر

سلطانی کی آمد سے لسانی تشکیلات کا اصل ایک بار پھر شروع ہوا جیسا کہ سابقہ باب
 میں لکھا جا چکا ہے کہ سعد اور ملتان میں سلطانی کی آمد کا سلسلہ ابن قاسم کے حملے سے پہلے بھی
 جاری رہا چنانچہ سعد میں سب سے پہلے خیرہ بن عباس 15ھ میں یعنی راستے سے داخل ہوا۔ اس کے
 بعد عبداللہ بن عامر بن کریم خشکی کے راستے 24ھ میں مکران تک پہنچا۔ درہ خیبر کے راستے پہلا حملہ
 44ھ میں ہوا۔ ابن سمرہ کی فوج کے سردار مطلب بن ابی صفیر نے ملتان اور پشاور کے درمیانی علاقے کو
 اس حملے کا نشانہ بنایا اور وادی سعد کے بالائی حصے کو پامال کیا۔² ان حملوں سے تہذیب و زبان کے
 حصہ گیر یا دیرینا اثرات مرہبہ ہوئے کیونکہ مسلمان یہاں مختلف مقامات کے تحت آئے اور عارضی قیام کے بعد
 واپس چلے گئے۔ البتہ 93ھ میں جب محمد بن قاسم کا حملہ ہوا اور سعد اور ملتان کے علاقے مستقل طور
 پر سلطانی کے زیر نگیں آ گئے تو تہذیب و زبان کے اثرات وسیع پیمانے پر مرہبہ ہونا شروع ہوئے۔

غالب قویں ہمیشہ اپنے کلچر اور تہذیبی اثرات کے ساتھ ساتھ زبان کے اثرات بھی ساتھ لاتی
 ہیں اور غلوب قوی کو بہت جلد متاثر کر لیتی ہیں۔ یہی کچھ یوسفیر پاک و حصہ میں ہوا بقول ڈاکٹر
 جمیل جالبی

"سلطانی کی آمد کے ساتھ مفتوح علاقے کی تہذیب، عادات اور زبان پر
 وہی اثر ہوا جو آبائی، سماجی اور اقتصادی کی فتوحات سے یہاں کسی
 تہذیب اور زبان پر ہوا تھا۔ فاتح و مفتوح جب تہذیبی، عاداتی،
 عائشی، سیاسی اور بیوروکریسی لسانی سطح پر ایک دوسرے سے ملے تو ایک پھیل

1- بحوالہ " تاریخ سعد " از ابو ظفر ندوی، ص 365

2- بحوالہ " ملتان کی زبان اور اس کا اردو کے ساتھ تعلق " ص 95

قسم کی زبان اپنے خدو خال اجاگر کرنے لگی تھی۔ جس میں سامی، ایرانی،
عبرانی اور دوسری بولی نے مل جل کر لسانی کھجڑی بکاتے کا عمل کیا تھا۔" 1۔

ڈاکٹر حیدر جالبی نے سلسلے کے اثرات کو آریائی اور دیگر قومی کے اثرات سے مشابہ قرار
دیا ہے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ یہ اثرات ان اثرات سے کہیں زیادہ اظہاری، گہرے اور دیرپا تھے۔
اس لیے کہ سلسلے نے تو یہاں کی زندگی کا ڈھانچہ (*Pattern of life*) بدل کر رکھ دیا۔
اس کے باوجود کہ محمد بن قاسم نے حتی الوحہ پرانے نظام کو تبدیل نہ کیا اور بقول ڈاکٹر تاراچند
"مسلمان فاتح نے مکتومی کے ساتھ عقل مادی اور فحاشی کا ثبوت دیا۔ مال
گزاری کا پرانا نظام قائم رکھ دیا اور قدیمی طائری کو برقرار رکھا۔ حدود
بجاری اور برہمنی کو اپنے مدرسے میں پرستش کی اجازت دی اور ان پر فقط
ایک خلیفہ کا محصول عائد کیا۔ جو آمدنی کے مطابق ادا کرنا پڑتا تھا۔
زمینداری کو اجازت دی گئی کہ وہ برہمنی اور مدرسے کو ہدم شیکس دیتے
رہیں۔" 2۔

لیکن پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ سلسلے نے اپنے نام تک بدل ڈالے اور اپنے سلسلے نامی
کے ساتھ ساتھ دوسرا عیسائی نام رکھنے لگے۔ اس قسم کی مثال دنیا کی تاریخ میں اور کس قوم کے ذہل
میں نہیں ملتی۔ حقیقت یہ ہے کہ محمود غزنوی کے حملے سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں اور خصوصاً
سندھ اور ملتان میں اسلامی اقدار اور اسلامی نظام کلچر نے اپنے دم جمنا لیے تھے اور زمین ہموار ہو چکی تھی۔
محمود غزنوی کی بت شکنی نے تو زندگی کے تصورات ہی بدل ڈالے۔ بت شکنی کے ذریعے محمود غزنوی نے
محض کوئی مذہبی فرقہ ایجاد نہیں کیا تھا بلکہ دولت کے ارتکاز کو بھی ختم کیا تھا۔ ہندوستان کے
بت دولت کے عظیم مرکز بن چکے تھے وہ *Hoarding* کا ذریعہ تھے۔ لوگ ہتھی کی آڑ میں دولت کے
بجاری بن چکے تھے۔ یہ بت ایک ادارہ تھے، ایک نظریہ تھے۔ محمود غزنوی نے دولت کے بت پاش پاش کر
دئیے۔ 3۔ ان استعمالی ادارے پر کاری صرف لگائی چنانچہ سلسلے کے اثرات محض دوسری قومی جیسے

1۔ بحوالہ "تاریخ ادب اردو" جلد اول، ص 672

2۔ بحوالہ "آب کوثر" ص 25-26

3۔ سامری نے بھی یہی کیا تھا کہ لکھی سے سوا چاندی لیکر انھیں بھگایا اور بھجوا دیا۔ لوگ
اس کی پویا کرنے لگے۔ حضرت موسیٰ نے بھجوا توڑ کر وہ صرف اس بدعت کا بلکہ دولت کے ارتکاز کا بھی
خاصہ کیا تھا۔

تھے، اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی عظیم الشان تہذیبی روایات، رواداری، اصول ہستی کی صحت مع اقدار، ارتکاز دولت کے مقامی اہلپاسی اقتصادی فلسفے اور حمایت وسیع اور ترقی یافتہ زبان نے مقامی باشندوں کو تہذیبی، اقتصادی اور لسانی سطح پر اظہاری ادارے میں مروج و متاثر کیا۔ چونکہ حملہ آور مسلمانوں کی اکثریت اسی سرزمین میں آکر رہنے لگی اس لیے یہاں کی تہذیبی ادارے اور زبان سے خود انہی نے بھی اثر قبول کیا۔

(4) زبان اردو کی تشکیل کا عمل

چنانچہ مسلمانوں اور مقامی باشندوں کے درمیان اظہار و ابلاغ کے لیے مشترک زبان کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی اور اسی ضرورت نے ایک نئی زبان کی تشکیل کی چونکہ مسلمانوں کی پہلی آمد سندھ اور ملتان کے علاقوں میں ہوئی اس لیے نئی مشترک زبان (اردو) کا مطلقاً اس علاقے میں تیار ہوا۔

حسام الدین راشدی کے مطابق

"یاد رہے کہ اردو سندھ و مسلمانوں کی وہ مشترکہ زبان ہے جو مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد اور حکومت اور تمدنی روابط کے لیے بدولت اس طرح وجود میں آئی کہ اسلامی زبانوں کے ہزاروں الفاظ عربی زبانوں میں شامل ہو گئے اور اہل ہند، ہندوؤں یا مسلمان انہیں سمجھنے اور بولنے لگے۔" 1۔

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں

"... جو حضرات سندھ کی اسلامی فتح اور ہند کی تاریخ سے واقف ہیں وہ ملاحظہ کیا جائے گا کہ اس قول کو ماننے میں ذرا بھی تاخیر نہ کریں گے کہ سندھ و مسلمانوں کی متحدہ زبان کا پہلا گہوارہ سندھ ہے۔" 2۔

ڈاکٹر سولیو عبدالحق فرماتے ہیں

"ہمیں سندھ اس لیے عزیز ہے کہ ہر جگہ میں سب سے پہلے اس سرزمین پر اسلام کی روشنی پہنچی۔۔۔ ہمیں سندھ اس لیے بھی عزیز ہے کہ یہیں حجازی تہذیب اور عربی ثقافت سندھ و ہند کی تعلیم و روحانیت/کرم کنٹر

ہوئی اور پھر اس اتحاد و اشتراک سے ایک نئی تہذیب و ثقافت وجود میں آئی اور ہماری یہ قوی زبان اردو اسی تہذیب و ثقافت کا شاہکار ہے اور اس کی زندہ جاوید یادگار ہے۔" 1۔

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی بھی اس خیال کی تائید کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ "۔۔۔ اتنی بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جن عوامل نے ہندوستان کی ایک آریائی زبان کو ہماری اردو کا قالب عطا کیا۔ وہ سب سے پہلے سندھ میں کاربند ہوئے۔" 2۔

گواہ محمد سلیمان مدنی ، حافظ محمود خان شیرانی ، حبیب الرحمن ، مولوی عبدالحق ، ڈاکٹر جمیل جالبی ، ڈاکٹر مہر عبدالحق ، پیر حسام الدین راشدی ، ابو ظفر مدنی ، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی اور دیگر محققین اور ماہرین لسانیات کا یہ کہنا بے جا نہیں کہ اردو کا پہلا گہوارہ وادی سندھ اور ملتان کی سرزمین ہے۔ اس کے بعد لسانی تشکیلات کا یہ عمل دوسری علاقوں میں پھیلتا چلا گیا۔ اسی قاسم کے چلے جانے کے بعد بھی دین اسلام کی تہذیبی اور ثقافتی قدیم کا تسلط سندھ اور ملتان پر کسی نہ کسی صورت میں قائم رہا ، جس اللہ قادری کے بقول

" فارسی اور اشہری مؤرخین کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ سندھیں قاسم کے بعد سندھ کی اسلامی حکومت تباہ ہو گئی اور ملک پر عہدوں نے قبضہ کر لیا بلکہ عربی تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ الراشی باللہ (247ھ) کے زمانہ تک دہار خلافت سے سندھ میں کوثر طبرہ ہو کر آئے تھے اور مصورہ ان کا مستقر حکومت تھا۔" 3۔

یہاں تک کہ محمود فزونی اور فریدی کے حطی کے بعد مسلمانوں کے اقتدار میں ایک حد تک اور مستقل تسلسل کی صورت پیدا ہو گئی۔ مسلمانوں کی زبانوں میں عربی ، فارسی اور ترکی ذخیرہ الفاظ کی آمیزش بھی بقول ڈاکٹر شاہدہ بیگم

" بلاشبہ جوں جوں سال صدیوں قاسم کے ساتھ آنے والے مجاہدوں میں اکثریت

1۔ بحوالہ " خطبات عبدالحق " مرتبہ ڈاکٹر عبادت بیہلو ، ص 106 ، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ، کراچی 1964ء

2۔ بحوالہ " سندھ و اردو کے لسانی روابط " ص 40 ، مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور 1970ء

3۔ بحوالہ " تاریخ زبان اردو۔ اردو کے قدیم " ص 7 ، مطبوعہ ناچ پپھی مکتبہ میں الادب ، لاہور

عربی کی تھی لیکن ایک تعداد وہ بھی تھی جو فارسی نواں تھی۔ یہ نواں اپنے جلو میں عرب کی تمدنی روایات اور ثقافتی نوادرات لے کر آئے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض تعاقبات ایسے بھی تھے جن کے ایرانی الاصل ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ جیسے یہی صورتِ پیراۃ زبان کی بھی تھی۔ اس میں بھی جا بجا کسرائیت کی جعلی پائی جاتی تھی۔ " 1۔

چنانچہ سلمان کی زبان کے یہ شمار الفاظ دہی زبان میں شامل ہونے چلے گئے اور اس طرح جو مشترک زبان وجود میں آئی اس کو مختلف علاقوں میں مختلف نام دیے گئے یعنی گجری، ملتانی، سندھی، دکنی، ہندوستانی، ہندی، عہدی، رنجتہ، اردو، علی وغیرہ لیکن آخر کار یہ اردو کے نام سے موسوم ہوئی۔ پروفیسر علی حیدر کے الفاظ میں

" اردو زبان کا مفرج ہندوستان کی مختلف پراکرتیں ہیں عربی، فارسی اور ترکی نے رنگ و بو کا کام کیا اور ایک زبان پیدا ہوئی جس نے اپنی ترقی کے مختلف ادوار میں مختلف نام پائے اور بالآخر اردو زبان کے نام سے موسوم ہوئی۔ " 2۔

اور یہی زبان ہوشیار پور و حد کے تمام علاقوں کے لیے رابطے کی زبان (لنگو فرانکا) شہری۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اردو زبان کے بارے میں فرماتے ہیں

" یہ سب کی مٹہ چڑھی زبان، جسے آج ہم اردو کے نام سے پکارتے ہیں جدید ہندو آریائی شاخوں سے تعلق رکھتی ہے اور عربی، ایرانی، ہندی، تہذیبی کا سنگم اور ان کی مطرد طاقت ہے۔ اس زبان میں ان تہذیبوں کی ہند گہر صفات یکجا ہو کر ایک جاں ہو گئی ہیں۔ یہ زبان ہر عظیم کی عاشق تہذیبی و سیاسی سرگرمیوں کے تحت پروان چڑھی۔ سلمان نے ضرورت کے تحت اپنا یا اور ادبی کے ساتھ ہر عظیم کے گوشے گوشے میں اس طرح پھیل گئی کہ کوہِ شمالیہ سے لے کر راسِ کاری تک سبھی اور بولی جانے لگی۔ " 3۔

دراصل عرب و عجم سے سلمان کی آمد کے ساتھ ہی زبانوں کے اغماط اور باہمی روابط نے

زبان ساری کا ایک نیا عمل شروع کر دیا تھا۔ باہر سے آئے والی یہ زبان کی زبانوں سے اور یہاں کے

1۔ بحوالہ " سندھ میں اردو " ص 38

2۔ بحوالہ " ادب، ص 5، مطبوعہ کتاب منزل، لاہور، 1960ء

3۔ بحوالہ " تاریخ ادب اردو " جلد اول، ص 4

رہنے والی تھے باہر کی زبانیں سے اثرات قبول کیں۔ جو لوگ یہاں مستقل طور پر آباد ہوئے انہیں سے یہاں کی زبانیں سیکھیں۔ اس قسم کے مثالیں زمانہ قدیم میں مل جاتی ہیں کہ باہر سے آنے والی تھیں یہاں کی زبان میں مہارت حاصل کر لی چنانچہ ایرانی سماج بزرگ بن شہریار نے اپنی کتاب معاجز العرب میں لکھا ہے کہ

" ایک بڑے ہندوستانی راجہ نے جو الہرا (راولپنڈی) کشمیر ہالہ اور کشمیر زبانیں کے علاقوں پر قابض اور اس کا نام مہروک بن رائی تھا، 270ھ میں امیر مصر عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھ کر فرمائش کی کہ ہندی زبان میں اس کے لیے اسلامی احکام و قوانین کی تفسیر و تشریح کی جائے۔ عبداللہ نے مصر کے ایک آدمی کو جو عراق کا رہنے والا شہادت دہیں، ہوشیار اور شاعر بھی تھا، اپنے یہاں بلایا اس شخص کی پرورش و پرداخت ہندوستان میں ہوئی تھی اس لیے وہ یہاں کی مختلف زبانیں اچھی طرح جانتا تھا۔ امیر نے اس سے راجہ الہرا کی فرمائش بتائی تو اس نے ایک قصیدہ تیار کیا اور اس میں وہ تمام جو باتیں راجہ چاہتا تھا بیان کر دیں اور اس کو راجہ کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ راجہ کے سامنے پڑھا کیا تو اس نے اسے بہت پسند کیا اور عبداللہ کو خط لکھا کہ قصیدہ نگار کو اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ عبداللہ نے اس کے پاس بھیج دیا۔ وہ راجہ کے پاس تین سال رہا، جب وہاں سے واپس آیا تو عبداللہ نے راجہ کا حال پوچھا، اس نے پورا حال تفصیل سے بیان کر دیا کہ جب وہ راجہ سے رغبت ہوا تو وہ دل و زبان دونوں سے اسلام قبول کر چکا تھا، لیکن حکومت چھٹی جانے کے خوف سے اس کا اعلان نہیں کر سکتا تھا۔ " 1۔

آگے چل کر بھی سماج ابو محمد حسن بن عمرو دہلوی کے حوالے سے، جو خود 288ھ میں مصر

میں مقیم رہ چکا تھا، لکھتا ہے کہ

" مجملہ اور واقعات کے اس نے یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ راجہ نے مجھ سے ہندی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی فرمائش کی تھی چنانچہ میں نے تفسیر لکھی، اور جب سورۃ یس کی تفسیر تک پہنچا، اور اس کے سامنے ارشاد الہی " قال من يحسن العظام وهي رميم قل يحيا الذي اشأها اول مرة وهو بكل خلق عليم، کی تفسیر بیان کر رہا تھا، اس وقت وہ موتی

اور جواہرات سے مزین سونے کے ایک ایسے بیش قیمت تخت پر بیٹھا ہوا تھا جس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، اس نے کہا اس کی تصویر پھر سے بنان کر دو، جب میں نے دوبارہ بنان کی تو وہ تخت سے اتر پڑا اور زمین پر چلنے لگا، حالانکہ زمین چھڑکاؤ کی وجہ سے تر تھی، مگر وہ ایسا رخسار زمین پر رکھ کر رونے لگا، یہاں تک کہ اس کا چہرہ گرد آلود ہو گیا، پھر اس نے مجد سے کہا کہ یہی اصلی پروردگار، عبود اور ازلی و ابدی ہے۔ اس کا کوئی قصور اور مشابہ نہیں، اس کے بعد اس نے ایک گھر تعمیر کرایا، اور ظاہر یہ کیا کہ امور سلطنت پر فہم کرنے کے لیے تنہائی اختیار کی ہے مگر دراصل وہ اس میں پوشیدہ طریقہ سے نماز پڑھتا تھا جس کی کسی کو خبر نہ تھی۔" 1۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ 270ھ (یعنی 883ء) میں نہ صرف اسلام کی اشاعت کشمیر اور پنجاب میں ہونے لگی تھی بلکہ باہر سے آنے والے یہ مسلمان یہاں کی زبان بھی سیکھ چکے تھے۔ یہاں تک کہ قرآن کریم کی حدیث میں تفسیر بھی لکھی جانے لگی تھی اور شعر و شاعری بھی کی جانے لگی تھی۔ گہا سلمانی اور عثمی باشندی کے درمیان ربط و انضمام سے تہذیب و معاشرت کی یکسانیت کے ساتھ ساتھ زبان کی یکسانی بھی پیدا ہو چلی تھی مولانا سید سلیمان ندوی، اصطخری کے حوالے سے لکھتے ہیں "ملتان کا امیر ہاتھی پر سوار ہو کر مجد کی نماز کے لیے جامع مسجد جاتا ہے۔ یہ خالص حدیث و روایات کی پریشان و شکوہ ساری گہا عرب امیروں کو پسند آ چکی تھی۔ پھر کہتا ہے کہ ملتان کے لوگ باجائے پیچھے ہیں۔ اکثر لوگ فارس اور سندھ سے بولتے ہیں۔ فرض حدیث اور سلمانی میں لباس اور زبان کی یکسانی پیدا ہو چکی تھی۔" 2۔

ابن حوقل کا بیان بھی طرز لباس اور زبان کی یکسانی کی تصدیق کرتا ہے۔

"یہاں سلمانی اور حدیث کا لباس ایک ہی طرح کا ہے اور مالی کے چھڑے کا بھی وہی ایک طریقہ ہے اور اس طرح ملتان والی کی وضع ہے اور منصورہ اور ملتان اور اس کے اطراف میں عیسائی اور سندھ سے بولنے والی ہیں اور کراں والی

1- بحوالہ "حدوستان عربی کی نظر میں" ص 195، 196

2- بحوالہ "عرب و حد کے تعلقات" ص 330، 331

کی بولی فارس اور عراقی ہے اور کبھی کا لباس طایاں ہے مگر تاجر لوگ
قصہ اور جادو استعمال کرتے ہیں، جس طرح عراقی اور فارس کے لوگ۔" 1۔

افریقہ صوفیاء کرام کی هندوستان میں آمد سے پہلے مسلمان ۱۵ صوفی اپنی تہذیب و معاشرت اور
زبان و ادب کے اثرات طاقی باشندی پر موجب مکر رہے تھے بلکہ سیاحی، مؤرخین کے بیانات سے یہ بھی
علوم ہوتا ہے کہ خود مسلمان بھی ہندوستانی رسم و رواج اور زبان سے متاثر ہو رہے تھے۔ اس طرح کچھ
۱۵ صوفی ایک مخلوط زبان کی بنیاد پڑ رہی تھی بلکہ ایک مشترکہ تہذیب بھی وجود میں آ رہی تھی۔
محمود غزنوی کے حملے کے بعد صوفیائے کرام کا اردو مسعود سرزمین پاک و ہند میں ہوا تو اسی نے ۱۵
صوفی لاکھوں افراد کو مسلمان بنایا بلکہ مسلمانوں کے تشخص کو قائم رکھنے کی سعی بھی کی۔ اردو زبان کو
نتیجہ دینے میں ان کا جتنا حصہ ہے اس کا ہمیں، بقول ابوالکلیث صدیقی

" اردو کو جوان ہونے اور بڑا ہونے کے لیے صوفی کی شاخا میں، صوفیوں کی
مجلسیں اور اللہ والی کی مجلسیں تلاش کرنا پڑیں۔ ان کے بھی دربار تھے۔
مگر شاہی دربار نہ تھے۔ یہ عوام کے لیے کھلتے تھے۔ یہاں شرافت کی زبان،
شرافت کی زبان اور تہذیب کی زبان کا سنگہ نہیں چلتا تھا، یہاں عوام کے
دلی میں اترنے کے لیے عوام کی بولی کا رواج تھا چنانچہ اردو کی ابتدائی
شوشا میں سب سے زیادہ صوفیائے کرام ہی نے کام کیا۔" 2۔

چنانچہ اب ہم جیسے باب میں ان صوفیائے کرام کا ذکر کریں گے جنہوں نے سلطان کی سرزمین میں
تہذیب و زبان کے اسے بیج بونے جو بعد میں مستقل طور پر بنے۔ ان صوفیوں میں بعض تو وہ ہیں جو سلطان میں
فارسی طور پر قیام پذیر رہے اور اپنا مشن مکمل کر کے دوسری شہری کو چلے گئے اور کچھ وہ صوفیاء ہیں
جو مستقل طور پر سلطان کی سرزمین میں قیام پذیر ہوئے اور آج بھی ان کے مزارات مرجع خالص و عام بنے ہوئے
ہوئے ہیں۔

1۔ بحوالہ "طریقہ اسی حقیق" ص 232، لڈان پریس

2۔ بحوالہ "ادب و لسانیات" ص 207، مطبوعہ اردو اکڈمی سندھ، کراچی 1970ء

نمبر شمار	موضوع	کتابیات	ناشر / ایڈیشن و نمبر
1	ابن بطوطہ رئس احمد جعفری	سفرنامہ ابن بطوطہ (حصہ دوم)	نفیس اکیڈمی کراچی، طبع چہارم 1968ء
2	ابن حنیف، مزا	سات دریاؤں کی سر زمیں	کاروان ادب، ملتان، بار اول 1980ء
3	ابن حوقل	سفرنامہ ابن حوقل	لیڈن پریس
4	ابن رستہ	الاعلاق النضیہ (عربی)	لیڈن پریس 1892ء
5	ابن هشام عبدالجلول صدیقی، مولانا (مترجم)	سیرتہ النبی کامل (جلد دوم)	شیخ غلام علی ایڈ سنٹر لاہور اشاعت اول 1963ء
6	ابوالفضل	آئین اکبری	خولکشر، لکھنؤ 1882ء
7	ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر	ادب و لسانیات	اردو اکیڈمی، سندھ کراچی 1970ء
8	اذولک ہوسسم، پروفیسر محمد ہارث خان شہزادی، پروفیسر (مترجم)	تاریخ ہونان قدیم	دارالطبع عثمانیہ سرکار عالیہ حیدر آباد دکن، بار اول 1931ء
9	اطہر مبارک پوری، قاضی	عرب و ہند عہد رسالت میں	مدونۃ المصنفین، دہلی 1965ء
10	ایضاً	ہندوستان میں عربی کی حکومتیں	مکتبہ فاروقی کراچی
11	البلادی (مترجم) مودودی، ابوالخیر، سید	فتح البلدان (جزو دوم)	دارالطبع، جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن 1940ء
12	السعدی	مرج الذهب و ہانی الجواهر (عربی)	بیرت الطبۃ الاولی، بیروت 1965ء
13	پدر کرم الہی	تاریخ ملتان	امتراچ پبلی کیشنز، لاہور، بار اول 1978ء
14	پوری، پروفیسر مولوی ہاشمی فرید آبادی، سید (مترجم)	تاریخ ہونان	دارالطبع عثمانیہ سرکار عالیہ، حیدر آباد دکن 1919ء
15	شہید آرسی میاں عبدالرشید (مترجم)	حکایات پنجاب (حصہ سوم)	مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول 1962ء
16	جمال جالبی، ڈاکٹر	تاریخ ادب اردو (جلد اول)	مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول 1975ء

- | | | | |
|----|---|--|---|
| 17 | حکم چٹ | تاریخ ملتان | |
| 18 | وردان، محمد حسین
الدین، پرویز | سوانحی سہ ماہی/اردو | ایجوکیشنل پریس، کراچی |
| 19 | راغب، زید ساج
حمید احمد اصراری (مترجم) | ہدک سہ ماہی | دارالترجمہ سرکار حیدرآباد دکن
1921ء |
| 20 | شاہدہ بیگم، ڈاکٹر | سہ ماہی میں اردو | اردو اکیڈمی سہ ماہی، کراچی |
| 21 | شرف الدین اصلاحی، ڈاکٹر | سہ ماہی اردو کے لسانی روابط | مرکزی اردو بورڈ لاہور 1970ء |
| 22 | فانی سید نور علی | "تذکرہ" شجہ سکھ رفاہہ ایس بیوٹانی | ادارہ تحقیق و تذکرہ، احمد پور شرقیہ
1966ء |
| 23 | عبادت بھٹی، ڈاکٹر | خطبات عبدالحق | انجمن ترقی اردو، کراچی 1964ء |
| 24 | عبدالرحمان، منشی | آئینہ ملتان | مکتبہ اشرف العارف، ملتان |
| 25 | عقوب فکری، علامہ | عقوب ملتان (جلد اول) | فکری اکیڈمی، شراکت مجلس ثلاث و
تاریخ ملتان، سن اشاعت جنوری 1982ء |
| 26 | علی بن احمد بن ابوبکر
کوٹی | چچ نامہ | سہ ماہی ایس بیوٹ حیدرآباد، پہلا
ایڈیشن، اپریل 1963ء |
| | شیخ بخش خان بلوچ، ڈاکٹر (مترجم) | | |
| 27 | علی حیدر، پرویز | سہ ماہی ادب | کتاب منزل، پشاور 1960ء |
| 28 | فرحت، ملتان | اولیائے ملتان | مکتبہ تنویر ادب ملتان، ہارسون 1984ء |
| 29 | فہرست، محمود سید (مترجم) | تاریخ ادبیات ملتان ہاگ و سہ ماہی، جلد 13 | پنجاب یونیورسٹی، لاہور |
| 30 | قادری، شمس اللہ | تاریخ زبان اردو- اردو کے قدیم | تاج پریس مکتبہ، ضلعی الادب، لاہور |
| 31 | قانع نقشبندی، علی شہید | تحفۃ القرام | سہ ماہی ایس بیوٹ، کراچی 1959ء |
| | شیخ بخش خان بلوچ، ڈاکٹر (مترجم) | | |
| 32 | قدوسی، اعجاز الحق | تاریخ سہ ماہی (دو جلدیں) | مرکزی اردو بورڈ لاہور |
| 33 | گھٹا، ایس آر ایس | تاریخ سہ ماہی (جلد اول) | دارالطبع جامعہ مشائخہ، سرکار حیدرآباد
دکن، 1945ء |
| 34 | گیلانی، اولاد علی سید | مربع ملتان | سیکریٹری شریک بورڈ ملتان نے
1938ء میں شائع کی۔ |
| 35 | لطیف ملک (مترجم) | ابو یحییٰ السیوطی | مطبع میل پبلیکیشنز، لاہور |
| 36 | محمد اکرام، شیخ | رو کوثر | ادارہ ثلاث اسلامیہ، لاہور |
| 37 | ایضاً | آب کوثر | ایضاً، ساتویں بار 1975ء |

- 38 محمد عصوم سیر، مکتبہ تاریخ معاصر
میں بکھرے خانہ، ڈاکٹر (صحیح و حاشیہ)
1958ء
- 39 سیر عبدالحق، ڈاکٹر
ملتان زبان اور اس کا اردو سے
تعلق
اردو اکادمی، بہاولپور، بار اول
1967ء
- 40 د. سید سلیمان، مولانا
طوش سلیمانی
دارالاصطیٰ، اعظم کراچی
- 41 ایضاً
عرب و عجم کے تعلقات
کریم سکر پبلشرز کراچی
- 42 ایضاً
عرب و عجم کے تعلقات
معدونانی اکادمی، بیسی، معدونستان
1930ء
- 43 د. سید علی
معدونستان عربی کی نظر میں
دارالاصطیٰ، اعظم کراچی، 1960ء
- 44 د. سید ابوظہر، مولانا
تاریخ معد (حصہ اول و دوم)
معارف، اعظم کراچی، 1356ھ/1977ء، اضافہ
- 45 مثنیٰ ہندوستانی باغات
بھاگوٹ پراں (ساتواں اکھ)
کوہ نور پریس لاہور، 68-1967ء
- پہلے بہادر سکھ (مترجم)

بیانات/اخبارات

- 1 راشد، حسام الدین، پیر
اردو زبان کا اصلی مولد۔ سیدہ رسالہ "اردو" انجمن ترقی اردو کراچی
اپریل 1951ء
- 2 رفیق خاں، ڈاکٹر
ملتان قمر ملکی ساحلی کی نالہ
ریاضہ "اسریز" ملتان سیر،
28 جی 1978ء

BIBLIOGRAPHY.

- 1- Bridget and Raymond Alckin "The Rise and Fall of Civilization in India and Pakistan" ---Cambridge University Press, London 1982
- 2- Burnes Alexander "Travels into Bokhara" Oxford University Press, Karachi, 1973.
- 3- Charles Hogel " Travels in Kashmir and the Punjab " Printed by Quosain, Lahore, 1976.
- 4- Charles Masson " Narrative of various Journey in Balochistan Afghanistan and the Punjab " ---- Oxford Press 1971.
- 5- Edward Sachau " Al-beruni's India " Part-II Sh. Mubbarak Ali and Sons, Second Edition, 1962.
- 6- Eliot, H.M.Sir " The History of India " Vol-I Islamic Book Service, Lahore, 1976.
- 7- Mohan Lal " Travels in the Punjab, Afghanistan, Turkistan to Balk Bokhara and Herat " ----Al-Bruni, Lahore, Reprinted, 1979.
- 8- Paul Horvey, Sir " The Oxford Companion to Classical Literature Oxford University Press, London, First Published, Oct., 1937.
- 9- Ralph, T.H. Griffith " The Hymns of the Rigveda " 2 Volumes, First Edition 1889, Fifth Print 1971; VARANAS - India.
- 10- Tavernier, Jean Baptiste " Travels in India " Vol-I Translated from the original French edition of 1676 by V.Ball Al-biruni. Lahore, Reprinted 1976.
- 11- William Foster " Early Travels in India " Second edition, Lahore 1978.
- 12- Extracts from the Distt: & States Gazettiers of the Punjab (Pakistan) Vol-III, Research Society of Pakistan University of Punjab Lahore Impression 1977

باب سوم

دسویں صدی ہجری تک کے صوفیاء کا احوال

(الف) ملتان اور بنو سائبہ — ملتان اور قراصلہ — صوفیاء کا ورود ملتان میں

(پ) دسویں صدی ہجری تک کے صوفیاء — کا تذکرہ

عبرا باب

(التع)

(1) ملتان اور ہندو سامراج

سابقہ باب میں ملتان کی قدامت، سیاسی اہمیت، اقتصادی، سماجی، مذہبی، لسانی اور تہذیبی صورت حال کا جائزہ تاریخ اور سماجی کے بنیادوں کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ اکیسویں صدی اور ہندوستان کے تعلق میں ملتان کا ایک مخصوص حصہ بن گیا تو عربی اور ہندوستانی کے درمیان کئی تعلقات کا سلسلہ قائم ہوا۔ اب بالخصوص طور پر دینی کے علم و تمدنی روابط پر بحث شروع ہوئی۔ بعد میں قائم کیے جانے والے ملتان کی فتح کے بعد عربی کا اثر وسیع ہو گیا۔ کسی صورت میں عربی باقی رہا اور یہ علاقے عربی میں گئے زیر تسلط رہے۔ البتہ جی جی دور اقتدار عرب حکومت کی گرفت ہندو دھرم پر بھی گئی تھی تو بہت سے علاقے خود مختار رہے گئے۔ چنانچہ 1902ء میں ملتان کے ہندو سامراج نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ یہ عربی اصل خاندان تھا۔ اس کو ہندو مت بھی کہا جاتا تھا۔ اس وقت کے بیان کے مطابق

”ملتان میں ایک قوم ہے جس کا خیال ہے کہ وہ سامراج بن لوگوں کی ایک شاخ ہندو مت کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ یہیں قوم ہندوستان کے اس حصہ میں حکمران ہے۔۔۔۔۔۔ یہ ملتان کے شہر مصروف کے قریب رہتی ہے اور ملتان میں ایک ہت ہے جس کی آمدنی بہت زیادہ ہے اور ہندو مت میں اس آمدنی اور دوسری تمام سماجی کے مالک ہیں۔۔۔۔۔۔“ 2

1۔ بحوالہ آب کوثر از شیخ محمد اکرام، ص 28، مطبوعہ ادارہ اشاعت اسلامیہ لاہور، انھیں مار 1979ء

2۔ ”الاطلاق الطمہ“ از ابن رستہ ترجمہ از سعید علی ندوی بعنوان ”ہندوستان عربی کی نظر میں“ ص 80

(2) ملتان اور قراٹھ

اس دوران میں قراٹھی، جو اسماعیلی عقائد رکھتے تھے، کوٹہ، بصرہ اور مصر و شام

پر قابض ہو گئے۔ یہاں تک کہ مکہ پر بھی انہی نے حملہ کیا اور حجر اسود اکھاڑ کر لے گئے۔¹ ان

کا دائرہ اثر بڑھتے بڑھتے مسجد اور پھر ملتان تک پہنچا۔ جلم بن شیبان نامی شخص قاهرہ سے فوج لے

کر ملتان آیا اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے اس نے ملتان پر باہر سے حملہ نہیں کیا تھا بلکہ ادریس

شہر بخارت کرائے خود مددگار بنا اور پھر 373ھ (977ء) میں سوار ہو گیا۔² جلم نے بنو متہ کا

اقتدار ختم کر دیا اور فاطمی خلیفہ کا سکہ اور خطبہ جاری کیا۔ مولانا عبدالحلیم شرر مقدسی کی "احسن

التقسیم فی معرفت الکالم" کے اقتباسات کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"..... ملتان میں خلیفائے بنی فاطمہ کا خطبہ جاری ہے اور یہاں کوئی

حکم بغیر ارض مصر کے فاطمی خلیفہ کی منظوری کے اجرا نہیں پاتا۔ اہل

ملتان کے ہدایا اور قاعدہ برابر مصر میں آتے جاتے رہتے ہیں اور ہر کے ا

اسماعیلی کا یہاں اس قدر زور ہے کہ بغیر ان کی اجازت کے یہاں کوئی

شخص ملتان کے تخت پر نہیں بیٹھ سکتا۔"³

جلم بن شیبان نے باقاعدہ طور پر قراٹھی عقائد کی تبلیغ شروع کی۔ قراٹھی کی حکومت کسی نہ کسی

صورت میں دو سو سال تک قائم رہی۔ حسن رضا گودیزی اپنی کتاب "شاہ یوسف گودیز" میں ملتان میں

قراٹھی کے ظلم و ستم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"..... اس فرقے کی بدولت ہر طرف لوٹ بھسوت اور بد امنی کا دورہ

دورہ تھا۔ بے جاں مسلمان جانے امن تلاش کرتے پھرتے تھے۔-----

قراٹھ ہی تو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے لیکن انہیں اسلامی

عقائد سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ یہ نہ فقط اسلامی عبادات کے منکر

تھے بلکہ ان کی تمام سرگرمیاں عباسی حکومت کے خلاف ہونے لگی تھیں اور اس

سلطنت کے خلاف ہو گئیں جو بنی فاطمی حکومت کے حق میں نہیں تھیں۔"⁴

1- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) گزشتہ باب ص 32 (2) "تاریخ ملتان" از کریم الدین بدر ص 104

(3) "آرٹھ ملتان" از آفرام الحق، ص 231

2- "تاریخ مسجد" از ابو نضر دی، ص 256

3- "تاریخ مسجد" از عبدالحلیم شرر، ص 123 - 125

(6) جس جادو کی کنہلی اور رافت ہی ان کا کٹا چاڑ ہے۔

(7) جٹا ہٹ سے فصل گرنا ویسا ہی ہے۔

(8) جھٹ کی بجائے انوار ہوا الہی ہے۔

(9) ان کے علاوہ ان کا عقیدہ تھا کہ دنیا و مافیہ میں نہ ملک اعمال کی جزا ہے نہ بد اعمال کی سزا۔¹

ان نظریات کی تبلیغ اور ترویج کی وجہ سے لوگوں کے عقائد راسخ العقیدہ مسلمانوں جیسے نہ رہے۔ ادھر تو داخلی طور پر لوگ ان نظریات کی بظاہر کبھی سبک گم کردہ راہ ہو رہے تھے اور ادھر سلطان محمود حلقہ آفریں کی مسلسل دہش اور کشت و غی کی بدولت یہ جتنی اور یہ سکھ کی زد میں تھا۔ لوگوں میں غم و فحش، معتبر خیالی اور توہم پرستی عام ہو گئی تھی اور تہذیبی سطح پر پکھڑاؤ کی سی کیفیت تھی، اسلامی اقدار پر ایک طرف تو قزاقوں کی بظاہر تھی اور دوسری طرف عیسویاں بھی۔ ان اثرات مسلمانوں پر پڑ رہے تھے۔ شیخ محمد اکرم نے قزاقوں کے زمانے میں مذہبی انتشار کی رواد ان لفظی میں بیان کی ہے۔

"..... ان لوگوں (قزاقوں متعلقین) کی کوششی اور نام روحانی بد نظمی سے جو حالت پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ سورہ غاھاں کے حالات دیکھ کر ہو سکتا ہے جس کے نام عیسویاں تھے اور مذہب کی نسبت بھی سے کہہ دیں کہا جا سکتا۔ یہ غاھاں کے زمانے میں اسلامی اثرات غالب آ گئے تھے لیکن اس کے جس حکمرانی کے نام بھی عیسویاں تھے اور بالخصوص ان کے رسم و رواج میں بھی نئی باتیں عیسوی کی باتیں رہ گئی تھیں۔" 2

لوگوں میں روحانی اور اخلاقی زوال عام ہو رہا تھا۔ شیخ محمد اکرم نے اس کے بقول

" ان کی روحانی زندگی میں عیسوی فکر ایک عجیب کھلی میں رہی۔" 3

1- تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (الغنی عن المطالع، ص 342-343) (ب) شاہ بیتا گودیڑ، ص 50

(ج) امیر، ملتان، ص 39

2- "آب کوثر" ص 39

3- ایضاً، ص 38-39

(3) صوفیہ کا ورثہ ملتان میں

=====

معد بن قاسم کے ساتھ آنے والے سلطان سپاہی میں سے ہر ایک، صوفی بھی تھا۔

عالم ہا صل بھی، خلق عظیم کا حامل بھی اور جہاز مجاہد بھی۔ اس لئے ان کی بدولت نہ صرف دین

اسلام کی اشاعت کا کام انجام پایا بلکہ لاکھوں کم کردہ راہ انسانی کو صراط مستقیم کا اتار بھی ملا۔

لیکن امداد زمانہ کے ساتھ ساتھ سلامتی میں فرقہ بندی اور افتراق نے سر اٹھایا مختلف مذاہب رکھنے

والے گروہوں نے فتنہ پردازیاں کیں اور شیعہ اہل اشار اور زوال کی صورت میں سامنے آیا۔ اب ضرورت اس بات

کی تھی کہ معد بن قاسم کے سپاہی جیسا کردار اور اخلاق رکھنے والی شخصیتیں ہونے لگیں اور

اصلاح احوال کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اس صورت حال میں صوفیائے کرام اور برگزیدہ ہستیوں کا ورثہ ملتان

کھلنے باعث برکت و سعادت ثابت ہوا۔ ان کی بدولت ملتان میں صحیح فہم اسلامی تعلیمات رشد و ہدایت

اور روحانی و اخلاقی امداد کا احیاء ہوا۔ جن صوفیاء نے اس سر زمین کو شرف بخشا ان میں شاہ بوست

کردیز، خواجہ شمس الدین اجیری، قطب الدین بہشتیار کاکلی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتان، بابا محمد الدین

گنج شکر، شاہ شمس سبزواری، صدر الدین عارف، جلال الدین سراج بخاری، عبدالرشید حقانی، حسام الدین

ملتان، جہاں جہاں گشت، شاہ راجو قتال، حسام الدین معنی ملتان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام

صوفیاء دسویں صدی ہجری سے پہلے تھے۔

ان صوفیاء میں کچھ تو وہ ہیں جنہوں نے ملتان میں طوفان قائم فرمایا، یہاں کے بزرگوں سے

فیض اٹھایا، تبلیغ اور نیکی کے کام انجام دیے اور پھر دوسرے شہروں کو فیض یاب اور مستفید کرنے کیلئے

آگے بڑھ گئے۔ مثلاً حضرت شمس الدین اجیری، قطب الدین بہشتیار کاکلی وغیرہ اور کچھ وہ ہیں جنہوں

نے اس سر زمین کو اپنا مستقل مسکن بنایا۔ یہاں رشد و ہدایت، تبلیغ و تلقین، درس و تدریس اور تعلیم

و تعلم کا سلسلہ جاری کیا۔ ہم ان صفحات میں چند اہم ترین صوفیاء اور بزرگ ہستیوں کا ذکر کرتے ہیں

(1) حضرت دیوان جاوگي مشائخ

حضرت دیوان جاوگي مشائخ وہ آویں کے موطاء میں شمار ہوتے ہیں وہ اپنی تابعی وقت

(131ھ) کے لحاظ سے حساب میں (متوفی 141ھ) سلطان تھیں (متوفی 161ھ) مالک بن دینار

(متوفی 128ھ) اور داؤد طائی (متوفی 162ھ) کے ہم عصر ہیں۔ ان کے لحاظ سے برصغیر پاک و ہند کے

موطاء میں آپ کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔¹ چونکہ آپ کا تعلق سوزی سلطان سے تھا اس لیے ان

کی بدولت سلطان کا شمار صوبہ کے آویں مراکز میں ہوتا ہے آپ کا اصلی نام رائے جاوگي تھا مگر ہند و راجہ

بہال کے چھوٹے بیٹے نے آپ کا تعلق راجپوت قوم ڈھوڑی کے سردار رائے لکھی سے تھا جو کشمیر پر

1۔ سوزی سلطان کے پہلے صوبے خوجہ کا انوار ان کو حاصل ہے انھیں نے اس سوزی پر جنم لیا اور

پہلیں وقت بہال۔ اکیسہ سلطان میں صوبہ کا بادشاہ۔ شمس شاہ بیگ کبیر سے شروع ہوا لیکن وہ غزنی

سے تھپت لائے تھے۔ بلکہ بشیر حسن ناظم

2۔ حکم جہ کہتے عماران قوم ڈھوڑی میں لکھتے ہیں

"اس قوم کی ملکیت زیادہ تر مشرقی حصہ پر گھم گھم میں ہے اصل قوم ان کی راجپوت

تھی مورت اعلیٰ ان کا بہال نامی قوم راجپوت رہا تھا۔ قبل از اسلام کے مورت اعلیٰ ان

کے اس ملک کے راجہ تھے۔ دیوان جاوگي مشائخ انھیں کی قوم سے تھا۔ جو سلطان

ہذا اور شاہانہ اسکی اس طرح میں موضع دیوان جاوگي مشائخ ہے۔" (تابعی سلطان، ص 204)

حکم جہ کہتے دیوان جاوگي مشائخ کے آباؤ اجداد کے ذکر میں لکھتے ہیں

"رائے لکھی راجپوت مورت اقوام ڈھوڑی کا بہال آیا اور اس قوم چھوٹی پر فتح پا کر

نابھہ پر ہو گیا راجپوت مورت کے تھے پھر رائے لکھی رائے لکھی پر قابض ہو گیا۔

رائے لکھی کے بعد بڑا سا اور بد وقت کے اس کے ہمال پر گناہ اس کا گھر تھیں

ہوا ہمال کے پانچ پھر اور ایک بد وقت میں سب سے چھوٹا بڑا رائے جاوگي تھے

دیوان جاوگي مشائخ میں حضرت ہے اور دستور کش ہیں تھا "

(بحوالہ "تابعی سلطان" از حکم جہ، ص 109) — یہ کہلپ پٹنہ لکھی سلطان سے حاصل کی گئی

اس کا سبب پٹنہ ہوا ہے۔)

۱۰ حکومت کرتا تھا۔ کئی بار تحصیل مجلس کے ساتھ ہے جو اب موضع چاولی مشائخ کے نام سے مشہور ہے¹

اگرچہ دیوان چاولی کا تعلق عہد و خاندان سے تھا لیکن آپ کا رجحان شروع ہی سے دین اسلام کی طرف تھا۔ چنانچہ بالحق طور پر آپ حضورؐ کے افکار و تجلیات سے متاثر ہوتے رہے جب درجہ ولایت کو پہنچے تو آپ نے مسلمان ہونے کا باقاعدہ اعلان کر دیا

گل زار فیدی میں لکھا ہے

"دیوان چاولی مشائخ روئے زمین کے قدیم تھے مشائخ میں سے ہیں اور
شاغیہ دے ان کی خاک ہاں سے فیض اٹھایا۔ ان کا والد راجہ جیہال
صاحبہ سلطنت کے اوائل میں خطہ ملتان کا فرمانبردار تھا۔۔۔۔۔ دیوان
مشائخ چھوٹی عمر میں مسلمان ہو گئے تھے اور روحانی طور پر سید عالم
سے فیض یاب ہونے لگے۔۔۔۔۔" 2

دیوان چاولی کی مشیرہ محترمہ کشن کوہ جس کے نام پر یہ موضع کئی بار کہلوا یا، کو بھی اسلام سے
طوری لگاؤ تھا۔ انھی نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ ہی دین اسلام قبول کر لیا جس پر دوسرے بھائی
دوہی کے جانی دشمن ہو گئے۔ آخر کار انھی نے 131ھ میں دیوان چاولی مشائخ کو جبکہ ان کی عمر
صرف بائیس برس کی تھی۔ 3۔ شہید کر ڈالا لیکن بعد میں حادثہ اور پشیمانی کھڑے کا اظہار کرتے ہوئے

1۔ فرحت طٹانی نے آپ کا شجرہ اس طرح دیا ہے

"رائے لکھنوی، رائے اوی، رائے اچھی، راجہ رانا مہیال، راجہ رانا مہیال کے پانچ پوتے اور ایک دختر
تھی جو چار بھائی کے مظالم سے تنگ آ کر زندہ رہی ہو گئی" (بحوالہ "اولیائے ملتان" از فرحت طٹانی
ص 204، مکتبہ تحفہ ادب، ملتان، اشاعت سوم 1984ء)

2۔ بحوالہ "گل زار فیدی" از مولوی گل محمد چشتی ص 3، 4، 5۔۔۔۔۔ مکتبہ اویس تعمیر شدہ 1902ء
(ملفوظات و مذاہب شیخ فرید الدین گنج شکر) جناب ڈاکٹر میر عبدالملک فی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہے

3۔ پروفیسر محمد امین اپنے مکتبہ "تسوت اور ملتان" مطبوعہ امیر ملتان شبر، ص 6، 28 جی 1978ء
میں دیوان چاولی مشائخ کی عمر وفات کے وقت 22 سال بتاتے ہیں جس کے مطابق آپ کا سنہ پیدائش 109ھ
بتا رہے ہیں جس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ جبکہ فرحت طٹانی "اولیائے ملتان" ص 204 میں آپ کا سنہ
پیدائش 79ھ بتاتے ہیں جس کے مطابق آپ کی عمر 52 برس بھی ہے اور "توانح ملتان" از حکم چھ
ص 109 کے مطابق

"بوقت انتقال عمر دیوان چاولی مشائخ 52 برس کی تھی وفات ان کی آخر 131ھ
میں ہوئی اور ان کی اولیائی کا شہرہ گرد و نواح میں مشہور ہوا اور اکثر لوگ مرید ہونے
لگے۔۔۔۔۔"

خود بھی اسلام قبول کر لیا۔

حضرت دیوان چاؤی مشائخ کے زمانے میں ملتان کے حالات کیا تھے؟ تواریخ اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ ملتان پہلے سجدہ کا حصہ تھا لیکن 111ھ میں سجدہ سے الگ ہوا۔ محمد بن قاسم کے جانے کے بعد ملتان کے حالات کی تفصیل نہیں ملتی۔ ادھر عربی کے آپس کے اشار کی وجہ سے سجدہ پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی اس لئے بکے بعد دیکھتے چھ سالوں کے اندر سجدہ میں کئی گونہ تبدیل ہوئے۔ سجدہ کے لوگ بھی ہائی ہو رہے تھے۔ چنانچہ 107ھ میں تمام بن زید الصنفی سجدہ کا گورنر بنا۔ اس کی وفات کے بعد حاکم الکلبی آیا جس نے سجدہ میں سلامتی کی حکومت سنبھال لی تو یہاں کے لوگوں کی سرکوبی کھلتے محمد بن قاسم کے بیٹے صرد بن محمد بن قاسم کو فوجیں دہشتے کا سربراہ بنا کر بھیجا۔ عمر و بعد میں سجدہ کا گورنر بنا۔ اسی طرح سجدہ کے گورنر بدلتے رہے۔ یہاں تک کہ 132ھ میں عربی کی حکومت بنو امیہ کے حاکموں سے چھ کر بنو عباس کے قبضے میں چلی گئی۔

سیاسی طور پر تو سجدہ کے یہ حالات تھے مگر ملتان کا کوئی ذکر نہیں آتا لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس اشار کی لپیٹ میں ملتان بھی آیا ہوا تھا۔ کیونکہ جب بھی مرکز کی گرفت کمزور ہوتی ملتان کا حاکم خود مختار ہو جاتا۔ ادھر ہمرہ اور کوفہ میں بنو امیہ کے درجیاں اقتدار کی جنگ جاری تھی دوسری طرف اموی گورنری نے لوگوں پر خوب ظلم و ستم ڈھائے تھے۔ ان حالات میں صوفیاء کا پہلا طبقہ وجود میں آیا لیکن ان کے ہاں باقاعدہ تحریک کی صورت نہیں ملتی بلکہ سب اظہادی طور پر صورت کی زہدی گزار رہے تھے۔ پہلے طبقے کے ایسے ہی صوفیوں میں دیوان چاؤی مشائخ بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنی ساری زہدی علی اور علی کے ساتھ گزاری اگرچہ وہ صورت کی کسی باقاعدہ تحریک کے بانی نہیں ہیں مگر ان کی وجہ سے صورت کا کئی سلسلہ شروع ہوتا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ ہجویر ہاک و مد میں صوفیاء زہدی کی ابتداء کرنے والے دیوان چاؤی مشائخ ہیں۔ آپ کی زہدی کے حالات، تعلیمات اور اثرات کا تاریخی سے یہ پتہ نہیں چلتا لیکن ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے مزار کی سرحد کئی سلطنتوں نے کھنڈی۔ سب کے پہلے محمود غزنوی نے اپنے عہد میں پھاس

ہزار بھی صوفیوں کے آپ کا مزار بنوایا۔ جہاں گھر ہے بھی اس کی موت گزرائی۔ پھر دیوان مولراج کے دور میں اس کی از سر نو تعمیر ہوئی۔¹ آپ کا مزار روحانیت اور فیض و برکت کا مرکز بنا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف سلاطین بلکہ مختلف مزرک اور اولیاء بھی آپ کے مزار پر حاضری دیتے رہے۔ ان صوفیاء اور بزرگی میں بابا فیہ الدین گنج شکر²، حضرت شہر شاہ، حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی اور حضرت لال شہباز قلندر شامل ہیں۔

(2) شاہ یوسف گردیز

شاہ یوسف گردیز پانچویں صدی ہجری کے صوفی بزرگ ہیں۔ آپ 450ھ (1058ء) میں غزنوی کے صوفی ملاکہ گردیز سے پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید ابوبکر سیدنا حضرت امام حسین کی اولاد میں سے تھے۔

1- تحصیل کمالیہ ملاحظہ فرمائیں "مروج ملتان" ص 228 از سید محمد اولیاد علی گیلانی، سکسٹری ڈسٹریکٹ بورڈ ملتان نے 1936ء میں لکھ کر شائع کی۔

2- "مروج ملتان" (ص 225) اور تاریخ ملتان از حکیم چمد (ص 109) کے مطابق جس "چاہ ہاؤ فیہ" میں حضرت گنج شکر نے چلہ کافا اور کالی عرصہ عبادت و پوریاخت کئے میں گزارا وہ حضرت دیوان چاولی مشائخ کے مزار کے پاس واقع ہے۔ اس واقعہ سے دیوان چاولی مشائخ سے ان کی عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔

البتہ خلیل ملتانی اپنی کتاب "احوال و آثار۔۔۔ بہاء الدین گنج شکر" ص 67-68 اور سید عبدالحق جعفری اپنی تصنیف حضرت بابا فیہ گنج شکر (ص 19) میں چلہ کشی کے اس کنہی کا محل وقوع ایسے بتاتے ہیں اس سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تب بھی یہ تو ثابت ہے کہ حضرت بابا فیہ کو دیوان چاولی مشائخ سے عقیدت تھی اور انہی نے کچھ عرصہ دیوان چاولی کے مزار پر گزارا۔

3- عبدالحق محدث دہلوی مصنف أخبار الأنصار، ص 130 اور صفحہ تحفۃ الکرام، ص 362 نے شاہ یوسف گردیز کو بہاء الدین زکریا کا ہم عصر بتایا ہے جبکہ سید غوثی شطاری صفحہ گزار امراء، ص 23 نے ان کا سنہ پیدائش 550ھ لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ شاہ یوسف گردیز کی صحیح تاریخ پیدائش جو مستند تالیفیں سے ملتی ہے وہ 450ھ ہے اور وفات 531ھ ہے جبکہ بہاء الدین زکریا کی پیدائش 585ھ میں ہوئی۔ اس لئے یہ دونوں اصحاب ہم عصر نہیں ہو سکتے۔

مزید تحصیل کمالیہ ملاحظہ فرمائیں (الت) مروج ملتان، ص 215 (ب) جمال یوسف از فقیر محمد اشفاق ص 5 (ج) شاہ یوسف گردیز از حسن رضا گدیزی، ص 115

آپ کے دادا مقدم شاہ علی قسور جہدی علی ترمیزی اسی تھے۔ جو بغداد سے ہجرت کر کے قصبہ گردیز میں رہائش پذیر ہوئے، جہاں انہی نے علوم اسلامیہ کی تبلیغ اور رشد و ہدایت کا کام شروع کیا۔ شاہ یوسف گردیز کی تعلیم و تربیت میں ان کی والدہ کا ہاتھ تو تھا ہی لیکن اصل حصہ ان کے دادا کا تھا جنہی نے آپ کو تمام روحانی مذاہج طے کروائے۔ پھر آپ مختلف ہندوؤں سے روحانی فیض حاصل کرنے کی خاطر ایران و تھران اور روم و شام (بلخ ، بخارا ، سمرقند اور تاشقند) کے سفر پر روانہ ہوئے اور دوران سفر قرآن ، حدیث ، فقہ اور دوسرے علوم کی تحصیل سے

” صاحب صفات ظاہر و باطنی ، حامل معانی صوری و عسوی قطب زمانہ

اور وحید العصر بن گئے۔ “ --- 2

آپ ابھی سفر ہی میں تھے کہ والد محترم کی وفات کی اطلاع ملی چنانچہ سفر ختم کر کے واپس چلے آئے۔ اور یہاں آ کر اپنا زیادہ تر وقت عبادت میں گزارنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی زمانے ہی سے آپ سے صبر العقول کرامات سوز ہونے لگیں۔ 481ھ میں اپنے مرشد جناب شاہ علی قسور کے کہنے پر ملتان تشریف لائے۔ اور یہاں باقاعدہ درس و تبلیغ شروع کی اور آخری وقت تک لوگوں کو اپنے فیض طبع سے نوازتے رہے۔ سید یوسف گردیزی کی دستاویز کے بارے میں علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں کہ

” یہ پہلی باقاعدہ دستاویز تھی جو محمود غزنوی کے بعد ملتان میں اسلامی

- 1- اسی کے بارے میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں بعض کا خیال ہے کہ اسی وہ ہوتا ہے کہ جو قولہ فعل اور اعتقاد میں صحت رسول کا اتباع کریں۔ بعض کا خیال ہے کہ جو خطاب غائم النبوت والشہادۃ طبعہ السلام کے باطنی اقدس سے فیض پانے وہ اسی ہوتا ہے جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ اسی وہ ہوتا ہے جس کو حضرت خضر سے فیض پہنچے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (گزارار اہرار از مصنفی شطاری۔ اردو ترجمہ الزکات اہرار شریعہ فضل احمد جمپوری ص 24، اسلٹک وک لائبریری لاہور
 - 2- اوطائے ملتان از بشیر حسین ظفر ص 65، صفحہ میل پہلی کھنڈر ، لاہور
 - 3- آپ کے ملتان تشریف لانے کے بارے میں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے دادا نے پاس چھ مہندیں حاضر ہوئے جن کا لڑکا بہت بیمار تھا انہی نے عرض کیا کہ دوائے صحت فرمائیں آپ نے انکار کر دیا ہوئے فرمایا کہ راسی ہرمانی الجی رہیں۔ چنانچہ وہ لڑکا مر گیا اور اس کے ورثہ زور زور سے رونے لگے۔ حضرت شیخ یوسف کو رحم آیا اور اس کیلئے دوا فرمائی جس سے وہ لڑکا زندہ ہو گیا۔ آپ کے دادا اس بات سے ناراض ہوئے اور آپ کو درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے ملتان بھیج دیا۔
- ” جمال یوسف “ میں لکھا ہے کہ حضرت بابا ابازت اپنی والدہ علیہ کے ملتان میں تشریف لائے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں ” جمال یوسف “ ترجمہ از فقیر محمد اشفاق حسن ، ص 6، مطبع البی انارہ 1326ھ (حبیب فاؤنڈیشن لاہور سے حاصل کی)

علوم کی توضیح کے لئے قائم ہوئی لیکن محمود فزونی کے جاشمنی نے
اس کی طرف توجہ نہ کی۔۔۔ 1

شاہ یوسف جب ملتان تشریف لائے²۔ تو اس وقت یہ شہر موجودہ ملتان کے جنوب میں رہا۔

لانی کے بار مانی پاک داس کے مزار کے پاس آباد تھا آپ نے سب سے پہلے یہاں کی بزرگ حسن حضرت
طا مع دہا کے ہاں قیام فرمایا (کیونکہ ان کے مرشد کا یہی حکم تھا) کچھ عرصہ آپ نے طا مع دہا
کے پاس رہ کر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا جب خلعت کا بہت زیادہ عہد ہوئے تھے لگا تو آپ نے
دیہاتے راوی کے کنارے رہائش اختیار کر لی اور وہاں اپنا حیمہ بنوایا۔³ آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ
بھی وہاں رہائش اختیار کرنے لگے۔ حضرت طا مع نے شاہ یوسف گودیز کا بہت زیادہ ساندہ دیا اور
تسلیم کے کام میں ان کی مدد کی لیکن وہ خود زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے اور انھیں ان کی خاٹہ میں
جہاں وہ عبادت و ریاضت کیا کرتے تھے دفن کر دیا گیا۔⁴

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ ملتان کی سر زمین اور زمین طور پر قریبہ کی قبر سامانی

اور بعضی طور پر فزونی کی ۴ تلخ و تاراج کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ علامہ حقی لکری نے مطابق

”محمود فزونی کے سلسلہ حلقی نے بھی سندھ اور سندھ میں خوف و

ہراس پھیلا دیا تھا اس لئے عوام میں بددلی اور بے چینی لازم تھی۔

— اس کے علاوہ خود قریبہ نے بھی لوٹ مار شروع کر رکھی تھی اور

محمود کے جاشمنی کی وجہ سے بھی ملتان لامبور اور سرحد کا علاقہ

احتیائی افسار کا شکار تھا۔۔۔ ایسے ہی غیر دور میں ملتان کی

1۔ بحوالہ ”توسیع بر ملتان کے طبع اثرات“ ص 5 از علامہ حقی لکری طبعہ امرت ملتان 28 ج 78

2۔ جس حالت میں ملتان تشریف لائے اس کے بارے میں بہت مشہور روایت ہے کہ آپ شہر پر سوار تھے اور
سامپ کو کٹھن کی بجائے استعمال کر رہے تھے۔ اس مہم کا ایک شہر آپ کے قریب پر درج ہے
داس سوار شہر کے در دست مار کر دے

حوالہ کھلے دیکھئے (1) شاہ یوسف گودیز از حسن رضا گودیزی ص 124، کتابوں ادب ملتان، بہار آؤ، 1983ء
(2) اوطاف ملتان از بشیر حسین ظاہر ص 66 (3) جمال یوسف ص 18 (4) اوطاف ملتان از فرحت ملتان

3۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت شاہ گودیز کا مزار اب بھی موجود ہے اور گودیزی خاندان کے بیشتر لوگ
اسی جگہ آباد ہیں۔

4۔ بحوالہ جمال یوسف ص 24 حضرت طا مع دہا کے بارے میں تفصیل کہیں نہیں ملتی، البتہ ایک ہل مع
دہا کے نام سے ان کی یاد کو تازہ رکھتے ہوئے ہے۔ ان کی خاٹہ سکھوں کے دور میں منہدم ہو گئی اور
اب قبر کا نشان بھی مٹ چکا ہے۔ البتہ مسجد باگلی ہے۔

حالت کبھ اچھی نہیں تھی۔۔۔ " 1

ظاہر ہے اسی صورت حال میں لوگ ہیں یہ سکون اور بددلی کا پہلا بعد از قیاس نہیں لوگ کی روحانی اور اخلاقی اقدار کو زوال آ چکا تھا ان حالات میں حضرت شاہ یوسف گردیزی کی ملتان میں آمد باعث برکت ثابت ہوئی۔ آپ نے اپنے فوض باطنی سے لوگ کی خشک اور صراں شدہ روحانی جذبہ کو سیراب کیا۔ عبادت و ریاضت کے ذریعے روحانیت اور وجدان کی اعلیٰ اقدار کا حلی نمونہ پیش کر کے لوگ میں اخلاقی استقامت پیدا کی اور ان میں کھٹا ہوا انسانی وقار بحال کیا۔ اور ملتان کے مطابق

"آپ کا سب سے زیادہ کارنامہ ملتان کی از سر نو آبادی اور

بحالی ہے۔۔۔ " 2

شیخ محمد اکرام نے حضرت شاہ یوسف گردیزی ملتان کی مزار کو آج (ریاست بہاولپور) میں شیخ صفی الدین خٹائی گزروانی کے مزار کے بعد صف و پاکستان کی دوسری قدم تھیں زیارت گاہ قرار دیا ہے۔³ اکیسہ ملتان کی سیزمیں میں ان سے پہلے حضرت دیوان چاویں مشائخ (متوفی 131ھ) کا نام آتا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ باہر سے آنے والے بزرگی میں حضرت شاہ یوسف گردیزی پہلے مولیٰ تھے جو ملتان میں رشد و ہدایت کیلئے تشہیر لائے۔ علامہ صفی فکری کے مطابق

"ملتان کی سر زمین یہ تاجی اعتبار سے باہر سے آنے والا پہلا عالم و

مولیٰ جس نے ملتان میں تمام کیا وہ سید یوسف گردیزی تھے۔" 4

5

ملتان میں آپ کی آمد 481ھ (1088ء) بتائی جاتی ہے یہ دور پوری اسلامی دنیا میں صوفی کے صوفی کا دور تھا۔ حضرت شاہ یوسف گردیزی کی آمد سے ملتان میں بھی صوفی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔⁶ اکیسہ ملتان میں حالات سازگار تھے لیکن یہ آپ کا سچا جذبہ اور عزم و حوصلہ تھا کہ جس کی بدولت آپ نے تبلیغ اسلام کے ذریعے یہ صوفی ملتان سے قراصلہ فرقہ کو مٹایا بلکہ پخت سے حدیث کو بھی صلحاں کیا۔

1- بحوالہ "ہفت ملتان" از علامہ صفی فکری ص 423، فکری اکیڈمی، شریعت مجلس تاجی و شکافت ملتان مارچ 1982ء

2- ارض ملتان از اکرام الحق ص 224، مطبوعہ شعبہ ضوابط اشاعت "الاکرام" وفاق پرنسٹن پریس لاہور

3- "آب کوثر" از شیخ محمد اکرام، ص 72-73

4- بحوالہ "ہفت ملتان" ص 423

5- بحوالہ (1) اوطاعی ملتان از بشیر حسین طاہم ص 66 (2) ارض ملتان ص 224 (3) اوطاعی ملتان از حضرت ملتان ص 99، مکتبہ تنصیر ادب ملتان و مارچ 1984ء

کی۔ ملتان کی بحالی اور از سر نو آبادی میں ان کا بڑا حوصلہ حاتمہ کے قرامطیوں کا قلع قمع کرنے میں ان کا خاص حصہ ہے۔

حضرت شاہ یوسف گردیز 31 سال کی عمر میں ملتان آئے تھے اور 81 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ گویا 50 برس تک آپ نے اہل ملتان کو اپنے علم و فضل اور روحانی کمالات سے فیض یاب کیا۔ وہاں کے بعد ان کو خود ان کی وصیت کے مطابق اسی حجرے میں دفن کیا گیا جہاں وہ آخری وقت تک لڑکی کو تعلیم و تربیت سے بہرہ ور کرتے رہے۔ آپ کی وفات 14 صبح الاول 531ھ/1138ء میں ہوئی۔ حضرت شاہ گردیز کا مزار بھڑکٹ کے اندر سلسلہ شاہ گردیز میں واقع ہے۔ زیادہ تر گردیزی سادات اس محلے میں رہاتہ قدیم سے رہائش پذیر ہیں اور اپنے جد امجد کی طرح علم و فضل سے شغف رکھتے ہیں۔ اسی خاندان کا ذاتی کتب خانہ ملتان کے عظیم کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کتب خانہ کی بنیاد شاہ یوسف گردیز نے ہی رکھی تھی۔ علامہ سید مرتضیٰ حسین فاضل کے مطابق

"حضرت شاہ یوسف نے کتب خانے کی بنیاد رکھ کر ملتان کو پہلی مرتبہ ایک خزانے سے آشنا کیا۔ ان کے خاندان میں کتب خانہ خصوصی امتیاز ہے۔" 2

حضرت شاہ گردیز کا مزار ان تعمیر کا بہترین نمونہ ہے جس نے گردیزی کے مطابق

"آپ کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد حجرے کی کھلی چار دیواری پر گھد کے پتھر گاش کی خوبصورت اینٹوں کا خوشا روضہ بنایا گیا یہ عمارت ساخت اور طبع کی غصہ کے لحاظ سے بہت دلکش ہے بلکہ اس حسن اور فادر سلطنت کی تعمیر کا نمونہ ولایت کے عجائب گھر میں موجود ہے۔" 3

سید ارماد علی گیلانی کے مطابق

"گرامپول روڈ لندن کے نزدیک ایک عالی شان عمارت کے اندر آثار قدیمہ ہندوستان کے بہترین صوفی اذہب کا روضہ میں بالمشیت آراستہ ہیں۔ ان صوفیوں میں حضرت شاہ گردیز علیہ الرحمتہ کے مقبرہ مبارک کے صوفیوں کو سب سے پہلی جگہ دی گئی ہے۔ اس صوفیوں میں روضہ مبارک کی مینوفی دیواری

1- بحوالہ "جمال یوسف" ص 28

2- بحوالہ "مقدمہ شاہ یوسف گردیز" از حسن رضا گردیزی، ص 35

3- بحوالہ "شاہ یوسف گردیز" ص 119

کے علاوہ سید مراد شاہ صاحب موصوم گردیزی کی قبر سے اشعار لچ رہی
 عماران طویل ہر دکھائی گئی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ملتان کی
 مشہور عمارات میں سے صرف اس عمارت کا صوفیوں وہاں موجود ہے۔¹

ارض ملتان میں لکھا ہے

"ملتان کے مزارات میں جو فی تصویر کے صفحہ تیس مظاہر ہیں۔ مظلوم
 اور سب سے قدیم شاہ یوسف گردیزی کا مزار ہے۔۔۔ اس کا صوفی لکھن
 اٹھا آئی ہے ایک کونہ میں محفوظ ہے۔۔۔ یہ سادہ اور دلکش عمارت
 اس غار فی تصویر کا پیش خیمہ تھی جس نے قصبہ ایک صدی پہلے
 صرف ملتان بلکہ ہندوستان میں اسلامی ایرانی روایات کو روشن کیا اور
 مظلوم، پرشکوہ اور دیدہ زیب طرز تصویر کی تکمیل کی۔ اس سادہ سطح
 عمارت سے ملتان صوفیوں نے عظیم قلعہ نما تفلیات بنائیں۔ جن میں
 آئی سنہ، بلکہ انھیں اور طرز محمد استعمال کیے گئے۔"²

اس کتاب میں آگے چل کر حان شریف کے حوالے سے مرقوم ہے کہ

"ملتان میں ابھی سے بنے ہوئے مظاہر کا ایک سلسلہ ہے جو 1326ھ
 اور 1320ھ کے درمیان تصویر ہوئے مگر ان کے ساتھ ایک پیشرو عمارت
 (مقبورہ یوسف گردیزی) کو بھی شمار کر لیتا جاوے۔ یہ ان ابھی سے
 بنے ہیں، جس کا یہ بھٹی ہنس و نگار سے بنایا گیا ہے جو طریقہ
 مستقیم ایران سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس طرز تصویر میں ابھی کو تراش
 کر کنارہ نگار قوس میں اس طرح جوڑا گیا ہے، جسے صحن مرکز سے
 بھٹی ہوئی سطح کے نکات دائرہ میں مضبوط کر جاتے ہیں، یہ طرز
 شیخ بہار المذنبی 1262ھ کے مقبرہ میں اور اس سے پہلے بھی شاہ
 یوسف گردیزی کے مقبرہ میں استعمال ہوئی "مزاریں" یا ڈالیں مقلبتاً
 ہمارے قسم کی ہیں جو چودھویں صدی عیسوی میں یا اس کے بعد تمام
 شمالی ہندوستان میں پائی جاتی ہیں۔"³

1- بحوالہ "صحیح ملتان" از اولاد علی گیلانی، ص 217

2- ارض ملتان، ص 132 - 133

3- ایضاً، ص 134

(3) خواجہ حسین الدین چشتی اجمیریؒ

اگرچہ خواجہ حسین الدین اجمیریؒ کا شمار ملتان کے صوفیاء میں نہیں ہوتا لیکن اسی نے اپنی زہدی کے پانچ سال اس شہر میں گزاری۔ اس لئے ان کے ذکر کے بغیر ملتان کے صوفیاء کی تاریخ ادھوری رہتی ہے۔

خواجہ حسین الدین چشتی اجمیریؒ ہر صوفیہ پاک و ہمد کی تہذیبی، ثقافتی، روحانی، اخلاقی اور علمی و ادبی زہدی میں ایک تاریخ ساز شخصیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ نے ہر صوفیہ کے مشترک مسلم عناصر کو شمع سے شمع سے تعمیر کرنے میں ایک خاص کردار ادا کیا۔ آپ کی پوری زہدی شہادت و طہارت کو ہم آہنگ کرنے، لوگوں میں تزکیہ باطن پیدا کرنے، اخلاقی حیدر کی تربیت دینے اور صدق و صدا کے جذبات ابھارنے میں گزری۔ آپ نے صورت کو عوامی تعمیل کی صورت دے کر لوگوں میں ایک فکری انقلاب پیدا کر دیا۔ بقول اعجاز الحق دہلوی

”حضرت خواجہ حسین الدین اجمیریؒ ان عظیم الشان بزرگوں میں سے ہیں کہ جنہوں نے انسانیت کی پتھری ہوئی کاکلی کو ستارا اور دین و دنیا، مادیت اور روحانیت میں ایک عظیم توازن پیدا کیا اور مٹاؤ میں حسن اخلاق، تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کی شمع روشن کر کے احترام انسانیت کا درس دیا۔ آپ نے رشد و ہدایت کی جو جلیل القدر خدمات انجام دیں وہ ہماری تاریخ کا ایک جلی صواب ہیں۔“ 2

1- کہا جاتا ہے کہ حضور نے خواجہ حسین الدین کو خواب میں اپنے دین کا عین کہا تھا۔ رضیہ انقلاب میں لکھا ہے کہ ”شمع رسول علیہ السلام خواجہ را در خواب فرمود کہ اے حسین تو عین دین میں ہستی.....“

(بحوالہ رضیہ انقلاب صفحہ صاحبزادہ سید محمد ہلال صاحب پتے از ہشتم زادگان حضرت سلطان المشائخ محبوب الہی نظام الدین اولیا، ص 33، مطبوعہ محب ہمد واقع دہلی گج دہلی، طبع اول 1124ھ۔۔۔۔۔ یہ کتاب قطب الدین بختیار کاکی کی سوانح صری ہے۔)

2- بحوالہ ”اقبال کے محبوب صوفیاء“ از اعجاز الحق دہلوی، ص 122 - 123، مطبوعہ اقبال اکادمی

پاکستان، لاہور، طبع اول، جنوری 1976ء

خواجہ حسین الدین اجسری ¹ 530ھ میں اصفہان میں پیدا ہوئے اور پھر سن 538ھ میں ہائی

جو مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے والد جناب خواجہ فیاض الدین حسن نہایت پرمیزگار اور نیک طبیعت
اصناف تھے جن کا تعلق سادات حسین سے بتایا جاتا ہے۔ آپ کی عمر پندرہ سال تھی کہ آپ کے والد
نے وفات پائی۔ اس کے بعد آپ نے حصول علم ³ اور طلب حق کے لئے 544ھ میں سمرقند اور بخارا کا سفر
اختیار کیا اور وہاں 550ھ تک قیام کیا۔ اس دوران میں قرآن مجید حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تعلیم
کی اس زمانے میں بغداد، سمرقند اور بخارا اسلامی علوم و فنون کے مرکز تھے۔ یہاں آپ نے مولانا حسام
الدین بخاری اور مولانا اشرف الدین جیسے مشہور طالبی سے علم حاصل کیا۔ یہاں سے آپ عراق، عرب سے
ہوئے ہوئے 552ھ میں قصبہ عربی خواجہ عثمان ⁴ ہارونی کی خدمت میں پہنچے اور ان کے دست حق پر

1- خواجہ حسین الدین کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کے بارے میں خاصا اغماض پایا جاتا ہے مختلف
کتابوں میں آپ کی تاریخ پیدائش کی تفصیل یہ ہے (1) سیرالعارفین ص 1 پر محمد احمد صفور (مؤلف
سوانح خواجہ حسین الدین چشتی) کے حوالے سے اور "اقبال کے محبوب مولانا" از امین الحق مدنی ص 123
کے مطابق 534ھ (2) خواجہ غریب نواز، از ادارہ تصنیف و تالیف ص 13 پر 536ھ (3) گلزار اہرار
ص 127 اور سفینۃ الاولیاء از شہزادہ دارالشکوہ قادری، ص 129 (ترجمہ محمد علی لطفی، طبع انکیزی
کراچی) پر 537ھ لکھی ہے۔ لغات خواجہ، ص 129 میں ہمدونستان کی سیم کوٹ کے قلعے کے مطابق
سن ولادت 537ھ درج ہے۔ "واقع شاہ حسین الدین چشتی" میں حسین الدین اجسری کا سن ولادت
471ھ لکھا ہے۔ اس کے مطابق ".... سال تولد چہارمعد و عفتاد و یک و صر 91 نو دہ یکال
و ستہ و فاش پنج مد و شصت و دو است" (بحوالہ "واقع شاہ حسین الدین چشتی" ص 13) طبع
مشی نوکشمور، 1300ھ) لیکن ڈاکٹر ظہور الحسن شارب نے کافی تحقیق کے بعد 530ھ بتائی ہے ان کے
ماخذات مراۃ الاسرار (قلمی نسخہ رام پور لائبریری اور پشاور محکمہ) ، اقتباس الاخبار اور مراۃ النصاب
جیسی کتابوں میں اور یہی سن پیدائش میں خیال میں درست ہو سکتا ہے۔

(بحوالہ "حسین احمد" از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، ص 17، تاج پبلشرز، دہلی)

2- منجانب اصفہان کے نزدیک ہے آپ اصفہان میں پیدا ہوئے اور منجانب ہائی۔ بعض
لوگ آپ کی جائے پیدائش منجانب بتاتے ہیں لیکن آپ اصفہان میں پیدا ہوئے۔ (بحوالہ "حسین
احمد" ص 16)

3- (بحوالہ 1) میں احمد ص 23 (2) سیرالعارفین از حافظ بن فضل اللہ جمالی مترجم محمد ایوب
قاسمی، ص 2، مرکزی اردو بورڈ، لاہور۔

4- میرے جناب حبیب فانی کی لائبریری سے سفینۃ الاولیاء (فارسی) کا ایک قلمی نسخہ دستیاب ہوا ہے۔
جسے ہار محمد، مد حضرت خواجہ حافظ غلام حسن شہید نے لکھا اور 30 رمضان المبارک 1280ھ کو
مکمل ہوا۔ اس کتاب کے 327 صفحات ہیں۔ اس کتاب میں ص 93 پر عثمان ہارونی سے خلافت حاصل کرنے
کا ذکر ہے۔ سفینۃ الاولیاء ص 92 کے مطابق "طلب وقت و بقاء صر بودہ ام.... ہر در کہ مصلحت
است ----"

بھت کی۔ تقریباً دو ڈھائی سال یہاں رہے اور ریاضت و سجادہ کی سخت کوشش کی اور ان سے غرقہ خلافت حاصل کیا۔ پھر بغداد شہر لے گئے جہاں شیخ غلام الدین ابو حنیفہ سیوری سے ملاقات ہوئی بغداد سے آپ شام، کربلا اور وہاں سے عسقلان شہر² 557ھ میں پہنچے اس دوران میں مختلف جگہوں پر پھرتے رہے اور ہر جگہ فیوض باطنی کے حصول کیلئے بڑی ریاضت کی۔

چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کا زمانہ صورت کے اعتباری ارتقاء کا زمانہ ہے جس قدر مصلیہ کرام ان دو صدیوں میں نظر آتے ہیں وہ کسی اور دور میں نہیں ملتے۔ اس کی وجہ اس زمانے کے حالات ہیں۔ خواجہ حسین الدین اجمیری کی عسقلان شہر آوری بھی اسی زمانے اور حالات کی بدولت ہے۔ آپ کا عسقلان شہر لانا، اجمیر جیسے زبردست سیاسی و مذہبی مرکز میں قیام کرنا۔ یہاں پر روحانی اور سماجی اظہار لانا، یہ سب آپ کے بلند حوصلے اور زبردست قوت ارادی کی فکاس ہے۔ جب خواجہ صاحب عسقلان شہر لائے اس دور کی عسقلان کی سماجی صورت حال خلق احمد نظامی کے الفاظ میں کچھ اس طرح تھی۔ "ا۔

" ہر شخص کا صرف " اسیر اشتیاق مائتو " بلکہ ایک دوسرے سے ہوسہنگار اتحاد فکر و عمل کا کہیں دور دور نام نہ تھا چھوٹ چھات نے مدنی زہدی کے سارے سرچشمے مسموم کر دیئے تھے۔ زہدی کی ساری لذتیں انہیں ذات کے لوگوں کے لئے مسموم تھیں۔ فہم عوام جن صاحب میں مثلاً تھے ان کی دردناک تصویر ایسے الیہاں البیرونی نے " کتاب البہد " میں پیش کی ہے۔ زہدی ان کے لئے بوجھ تھی۔ اللہ نے انہیں آدمی بنایا تھا، لیکن اس کے بعد ہی نے انہیں جانور کی زہدی پر گرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ " 3

1۔ حوالے کیلئے دیکھئے

(1) حسین احمد ص 30 (2) سیرت طاریہ، ص 3 (3) سیرت الاسرار (جلد دوم) ص 35 (4) سیرت الاولیاء ص 51۔۔ اخبار الانصار ص 55، صفحہ الاولیاء ص 128 اور سیرت الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ نے بیس برس تک عشاق عاریض کی خدمت کی (بحوالہ سیرت الاولیاء ثالثہ ص 128 محمد مبارک کرماتی " میر خور " ترجمہ نظام احمد بھٹی، کتاب، لاہور 1982ء)

2۔ بحوالہ " حسین احمد " ص 27

3۔ تاریخ مشائخ چشت از طائفہ خلق احمد ص 144، دارالکتاب اسلام آباد (2) " اقبال کے محبوب صوفیاء " از اعجاز الحق قدوسی ص 127، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان لاہور، طبع اول، جنوری 1976ء

اعجازالحق دوس کے الفاظ میں

"آپ نے شریف لائے سے قبل ہندوستان میں عقائد و فکر کی گمراہیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ لوگ صحیح فکر اور صحیح عقیدہ سے محروم تھے۔ طبقاتی نظامات اور ذات پات نے تمدنی زندگی کو بالکل تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ فریبی کے لئے زندگی ایک بوجھ تھی۔" 1

آگے چل کر سیرالوطیف (میں) کے حوالے سے اس دور کی تاریکی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے

"آپ کی تشرف آوری سے قبل سارے ہندوستان میں کفر و بت پرستی کا رواج تھا۔ اور ہندوستان کا ہر شخص سرکشی اور اطہارکہ العالی کا دعویٰ کرتا تھا وہ اپنے آپ کو خدائے عز و جل کا شریک ٹھہراتے تھے اور وہ سب پتھر، ڈھیلے، درخت چھائے، کائے اور ان کے ٹھہر کو سجدہ کرتے تھے اور کفر کی تابانی سے ان کے دلوں کے قتل اور بھی تارک اور مضبوط ہو رہے تھے۔" 2

ایسے حالات میں خواجہ عین الدین اجمیری ان کے لئے اسے دین کا نظام لائے جس میں ذات پات، چھوٹ چھات اور طبقاتی تقسیم کی کوئی گنجائش نہیں تھی جہاں فضیلت صرف اس شخص کیلئے تھی جو حق اور دوسری سے افضل تھا آپ نے یہ سب کچھ صرف زبانی ہی نہیں بلکہ عملی طور پر پیش کیا۔ خلقِ احد نظامی کے بقول

"حضرت خواجہ عین الدین چشتی نے چھوٹ چھات کے اس بھیاک ماحول میں اسلام کا نظریہ "توحید" عملی حیثیت سے پیش کیا اور بتایا کہ یہ صرف ایک تغلیبی چیز نہیں ہے، بلکہ زندگی کا ایک ایسا اصول ہے جس کو تسلیم کر لینے کے بعد ذات پات کی یہ سب نظریوں پر حق ہو جاتی ہے یہ ایک نوپردست دینی اور سماجی انقلاب کا اعلان تھا۔ ہندوستان کے بسنے والے ہزاروں مظلوم انسان ————— اس اعلان کو سن کر دوبارہ زندگی کا کھیت محسوس کرنے لگے۔" 3

خواجہ عین الدین اجمیری کی تبلیغ کے اثر نے پروفیسر ڈاکٹر طوی محدثی کے مطابق

- 1- "اقبال کے محبوب مولانا" از اعجازالحق دوس، ص 127، مطبوعہ اقبال انکساری پاکستان لاہور، طبع اول جمادی الثانی 1400ھ
- 2- "افشا" ص 127
- 3- "تاریخ مشائخ چشت" ص 145

" لوگوں میں غلطی طے ہوئی جس بیدار کر دی۔ ان میں ایمان پیدا کیا ان کے فکر کو غلط زندگی اور غلط فہمی، جس نے زہنی ترقی اور فلاح عین کا ایک نیا باب شمالی ہند میں کھول دیا۔ " 1

خواجہ صاحب نے دینِ حق کی تبلیغ کی خاطر مختلف سالک کا سفر اختیار کیا چنانچہ تہریز، خرقاں، ہرات اور سبزہ دار (افغانستان) سے ہونے والے 10 محرم 561ھ مطابق 165ء کو ملتان شریف لائے۔ 2۔ ملتان میں ان کی آمد کا ایک مقصد ڈاکٹر میر عبدالحق کے مطابق یہ تھا کہ

" حضرت خواجہ عین الدین چشتی اجمیری لاہور سے ہندوستان کی طرف جانے لگے تو انہیں اسی زبان سمجھنے کی ضرورت درپیش آئی جو ان کے فریضہ تبلیغ اسلام میں کافی ثابت ہو سکتی اور جو ہر بڑے مقام پر بولے اور سمجھے جاتی۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے آپ ملتان شریف لائے گئے۔ " 3

خواجہ عین الدین چشتی نے پانچ سال (4) تک ملتان میں قیام فرمایا۔ قیام ملتان کے دوران انہی نے یہاں کے عوام کی بڑی بھی سمجھائی بقول شیخ اکرام

1۔ بحوالہ " مقالات دینی و علمی " جلد اول از پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، ص 257 مزور پرنٹنگ پریس لاہور

2۔ بحوالہ (1) عین الہد، ص 28 (2) خواجہ صاحب ملتان شریف لائے یہ وہ زمانہ تھا جب شہاب الدین غوری ہندوستان فتح کرنے کے لئے ہندوستان پر حملے کر رہا تھا۔ آخر کار 572ھ میں اس نے ملتان اور اچھ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور غلی کھاج کو یہاں کا حاکم بنا گیا۔ شہاب الدین غوری دوبارہ ملتان 574ھ میں آیا اور یہاں سے گجرات کی طرف چلا۔ 388ھ میں جب شہاب الدین غوری اجمیر فتح کرنے کیلئے ہندوستان آیا تو ملتان کے راستے لاہور ہوتا ہوا اجمیر کی طرف چلا گیا تھا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے " تاریخ فرشتہ " جلد اول از محمد قاسم فرشتہ ترجمہ عبدالحق خواجہ، ص 217-218-224، مطبوعہ شیخ غلام علی ایڈ سٹر لاہور

3۔ بحوالہ " سرائیکی زبان اور اس کی مصائبہ طائفی ریاض " جلد اول از ڈاکٹر میر عبدالحق، ص 37، مطبوعہ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان، اشاعت اول 1977ء

4۔ ملاحظہ فرمائیے (1) " اقبال کے محبوب صوفیاء " از اصحاب الحق، ص 126 (2) لطائف خواجہ از عین الدین احمد، ص 167 (3) " پروفیسر میں مسلم فکر کا ارتقاء " از فاضل جاوید، ص 18، ادارہ ثقافت پاکستان، لاہور، طبع اول 1977ء

"لاحور سے (بتول بھی تذکرہ نگاران) آپ ملتان شہیت لے گئے جہاں
آپ نے طہل قہام کر کے عہدِ ستانی زبان میں مہارت نامہ حاصل کی۔" 1

اس عہدِ ستانی زبان کے بارے میں علامہ صفحہ شکر ہی ایسا خیال ظاہر کرتے ہیں

"ملتان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ حضرت خواجہ عین الدین چشتی
نے وہاں زبان کو تبلیغِ اسلامی کی خاطر ملتان ہی سے حاصل کیا اس
سے یہاں کی عوامی زبان (جو قہم سرائیکی کے سوا اور کچھ سے ہو
سکتی ہے) اس کی اصیت کا پتہ چلتا ہے کہ راجپوتانہ اور شمالی عہد سے
سمجھی جاتی ہے۔" 2

عین الدین احمد چشتی اسے مسکرت اور ہر اکرت زبان بتاتے ہیں وہ لکھتے ہیں

"اولاً آپ براہِ قلم شادمان ملتان میں روضہ افریقہ شریف میں آپ
نے کچھ عرصہ (تقریباً 5 سال) قہام کر کے مسکرت و ہر اکرت پر عہد
حاصل کیا۔" 3

اعجاز الحق بھی لکھتے ہیں

"پھر لاحور سے ملتان شہیت لائے اور یہاں پانچ سال رہ کر عہدوں کی
زبان سیکھی اور اس طرح آپ نے اس ہوشیار میں سب سے پہلے لسانی
صہیت پر غور کاری لگائی اور اپنے طرزِ عمل سے اس حقیقت کو واضح کیا
کہ ہر زبان ابلاغ کا ذریعہ ہے کسی زبان سے تعصب ہرگز یا علاقائی
صہیت پر اس کا وہ سیکھا ابلاغ کے ایک نئے ذریعہ سے معروضی ہے۔ آپ
نے اپنے عمل سے اس حقیقت کو بھی واضح کیا کہ لسانی صہیت، صہیت
مکاتف اور احترامِ اصاحت کے غرض کو ہر سبز نبی ہونے دیتی اور
حاضر میں ایک ایسا نگار روضہ کرتی ہے کہ وہ کسی وحدت اور سالمیت
کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔" 4

1- بحوالہ "آبِ کنور" از شیخ محمد اکرام، ص 202

2- بحوالہ "قلمِ ملتان" از علامہ صفحہ شکر، ص 124، مطبوعہ لکھنؤ اکیڈمی، شراکت مجلسِ تاریخ و ثقافت
ملتان، مارِ اول، جنوری 1982ء

3- لطافتِ خواجہ از عین الدین، ص 187، مطبوعہ عین الادب کراچی، طبعِ اول، جی 1978ء

4- "اقبال کے معیوب صوفیاء" ص 126

گیا خواجہ حسین الدین اجیری صوفیا میں وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے زبان کو قوی وحدت کا ایک ذریعہ بنایا اور زبان کو وسیلہ بنا کر بشو و ہدایت اور تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

اردو کے ابتدائی مہیوط جملوں کے سلسلے میں جن بزرگوں کے نام آتے ہیں ان میں بھی خواجہ حسین الدین اجیری کا نام بڑا اہم ہے کیونکہ اشاعت دین کیلئے عوام اور عوام سے رابطے کیلئے عوام کی زبان میں ہی گفتگو کی جا سکتی ہے تاکہ صحیح طور پر تعلیم و تلقین ہو سکے۔ ظاہر ہے عوام کو بات سمجھانے کیلئے جب تک ان کی زبان سے واقفیت نہیں ہوئی کیسے بات سمجھائی جا سکتی ہے۔ خواجہ حسین الدین چشتی نے یہ معرفت زبان سے واقفیت حاصل کی بلکہ زبان کے اہم مراکز میں رہ کر اس زبان کا صحیح شعور بھی حاصل کیا جو عوام میں بولی اور سمجھی جاتی تھی چنانچہ طنائ میں ان کے قیام کا ایک بڑا مقصد اس صوفی زبان میں مہارت حاصل کرنا بھی تھا جو کہ صرف اس علاقے میں بولی اور سمجھی جاتی تھی بلکہ یہ دوسرے علاقوں میں بھی عوام میں ذریعہ اظہار تھی چنانچہ اس زبان کو سمجھنے کے بعد خواجہ حسین الدین دہلی اور اجیر تشہیر لے گئے اور اس زبان کو ذریعہ اظہار بنایا۔

اردو کے ابتدائی جملوں میں خواجہ حسین الدین اجیری کا ذکر ڈاکٹر مولوی عبدالحق، ملک محمد جائسی طبعہ رحمتہ کی کتاب "اکھریق" کی شاخ سے اس طرح کرتے ہیں

" — اولیاء اللہ بغیر از زبان عربی نظم نہ کردہ، زہرا کہ
جعلہ اولیاء اللہ در ملک عرب مخصوص نہ بود۔ ہنس بہر ملک کہ بودہ
زبان آن ملک را بکار بودہ اند و گمان کنند کہ هیچ اولیاء اللہ بہ
زبان ہندی نظم نہ کردہ زہرا کہ اول از جمیع اولیاء اللہ قطب
القطاب خواجہ بزرگ حسین الحق والہ الدین قدس اللہ سرہ ہند میں
زبان میں نبودہ — " 1

انجیہ خواجہ صاحب کا ہندی زبان میں کوئی قول نہیں ملتا لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہی نے یہاں کے لوگوں سے ان کی زبان میں گفتگو کی ہوئی پھر ان کا پیشہ بھی طب تھا جس کی وجہ سے ہر قسم کے مریضی سے ان کا واسطہ رہتا تھا۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانی قیاس ظاہر کرتی ہیں کہ

1- " اردو کی ابتدائی شعور و ما میں موصوفیہ کرام کا حصہ " از ڈاکٹر مولوی عبدالحق، ص 8، طبعہ
احسن ترقی اردو پاکستان، بابائے اردو پڑھ کر اچھی سمجھ، اشاعت چہارم 1977ء

"ان کے حالات زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ صاحب کا پیشہ طب تھا یعنی ان کو رات دن عوام سے سابقہ رہتا تھا۔ قریں قریب یہ ہے کہ خواجہ صاحب ہمدستان مریض سے ان ہی کی زبان میں گفتگو کرتے فرماتے تھے۔" 1

سلطان کے لکھے ان کا سفر اور قیام اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ آپ نے عوام کی زبان سمجھ سکتے تھے تاکہ اس میں گفتگو کر سکیں۔ آپ کی تصنیفات کی تفصیل حسب ذیل ہے

- (1) انیس الاویح — اس کتاب میں آپ نے اپنے پیرو مرشد خواجہ عثمان گیلانی کے ارشادات کو جمع کیا ہے آپ جو کچھ مجلس میں فرماتے خواجہ صاحب اسے لکھ لیتے یہ کتاب فارسی میں ہے۔
- (2) کشف الاسرار — اسے "ہراج الاسرار" بھی کہتے ہیں یہ کتاب تصوف پر ہے۔
- (3) کنج اسرار — اسے کنج اسرار بھی کہتے ہیں یہ کتاب آپ نے خواجہ عثمان گیلانی کے کہنے پر سلطان شمس الدین التمش کی تعلیم و تلقین کے لیے لکھی تھی جس میں تصوف کی تعلیم دینی جاتی ہے آپ نے سلطان التمش کو اس کتاب کی تعلیم دینے کے لیے کچھ عرصہ دہلی میں قیام فرمایا۔
- (4) رسالہ صوت معظم — یہ کتاب آپ نے بلخ انکار اور طریز شاعری کی آئینہ دار ہے۔
- (5) رسالہ آفاق و الطریق — اس میں تصوف کے چند نکات پر بحث ہے۔
- (6) حدیث الطاریق — یہ کتاب دستیاب نہیں ہے۔
- (7) رسالہ موعودہ — یہ کتاب بھی تادیر الوجود ہے 3۔
- (8) دیوان میں یا دیوان خواجہ کے نام سے فارسی کا ایک دیوان بھی خواجہ شمس الدین چشتی اجمیری سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ دیوان صرف غزلیات پر مشتمل ہے۔ غزلیں کی تعداد 121 ہے۔ 4

1- "اردو شہر کا آغاز و ارتقاء" 18 ویں صدی کے اوائل تک "ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، ص 25، مطبوعہ کیم سٹر پبلشرز، کرچی، طباعت اول 1978ء، تعمیر برائے پی ایچ۔ ڈی (جاہد مشاہد، بھارت)

2- "خواجہ غریب نواز" از ادارہ صفی و ثالث مطبوعہ قیام علی ایڈ سٹر لاہور، اشاعت سوم 1978ء، ص 100 پر شمس الدین اجمیری کی اس کتاب کا نام "کنج الاسرار" بتایا گیا ہے جس کا اردو ترجمہ "مغز الاسرار" کے نام سے چھپا ہے۔

3- خواجہ صاحب کی تصنیفات کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے

(الف) میں المعاد، ص 111 تا 116 (ب) خواجہ غریب نواز، ص 100 تا 101

ان فرائض میں صرف کے طاس باء ہے کئے میں سب سے پہلے اس دیوان کو طبع نوکسور نے 1288ھ میں بظاہر 1871ء شائع کیا جس کوئی کا بحال ہے کہ یہ دیوان خواجہ حسین الدین اجمری کا نہیں بلکہ مولانا حسین الدین ہروی کا ہے۔¹ لیکن کچھ لوگ اسے خواجہ حسین الدین اجمری کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔² فزلیات میں کہیں کہیں حدی کا ربط بھی چھلکتا ہے۔

ان کے علاوہ آپ کی کتابیں میں جن کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ خواجہ صاحب ان کتابی کے ساتھ ساتھ مجلس میں تعلیم و تفسیر بھی کرتے تھے یہ موضوعات زیادہ تر پیر کی خدمت، ہائیکزی، طہارت، صا، محبت میں صداقت، تہذیب اور لغویہ کی طہ، گریہ و زاری، قبرستان کے آداب، طلب کی اصلاح، رشد و ہدایت کی ضرورت، اطاعت خداوندی اور قرآن پاک کی مختلف سورتوں کی اہمیت سے متعلق تھے۔ آپ کے ملفوظات کو آپ کے مرید قطب الدین بختیار کاکی نے "دلیل العارضین" کے نام سے اکٹھا کیا۔ آپ نے قطب الدین بختیار کاکی کو جو خطوط لکھے تھے وہ بھی "اسرار الواعظین" کی صورت میں اکٹھے کئے گئے ہیں ان میں بھی صرف کے کات پر بحث ملتی ہے۔³

آپ کے خلفاء میں سب سے زیادہ شہرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوش کو حاصل ہوئی اس کے بعد خواجہ محمد الدین ناگوری کا نام آتا ہے ان کے علاوہ آپ کے بے شمار خلفاء ہیں۔

خواجہ حسین اجمری کی تاریخ وفات کے بارے میں اغلاط پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس سال خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات ہوئی آپ کا انتقال بھی چھ ماہ کے بعد اسی سال ہوا اس کے بعد 6 سال 633ھ ہے۔⁴

- 1- تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (التم) مقالات شیری از حافظ محمود شیری، مطبوعہ کتاب منزل لاہور (ب) آب کوثر از شیخ محمد اکرام، ص 208-209 (ج) خواجہ فریب نواز، ص 101
- 2- ملاحظہ فرمائیے "لغات خواجہ" ص 281 تا 384
- 3- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "حسین احمد" ص 158 تا 164
- 4- حوالے کیلئے دیکھئے (1) آب کوثر، ص 208 (2) اخبار الاخبار، از عبدالحق محدث دہلوی (اردو ترجمہ) ص 61-62 (3) خواجہ فریب نواز، ص 68 (4) گزارش اہرار از محفوظ شکاری (اردو ترجمہ) ص 29 (5) سیرالعارضین (حاشیہ) ص 20 (6) تذکرہ خواجہ حسین الدین اجمری مؤلفہ حضرت مولانا حسین الدین، ص 211، مکتبہ عروج، گنج بخش ریڈ لاہور (7) صفات مطہرہ و محبوب العارضین، ص 44۔ ان سب کتابی میں خواجہ حسین الدین اجمری کا سنہ وفات 633ھ دیا گیا ہے جبکہ "حسین احمد" کے صحت مالک السالکین جلد دوم، ص 255 کے حوالے سے 627ھ لکھتے ہیں لیکن ساتھ ہی 632ھ اور 633ھ سنہ وفات کے بارے میں

خواجہ حسین الدین چشتی کی تعلیمات میں انسان دوستی، محبت و اخلاص، اخوت و مساوات

عاشقی اصناف، مظلوم کی حمایت، بر فزون خدمت اور طرہ و نصب سے ماورا سماج کے تمام کا عمو شامل
ہے وہ ظاہری عبادات سے زیادہ انسان کی بر لوٹ خدمت کو ترجیح دیتے تھے کیا وہ حقوق اللہ سے زیادہ
حقوق الناس کے قائل تھے۔ انہی لطیفہ میں موسیقی کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ سماج سے انہیں خاص رغبت
تھی۔ برفخیر پاک و عہد میں سماج کی معطلی کو رواج دیتے ہیں حضرت حسین الدین اجپری کا خاص
حصہ ہے۔ قاضی جاوید کے مطابق

”خواجہ حسین الدین چشتی موسیقی کو روحانی ارتقا کیلئے ماکزہ عمو
کرتے ہیں۔۔۔۔۔ ان کا رقص سجد علی عجمی سے سائت رکھتا ہے تاہم
اس سلسلے میں وہ اس امر پر خاص طور پر زور دیتے ہیں کہ غیر روحانی
مقاصد کے لقمے موسیقی کو جائز قرار دیں دیا جا سکتا۔“ 1

(2) قطب الدین بختیار کاکی اویسی

=====

اپنے مرشد حضرت حسین الدین اجپری کی طرح قطب الدین بختیار کاکی بھی عارض قیام کی

خاطر ملتان شریف لائے۔ خواجہ حسین الدین اجپری کے نامور خلیفہ قطب الدین بختیار کاکی 569ھ میں
یہ مقام اویس پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام بختیار لقب کاکی اور خطاب قطب الاقطاب تھا جو ان کے مرشد

حسین الدین اجپری کا صفا کردہ تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے مطلق کے علم ابو حفص سے حاصل کی۔ اس کے بعد
582ھ میں بغداد میں حسین الدین اجپری سے بیعت کی۔² جب خواجہ حسین الدین اجپری سے عہد وصال

1۔ بحوالہ ”برخیر میں مسلم دگر کا ارتقا“ ص 18۔ ایس اے اے، کتب اسکی خاندانہ سکتی ص 177 ج 1

2۔ بحوالہ (1) دلی کے ہاتھ خواجہ از ڈاکٹر ظہیر الحسن شارب ص 17، مطبوعہ پبلشرز دہلی (2) قطب
صاحب کی تاریخ ولادت ”اغیار اللغات“ ص 59 میں 505ھ درج ہے جو کہ قریب قیاس نہیں ہے اسلئے کہ
آپ کا سن ولادت 633ھ ہے اگر 505ھ کو درست مان لیں تو آپ کی عمر 128 سال بنتی ہے جو درست
نہیں ہے اسلئے 588ھ ہی ٹھیک ہے (3) اردو دگر کا ارتقا، ص 25 پر 582ھ اور خواجہ فیہب دوازہ
ص 75 پر 548ھ درج ہے۔

3۔ کاکی کیلئے کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ دہلی میں رہتے تھے تو عبادت میں ضرورت رکھتے تھے اور کسی
سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے۔ جب دگر میں فائدہ زیادہ ہوا تو آپ کی بیوی ہمارے سے ادھار لے
آئیں ایک دن ہمارے کی بیوی نے کہا کہ اگر ہم یہ حق تو تم کہاں سے ادھار لیں۔ آپ کی بیوی نے
آپ کو بتایا تو آپ نے قرض لینے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ جب ضرورت ہو تو ہم اللہ الرحمن الرحیم کہے
(یافتہ حاشیہ الکریم ص 177 پر)

کئی طرف روانہ ہوئے تو قطب صاحب بھی ان سے ملاقات کیلئے ہندوستان چلے آئے اور پہلے 590ھ (1194ء) میں ملتان تشریف لائے۔ ان دنوں ملتان بقول امیرالمسلمین شارب

"علم و فن کا مرکز تھا۔ بڑے بڑے عالم یہاں رہتے تھے لوگ دور دراز سے

تحصیل علم کی فوج سے ملتان آتے تھے۔" 1

جب خواجہ بختیار کاکی ملتان تشریف لائے تو ادبیں دینی بابا فرید گنج شکر بھی حصول تعلیم کے لیے ملتان میں مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں مقیم ہوئے تھے۔ ایک روز بختیار کاکی وہاں تشریف لے گئے تو بابا فرید گنج شکر کتاب "نافع" کے مطالعے میں مصروف تھے۔ خواجہ قطب سے ملاقات ہوئی تو آپ بہت متاثر ہوئے اور ان کے قیام ملتان کے دوران ہی میں ان کے دست حق پر پہنچ کر ان 2۔ ملتان میں کچھ دن قیام کرنے کے بعد دہلی تشریف لے گئے۔ بابا فرید گنج شکر کے ساتھ جانا چاہا لیکن آپ انھیں تسلیم مکمل کرنے کی تلقین کر کے ملتان سے رخصت ہوئے۔ بختیار کاکی کافی عرصہ دہلی میں رہے۔ اسی دوران اپنی والدہ معتوہ سے ملنے 602ھ میں اوتار اور پھر وہاں سے بغداد گئے۔ بغداد میں آپ کو حضرت جلال الدین تبریزی سے ملیم ہوا کہ خواجہ منیر الدین اجسری ہندوستان تشریف لے گئے ہیں اور دہلی میں قیام پذیر ہیں۔ یہ سن کر آپ شیخ جلال الدین تبریزی کے ہمراہ پھر ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے اور راستے میں پھر 611ھ میں جلال الدین تبریزی کے ہمراہ ملتان میں کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ اس زمانے میں ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریا رشتہ و ہدایت کا فریضہ انجام دے رہے تھے اور قباچہ بیک ملتان کا حاکم تھا۔ بزم سلوکیہ میں لکھا ہے کہ 621ھ میں چنگیز خانی نے سعد پر یورش کی تو بڑھتے چاشمہ صمدہ گلاشتہ سے بھونکے کر حجرہ کے طاق سے روٹیاں اٹھا لی جاٹیں ان روٹیاں کو "کاک" کہتے ہیں۔

مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) دلی کے ہائیں خواجہ، ص 17 تا 20 (2) سیرالاولیاء، ص 31-32 (3) مفہم الاولیاء، ص 130 (4) مرآۃ الاسرار (جلد دوم) ص 132 (5) سیرالاولیاء، ص 55 (6) اخبار الاولیاء، ص 60

4۔ (الف) "تذکرہ خواجگان چشت" میں لکھا ہے کہ سترہ سال کی عمر میں بھت کی بحوالہ تذکرہ خواجگان چشت اردو ترجمہ سیرالاولیاء، ص 170 حضرت الہدایہ ابن شیخ عبدالرحیم شریح محدثین الدین وردائی، طبعہ طبعی انڈین، کراچی

(ب) "سیرالاولیاء" میں ص 54 پر بھت کا سنہ 523ھ درج ہے جو درست نہیں ہے۔

1۔ بحوالہ "دلی کے ہائیں خواجہ" ص 29

2۔ (الف) "دلی کے ہائیں خواجہ" ص 31 (ب) سیرالاولیاء، ص 68

ہوئے قباچہ کے دارالسلطنت ملتان تک پہنچ گئے سراسیمگی کی حالت میں قباچہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کی خدمت میں حاضر ہوا یہ تینوں مشائخ اس وقت ملتان ہی میں پکجا جلوہ فرما تھے۔ قباچہ نے ان تینوں سے روحانی امداد کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے قباچہ کو ایک تیرہ دے کر کہا کہ لڑائی کے وقت اس کو اپنے برج حصار سے دشمن کی طرف پھینکو پھر قدرت الہی کا تشا دیکھو۔ دوسرے دن قباچہ نے اسے ہی کہا کہ اس کو اپنے دشمنی پر فتح حاصل ہوگی۔ لواہ اللواد میں اس واقعے کا ذکر اب الفاظ میں کیا گیا ہے

”وقتی شیخ بہاء الدین زکریا و شیخ جلال الدین تبریزی و شیخ قطب
 قلدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہم اچھی در ملتان بودہ لشکر کاکی
 زہر پای ملتان آمد وائی ملتان قباچہ بود شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ
 المبارک بتنی تیری بدست قباچہ دارو گفت این تیر را صیاء جانب کافر
 بفرست قباچہ ہم چنان کرد چو روز شدیکتی از کافر نماند همه رفتہ
 بود۔۔۔“

جب بختیار کاکی اور جلال الدین تبریزی ملتان چھوڑنے لگے تو قباچہ نے انھیں ملتان میں روکنے کی بہت کوشش کی بختیار کاکی نے فرمایا کہ جلال الدین غازی جاسم نے اور وہ خود دہلی، ملتان کی سر زمین پر بہاء الدین زکریا کا صرف اور سایہ کافی ہے۔³ ملتان سے خواجہ صاحب دہلی تشریف لے گئے اور اپنے مرشد (یعنی الدین اجیری) کے حکم سے کلکتہ کے مقام پر قیام فرمایا۔ یہ مقام شہر سے کافی فاصلے پر تھا اور لوگوں کو گھونٹ آئے جانے میں شکیف رہتی تھی اس لیے آپ سلطان شمس الدین التمش کی درخواست پر پہلے مہرٹوں میں رہے کچھ عرصہ قاضی حمید الدین ناگوری کے ہاں گزارا اور آخر انزال الدین کے قریب رہائش اختیار کر لی۔

- 1۔ بحوالہ ”بزم طوقیہ“ مرثیہ سید صباح الدین عبدالرحمان، ص 36، مطبع عارف اعظم گڑھ 1374ھ۔
 1954ء مزید تفصیل کے لئے طاحظہ لرنائیے (الدم) ملتان، از طابعہ حق شکر، ص 438
 (ب) سیرالطاریں (اردو ترجمہ) ص 25، مطبوعہ مرکزی اہو بوڑ لاہور
- 2۔ بحوالہ ”لواہ اللواد“ (فارسی) جلد سوم مرتب حضرت امیر حسن طامہ شمس العزیز بہ حسن دہلی، ص 108
 مطبوعہ نوکلنور 1302ھ
- 3۔ تفصیل کے لئے طاحظہ لرنائیے (الدم) سیرالطاریں، ص 50 (ب) دلی کے باقیں خواجہ، ص 35 (ج) ترجمہ
 تاریخ فرشتہ (اردو) جلد دوم، ص 577، مطبع قاضی گرامی مشرق نوکلنور (د) تذکرہ خواجگان چشت اردو ترجمہ
 سیرالقطاب، ص 173 (ر) سیرالطاریں (اردو ترجمہ) ص 48

جن دنوں خواجہ صاحب دہلی میں طبع تھے، سلطان شمس الدین التمش دہلی کا بادشاہ تھا اور حضرت جمال الدین محمد ہسٹامی شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز تھے ان کے انتقال کے بعد التمش نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے التجا کی کہ وہ شیخ الاسلام کا عہدہ قبول کر لیں لیکن آپ نے انکار کر دیا آخر شیخ الاسلام کا عہدہ نجم الدین صفریؒ کے سپرد ہوا۔¹ دہلی میں خواجہ صاحب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ لوگ ان کی صحبت میں رہنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ جس سے نجم الدین صفریؒ کو حسد پیدا ہوا۔² چنانچہ جب خواجہ صاحب الدین اجمیری صاحب دہلی تشریف لائے تو آپ ان سے ملنے گئے لیکن وہ کئے خواجہ صاحب الدین کو رنج ہوا تو آپ خود ملنے چلے آئے لیکن شیخ الاسلام سودھیری سے ملے۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا

”ایسا ظلم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام کی شہرت نے تمہارے دماغ کو پرہم کر دیا ہے۔ شیخ نجم الدین نے جواب دیا کہ حضرت میں تو آپ کا جیسا ہی مخلص اور پیارا ہستہ ہوں جیسا بیشتر تھا لیکن آپ نے اس شہر میں ایک ایسا مرید رکھ چھوڑا ہے جس کے مقابلہ میں میری شیخ الاسلام کوئی شخص جو کے مقدار بھی شمار میں نہیں لاتا۔“³

خواجہ صاحب نے یہ سن کر فرمایا کہ وہ بختیار کاکی کو اپنے ساتھ اجمیر لے جائیں گے لیکن یہ خبر سن کر سلطان التمش اور دہلی کے ہائی لوگ بہت رنجیدہ ہوئے۔ آپ نے ان کی آزدگی کے پیش نظر قطب الدین بختیار کاکی کو ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی⁴ سماع کے بہت شوقی تھے چنانچہ دہلی میں حضرت قاضی

حمید الدین ٹاکوری کے ساتھ مل کر سماع سنتے رہتے۔ ابتدائی زمانے میں سلطان شہاب الدین غوری نے سماع

- 1- تحصیل کبلیے ملاحظہ فرمائیے (الدم) سیرالغریب، ص 28-27 (ہم) دلی کے ہاتھیں خواجہ ص 37-38
- 2- شیخ محمد اکرام کے مطابق --- ”شیخ نجم الدین صفریؒ --- ایک باغدا بزرگ تھے اور حضرت خواجہ بختیار کاکی سے ان کی دوستی ہو سکی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ خواجہ صاحب کو سماع کا شوق تھا اور شیخ الاسلام اس پر اعتراض کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شیخ الاسلام کو یہ بھی ڈاکوؤں کا کہ لوگ خواجہ صاحب کا ادب مجھ سے زیادہ کرتے تھے۔“

(بحوالہ ”آب کوثر“ ص 214)

3- سیرالاولیاء، ص 61

4- سماع کے بارے میں مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیے سیرالغریب، ص 28-27 (ہم) دلی کے ہاتھیں خواجہ ص 37-38

سختے سے منع کیا لیکن آپ نے انہیں کہلوا دیا

”اے سگدل! تو سماع کا مرتبہ کیا جانے کوئے لئے یہ حرام ہے لیکن حرام
لئے یہ مباح ہے یہ اللہ کی خاص صفت ہے جو ہر شخص کو صلا نہیں
ہوتی جس کو یہ صفت عظیم صلا ہوتی ہے وہ اس کی قدر جانتا ہے۔“ 1

سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں بھی شہر کے قاضی اور مفتی نے سماع سختے سے روکنے کیلئے ہر ممکن
کوشش کی لیکن قائل نہ کر سکے۔ 2۔ سماع سے آپ کی طبیعت کبھی سیر نہ ہوتی تھی۔ 3۔ سماع کے دوا
آپ پر وحید طاری رہتا، بے خود ہو جاتے بعض اوقات تو کئی کئی دن بے ہوش رہتے لیکن صبح کے وقت
ہوش آ جاتا اور آپ صبح ادا کرتے۔ خواجہ صاحب کی سماع سے دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ آپ کی وفات
بھی اس عالم میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک سماع کی مجلس میں قوال نے شیخ احمد جام کا یہ شعر
پڑھا

کشتانِ خضر تسلیم را ہر زمان از قہب جان دیگر است

(ترجمہ = خضر تسلیم و رضا کے شہیدی کو ہر گھڑی قہب سے ایک نئی زہدی صلا ہوتی ہے۔)

خواجہ صاحب پر اس شعر کا اتنا اثر ہوا کہ چار روز عالم تعمیر میں رہے اور باقیوں روز چودہ ربیع الاول
833ھ (1235ء) کو اسی عالم میں وفات پا گئے۔ 4۔ خواجہ صاحب نے وصیت کی تھی کہ ان کی صبح جنازہ

1۔ بحوالہ - تذکرہ خواجگان چشت اردو ترجمہ سیرالقطاب، ص 176

2۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) تذکرہ خواجگان چشت اردو ترجمہ سیرالقطاب، ص 79 - 177

3۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے ربیع الاول، ص 62 صفحہ ماحیزادہ، سید عبدالقادر، مطبع مطبوعہ دہلی 1124ھ

4۔ (1) فوائد النوادر (اردو) 291 مطبوعات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ترجمہ پروفیسر سندسیر، مطبوعہ

علماء اکیڈمی، مسجد اوقاف پنجاب لاہور، طبع اول 1973ء (1393ھ) - (2) صفحہ الاولیاء، ص 96

(3) مصلوات مطہرہ و محبوب العارض، ص 144 (4) جواہر فریدی از امیر علی چشتی، ص 177 مطبوعہ

مکتبہ پرہیز، لاہور 1301ھ ص 14 ربیع الاول 634ھ (5) تذکرہ خواجگان چشت، ص 183 پر 12 ربیع

الاول 635ھ (6) مرآت السرا (جلد دوم) ص 35 : اخبار الاخبار، ص 61 سیرالاولیاء، ص 63

سیرالعارض، ص 41 اور دلی نے باقی خواجہ، ص 52 پر آپ کی تاریخ وفات 14 ربیع الاول 633ھ ہے۔

سیرالاولیاء میں لکھا ہے کہ

”قاضی صلی الدین کاشانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلطان العسائی کی خدمت میں بیان کرتے تھے

کہ جس سے میں سلطان شمس الدین التمش کا انتقال ہوا اسی سال شیخ الاسلام قطب الدین

بختیار کاکی قدس اللہ سرہ العزیز نے اس دار کا مالکدار سے عالم جاودانی میں انتقال فرمایا نیز

اس سے میں مولانا قطب الدین کاشانی نے بھی وفات پائی۔ اس حال سے حضرت سلطان العسائی

نے سلطان شمس الدین التمش کی تاریخ انتقال نکالی اور میں خاصیت بہت ارشاد فرمائی۔“

وہی شخص بڑھائی جس نے کبھی حرام نہ کیا ہو اور عصر کی سنت و پہلی گھبر کبھی نہ چھوڑی ہو۔

ایسا شخص ملنا مشکل تھا آخر سلطان النضر آگے بڑھے اور فرمایا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری حالت کسی پر ظاہر ہو لیکن اب مجبور ہوں چنانچہ انھوں نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو اسی جگہ دفن کیا جو زمیں آپ اپنی قبر کے واسطے خرید فرما گئے تھے۔¹

آپ کے بہت سے خلفاء ہیں جنھوں نے آپ کی تعلیمات کو آگے بڑھایا ان میں سر شہرت شہداء الدین صفو کچ شکر ہیں ان کے علاوہ شیخ بدرالدین فزنی، شیخ بدرالدین مؤرخ تائب، شیخ نجم الدین قلندر، سلطان بھوان الدین خلوانی، سلطان بدرالدین خلوانی، شیخ عیاد رسی، شیخ بھوان الدین بلخی وغیرہ مشہور ہیں۔

خواجہ قطب الدین ہشتار کاکی علی نقی بھی رکھتے تھے آپ کئی کتابیں کے مصنف ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

(1) دلیل القاریں --- اس کتاب میں آپ نے حضرت خواجہ حبیب الدین چشتی کے ملفوظات اکثرتے کئے ہیں۔

(2) زبدۃ المفاہی --- یہ کتاب شائع نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کی تفصیل ملتی ہے۔

(3) رسالہ --- اس نام سے آپ نے ایک رسالہ مرتب کیا تھا۔

خواجہ صاحب کے مطلق کیا جاتا ہے کہ آپ شاعر بھی تھے ایک مثنوی آپ سے منسوب کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک غامی کا دیوان آپ کے نام سے منسوب ہے۔ جس میں آپ نے "قطب الدین" اور "قطب دین" کا تخلص استعمال کیا ہے۔²

خواجہ صاحب کی تعلیمات کو ان کے مرید شہداء الدین کچ شکر نے "فوائد المفاہی" کے نام سے کتاب میں جمع کیا ہے۔ آپ کی تعلیمات میں خصوصاً ان باتوں پر زور دیا گیا ہے کہ مرشد کو کامل ہونا

1- آپ نے حد کے دن عید گاہ سے واپس بدھ پڑی (جود ہی دھلی) کے مقام پر اپنے مرید کیلئے زمین خریدی اور فرمایا مجھے یہاں سے پورے مقلد آ رہے ہیں۔ حوالے کیلئے دیکھئے (1) سیر القاریں ص 41 (2) سیر القاریں ص 52 (3) دلی کے ماہی خواجہ، ص 53 (4) فوائد القاریں ص 54
2- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "دلی کے ماہی خواجہ" ص 53 - 52

چاہئیں کہ جب کوئی مہد بہت بے لطفی اس کے سامنے حاضر ہو کر تو وہ اس کے دل سے تمام دنیاوی آلائشیں کو کال دے، مردنی کمالیت ان چار باتوں میں ہے کہ کم سونے، کم ہلنے، کم کھانے اور خلق سے کم صحبت رکھنے، صحت کا شکر ادا کرنے کے لئے بکھر کہیں جائے، دیہش کا کھانا بھی عبادت الہی کا ایک حصہ ہو اور وقت طعام کسی سے گفتگو نہ کرے۔ اس کے علاوہ آپ نے صرف کے مختلف مراحل کے بارے میں بھی گفتگو فرمائی۔

قطب الدین بختیار کاکی سے اردو کا ایک خط منسوب کیا جاتا ہے آپ کے مہد فیہ الدین گنج شکر "جواہر فہدی" میں قطب صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ (بابا فہد) اپنے مرشد شیخ قطب الدین کو وضو کرا رہے تھے۔ شیخ فہد نے آشوب چشم کی وجہ سے آنکھ پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ قطب الدین بختیار کاکی نے سب دریافت کیا آپ نے فہدی میں جواب دیا کہ "آنکھ آئی ہے۔"

بختیار کاکی نے فرمایا

"اگر آنکھ آئی ہے اس را چہ بہتہ اید؟" 1

1- جواہر فہدی، ص 208، مطبوعہ مکتبۃ رشیدیہ بیس لاہور 1301ھ (خواجہ صاحب کے اس خط کے بارے

میں اغطات پایا جاتا ہے۔ حکیم شمس اللہ قادری "اردوئے قدیم" میں حافظ محمود شیرانی "مقالات

شیرانی" ص 138 جلد اول مرتبہ مظہر محمود شیرانی، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول 1966ء

میں امیر محمد فوٹو گرافر پائی پتی کے خطوط تذکرہ غوثیہ میں تو یہی خط درج ہے لیکن ڈاکٹر رشید

سلطانہ "اردو نثر کا آغاز و ارتقاء" میں ص 26 پر اسے اس طرح لکھتی ہیں "اگر آنکھ آئی ہے

تو سوائی ہے۔"

(5) حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ

ملتان کے صوفیاء میں سب سے زیادہ شہرت حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کو حاصل تھی ایک تو اس وجہ سے کہ ان کے عہدی اور ہدایت یافتہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی دوسری اس لیے کہ ان کو سیاسی طور پر اقتدار حاصل رہا اور ان کے تعلقات بادشاہی اور حکمرانی کے ساتھ رہے۔ آپ ان بزرگوں میں سے تھے جو مذہب اور سیاست کے ملاپ کے لیے حکمرانی سے تعلقات قائم کرتے رہے۔ اس طرح ایک طرف تو وہ حکمرانی کو مذہب کی اجازت دیتے رہے دوسری طرف خود بھی سیاسی طور پر مقرر رہے اور لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے بطور صوفی بھی ملتان میں ان کی ولایت قائم رہی مختلف صوفیاء نے ملتان میں ان کی سیراہی اور ولایت کو قبول کیا۔ غلام الدین برقی کے مطابق

"شیخ بہاء الدین زکریا کو مالکی اور خدا طلبی میں "سفید باز" کہتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے بھی ان کے بازو سے خود کو باندھ لیا وہ خدا تک پہنچ گیا۔" 2

ملتان میں سہروردیہ سلسلے کے موسیٰ اعظمی شیخ بہاء الدین زکریا 27 رمضان 566ھ کو ملتان کے نزدیک

1۔ ڈاکٹر شمیم زیدی لکھتی ہیں "حضرت شیخ بہاء الدین زکریا دیہار کے ساتھ رابطہ استوار رکھتے اور امراء و حکام کے ساتھ ان کی آمد و رفت تھی، (ملاحظہ فرمائیں) احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین ص 38، مطبوعہ اشارات مرکز تحقیقات فارس ایران و پاکستان) (پہرستان چکر لکھنؤ، شریعت پبلشرز لاہور 1377ھ)

2۔ تاج فیروز شاہی (اردو ترجمہ) ترجمہ ڈاکٹر سید علی الحق ص 308 مرکزی اردو بیورو لاہور، ہمارا اول اکتوبر 69ھ

3۔ "آب کوثر" ص 255

4۔ آپ کے سے ولادت کے بارے میں کئی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ (1) مذکورہ بہاء الدین زکریا ملتانی از نور احمد فہدی ص 40 (2) سیر العارفین ص 114 (3) اولیائے ملتان از بشیر حسنی ناظم ص 14 (4) توفیق ملتان از حکم جت ص 73 (5) عزتہ الفواطر ص 232 (6) مذکورہ اولیائے حق از مولیٰ عبدالرحمن جشتی

ص 131، مطبوعہ عویشور 1814ھ (7) خلاصۃ الاحباب (قلمی) ص 74 (8) سفیۃ الاولیاء (قلمی ص 176 مرقیۃ باوجود سید حضرت خواجہ حافظ غلام حسن شہید 30 رمضان المبارک 1280ھ۔۔۔ ان سب کتابی کے مطابق آپ کا سن بدائش 27 رمضان 566ھ ہے جبکہ مرآت الاسرار (جلد دوم) ص 131، موقع ملتان از اولیائے کمالی ص 212 اور آئین امیری از ابوالفضل ص 207 (مطبوعہ عویشور 1882ھ) کے مطابق 565ھ

اخبار الغیار ص 682 کے مطابق 560ھ اور تاریخ سعد از اعجاز الحق ص 356 حدیثہ الاولیاء ص 49، تحفۃ الابرار از خواجہ مرزا آفتاب بیگ ص 8 (طبع رنجی دہلی 1323ھ) اور منبع البرکات (اردو ترجمہ) از مفید عبدالرشید حقانی ص 69 (طبع صادق الاولیاء، بہاولپور 1915ھ) کے مطابق 578ھ ہے اور حدیثہ الاسرار فی اخبار الابرار ص 190 کے مطابق 544ھ دج ہے۔ مذکورہ نتائج کرام از محمد قاسم فرشتہ ص 40 کے

قصہ کوٹ کرڑ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد کا تعلق قبیلہ ¹ قہش مکہ کے ہنز قبیلہ " القہش الاسدی " سے تھا۔ آپ کے دادا شیخ کمال الدین علی شاہ مکہ معظمہ سے خواہزہ آئے اور پھر وہاں سے ملتان تشریف لے آئے۔ ملتان میں انھوں نے اپنے صاحبزادے مولانا وحید الدین محمد فوت کی شادی قلعہ کوٹ کرڑ کے ہنز شخص مولانا حسام الدین توبی جو تاتاریوں کے حملے کی وجہ سے ملتان کے مولوی طاقہ کوٹ کرڑ میں مقیم تھے، کی صاحبزادی سے کر دی ان کے بطن سے بہاء الدین زکریا پیدا ہوئے۔

بہاء الدین زکریا نے ابتدائی تعلیم ملتان ہی میں حاصل کی آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید سات قرأتوں سے حفظ کر لیا تھا۔ شیخ البرکات (قلمی نسخہ) میں لکھا ہے کہ " شیخ بہاء الدین حفظ قرآن مجید ما حفظ قرأت در کوٹ کرڑ از مولانا صمد الدین بلخی حاصل کرد۔ " 2

آپ ابھی دس سال کے تھے کہ والد کو فوت ہو گئے اس کے بعد خراسان تشریف لے گئے سات برس تک وہاں علم و مشائخ سے ظاہری و باطنی علوم کی تعلیم حاصل کی پھر بخارا گئے اور بہت سے اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ نور احمدی کے مطابق

" اسے چار سو چوالیس (444) ماکمال اساتذہ کے آگے زانوئے طوطہ م کر کے سب فضیلت حاصل کی جو علم و فضل اور زہد و ورع کے لحاظ سے بگڑا روزگار تھے۔ " 3

بخارا میں آپ تنہا آٹھ برس تک رہے اسی دوران میں تحصیل علوم کے ساتھ ساتھ آپ نے کتب کا ذخیرہ بھی اکٹھا کیا۔ نور احمدی کے مطابق ان کتب کی تعداد دو ہزار سے زیادہ تھی۔

1- حکم چھ " تلخیص ملتان " ص 64 پر لکھتے ہیں کہ " یہ خاہاں اولاد بہاء الدین زکریا المعروف بہاء الدین ہے اور ان کو قہش کہتے ہیں، سید نہیں ہیں، قہش کی وجہ تسمیہ ہیں مگر جانتے ہیں کہ قہش ایک شہ پہاڑ کا نام تھا اس شہ کی طرح جو لوگ رہتے تھے ان کو قہش کہتے تھے۔ دوم یہ مشہور ہے کہ ایک بڑا جادو قہش نامی تھا وہ کسی سے مارا نہیں جاتا تھا اس خاہاں کے لوگوں نے اس کو مارا اس واسطے قہش مشہور ہوئے۔ "

2- بحوالہ " شیخ البرکات " (تذکرہ حقایق) قلمی نسخہ ص 45 مکتبہ شیخ شرف الدین قہش

3- بحوالہ " تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی " از نور احمدی ص 43 مطبوعہ محکمہ اوقاف، لاہور طبع اولیٰ مئی 1980ء

4- بحوالہ " تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی " ص 44

"آپ نے جو نظام تعلیم رائج کیا تھا اس کا درس قریناً دوسری صف

مطابق میں جاری رہا۔" 1

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی خود بھی درس لواتے تھے اکثر شعبہ محمود زیدی لکھتی ہیں

(ترجمہ) "شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے بعد صبر پر بیٹھ جاتے اور قرآن حکیم

کی تفسیر بیان لواتے اور حدیث کی تدوین کرتے، کبھی کبھی پچھلے بزرگوں

کے قول و حکایات اور اشعار سے بھی استفادہ کرتے۔" 2

مفتی عبدالرحمان کی تصدیق "آئینہ ملتان" میں اس مدرسے کے تعارف کے سلسلے میں لکھا ہے کہ

"یہ سلسلہ صبر و پختہ کا ملتان میں سب سے پہلا مدرسہ قائم کیا گیا جو

حضرت بہاء الدین زکریا نے تعلیم دینے و دینا کے لیے قائم کیا تھا۔ یہ

موجودہ خانقاہ کے ساتھ واقع تھا۔ آپ یہ طے نہیں اس میں درس دیا کرتے

تھے۔۔۔۔۔ اس مدرسے کے کتب خانہ کا شہرہ حدودستان میں دور دراز تک

پہنچ چکا تھا۔ وہاں سے ہر شعبہ حیات کے لوگ اپنی علمی بھجوانے کے

لئے ملتان کھینچ چکے آتے تھے۔ اس دور میں علوم اسلامیہ کی تدوین میں

کامیاب تبدیلیاں ہوئیں، فقہ اور اصول فقہ کے ساتھ مطلق اور مقول کی کتابیں

بھی داخل صواب کر دی گئیں۔

یہ مدرسہ اور کتب خانہ لفظ خانقاہ کے زمانہ میں مرزا حسین افغانی کے

حفظ ملتان میں تباہ ہو گیا۔ اس کے رہے سب سے آثار کبھی نہ مل سکے۔" 3

حضرت زکریا ملتانی کی دیکھا دیکھی نامورالدين قباچہ نے بھی ملتان میں ایک مدرسہ قائم کیا اس نے

طالعہ قلوب الدین کاشانی کو کاشانی سے بلا کر اس مدرسے کا مہتمم مقرر کیا۔ اس مدرسے کا نام دارالعلوم تھا

اور یہ مدرسہ بہانہ کے مقابلے میں قائم کیا گیا تھا۔ اس مدرسے میں مطلق، فلسفہ اور علم الکلام کی تعلیم

دی جاتی تھی۔ طلبہ کی ایسی خاصی تعداد تھی جن کے قیام و طعام کا انتظام سونپا کر دی تھی۔ اس

کے لئے الگ صارت تحصیل کی گئی مولانا کاشانی کے بعد مولانا وصیہ الدین اس مدرسے کے سربراہ اعلیٰ مقرر

1- بحوالہ "ہفت ملتان" ص 455

2- بحوالہ "احوال و آثار" شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارض، ص 36

3- بحوالہ "آئینہ ملتان" ص 209 طبعہ مکتبۃ اشرفیہ الطارف، ملتان

4- مزید تفصیل کیلئے طالعہ لبرانی (الم) آئینہ ملتان، ص 210 (ب) ہزم طبعہ، ص 60

بہاد الدین زکریا جس زمانے میں ملتان میں تبلیغ و اشاعت کا کام کر رہے تھے ان دنوں ناصر الدین قباچہ ملتان کا حاکم تھا جو کہ ایک ترقی پهلوان اور جلاہ تھا لیکن نفی کرتے کرتے سلطان قطب الدین ایک کے زمانے میں حاکم ملتان مقرر ہوا دوسری طرف قطب الدین ایک نے شمس الدین سے خوش ہو کر اسے اپنا طے عہد مقرر کیا اور دہلی کا سلطان بنایا اور ناصر الدین قباچہ کو اس کی نگرانی میں دیا۔ قباچہ اس کو پسند نہ کرتا تھا اور التمش کے خلاف سازشی میں مصروف رہتا۔ اس نے کوشش کی کہ قباچہ کو کے خیر مختار ہو جائے۔ بہاد الدین زکریا کو اس کی سازش کا علم ہو گیا آپ التمش کو اس کے زہد و تقویٰ کے باعث بہت پسند کرتے تھے چنانچہ جب آپ کو اس سازش کا علم ہوا تو آپ نے اور ملتان کے قاضی شرف الدین نے اس بار میں التمش کو خط بھیجا لیکن وہ دونوں خط قباچہ کے ہاں نہ آ گئے۔ قباچہ نے دونوں کو طلب کیا۔ قاضی شرف الدین نے تو اس وقت قتل کر دیا لیکن بہاد الدین زکریا کو سامنے بٹھا کر خط پڑھ کر منایا گیا۔ خط میں کہ آپ بالکل نہ گھبرائے اور فرمایا کہ

"جو کچھ میں نے اس سے لکھا ہے وہ حکم خدا سے لکھا ہے تو کیا کر سکتا ہے؟" 1

قباچہ نے یہ سن کر حیرت کی اور آپ کو رحمت فر دیا۔

بہاد الدین زکریا اپنے یہ ہفاہ علم اور زہادت کی بناء پر شیخ الاسلام مقرر ہوئے۔ آپ کو سلطان شمس الدین التمش نے ملتان پر قبضے کے بعد شیخ الاسلام کے عہدے پر مامور کیا جس کی تفصیل اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی جو حضرت بہاد الدین زکریا کے بھی دوست تھے۔ جب شیر دہلی میں آئے تو وہاں کے شیخ الاسلام نجم الدین مغربی کو ان سے حسد پیدا ہوا اور وہ سلطان التمش کی نگاہی سے ان کو گراہنے کے لئے مختلف طرح کی سازشیں کرنے لگے۔ ایک مرتبہ انھوں نے شیخ جلال الدین تبریزی پر کفری الزام لگایا سلطان التمش نے اس کی تحقیق کا حکم دیا۔ نجم الدین مغربی نے بہاد الدین

1- (1) نوادر النواہر (قاسم) ص 12 میں لکھا ہے کہ "میں نے ہر چہ ہشتہ ام حل ہشتہ ام و از حق ہشتہ ام تو ہر چہ خواہی بکن تو عود چہ توانی کرد بدست تو چیست۔" — مزید حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیے (2) سید الطائریں ص 158 (3) اطمینان ملتان از شہر حسین ناظم ص 17 (4) آب کوثر ص 258 (5) بزم سلوک، ص 36 (6) تذکرہ بہاد الدین زکریا ملتان، ص 131

زکریا کو ثالث مقرر کیا لیکن وہ سراسر بہتان ثابت ہوا۔ بہاء الدین زکریا نے نہ صرف جلال الدین صہبزی کو یہ گناہ قرار دیا بلکہ نجم الدین صفری کی سازش کو بھی اسے ظاہر کر دیا اس واقعے کے بعد سلطان التمش نے نجم الدین صفری کو شیخ الاسلام کے عہدے سے ہٹا کر بہاء الدین زکریا کو شیخ الاسلام مقرر کر دیا۔¹

بہاء الدین زکریا طنابی نے اپنی ساری عمر لوگوں کی فلاح اور رشد و ہدایت کے لئے وقف کر دی۔ آپ کے پاس بہت دولت تھی جسے آپ لوگوں پر خرچ کرتے رہتے تھے۔ "گلزار امدی" میں لکھا ہے

(ترجمہ) "ایک دفعہ حسن ثانی قوال حضرت فیہ الدین گنج شکر کی اجازت سے

طناب آگیا اور حضرت فخر بہاء الحق زکریا طنابی کی زیارت کے لئے ان

کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب وہ اندر پہنچا تو دیکھا کہ حضرت

مخدوم بہاء الدین زکریا سنہری مرجع اور قائم و مستجاب کے بنے ہوئے

پلٹ پر لیٹے ہوئے تھے۔ سوچے چاہی کہ شاہانہ طریق کفری میں رکھے

تھے غرض یہ کہ سوائے سوچے چاہی اور جواہرات کے کوئی دوسری چیز نظر

نہ آتی تھی۔ حسن ثانی حیران ہو گیا اس کے دل میں خیال آگیا کہ

درویش تو فقر فخری کا قائل ہوتا ہے جس کا خطاب گنج شکر میں کہ

ان کے گھر میں سوائے بوسیدہ اور پرانے پوتیا کے کچھ بھی نہیں۔"²

جناب عبدالغنی، لیکچرار اردو، کورسٹ کالج شجاع آباد سے ہمیں ایک معلوم سوال و جواب ملا ہے جو اس

سلسلے میں ہے اور جس کا یہاں درج کرنا خالی از دلچسپی نہ ہو گا۔ یہ ایک فلسفہ کلیسیا میں تسمیہ

ہے جو خواجہ محمد شاہ ہندوستانی طنابی از اولاد حوائج حسن آگاہی طنابی کی معاش ہے اور انہیں کے

کتب خانہ سے دستیاب ہوئے ہیں۔ ہم ان صفحوں کو ہو بہو لکھ رہے ہیں

حضرت شیخ فیہ الدین گنج شکر اور حضرت بہاء الدین زکریا ہم زمان بزرگ تھے ہیں۔ حضرت

فیہ الدین کی خانقاہ قندور دہشتی غالب تھی تو حضرت بہاء الدین کی درگاہ میں شاہانہ اہل شاہان

1۔ تفصیل کتب طحاویہ (1) تذکرہ بہاء الدین زکریا طنابی ص 182 (2) احوال طنابی از

بشیر حسین ڈاؤم، ص 17-18

2۔ بحوالہ "گلزار فیہ" (آفیس فلسفہ) ص 41 صفت بولوی گل محمد چشتی سن تعمیر 1902ء موضوع

مطبوعات و مطاب شیخ فیہ الدین صفیہ گنج شکر (جناب ڈاکٹر میر عبدالحق صاحب کی ذاتی لائبریری

سے حاصل کیا گیا۔)

تعا و درج ذیل سوال و جواب میں بھی جہز واضح کی گئی ہے۔

(سوال حضرت شیخ فہد الدین گنج شکر از حضرت خواجہ بہاء الدین (رحمہا ملانی))

پوشش تو اعلیٰ و دینا حیر	نہیہ زدہ غرقہ پشیم ما
خوار غیر محک سیم تو	شعب زدہ کاک چوہی ما
خود تو مرغ نوش و می	بسی شک شنگیسی ما
تاقم و سحاب ترا شکہ گاہ	خار خس و پشتر ہالسی ما
اسپک تو بازی با زین او	پشتر ازان کلشک چوہی ما
باش کہ تا صبح قیامت دمدم	این پشو کار با آن ہمسما

ابہات حضرت فہد بہاء الدین (رحمہا ملانی) در جواب حضرت شیخ فہد الدین گنج شکر

دینا چراگاہ کیمہ غران ماست	عقیٰ نکارگاہ نکار گان ماست
ما عرش و لوح ہیم زہر قدم ہیم	اسلام و کفر سوزم این امتحان ماست
جملہ بشر کوکب الماک احمسی	جبریل با ملائکہ از چاکران ماست
عریل شمس طفل من از اشیاء شدہ	عسی و بخدر و بوس از ہیوان ماست
مجد خود بندہ مہ زان اولیا شدم	فوان شد کہ جنت تو لامکان ماست
ما خود خدا شدیم خودی درخدا ماست	بیزام از خدا کہ بیجا خدا ماست

پشسو تو از بہاء سفیان ہوالعجب

واللہ کان وحدت از صافیان ماست

حضرت فہد بہاء الحق ملانی کا دستپہلوں پر وسیع تعا۔ آپ کے پیچیدہ دستروں پر ہزاروں کی تعداد

میں لوگ بڑا کم کم کے کھانے کھاتے تھے۔ نہ احمد فہد کے مطابق

" حضرت محبوب الہی کے شان درہشی مسکینی اور مہمانی کے لئے شاہانہ

اعظام تعا۔ لکھ خانہ میں ایسے صدہ اور اعلیٰ کھانے پکے کہ سلطانیں اور

امراء کو بھی صیغہ نہیں دیتے تھے۔ لکھ کے لئے اچھے کے ذخائر، اخبار

خاصی میں مظل تھے۔ چارپائی، بستر اور ہوتی کا حقول اعظام تھا۔ ا

اس کے باوجود لاکھی کا ان داتا خود بڑے سے رہتا تھا۔ " 1

ہرم صوفیہ میں ہے کہ ایک مرتبہ ناصر الدین قباچہ کے عہد میں ملتان میں سخت قحط پڑا۔ بہاء الدین زکریا کے لشکر خانے میں بہت سا اناج پڑا تھا۔ اس نے بہاء الدین زکریا سے کچھ کھم ماشی تو آپ نے فرمایا کہ اپنے نوکری کو بھیج کر شاں گودام سے کھم اٹھوا لیں۔ قباچہ کے نوکر جب کھم لے گئے تو اس سے شرفی سننے کے سات کھے برآمد ہوئے۔ قباچہ نے وہ بہاء الدین زکریا کو بھجوا دیئے۔ آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ میں ان کوئی کا پہلے سے علم تھا اس لئے کھم کے ساتھ یہ چاہی کے کھے بھی بھجوا دیئے تھے۔² لوگی کو کھلانے پلانے کے علاوہ مشکل وقت میں بھی آپ اہل ملتان کے کام آئے۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے

" جب 1257ء میں مشکل ملتان میں داخل ہوئے اور ہج اور موچے گرا کر

شہر میں قتل و غارت شروع کرنے کو تھے تو حضرت مقدم العالم شیخ بہاء الدین

زکریا ایک لاکھ درہم دے لے کر پہنچے اور مظلی کو یہ رقم ادا کر کے شہر

کو ان کی تباہی سے بچایا۔ " 3

حضرت فخر بہاء الدین زکریا کے زمانے میں قراصلہ کے اثرات باقی تھے۔ خصوصاً ملتان کے گرد و نواح اور

دیہات کے کا علاقہ ان اثرات سے محفوظ نہ تھا۔ شیخ الاسلام نے قراصلی کے اثرات کو ختم کرنے کی طرف

توجہ دی اور نور احمد لہندی کے مطابق

" اس مہد کامل نے صف صدی کے عرصے میں اس سڑمیں کو نہ صرف قراصلہ کے

اثرات سے پاک کیا بلکہ لاکھی سڑم اور تھ مزاج کافی کو نور ایمان سے

1۔ تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی، ص 89

2۔ تحصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (1) " ہرم صوفیہ " ص 94 مطبوعہ عارف اعظم کراہ 1949ء (2) فواد الفواد، ص 418-419 (3) خلاصۃ العارفین (علی) ص 41 (4) خلاصۃ العارفین مرتبہ ڈاکٹر شمیم زیدی، ص 48

3۔ بحوالہ " آب کوثر " ص 258، مزید تحصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی، ص 299

جبکہ مولوی محمد شفیع نے آٹھویں صدی ہجری کے مروج سنی شری کی کتاب " تاریخ شاہ ہرات " طبع کلکتہ

ص 157 کے حوالے سے لکھا ہے کہ " شیخ الاسلام حاکم ملتان کی طرف سے تاتاری سے مات جیت کرنے کے لئے

گئے تھے اور یہ طے کیا کہ تاتاری کو حاکم شہر لاکھ دینار دے دے تو وہ شہر سے چلے جائیں گے۔ دوسری

دن شیخ الاسلام لاکھ دینار لے کر شہر سے باہر آئے مگر یہ نہیں کیا کہ یہ رقم وہ اپنے خزانہ سے لائے۔

(بحوالہ " حالات غریبہ و علیہ " جلد اول، ص 283، ملاحظہ فرمائیے فکری کا بیان ہے کہ

" ملتان کے عوام کو تباہی سے بچانے کیلئے آپ نے یہ رقم اپنے ذاتی خزانے سے ادا کی اور ملتان کو تاتاری کی غارت گری سے بچا لیا۔ " (بحوالہ ہنر ملتان، ص 58)

سے مالا مال کر کے سلعائی کی اقلیت کو اکثریت میں بدل دیا اور وہ
 لاکھوں غنی آسام ٹولوں جو سال ہا سال تک فزنی کے مجاہدوں سے
 بھرتی رہی تھیں، اسلام کی محافظ بن گئیں۔ " 1

حضرت فہم الحق زکریا طنائی کے طفولیات میں علم و طہارت کے موقی دستاب ہوئے ہیں، آپ نے عاشق کی
 آہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

" جی صاحب محبت از سینہ خود آہ زہ آتش مشق جھلکی دنیا و آخرت
 در دنیا است تاجیز گدازد و خاکستر سازد " 2

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا

" مشق آتش است کہ کثافت ها را خاکستر می گرداند " 3

زہد کی تسبیح بھی فرماتے ہیں

" زہد سے حرمت است، اول " ز " کہ مراد ازکدن کی ترک زہد و زہد و ریاضت
 دوم " ہ " کہ صہارت است از ترک ہوا و ہوس، سوم " دال " کہ درگزر کردن
 از دنیا و دولت مطلوب است " 4

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا

" سے چیز موجب هلاکت انسان می تواند باشد " اول ارتکاب گناہ بہ امید توبہ،
 دوم توبہ کردن بہ امید درازی حیات، سوم گناہ بزرگ خود را بہ امید علو و
 بخشش تاجیز گرداندن " 5

اسی طرح فرمایا

" توبہ از خدا چراغ طلب انسان است، اگر این مہاشد انسان در تاریکی
 ظاہری و باطنی ہوس ہو " 6

صوفیاء کے ہاں عام طور پر سماع سے دلچسپی کے واقعات ملتے ہیں۔ یہاں تک کہ قطب الدین بہشتیارکی
 کا احوال بھی اسی حالت میں ہوا۔ بہاد الدین زکریا کو سماع سے زیادہ دلچسپی تھی لیکن جب آپ

1۔ بحوالہ " تذکرہ بہاد الدین زکریا طنائی " ص 39

2۔ خلاصۃ الطائف (قلی) ص 49 غالب نے کہا تھا ع میری آہ آتشیں سے بال مٹا جل گیا

3 تا 6۔ خلاصۃ الطائف مرتبہ ڈاکٹر شمیم منکوج زیدی، ص 40-41

کو معلوم ہوا کہ آپ کے مرشد سماع کو اچھا سمجھتے تھے تو آپ نے بھی سنتا شروع کیا۔ حامد بن فضل اللہ جمالی اس واقعے کو اس طرح بیان کرتے ہیں

"عبداللہ نامی ایک خوش گلو اور خوش کام قوال روم کی طرف سے ملتان پہنچا اور حضرت مخدوم الشائع بہاء الدین زکریا کی قدم بوسی سے مشرف ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ میں حضرت شیخ الشیخ (شہاب الدین سہروردی) کی خدمت سے مشرف ہو چکا ہوں اور حضرت نے میری خوش گلو ہونے کی وجہ سے سماع میں شرکت فرمائی ہے اس وقت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ چونکہ حضرت شیخ نے سنا ہے، زکریا بھی سننے گا۔ اس کے بعد خادم کو حکم دیا کہ عبداللہ کو، اس کے دوستوں کے ہمراہ جو اس کے ساتھ ہیں، ظان حجریٰ میں لے جاؤ اور پشاور پہ حکم عشاء کی غار کے بعد دیا تھا۔ خادم مذکور نے حکم کی تعمیل کی۔ ایک پھر رات گزرنے کے بعد حضرت شیخ حجریٰ میں تشریف لے گئے وہاں بیٹھے۔ قرآن شریف کے دو سہارے نہایت لطیف مفسر اور ادا سے تلاوت فرماتے۔ پھر سماع کا حکم دیا۔ عبداللہ نے جب آواز نکالی تو اس شعر کو بار بار پڑھا

ع ستار کہ شراب ناب خوردند از پہلوئے خود کباب خوردند

حضرت شیخ نے سر ہلایا، اٹھے اور اس حجرے میں جو چراغ جل رہا تھا اس کو گل کر دیا۔ عبداللہ مذکور کا بیان ہے کہ جب حضرت ہمارے نزدیک آئے تھے تو ہم ان کے کرتے کا دامن دیکھتے تھے اور کہتے تھے جانتے تھے کہ ان کے وجد کی کیا کیفیت تھی اور کس ادا سے پڑھتا تھا۔ کہتے دیر کے بعد حضرت حجریٰ سے باہر چلے گئے، ہم اپنے دوستوں کے ہمراہ اس حجرے میں رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت کا خادم ایک ہرگشت خلعت اور چادر کے پیر بننے لایا کہ حضرت شیخ نے انعام دیا ہے۔"

نور احمد لہری کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ہفتیار کاکلی کے ساتھ بھی سماع کی محفل میں

شرکت کی۔ 2۔ آپ مشہور شاعر فضالہ بن قزاقی کے اشعار میں کر بھی وجد میں آ جاتے تھے اور کہتی دیر

1۔ بحوالہ "سیرالطافین" (اردو ترجمہ) ص 160۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے

(الد) نواہ الفواد، ص 281-282 (ب) تذکرہ شائع کرام، ص 139-140

(ج) نواہ الفواد (فارسی) ص 137-138

2۔ بحوالہ "تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی" ص 196

"امیر خسرو کی طرح اعلیٰ نسل حضرت فوت بہاد الدین زکریا ملتانی) بھی چھ رات اور راتیں ایجاب کیں ~~میں~~ ملتانی دھڑسری ادبی کی ایجاب ہے جس میں دھڑسری اور مالسری کو مخلوط کیا گیا ہے۔ آپ نے چھٹ کی طرز پر کئی دفعے اختراع کئے جس میں خدائے واحد کی متانت اور داستان عشق اور ہمدی کے طریق پر محضو اشعار کی کیفیت بیان کی۔" 1

انگریز مولانا نور احمد فہدی نے اپنی کتاب "تذکرہ بہاد الدین زکریا ملتانی" میں "حضرت شیخ الاسلام اور موسیقی" کے عنوان کے تحت ان باتوں کو غلط قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ 2۔ لیکن اعلیٰ نے اس سلسلے میں کوئی حوالہ یا ثبوت فراہم نہیں کیا۔ میر غیاث میں موسیقی کا مقام میں دلچسپی سے حضرت شیخ الاسلام کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہ ہم خواہ مغواہ ناچاٹات بیان کرتے رہیں۔

بہاد الدین زکریا کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے جس میں سے چھ مشہور نامی ہیں سب سے پہلے فیروز الدین عراقی کا نام آتا ہے۔ جو آپ کے داماد بھی تھے۔ اور شیخ شہاب الدین سیہروردی کے بھائی تھے۔ آپ عداں میں پیدا ہوئے اور تعلیم حاصل کر کے وہیں مدرس مقرر ہوئے۔ آپ کی قابلیت اور عظمت کا بڑا شہرہ تھا۔ آپ فارس کے بلد بابہ شاعر تھے اور زبان میں کافی سوز و گداز تھا۔ آپ قندھار کی ایک جماعت کے ساتھ خراسان سے کوچ ہوئے ملتان پہنچے حضرت شیخ الاسلام نے انہیں اپنا خرقہ پہنایا تھا اور اپنی پیش کا عقد بھی ان کے ساتھ کیا تھا۔ 3۔

آپ کے دوسرے خلیفہ سید جلال الدین سرخ بخاری تھے۔ جو بخارا سے تشریف لائے اور اچ سے ان کا مزار ہے۔ میر علی حسینی جو کئی کتابیں کے صنف تھے وہ بھی آپ کے خلفاء میں شامل تھے۔ ان کی کتابوں میں قرعۃ الارواح، زاد الصافی اور مفتی کنز الجوز ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ کبرالدین عراقی، لال شہباز قلندر، دیوب موسی، خواجہ حسن افغان، خواجہ کمال الدین صفو شیرازی، خواجہ فیروز الدین گیلانی، شیخ بدر سجستانی، شیخ عبدالستار شاہ طالبزاد کا مزار شمشاد میں ہے۔ وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت بہاد الدین زکریا ملتانی کی صحافت میں کتاب الارواح "کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل

1۔ بحوالہ "مکاتبات دہلی و طلی" (جلد اول) ص 266-267

2۔ تحصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "تذکرہ حضرت بہاد الدین زکریا ملتانی" ص 262 تا 267

3۔ تحصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "غزیتہ الاصفاہ" جلد دوم از غلام سیر ناہوری، ص 32، مطبوعہ دیکشور پریس/کامپو

ہے اس کا ہم تین قلمی نسخہ جو 290 صفحات پر مشتمل ہے پندھاب یونیورسٹی، لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد نے اسٹاک بک فاؤنڈیشن کے تحت 1398ھ میں اسے زیر طبع آراستہ کرایا۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور اس میں عازلی کی مختلف اقسام، طعام کھانے کے طریقے، غسل، محرم، مختلف پہننے کی فضیلت، ترویج، دغا، لباس پہننے کے طریقے، سفر کی کیفیت وغیرہ کا ذکر موجود ہے۔¹ آپ کی دوسری کتاب کا نام "شروط اربعہ فی جلوس المحتسبات" ہے۔ اس کتاب کا متن عربی اور فارسی زبان سے مخلوط ہے۔ یہ کتاب انوار فوشہ میں شامل ہے۔ جو مخدوم جس بخش کی تصنیف ہے۔ الگ سے دستاویز ہے۔ اس کتاب میں احکامات اور اس سے متعلق احکامات، ہدایات وغیرہ کی تفصیل موجود ہے۔ جاہل قرآنی آیات، احادیث اور بزرگان دین کے حوالے دئے گئے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ ایک "رسالہ بہاء الدین (کیا طنائی سہروردی" بھی مضبوط ہے۔ یہ کرم غوریہ قلمی نسخہ مولوی شمس الدین تاجر کتب لاہور کے پاس ہے اور ڈاکٹر شمیم زیدی نے اسے دیکھا ہے یہ 13 صفحات پر مشتمل نامکمل کتابچہ ہے۔ اس رسالے میں مراحل ملوک و شرائط خلعت و مراتب مراقبت کا ذکر ہے۔²

"خلاصۃ العارفين" --- حضرت فخر بہاء الحق طنائی کے ان ملفوظات اور تقریریں پر مشتمل ہے جن کے راوی مخدوم جلال الدین بخاری، خواجہ فہد الدین کنجشکر اور خواجہ نظام الدین اولیاء ہیں۔ اس کتاب کے دس قلمی نسخے کا ذکر ڈاکٹر شمیم زیدی نے کیا ہے اور اسے موجب ذکر کے چھپوایا ہے۔³

"خلاصۃ العارفين" کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر مہر عبدالحق کے ہاں بھی ہے جس کا ذکر موصوفہ نے نہیں کیا۔ مجھے یہ نسخہ ڈاکٹر صاحب موصوفہ سے حاصل ہوا ہے۔ ڈاکٹر زیدی کے موجب کوردہ نسخے اور اس نسخے کی عبارتوں میں کہیں کہیں تغویا تغویا فرق ہے۔ یہ فرق تمام نسخے میں موجود ہے اور ان کی طرف ڈاکٹر زیدی نے حاشیہ میں اشارہ کر دیا ہے۔

خلاصۃ العارفين کا ایک نسخہ سندھ یونیورسٹی لائبریری میں بھی موجود ہے۔

1۔ مطالعہ فیائیں "الاولاد" اشاعت اویسی منطوقہ ہمیم بصر و تحفہ معصیان مدنی۔ طبرستان مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد، اسٹاک بک فاؤنڈیشن لاہور 1398ھ/1978ء میں اس کتاب کے بارے میں اکثر طالعہ نگ کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ ان کی تصنیف نہیں، ان میں جناب اسد مظاہر، ڈاکٹر مہر عبدالحق، جناب اشرف طنائی اور جناب حبیب فانی شامل ہیں۔

2۔ تصانیف کی تفصیل کیلئے مطالعہ فیائیں (الم) احوال و آثار۔ شیخ بہاء الدین (کیا طنائی و خلاصۃ العارفين

90-109 (م) تذکرہ حضرت بہاء الدین (کیا طنائی) از میر احمد زیدی، ص 269 تا 294

3۔ مطالعہ فیائیں "احوال و آثار۔ شیخ بہاء الدین (کیا طنائی و خلاصۃ العارفين" یہ تصنیف و تہذیب و

حضرت بہاء الدین زکریا کے ساتھ کچھ اشعار بھی منسوب کئے جاتے ہیں ڈاکٹر شمیم محمود زیدی نے مختلف تذکروں اور ملفوظات وغیرہ سے ان کے کچھ اشعار اکٹھے کئے ہیں جو سب کے سب فارسی زبان میں ہیں۔¹۔ منہج جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ذاتی لائبریری سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا دیوان فارسی (قلمی) دستخط ہوا ہے۔ اس کی فوٹوشاپ کاہلی میں پاس موجود ہے۔ یہ اشعار مثنوی کی صورت میں ہیں اور ان کی کل تعداد 210 ہے اس کے علاوہ ایک قصیدہ عیسیٰ زبان میں درج مدح سید المرسلین صحت خاتم النبیین بھی شامل ہے جو غالباً نامکمل ہے کیونکہ بہت مختصر ہے اور دس بارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قلمی نسخے پر کوئی تاریخ وغیرہ درج نہیں ہے اور نہ ہی کتاب کا نام لکھا ہے۔ اس کتاب کا ذکر کسی مؤرخ یا مؤلف شکار میں بھی نہیں کیا۔ تاہم اس کے ٹائٹل صفحے پر لکھا ہوا ہے کہ "اس کتاب تصنیف حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ بہاء الحق ملتانی " اس کے علاوہ جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کا دعویٰ ہے کہ یہ نسخہ ان کی دریافت ہے اور انھیں ایک دیہاتی سے دستخط ہوا ہے۔ اور واقعی فرید بہاء الحق زکریا ملتانی کے فارسی کلام کا حامل ہے ، ہمیں یہ فقرہ حاصل ہے کہ سب سے پہلے ہم اس فارسی کلام سے استفادہ کر کے اس کو سامنے لائے رہے ہیں ^{اس نام کی کتاب} اخلاقی اور تعلیمات مذہبی کی تلقین جاہجا موجود ہے۔ شہرت، طہارت، عفت، فقر، خودداری اور محبوب حقیقی کی طرف رجوع اور توجہ کا ذکر اشعار میں بار بار آتا ہے مثلاً یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے

شہت ازار و طہارت قصص	حقیقت صامتہ سخاوت حیرت
ردا عفت ترک پشاند کلاه	بدین پنج حاتمہ شوی پادشاه
ترا بادشاہی مسلم بود	جو بھساد در فقر حکم بود

(دیوان فارسی قلمی ص 1)

دوسری کی محتاجی اور دستگیری سے اجتناب، دیہشی اور قہری سلک اختیار کرنے کی صحت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق خاطر پیدا کرنے کی تلقین ان اشعار میں ملاحظہ فرمائیے

تو محتاج غیری مشو در دیار	کہ محتاج غیری نباشد بخوار
کس را کہ فقرت بود راستوار	بمیدان مردان بود شہسوار

کسی را کہ غرض بگردد تمام
بمدر سلاطین شریف مدام
توجہ بہ سوی دلآرام ہے
کہ در کج با دست آرام ہے

(دیوان فارسی طبعی، ص 2)

دنیا میں تو شر حور و ہوس کی بدولت پریشان حال رہتا ہے اسی طرح بادشاہی کا اضطراب اور بے سکون
اور دنیا کے مسائل و غمات کے ہاتھی لٹکی کے فم اور دیکھ کی داستان بھی ان اشعار میں بیان ہوئی
ہے۔

تو شر حور حیران ہو
کہ دیوار دنیا پریشان ہو
ہوائی طوکار کی کم شود
کہ ہیرانی شاز جطہ عالم ہو
تو بھی کہ شاہان چہ میران تراہ
کہ بہر ہوائی پریشان تراہند
غم ملک و آلام گنجسی کشند
کہ از صبح تا شام بچ کشند
قراری دارد کسی در جہان
کہ فم ہا پریشان کند حوزان

(دیوان فارسی طبعی، ص 4)

انسان دنیا میں آنکر ہزاری مشکلات کا سامنا کرتا ہے۔ زندگی پھلوی کی سیج نہیں کاٹی کا ہتر ہے۔
چونکہ سول رہائشی ہے گزرتا ہے اس لئے زندگی کے دیکھی اور فنی کا تجربہ اسے سب سے زیادہ ہوتا ہے۔
حضرت بہاء الحق زکھا اپنے اس تجربہ کو بھی بیان کرتے ہیں لیکن اس میں تشہیم کا رنگ شامل کر دیتے
ہیں، فرماتے ہیں

یکی آدم و صد ہزارا ہلا
ہیبتہ ہو در ہلا ہلا
بہر آدم غم بزار
کند هر دست در ہلا ہلا ہلا

۵۰ حاصل مرادش ۵۰ کامل قرار
۶۰ عمر دو کہ گود بگود غوار (ص 6)

طالع اقبال نے فرمایا

دل کی آزادی شہشاہی شکم سامان موت
ہیبتہ تیرا تیرے ہاتھی میں ہے دل یا شکم؟

حضرت فوٹ بہاد الحق شکم پروری اور شکم سیری کے مضمین کو اس طرح پاندھتے ہیں

شکم را رہا کن زبیرند ہلا
شکم را نہ دیدیم بجز اس رو
کہ مرد شکم ہر چو گاؤ خراست
نہ ہل ارتک و خوک ہم بہ تراست (م 7)
دعا کی یہ شانی ، صبح شام کی گردش تغیر کا عالمگیر نظام اور نفس امارت کی یہ حقیقت کہ
شامیں بھی اس کلام میں موجود ہیں۔

چو در صبح آمد صادق بہ شام
بیک حال ہرگز نماند دوام
شانی ندارد بیامند رو
بقانی ندارد شتاہاں رو
بشکل دھر دست آساں رو
بشکل ہیامند شتاہاں رو
چو خواب است دہا ندارد خیال
یکی را بزینت صاف جمال
چو ہدی دل خود برہنہ رہا
کہ آمد ، گہرزد صید قفا (م 8)

صوفی کے اوصاف میں سے ایک ہمدیدہ رفت قناعت اور نکل ہے۔ قناعت کا سبق صوت کے آئین اسباب سے
سے ہے۔ اس مثنوی میں قناعت کی تلقین بھی ملتی ہے ، نوٹ دیکھئے

بغیر از قناعت بگرد غوار
کہ عزت نہ بود گہں در دہار
بگہم سے اس شکت ہائیم ہاں
قناعت ہائیم بہ نعت شہاں
قناعت بصرش گنج خدا است
گر اس گنج دارد کسی پادشاہ (م 10)

قدر اور قناعت کے ساتھ ساتھ صوفی صبر و تحمل سے بھی کام لیتا ہے کیونکہ صبر کی قوت انسانی نفس کو
مجاہدے پر مائل کرتی اور اسے مشکلات کے مقابلے میں سرخرو بناتی ہے۔ قرآن اور حدیث میں صبر کی خصوصی
کو سراہا گیا ہے۔ ایک مقام پر جا کر صبر اور قدر ہم ہنی لفظ بن جاتے ہیں۔ حضرت فوٹ بہاد الحق
ملتان کے کلام میں صبر کی تعریف بھی کی گئی ہے۔

ہمہ کار بستہ کشاید ز صبر
کہ در حاجت تو ہر آمد ز صبر
ترا صبر با دوست سازد بلند
کہ صبر است نزدیک دانا ہست
صاید ترا مثل حسبل متین
کہ اللہ باشد مع الصابرین

شود در جہاں ملک حاصل ترا

اگر فکر یا صبر باشد ترا

بدین قدر فنی بہہ یابی کمال (ص 11)

ترا قدر فنی ضابطہ جمال

عشق کی عظمت کو کسی نہیں جانتا یہ جذبی کا سرتاج اور صوف کی اظہار کا فاتح ہے۔ لیکن عشق کا جام ہر مہربان کے لئے نہیں ہے اسے پہننے والے وہاں بلاغوش ہونے میں جن کے پاس ظنون بھی ہوتا ہے اور شوق بھی۔ بہار الحق ملتان جذبہ عشق کی تمام کمپٹنی سے واقف ہیں اس لئے شعر کے حوالے سے حقائق بیان کرتے ہیں۔

کہ احوال عالم، ہر چیز میں صفت

ہر عشق یاری دگر میں صفت

نہ ہر کس بدین شوق لائق تر است

نہ ہر عشق از جملہ لائق تر است

نہ ہر ہمدرد مرد خواہش شد

نہ ہر مرد در بحر غولش شد

مگر اس کہ آمد بقلب مسلم (ص 13)

بہشتی حضرت بگمرد مقیم

ظاہر ہے عاشق حقیقتہ عشق کی خوشنودی کا خواہاں رہتا ہے اور اس کے لئے ہر بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہتا ہے عاشق مادی کا سارا عنصر دراصل عشق کے وجود کا مرضی منت ہوتا ہے۔ سوائے عشق کے اس کے لئے کچھ زیبا نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جان تک اس راہ میں دے دیتا ہے لیکن یہ عشق دراصل حقیقت کا عشق ہے۔ وجود مطلق کو جاننے کا عشق ہے۔ اور یہی عشق حیرت کو اعلیٰ بنا دیتا ہے، (گہرا ملتان فرماتے ہیں۔

کہ از بہر او ہر دو عالم شکست

خدا صفت عاشق بہ عشق صفت

ہر جان دین رہ کہ شیدا ہو

ہر عشق جاندار جہ زیبا ہو

ز ادب گذشتہ بہ اعلیٰ ہو

ہر وقت عاشق بہ تقویٰ ہو

کہ عشاق در عشق مطلق ہو

ترا عشق باید کہ باحق ہو

تو کوش سعادت ز میدان ہری (ص 18)

جو چوگان عشق بدست آوری

عشق حقیقتہ ابدی ہوتا ہے اور اس کا تعلق بھی ابدیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ فانی اور فارسی چیز سے اس کا کوئی گزارا اور واسطہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ دنیا تو چل چلائی کا مقام ہے اور اس کی ہر چیز فنا

پذیر ہے، اس لئے زکریا ملتانی لجاتے ہیں۔

سفر بہار آیت بگود روں

اوقات نہ دارد کسی در جہاں

دل خود بہ فانی بہ ہستی خطاست (ص 20)

جہاں رسم دینا کہ فانی فنا ست

غرض اس مختصر سی مثنوی میں اخلاق و طہارت کے کتنے مفاسد ادا ہوئے ہیں جو احسان کی قیاس کے لئے ایک مثالی لائقہ صل پہنچتے ہیں۔ اسلوب دیباچہ سادہ، عام فہم اور روں روں ہے جیسا کہ ادھر کی مثالی سے واضح ہے۔ حیرانی اس بات پہ ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا کے ساتھ ہجڑاں، ملتانی یا اردو کا ایک بھی جملہ مشوب نہیں ہے حالانکہ ان کے ہم عصر اور دوست بابا فرید گنج شکر، حضرت جلال الدین سنہ پٹاری، حضرت راجو قتال، حضرت شمس سبزواری سب کے یہاں مثنوی اور دیسی زبان کے جملے، فقر، اقوال یا اشعار ملتے ہیں۔ دراصل اس دور کی مثنوی و ادبسی اور دیبازی و سرکاری اور تحریری زبان فارسی ہی تھی اس لئے فوت بہاء الدین زکریا ملتانی کے یہاں بھی فارسی زبان کا استحصال ملتا ہے۔

بہاء الدین زکریا ملتانی نے کافی¹ صرہائی تھی اسی نے کئی سلاطین کا زمانہ دیکھا۔ آپ نے

7 صفر 661ھ ہجری مثل اپنے حجرے میں وفات پائی۔ شمع صرہوری نے آخری فصل دیا اور ہزار جزائر

آپ کے صاحبزادے صدر الدین عارف نے پڑھائی۔ آپ کے وصال کا ذکر مؤرخین اس طرح کرتے ہیں کہ آپ حسب

1۔ خلاصۃ الاحیاء (علی) کے مطابق آپ نے سو سال کی عمر پائی کیونکہ آپ 666ھ میں پیدا ہوئے اور 666ھ میں فوت ہوئے (بحوالہ خلاصۃ الاحیاء (فارسی علی) از محدث فضل قریشی، ص 74)

2۔ سن ہجرت کی طرح آپ کے سن وفات کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ (1) میر تقی میر ص 178 (2) تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی ص 301 (3) آب کوثر ص 260 (4) تاریخ سہرورد از اصحاب الحق قزوینی ص 356 (5) اخبار الانصار ص 666، (6) مصوات مطہرہ و محبوب العارفین ص 145۔۔۔

ان سب نے مختلف طور پر سن وفات 661ھ لکھا ہے جبکہ (1) ذرعتہ الخواطر ص 234 (2) تاریخ سلطان از حکم جند، ص 73 (3) مآلات دینی و علمی (جلد اول) ص 262 (4) مدیقۃ الاولیاء ص 115

(5) مدیقۃ الاسرار فی اخبار الانصار ص 190 (6) خلاصۃ الاحیاء ص 74 اور "مدیقۃ الاولیاء ص 72

سے سن وفات 666ھ درج ہے۔ "مدیقۃ الاولیاء" مطبوعہ مولفین میں ص 72 پر تو یہ قطعہ تاریخ بھی درج ہے جو اس طرح ہے

بیر دہا ہادی دور زمان

بادشاہ دین بہاء الدین علی

عاشق صادق بگودر حیل آن

عشق حق تولید او تحریر کن

عز فتح دین بہاء الدین بخواں

شمع نور آد وصال پاک او

اور (1) مرآت الاسرار (جلد دوم) ص 141 (2) مجمع مہتابان از اولاد علی ملتانی ص 219 (3) آئین امیری، ص 207 میں 665ھ میں وفات لکھا ہوا ہے۔ تذکرہ مشائخ کرام ص 150 میں 677ھ درج ہے۔

حصول نماز ظہر کے بعد حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے باہر آپ کے صاحبزادے صدرالدین عارف خاں اور حجرہ کا جائزہ لے کر آپ کے حجرے کی طرف آ رہے تھے کہ ایک نوازی صورت بزرگ نے سبز رنگ کا سر پیمبر لٹا کر آپ کو دیتے ہوئے فرمایا اسے شیخ الاسلام کی خدمت میں پہنچا دیں۔ آپ یہ خط لے کر اندر گئے اور شیخ الاسلام کی خدمت میں یہ خط پہنچا کر باہر قاعد کو دیکھنے آئے اسے یہ خبر آپ واپس حجرہ کی طرف لوٹے تو جاری طرف سے بھی آوازیں آ رہی تھیں۔

”دوست بدوست رسید“

آپ نے گھبرا کر شیخ الاسلام کی جانب دیکھا تو آپ کا سر سجدے میں تھا اور بوجھل نفس عصری سے پرواز کر چکی تھی۔ اس واقعے کو خلاصۃ العارض میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

”بڑی پسر بزرگوار شیخ صدرالدین عارف پشویں در استادہ بود نامردی بہاد سلام داد و مکتوب مہر کردہ پسر شیخ صدرالدین داد و گفت دیں مکتوب فرمایا است کہ بدست شیخ بہاد الدین بدعید تاجنواز شیخ صدر الدین جی عنوان نامہ بشواہ عالی عالی بہکشت و گفت کہ طلب دوست آمدہ۔“

آپ کا مزار ملتان میں قلعہ پر واقع ہے اولاد علی گیلانی کے مطابق

”اپنا مقبرہ حضور نے خود تصویر کرایا تھا۔ اس قسم کی عمارت کا صورت ایک صورت مہرستان میں نظام سنی بت موجود ہے۔ 1848ء میں کی جنگ کی وجہ سے یہ عمارت بھی بے حد خستہ ہو گئی تھی۔ 1850ء میں سرکارِ عالمیہ سے درخواست کی گئی کہ مبلغ دس ہزار روپیہ اس جگہ کی مرمت کے واسطے منظور کیا جائے لیکن کابینہ نے رد فرمایا۔ آخر مقدم شاہ علی محمود صاحب کسی کوشش سے چند جمع ہوا اور شہری مرمت کرائی گئی۔“

- 1- تفصیل کتب طائیفہ فرامی (الذم) میرالعارض، ص 178 (ب) تذکرہ بہاد الدین زکیا طحانی، ص 301-302 (ج) اولیائے ملتان، ص 22 (د) فواد الفواد (فارسی) ص 221
- 2- خلاصۃ العارض فارسی (طی) ص 63 — یہی عمارت لفظی کے معنی سے قبل کے ماسد خلاصۃ العارض مرتبہ ڈاکٹر شمیم مصغری میں ص 171 پر درج ہے۔
- 3- بحوالہ ”مربع ملتان“ ص 213

(6) فرید الدین گنج شکرؒ

اسان دوستی اور محبت کے جن جذبات کو حضرت خواجہ حسین الدین اجمیری نے عام کیا تھا، بابا فرید الدین گنج شکر کی بدولت ان کی شکل ہوئی۔ وہ پہلے صوفی بزرگ ہیں جنھوں نے صوفیہ کو برصغیر میں ایک عالمی تحریک کی صورت دی اور صوفیانہ مسلک کو کسی ایک فرقے یا طائفے میں نہیں تمام طائفے اور گروہوں میں بلا امتیاز مذہب و عقیدہ عام کیا۔ خواجہ حسین الدین چشتی اور ان کے خلیفہ اول حضرت قلیب الدین بختیار کاکی کی طرح بابا فرید گنج شکر نے یہاں بھی شریعت اور طریقت میں ہم آہنگی اور میل پیدا کرنے کا رحمان غالب ہے۔ البتہ بابا فرید کے یہاں مقامی تہذیب و ثقافت کے اثرات اپنے ان دو عظیم پیر و صوفیاء کی نسبت کہیں زیادہ ہیں۔ انھوں نے ہندو مسلم ترکیبی تہذیب کو عام کرنے میں ایک خاص کردار ادا کیا۔ بقول قاضی جاوید

" ایک لحاظ سے وہ صوفی کی اس صورت کی مثال کی کرتے ہیں جسے

ہندی مسلم صوفی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ " 1

وہ برصغیر کے پہلے صوفی ہیں جن کی شہرت برصغیر پاک و ہند سے باہر بھی پہنچی۔ چنانچہ قاضی جاوید نے " فلسفے کے مسلم اوطاق اور عبادت گاہیں " کے حوالے سے لکھا ہے کہ

" فلسفے میں ایک ایسا زاویہ ہے جس کا نام بابا فرید الدین کے نام

پر ہے۔ " 2

حافظ محمود شیرانی³ اور مولوی عبدالحق⁴ نے بابا فرید کو اردو کا اور صفوح حسن شیب⁵ نے پنجابی کا پہلا شاعر قرار دیا ہے۔ بابا فرید کے اشعار خصوصی طور پر مقبول عام ہوئے۔ شیخ محمد اکرام کے مطابق " فلسفی پنجاب میں کامیاب اشاعت اسلام کرنے کے علاوہ آپ نے بڑے بڑے

1- " برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء " ص 26

2- - - - - ایضاً - - - - - ص 25

3- " پنجاب میں اردو " ص 7

4- " اردو کی ابتدائی خصوصیات میں صوفیانہ کرام کا نام " ص 11

5- " خطۂ پاک آج " ص 376

خلیق طاقی لکھتے ہیں

" زمانے جمع میں ہارمیں صدی مہسوی جگہ و بدل اور شور و ہنگامہ
کا دور تھا۔ طاقتور ترقی پزیر تھے کہ لکھ جگہ کی تلاش میں جنوب کی
طرف بڑھ کر اپنی سلطنتیں قائم کر رہے تھے جنہیں مشرق کی طرف سے
مزید دباؤ پڑتا رہا جنوب کی طرف اور بڑھ جانے پر قبیلہ کی حرکت سے
بڑی بڑی آبادیاں منتقل ہو جاتیں۔ اس طرح ہر شمار حکمران خواہاں تباہ
ہو گئے اور کئی شاہزادے گھر بار چھوڑ کر محفوظ مقامات پر پناہ گزیں
ہو گئے۔ " !

ہاما فرید کے آباؤ اجداد جو طبقہ اشرافیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس افراطیوہ کے زمانے میں ملک مقامی ہر
مہمور شہزادہ ہاما فرید کے دادا جناب طاقی شعیب، شہاب الدین غوری کے عہد میں کابل سے لاہور
تشریف لائے اور وہاں سے لاہور منتقل ہو گئے جہاں سے سلطان نے انہیں کھڑکوال کا قاضی مقرر کر دیا۔
طاقی شعیب کے تین صاحبزادے تھے جن میں سے ایک آپ کے والد جمال الدین سلطان تھے۔ آپ کے والد
سلطان محمود غزنوی کے ~~معاون~~ معاون تھے۔² ان کی شادی کھڑکوال کے شعیب و مید الدین خودی کی
صاحبزادوں ستروہ قسم سے ہوئی۔ انہی کے ہاں 569ھ / 1173ء میں ایک اسے بھی کی پیدائش

(بقیہ حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ...) رہا بعد میں والد نے شکر رکھتی رہ کر دی لیکر قدرت کی طرف
سے شکر کا اہتمام جاری رہا۔ یعنی انہیں بڑے شکر مل جاتی اس لیے ہاما فرید کا نام کنج شکر پڑ
گیا (مزید تفصیل کیلئے طالعہ فوائدی (1) سیرالاولیہ ص 74 (2) سوانح ہاما فرید الدین محمود کنج شکر ص 77
(3) تذکرہ خواجگان چشتہ ص 188 (4) اخبارالآخیر (اردو ترجمہ) ص 118-119 (5) سیرالاولیہ
ص 47-48 (6) تاریخ فرشتہ (جلد دوم) ص 338 (7) جواہر فریدی از مصطفیٰ چشتی ص 188، مطبوعہ
مکتبہ پرہیز لاہور 1301ھ۔

1- احوال و آثار۔ شیخ فرید الدین کنج شکر " حجت خلیق احمد عالمی مترجم طاقی مصطفیٰ اللہ ص 60
الحارث کنج رے لاہور سال اشاعت 1403/1983ء
2- بحوالہ (1) تذکرہ خواجگان چشتہ ص 178 (2) گلزار فریدی از مولوی گل محمد چشتی (فلی نسخہ) لاہور
مربع 1902ء

3- آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اغظای ہاما جاتا ہے (1) سوانح ہاما فرید الدین محمود کنج شکر از وحید احاط
معدوم ص 30 (مطبوعہ لاہور پہلی کثیر لاہور) (2) رحمت الشواہر ص 312 میں 569ھ لکھا ہے جبکہ
خلیق احمد عالمی نے تراجم الفوائد کے حوالے سے (93 سال عمر بتائی ہے) عمر کا حساب لگا کر ستہ پیدائش
571ھ (1175ء) بیان کیا ہے لیکن الاطوار (اردو ترجمہ) ص 131 میں بھی 1175ء درج ہے۔ اکثر رشیہ
سلطنت (اردو متن کا آثار و ارتقا ص 260) نے 580ھ بیان کی ہے اور مولوی عبدالحق (اردو کی اہدائی
شہریت میں مولانا کرام کا نام" ص 12) 569ھ درج کرتے ہیں اور تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ ص 10

ہوئی جس کا شمار آگے چل کر قریب وسطی کے عہد مشاہیر میں ہوا۔ یہ شخصیت حضرت بابا فرید الدین
 گنج شکر کی تھی۔ آپ کے والد کا جوانی میں ہی انتقال ہو گیا تھا اس لئے آپ کو ابتدائی تعلیم
 اپنی والدہ سے ملی جو کہ ایک نہایت باصلاحیت عابد و زاہد خاتون تھیں۔ آپ نے کپتوال میں گیارہ برس
 کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اسی زمانے میں آپ کی تعلیم، ذہانت اور شکی کا چرچا بھی
 شہر میں ہو گیا تھا۔ اثنا عشر برس کی عمر میں آپ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے سلطان شہنشاہ کیونکہ
 "اس زمانے میں سلطان تمام عالم کا قہر اسلام تھا اور علوم و فنون کا مرکز
 بن گیا تھا بڑے بڑے مشاہیر علماء اور بڑے بڑے نظیر فنکار یہاں موجود تھے اور
 ہر طرف طلبہ کیلئے درسگاہیں کھلی ہوئی تھیں۔" 2

سلطان میں آپ نے مولانا منہاج الدین تویذی کی مسجد میں قیام فرمایا اور ان سے کتاب "دافع" 3 پڑھی۔

پہلی اسی مسجد میں کتاب "دافع" کے مطالعے کے دوران آپ کی ملاقات حضرت قطب الدین بختیار کاکی
 سے ہوئی جو آپ سے متاثر ہوئے اور انھوں نے آپ کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیا۔ بابا صاحب

1۔ بحوالہ "سوانح حضرت بابا فرید الدین گنج شکر" از وحید سعید، ص 35، مطبوعہ رضا پبلی کیشنز
 لاہور، 1981ء

2۔ بحوالہ "سیرالاولیاء" تالیف سید محمد بن مبارک کونانی، مترجم غلام احمد بیہاں، ص 67، الکتاب، گج
 بخش روڈ لاہور، سال اشاعت 1982ء

3۔ حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) ذریعۃ الخواطر، ص 312 (2) پنجاب کے سولی دانشور، از فاضل جاوید
 ص 45، مطبوعہ شیخ غلام طری ایڈیٹر طبع اول 1979ء، لاہور (3) سید العارفین، ص 48 (4) تذکرہ خواجگان چشت
 ص 87

4۔ قطب الدین بختیار کاکی سے آپ کی ملاقات اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ ایک دن آپ مسجد میں
 تشہیت لے گئے وہاں دیکھا کہ جناب گنج شکر صاحب کتاب پڑھ رہے ہیں۔ پوچھا مولانا کونسی کتاب ہے؟
 بابا صاحب نے فرمایا یہ "دافع" ہے خواجہ صاحب نے فرمایا "خدا کرے تمہیں اس سے طبع حاصل ہو، بابا

صاحب نے فرمایا اس کتاب سے تو نہیں الگ مجھے آپ سے نہیں پہچنے گا۔ اس واقعہ کو بڑے اقطاب، ص 38
 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ ".... حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر بڑے تحصیل علوم و علوم بھٹان آئے و

در مسجد مولانا منہاج الدین تویذی قرار گرفت رہے مسجد مذکورہ بطلان کتاب "دافع" کے در علم سے لے
 مشغول ہو کر یکایک حضرت خواجہ قطب الدین از اوش مدبران مسجد روڈ خودیہ کے جوانی شکر و
 پاکیزہ روح بطلان کتاب مشغول ہوئے اچھاں چہ میخوانی فی القلم خودیہ و دفع گفت حدیثی کے آئیں بتو

نہیں خواجہ خودیہ فرموداشت کرد کہ مرا بھی ازگاہ گرم حضرت شیخ خواجہ خودیہ میں در بگفت و بفرمادت
 و دریا افتاد و حشد

پہلی واقعہ مقتضب موقوف شہت فارسی (قلمی) میں بھی لکھا ہے ".... خواجہ قطب صاحب بابا صاحب را
 در بھٹان دیدہ خودیہ خودیہ کہ بھٹاں ای ماں در بھٹاں چہ می خوانی؟ بابا صاحب کتاب دفع فرمودہ
 کہ دفع باب باشی۔" (بحوالہ مقتضب موقوف شہت فارسی (قلمی) مرتبہ یار محمد بن حضرت خواجہ تاج محمود چشتی
 پاکستان شہت، جناب اسد مظاہر کی زانی لاہوری سے استفادہ کیا گیا۔)

نے خواجہ بختیار کاکی کے ساتھ جانا چاہا لیکن انہوں نے رُک دیا اور فرمایا کہ پہلے اپنی تعلیم مکمل کرو کیونکہ

"راہد بر علم سفرہ شیطان ہوتا ہے تم پر واجب ہے کہ پہلے علم حاصل کرو۔" 1

کچھ عرصہ کے بعد آپ ملتان سے قندھار تشریف لے گئے اور وہاں پانچ برس تک مسلسل عبادت و ریاضت میں مصروف رہے اور اپنے عہد کے مروجہ ظاہری علوم کی تعلیم حاصل کی پھر دہلی میں قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ان کی باقاعدہ طور پر بہت کریں۔ جس وقت بختیار کاکی نے بہت سے سربراہ فرمایا اس وقت وہاں نامور مشائخ مودود دہلوی، قاسمی، حمید الدین داکوئی، مولانا غلام الدین کرمانی، مولانا شمس الدین ترک، خواجہ محمود موصیٰ شیخ نظام الدین ابوالوفاء شامل ہیں۔ بابا صاحب کا شمار قطب الدین بختیار کاکی کے بہترین خلفاء میں سے ہوتا ہے کہ جن کو دیکھ کر خواجہ عین الدین اجمیری نے فرمایا تھا کہ

"بابا بختیار! آپ ایک ایسے عظیم شہباز کو دام میں لائے ہیں جو سدرتہ العتیں سے وہ کہیں شکاکہ نہیں کریں گا، فرید ایک شمع ہے جس سے درخششی کا سلسلہ روشن ہو گا۔" 2

قطب الدین بختیار کاکی نے بابا فرید کو چلہ عکوں کا حکم دیا تو بابا صاحب اسی جگہ تلاش کرنے لگے

جہاں ان کی شہرت ہو اور کسی کو پتہ بھی نہ چلے چنانچہ اویہ میں "حاج" یا "حج" کی جامع

(گذشتہ سے پہلے حاشیہ حوالے کیلئے دیکھئے (1) احوال و آثار شیخ فرید الدین گنج شکر ص 51

(2) سیرالاولیاء ص 67 (3) پنجاب کے صوفی دانشور ص 45 (4) دلی کے بابائیں خواجہ ص 30

(5) سیرالعارفین ص 48 (6) تذکرہ خواجگان چشت ص 188 (7) تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی

ص 136 (8) تذکرہ مشائخ کرام ص 41

1- بحوالہ (الم) پنجاب کے صوفی دانشور از قاسمی جلد ص 45 (ب) تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی

2- اصل عبارت یہ ہے "بابا بختیار شہباز عظیم بقید آوردہ کہ جزوہ سدرتہ العتیں آشیان شکر۔۔۔ این

فرید شخصیت کا خاندانہ درخشاں بخور سازد" تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) سیرالعارفین ص 23

(2) احوال و آثار شیخ فرید الدین سعد گنج شکر ص 59 (3) سیرالاولیاء ص 78 (4) پنجاب کے صوفی دانشور ص 30

3- قاسمی جہاد چلہ عکوں کو عبادت اور ریاضت کا عہد و امان طہرہ قرار دیتے ہیں (ملاحظہ فرمائیے "بوصیر

میں مسلم لکچر کا اہتمام" ص 26

اسی طرح شیخ عبدالحق محدث کا بیان ہے کہ

" یہاں (اجوہن) کے باشندے تھکوا، ظاہر ہوتا اور خاص کر قصی اور
درویشی کے دشمن تھے، آپ نے اس جگہ پہنچ کر فرمایا کہ یہ مقام میرے رہنے
کے مناسب ہے چنانچہ وہیں رہنے لگے۔ " ۱

اجودہ کی کا علاقہ اگودہ تھا تو مسلمانوں کے قبضے میں لیکن یہاں ہندوؤں کی آبادی بھی کثرت سے تھی۔
 تاجی جاوید امین الدین (صفت تذکرہ ملی جھڑی) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

”اس زمانے میں ہدف کا خاص علاقہ تھا جہاں ہدف کا مشہور راج
جوئی رہتا تھا، جس کا نام سہمو ناتھ تھا۔ ہدف ہر اس کا بڑا اثر
و رسوخ تھا۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مرشد گرامی نے ہدایت خلق
اور تبلیغ اسلام کی خاص طور پر ہدایت فرمائی تھی۔ اس لئے آپ نے ہدف
کے اس علاقہ کو اپنی تبلیغ و ہدایت کا مرکز بنایا تاکہ کلر کی تائیکھی کہو
اسلام کی ضیا ماری سے متور کہیں۔ چنانچہ آپ کی ساری سے اس علاقہ کی
کایا پلٹ گئی۔ ہدف و جوق در جوق اسلام قبول کر کے آپ کے حلقہ ارادت
میں شامل ہونے لگے۔ سہمو ناتھ بھی اسلام قبول کر کے درجہ ولایت کو
پہنچا۔ — 2

یاما صاحب نے احمدی میں صوفیہ روایات کے مطابق ایک جماعت غامہ قائم کیا اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اس جماعت غامہ کے بارے میں قاضی جاوید کا بیان ہے کہ

”اس کو ایسی غلط فہم قرار نہیں دینا چاہئے جس میں خارجی ماحول سے مطابقت اختیار کرنے میں ناکام رہنے والے مجہول افراد ہٹا لئے تھے۔ اصل یہ ہے کہ یہ جماعت غلط اس ساجی، عاقلی نظریہ اور آدرش کی تجسیم تھا جس کا پیہر چشتی روحاً کرتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ ایک فعال اور تخلیقی مرکز تھا۔ انہی وسطیٰ کے ہر طور میں جب کہ ساجی تقسیم پر بہت زیادہ زور دیا جاتا تھا اور اس قسم کے صحافت مراکز اسی دوستی

1- بحوالہ " انبیاء الاعیار " از شیخ عبدالحق محدث دہلوی مترجمی مولانا سید حامی محمود صاحب دارالعلوم، مولانا محمد ثاقب صاحب دارالعلوم، ص 117 مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی

2- بحوالہ " پنجاب کے صوفی دانشور " ص 53

کے آدرش کو ہر روز رکھنے کا واحد ذریعہ رہ گئے تھے۔۔۔ " 1

بابا فرید کے قائم کردہ جماعت خانے کا دروازہ ہر شخص کے لئے دن رات کھلا رہتا تھا۔

" بابا صاحب ہر شخص سے اس کی صلاحیت اور سمجھ کے مطابق گفتگو فرماتے

تھے۔ امیر و غریب کا ان کے یہاں کوئی امتیاز نہ تھا۔ ہر شخص آئے والے سے

اس طرح ملنے تھے گویا ہمیشہ کا آشنا ہے۔ ظاہر و باطن ہی ہم آہنگ

حیثیت اختیار تھی۔۔۔ " 2

گلزار فریدی میں لکھا ہے

" خواجہ گنج شکر صاحب فقیر دلپذیر و بیان بخالی و کلام و فصیح و بلیغ

داشت۔۔۔۔۔ " 3

آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا اس لئے کوئی بھی مشکل مسئلہ ہو آپ پر سادہ سے لفظوں میں آسانی کے

ساتھ سمجھا دیتے تھے۔ بابا صاحب نے اپنے دور کے مروجہ ہر قسم کے علوم حاصل کئے تھے۔ حتیٰ مشکل

کتابیں بھی سب کو پڑھا ہوا تھا معمول تعلیم کی خاطر انھوں نے بغداد اور خراسان کا سفر بھی

اختیار کیا تھا۔ پھر لاسی کے مطابق

" یہ بات طبیعی ہے کہ شیخ فرید ظاہری و باطنی علوم انسانی کے عقلی

دورے کے بعد طرح مالک تھے کیونکہ انھوں نے علم دین ہی مکمل اور بھاری

تعلیم حاصل کی تھی۔۔۔۔۔ " 4

بابا فرید نے قرآن مجید کا عمومی مطالعہ کیا تھا۔ اس کے بارے میں آپ کا علم غیر معمولی تھا۔ 5 صرف

خود مطالعہ کیا تھا بلکہ انھیں کو بھی پڑھایا تھا۔ فرقت القوافل میں ہے کہ

" حضرت نظام الدین اولیاء نے آپ سے قرآن مجید کے چند پارے پڑھے اور

کتاب القوافل کا کچھ حصہ سنایا۔ پڑھا۔ 5 اور شیخ عبدالکبیر سانی نے

1- بحوالہ " ہدایہ کے صوفی دانشور " ص 34

2- بحوالہ " تاریخ مشائخ چشت " از خلیل احمد نظامی، ص 61 3- گلزار فریدی (قلمی صفحہ) ص 28

4- " بابا فرید الدین گنج شکر " از جعفر قاسمی (اردو ترجمہ از طاہر اسد) ص 12 مطبوعہ العارف لاہور

5- فوائد القوافل میں حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں

" میں نے شیخ کبیر لدس اللہ سرہ العزیز سے جو کچھ سنا ہے پڑھے تھے اس کے علاوہ ان سے

تھی کتابیں اور پڑھی ہیں۔۔۔۔۔ " (باقی حاشیہ الگ صفحہ پر)۔۔۔

ہایا صاحب کو صوفیہ علم سے بھی کافی دلچسپی تھی کہا جاتا ہے کہ آپ شیخ شہاب الدین مجددی کی "عوارف العارفین" کے مطالعے کو ہر اس درجہ کیلئے لازم خیال کرتے تھے جسے اس کا مؤید خلافت دینا چاہتا تھا۔ خلیفہ احمد نظامی نے خیال میں برصغیر میں سب سے پہلے ہایا صاحب نے ہی اس کتاب کے مطالعے کو رواج دیا اور صوفیہ صاحب میں شامل کیا۔² شیخ نظام الدین اولیاء، حضرت ہایا سے "عوارف العارفین" پڑھتے کا ذکر اس کرتے ہیں

"میں نے عوارف کے ہایا ابواب شیخ کبیر فہید الدین رحمہ اللہ سے العزیز سے پڑھے۔ ہر ازاں ارشاد ہوا کہ آپ عوارف کے نکات اس طرح بیان کرتے تھے کہ کسی اور سے ایسا ہی نہ پڑے گا۔۔۔" 3

ہایا فہید الدین کچھ شکر کے طغیانات کے دو تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں ان میں سے ایک کا نام "راحت القلوب" ہے جس کو شیخ الشافعی خواجہ نظام الدین اولیاء نے تصوف کیا جاتا ہے۔ دوسرے مجموعے کا نام "اسرار الاولیاء" ہے۔ جسے حضرت خواجہ بدرد الدین اسحاق نے مرتب کیا۔ ہایا صاحب کی شاعری جو

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ ... (بحوالہ فواد الفواد (اردو) طغیانات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء مرتبہ امیر حسن طہار سجدی ترجمہ پروفیسر محمد سرور، ص 320، مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، طبع اول 1393ھ / 1973ء)۔

1- بحوالہ "رحمۃ القواطع و بیعتہ الطامع و القواطع" (مجموعہ اول) مولانا سید عبدالحمید بھٹوی لکھنؤ منجم ابو یحییٰ امام شاہ نوشہری، ص 313، مطبوعہ ضیاء الہدیٰ، محکمہ اوقاف لاہور، طبع اول 1983ء مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) احوال و آثار شیخ فہید الدین مجددی کچھ شکر، ص 170 تا 173 (2) آب کوثر، ص 223

2- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "احوال و آثار" شیخ فہید الدین مجددی کچھ شکر، ص 172

3- بحوالہ "فواد الفواد (اردو ترجمہ) ص 174

4- رؤفہ اصحاب میں ص 49 کے مطابق شیخ نظام الدین اولیاء اپنے آپ کو حضرت شیخ فہید الدین کچھ شکر کا خلیفہ اکبر کہتے تھے، الفاظ یہ ہیں ".... درصاحب خود ضبط بیضاید در مہد و خلیفہ اکبر حضرت شیخ فہید الدین کچھ شکر است۔۔۔"

حدیقۃ الاولیاء، ص 36 میں بھی یہی لکھا ہے کہ "یہ حضرت مولانا خلیفہ شیخ فہید الدین کچھ شکر ہایا وشی کے تھے۔۔۔" (بحوالہ حدیقۃ الاولیاء از غلام سرور لاہوری، ص 36، مطبعہ نوکثر 1956ء)

5- یہ کتاب طبع نامی عشق نوکثر کامیور نے شافعی کی تھی اس کا ایک نسخہ مجھے جناب اسد نظامی کی لائبریری سے ملا۔ یہ چھٹا ایڈیشن ہے جو مارچ 1917ء میں طبع ہوا، یہ فارسی زبان میں ہے جیسا کہ اس نسخے کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ کتاب تارالحمود تھی یہ کتاب چھوڑی (94) صفحات پر مشتمل ہے اور

اشکوں پر مشتمل ہے۔ مکھی کی مشہور زمانہ فوہبی کتاب "او گرہہ" میں ملتی ہے۔ ان تمام طفولیات پر شبہ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ لیکن ان طفولیات کے معرجات کے حوالے بابا فرید گنج شکر پر لکھی گئی کم و بیش تمام کتابیں میں ملتے ہیں۔ مجھے جناب حبیب طاق کی لائبریری سے بابا فرید گنج شکر کے طفولیات ہی میں ایسا قلمی نسخہ بعنوان "گنج الاسرار" دستیاب ہوا ہے جو 15 جمادی الثانی 1277ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کی چار فصلیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے

(1) در معرفت صنع دل

(2) در پاس اطلس

(3) در شرح طاعت دل

(4) در اظہار وحدانیت و آفیش حضرت آدم

یہ رسالہ 22 صفحات پر مشتمل ہے اور غلط دستخط کے پختہ غلط میں لکھا گیا ہے۔ پہلے عنوان کے تحت معرفت صنع دل میں قرآن کی اس آیت کے حوالے سے قلب میں کی صحت اور بزرگی بیان کی ہے

کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى قَلْبُ الْمَوْءِدِ أَكْبَرُ مِنْ الصُّلْحِ وَ الْوَسْعِ مِنَ الْكِبَرِ

اس کے بعد لکھا ہے کہ "مراد ازین عظمت و بزرگی قلب میں است کہ مثل الہی و اسرار الہی و معرفت ذکر الہی و دست سوال اگر گو یہ کہ دل ہمارے گوشت است بدین فراخی کہ در آسمان و در زمیں ہا است چگو در صوت یہ در جواب گفتہ ادر مراد از وسعت صلاح و راستی است ہر گاہ کہ دل میں در صلاح اید از زمیں و آسمان وسع تر است۔ (ص 2 و 3)

اس طرح در پاس اطلس کے اسی سے ذکر و فکر کو غیری قرار دیا ہے اور ذکر جلی سے باطن کی پاکیزگی بیان کی ہے۔ دل کے اندر سات پہلو بیان کئے گئے ہیں۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے "گوہر اول ذکر است دوم گوہر صحت است سوم گوہر عشق چہارم گوہر سر است پنجم گوہر روح است ششم گوہر

- 1- اغتافی بحث کھلتے مطالعہ فرمائیے (1) احوال و آثار - شیخ فیدالدین سعد گنج شکر از خلیق احمد نظامی، ص 233 تا 239 (2) "بابا فرید گنج شکر ابراہیم اور فرید ثانی (ضمیمہ) از ڈاکٹر موصی سعد دیوانہ، مطبوعہ انجمن تالیف میگزین جلد 14 شماره 20، عدد مسلسل 52 - فروری 1938ء ص 78
- (3) ہرچیز میں سلم فکر کا ارتداد 28-29 (4) آب کوثر 223-224 (5) پنجاب کے صوفی دانشور 58-59 (6) گلزار فریدی (قلمی نسخہ) فارسی، ص 5

عرفت است عظم گوهر قرار است دل را بسبب این گوهر ہا گنج گفته آمد " (ص 10)

تیسری فصل در شرح ماہیت دل میں سالک کے لئے ذکر ہے، ذکر خفی کی کثرت کو ضروری قرار دیا گیا ہے جس کی بدولت یہ سات گوہر جن کا ذکر دوسری فصل میں کیا گیا ہے۔ روشن ہو جاتے ہیں۔ اور پھر سالک سوائے حق کے کچھ پسند نہیں کرتا۔ سوائے حق کے کچھ نہیں کہتا اور سوائے حق کے کچھ نہیں کرتا ۔ " (ص 14، 15)

فصل چہارم کی تشریح کرتے ہوئے یہ حدیث درج کی گئی ہے

قال الربی صلی اللہ علیہ وسلم انا من نور اللہ تعالیٰ والمؤمن من نور

قال اللہ تعالیٰ نور السموات والارض ان منور ہا وہادی اصلہا (ص 15)

اس کے بعد تخلص آدم کا واقعہ بیان کیا ہے۔ طائف کے صدر، انیس کی پچھلی سورت میں اس کی نہایت وضیرہ کا ذکر موجود ہے۔ آخر میں آدم کی آفرینش کا قصہ وحدانیت کا اظہار قرار دیا ہے۔ (ص 16 تا 22)

اردو زبان کی بڑی ابتدائی تشکیلات و تصنیف کے دور میں جس سولہام کا نام آتا ہے ان میں حضرت

بابا فرید سرفہرست ہیں۔ ان کے ساتھ صرف جملے اور فقرے منسوب ہیں بلکہ شعر و شاعری کا ایک اچھا

خاصہ ذخیرہ بھی ان کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے۔ یہ شاعری اس زبان میں ہے جو اس دور میں مقبول تھی

اور عوامی زبان سمجھی جاتی تھی۔ اس زبان کو جو نام بھی دیا جائے بہر حال اس میں ملتان، پنجابی

اور ہندی کے الفاظ کثرت سے موجود ہیں اور اس بات کا ثبوت میں کہ اردو کی ابتدائی کیفیت میں ان

زبانوں کو کتنا گہرا دخل رہا ہے۔ بابا صاحب کے جملوں اور شاعری کے نمونوں کو اردو، سرائیکی اور

پنجابی شاعری کے ارتقا اور اردو زبان کی ابتدائی نشو و نما کے سلسلے میں تاریخی تھم حاصل ہے۔ اور

کم و بیش تمام ماہرین لسانیات نے اپنے کتابی اور منامی میں بابا فرید کے جملوں اور شاعری کی مثالیں

درج کی ہیں۔ ان میں سے کچھ اہم مثالیں یہ ہیں۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا

1۔ طاحنک فریادے (1) پنجاب میں اردو از حافظ محمود شیرانی، ص 299 تا 302 (2) تاریخ ادب اردو

(جلد اول) از دکتر جلیل جالبی، ص 36 (3) اردو کی ابتدائی ششویا میں سولہائے کرام کا کام، ص 3-5

(4) ملتان زبان اور اس کا تعلق اردو کے ساتھ، ص 325-328 (5) اردو شعر کا آغاز و ارتقا از

دکتر رفیعہ سلطانہ، ص 26-33 (6) سیرالاولیاء، ص 182-185

(104)

"بھئی کا چاہ ہالا ہوتا ہے" 1

خواجہ بہتیار کاکی کے استعارہ پر فرمایا

آہستہ آہی ہر :

ہایا فرید سر سے کے مقام پر ایک منزل کے مزار پر جایا کرتے تھے اسے میں ہی کسی موقع پر فرمایا

"سر سے کبھی سر سے کبھی سر سے" 3

ایک دفعہ ایک مرید نے ہایا فرید سے قل کا مقام دریافت کیا تو فرمایا

"بچ سر کے" 4

اسی طرح فرمایا

"ایک دو تیس چار پنج چھ ہفت" 5

پھر فرمایا

"غواہ کھو کھواہ غواہ دو کھواہ" 6

وحید احمد صفحہ لکھتے ہیں

"بہر حال دتر کے اب جہت قلبی سے امدادہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت والا

کا مذاں میں درہلک تھا اور شعلی کتنی تھی۔ اس سے قاس کیا جا

سکتا ہے کہ وہ اردو کے حصار آؤں تھے اور ساتویں صدی میں یہ زبان اپنے

استعاری حدود و خال شایاں کر چکی تھی۔" 7

اسی طرح بہت سے اشعار اور کافیاں بھی ہایا فرید سے منسوب کی جاتی ہیں جن کا ڈاکٹر میر

عبدالحمید سے مدحیہ "گلزار فریدی" (طوبی) کا ثانی ہے۔ طبیعت صنفہ دستاویز ہوا ہے۔ میں اس کتاب

سے کچھ مثالیں دیں کرتی ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت ہایا فرید نے ایک کٹھن میں

1۔ بحوالہ 1) اردو کی ابتدائی شیعہ میں صوفیائے کرام کا کام، ص 10 (2) پنجاب میں اردو ص 30

(3) اردو دتر کا آغاز و ارتقاء ص 27 (4) جواہر فریدی از امیر علی چشتی ص 272، طبیعت و کثرت یہی

پہرہ لاہور 1301ھ

2۔ "اردو دتر کا آغاز و ارتقاء" ص 27 3۔ بحوالہ "پنجاب میں اردو" ص 301

4۔ بحوالہ "اردو دتر کا آغاز و ارتقاء" ص 29

5۔ بحوالہ جواہر فریدی از امیر علی چشتی ص 281، طبیعت و کثرت یہی لاہور 1301ھ

چلے سکوں کٹا تھا۔ اسی دوران میں ایک کوا آپ کے جسم پر آ بیٹھا اور چونچیں مارنے لگا۔ آپ نے منع نہ کیا لیکن جب کہے گئے ان کی آنکھ پر چونچ ماری تو آپ نے فرمایا۔¹

کاشوا کرتا ٹھیند ہاں سب چن کھاٹو ماسس

ایہہ دو عیس مت کھاٹو ملن دی ہاسے آس

(یعنی اے کھ ! تو (سیرا) بدن کو کاشٹے ہوئے میرا سارا گوشت چن چن کر کھا لو لیکن میری ان دو آنکھیں گوشت کھانا نہ مجھے (دوست سے) ملن کی آس ہے۔)

روایت ہے کہ آپ لامبور سے روانہ ہو کر اچوہن (پاک پتن) پہنچے تو آپ نے اس جگہ کو

پست فرمایا حالانکہ وہاں کے لوگ تا قدر شناس اور بد ذوق و بد مزاج تھے چنانچہ آپ نے فرمایا

فریدا اتھاں تھے جتھاں وین اٹھے

تھ کو سا کوں جانے تھ کوسا کوں تھے 2

(یعنی اے فریدا ! وہاں رہنا چاہتے جہاں ادمے رہتے ہو تاکہ نہ کوئی جس جاں سکے اور نہ ہی کوئی ہم کو مان سکے۔)

اس طرح کہا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی کا حصول تھا کہ وہ ہر سال

ہایا فرید کو تھلے کے ظہر پر گاجیوں بھیجا کرتے تھے جبکہ ہایا فرید انھیں پیر بھیجواتے تھے۔ یہ سلسلہ کل

سال تک جاری رہا۔ ایک سال زکریا ملتانی نے گاجیوں کو بھیجوائیں تو ہایا نے بھی پیر کو بھیجوائے چنانچہ

زکریا ملتانی نے شکایت کی تو اس نے جواب میں ہایا فرید نے فرمایا

1۔ اس واقعہ کی اصل عبارت یہی ہے " تھ است کہ بھڑ زاع بدن مارک در چاہے کہ آہزاں بودھے

کھدہ ۔ شیخ متعظر بود تابه بہ جتھاں مظار زن آغاز تباد شیخ فرود۔۔۔ " (گلزار فرید ص 8)

2۔ بحوالہ " گلزار فرید " ص 28

3۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی اور ہایا گنج شکر کے درمیان مواصلت اور محبت کا رشتہ قائم تھا۔ مولانا

نور احمد خان فریدی کے مطابق " سالہا سال تک دونوں نے یکجا بسر کئے اور سفر و حضر میں ایک دوسرے

کے شہک حال رہے۔ ان کا باہمی اغلاق دھاری راہ و رسم سے زیادہ الوداد تھا۔۔۔ "

(ملاحظہ فرمائیے " تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی " ص 141)

فریدا من پھارا پا دا مت چلی ہو جائے

کمالا بن دے جائدا سر ہی من کھائے (ص 40)
ماول

رکھی کھس کھائے کے لھندا ہاسی ہو

فریدا دیکھ ہواں جو ہاں تہ ترائی ہو (ص 41)

فریدا کوشے مڈپ مایاں اشار دے ہی گئی

کھڑا ہوا کر گئے کھس جا بچے (ص 44)
(ماول)

فریدا کوشے مڈپ مایاں ایت دے تائے چت

کھس ہی اتھو کوں دے ہوئی ہست (ص 50)

فریدا کالہ مڈپ کھن کالا مھندا

پھس

کھن پھرا من پھراں لٹوک کھس دیوہن
(کھائی ہے) (ص 58)

فریدا من دسی مارے منج کر شے کر کے کھت

پھس خزانے رب دے جو ہواں ہو لٹ (ص 77)

کالا کھول ڈھنڈھو لہا کھلا کھلا ماسی

ایسے دلی کھس مت چھو ہو پر دیکھی کر گئی
(ص 84)
کھایو چاں

کالا مہ تر کھائی ہی ہی چن کھائی ماس

دو من مت کھائی ہو پھر کھس کی گئی
(ص 100)
(خاچہ)

کھن فریدا سو پھو سو لالہ کھس

کھس چلی ڈھنڈا ایت ہی ڈھنڈا کھس (ص 180)

(پاچن)

فنی لطیفہ میں شاعری کے طاوہ موسیقی سے ان کو خاموشی سے سنا۔ سماع میں ان کی دلچسپی

شرب النسل ہیں چکی تھی اس سلسلے میں کئی ایک روایات مشہور ہیں، اخبار الاخبار میں لکھا ہے

" ایک محل میں بابا فرید الدین گنج شکر بھی موجود تھے اور لوگ سماع

کے جواز اور عدم جواز کے متعلق علمائے کرام کے اعتقاد کا ذکر کر رہے تھے

ان لوگوں کی تمام تر گفتگو سنیے کے بعد آپ نے فرمایا، سبحان اللہ ایک

حل کر رکھا ہو چکا ہے اور دوسرے ابھی تک اختلافات میں پٹے ہوئے ہیں۔ " 1

ایک موقع پر فرمایا ہے

" اہل سماع وہ گروہ ہے کہ جب وہ سماع اور تمیز میں مشغول ہوتے

تھے اس وقت لاکھ تلوار بھی اس کے سر پر مار دی جائے تو انہیں خبر

نہیں ہوتی۔۔۔ " 2

بابا فرید سے یہ نقل بھی منسوب ہے کہ

" رحمت ماری تعالیٰ کا قول تھا مواقع پر ہوتا ہے ان میں سے ایک سماع

دوسرا روضہ کے احوال بیان کرنے کا موقع اور تیسرا عاشق کے انوار تجلی

کے عالم میں لپک ہو جانے کا موقع ہے۔ " 3

بابا فرید گنج شکر کے سن و سال کے بارے میں اختلاف موجود ہے۔

حدیث الاولیاء ص 77، حررۃ الخواطر، ص 316، سیر الاولیاء، ص 81، سفینۃ الاولیاء، ص 33

اور احوال و آثار شیخ فرید الدین گنج شکر، ص 123، فضائل مطہرہ و محبوب الفاروق، ص 144

مطابق 5 محرم 664ھ (15 اکتوبر 1265ء) ہے۔ سوانح حضرت فرید الدین گنج شکر، ص 181

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ ...) یہی دکان کنیری بازار لاہور یکم مئی 1927ء مطابق 27 شوال 1345ھ
میں جامعہ محمدیہ میں ایک صفت " سرائیکی شاعری " میں بابا فرید کی شاعری کے کچھ نسخے درج کئے
ہیں جو شلوک بابا فرید سے لئے گئے ہیں (ملاحظہ فرمائیے " سرائیکی شاعری " مطبوعہ مزم شاعرات، ملتان
طبع اول 1969ء)

1- بحوالہ " اخبار الاخبار " ص 122

2- راحت الطوب، مرتبہ حضرت خواجہ غلام الدین متوکل علی اللہ فی تعالیٰ محدثی، ص 22

مطبوعہ اللہ والے یہی دکان، کنیری بازار لاہور

3- بحوالہ " پنجاب کے سولی دانشور " از لافی جاوید، ص 72

5 محرم 661ھ (1265ء) درج ہے۔ اخبارالاخبار ، ص 123 کے مطابق 5 محرم 665ھ تذکرہ خواجگان جنت، ص 198 میں 5 محرم بروز سہ شنبہ 669ھ اور تذکرہ مشائخ کرام ، ص 67 پر 679ھ مرقوم ہے۔ لیکن 5 محرم 664ھ صحیح تاریخ وقات ہے کیونکہ ڈاکٹر فقیر محمد کی تحقیق کے مطابق یہی تاریخ درست ہے۔ 1۔

(7) مقدم عبدالرشید حقانی

سلسلہ علمی قادریہ کے ایک نامور مولیٰ بزرگ مقدم عبدالرشید حقانی ہیں جو بہار الدین زکریا کے ہم عصر اور ہم زاد تھے ان کے سن ولادت کا پتہ نہیں چلتا ۔ نور احمد فریدی کے مطابق " حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت کو تین سال گزیر تھے کہ اس خاندان کے مطلع پر شہرت و طریقت کے ایک اور آفتاب نے طلوع کیا۔ یعنی شیخ احمد فاضل کے مشہور مقلیٰ میں حضرت مقدم عبدالرشید تولد ہوئے۔ " 2

حضرت مقدم عبدالرشید حقانی کے خدایند حضرت ہمایوں اسود احمدی قریشی حضور اکرم کے صحابی تھے۔ جو فتح مکہ کے موقع پر سلاطین ہوئے۔ آپ حضرت خدیجہ کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ انہیں صحابی کی خصل کے ایک ممتاز شاخ تاج الدین محمود فرزندی کے ساتھ ملتان آئے اور سر زمین ملتان کے ایک مکتوبہ طائف کے حاکم مقرر ہوئے۔ ان کی پانچویں خصل سے ایک بزرگ حضرت کمال الدین کے یہاں دو بیٹے شیخ احمد

1۔ بحوالہ " تاریخ ادبیات سلطانی ہاک و حد " جلد 13 ، ص 256 مرتبہ سید فیاض محمود ، مطبوعہ پشاور یونیورسٹی ، لاہور ۔

2۔ بحوالہ " تذکرہ بہار الدین زکریا ملتانی " ص 41

نور احمد فریدی کے مطابق بہار الدین زکریا کا سن ولادت 566ھ ہے اور عبدالرشید حقانی ان کے تین سال بعد پیدا ہوئے۔ اس طرح آپ کا سن ولادت 569ھ بتا ہے جس کا ذکر کسی اور مورخ نے نہیں کیا لیکن میری پاس خلاصۃ الاحیاء کے قلمی نسخے کی فوٹو کاپ موجود ہے جو میں نے مقدم عبدالرشید حقانی کے سجادہ نشینی سے حاصل کیا۔ اس کے صفحہ نمبر 5 پر لکھا ہے کہ جب حضرت فوت بہار الحق کے والد فوت ہوئے تو آپ کی عمر بارہ بچا ہوں کی تھی۔ آپ کے والد کی ولادت 590ھ میں ہوئی۔ حضرت عبدالرشید حقانی اس وقت 9 برس کے تھے اس لحاظ سے آپ کی پیدائش 581ھ میں ہوئی۔ (بحوالہ خلاصۃ الاحیاء از محد افضل اسدی ، ص 5 -- میری تعمول میں ہے۔) منبع البرکات (قلمی) میں بھی یہی لکھا ہے کہ کہ " _____

آن وقت در عمر حضرت شیخ بہار الدین دو ارشدہ سالفین در عمر مقدم عبدالرشید 5 سالہ بودہ " (منبع البرکات (تذکرہ خلاصہ) فارسی قلمی نسخہ از مولف شیخ شرف الدین قریشی ، ص 25 ، میری تعمول میں ہے۔)

اور شیخ محمد پیدا ہوئے۔ شیخ احمد کے یہاں حضرت مقدم عبدالرشید اور شیخ محمد کے گھر حضرت بہاء الدین زکریا تولد ہوئے۔ اس مقدم کے حروف طعنا، مشائخ اور فقہاء سے تعلیم حاصل کی اور بہت جلد بزرگی کے درجے پر پہنچے۔

آپ پہلے کوٹ کرڑ میں رہتے تھے جن دنوں بہاء الدین زکریا حصولِ علم کی خاطر سفر پر نکلے تھے آپ نے اس موقع سے پہلے کوٹ کرڑ میں قیام فرمایا پھر ملتان تشریف لے آئے اور قلعہ میں اس مقام پر قیام فرمایا جہاں اب بہاء الدین زکریا کا مزار ہے۔ ملتان میں آپ کے علم و رشد کا شہرہ دور دور تک ہوا اور لوگ آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔ تقیماً¹ 615ھ کے اوائل میں بہاء الدین زکریا ملتان واپس آئے۔ بہاء الدین زکریا کے ملتان واپس آنے کے کچھ عرصہ بعد آپ نے والد کی وصیت کے مطابق اپنی ہمشیرہ رشیدہ² خاتون کی شادی بہاء الدین زکریا سے کی اور بہاء الدین کی جتنی جائیداد تھی سب آپ کے حوالے کی اور ان سے حرم صوفیہ حائے کی اجازت طلب کی اور سات ساتھیوں کے ہمراہ مزید علم حاصل کرنے کے لیے حرم کی طرف روانہ ہوئے راستے میں شیخ صبرالدین سے جو صاحبِ مراتب و کثرت و کرامات تھے، ملاقات ہوئی۔ انھی نے سات روز تک مہمان ٹھہرایا۔ توجہ کی اور پھر شہر کی طرف روانہ کیا۔³ مقدم عبدالرشید تہیز پہنچے وہاں سید حسینی سے جو کاملی اور واعظانِ حق میں سے تھے، صحبت رہی کچھ عرصہ گزارنے کے بعد حرم صوفیہ تہیز پہنچے حج ادا کیا پھر روضہ سرکار کائنات علی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی۔ تین سال تک وہاں کی مجاہد کی اور شیخ کمال الدین کی خدمت میں رہے۔ ایک رات غواصی میں حضور کی طرف سے ارشاد ہوا کہ سید علی ہمدانی کی خدمت میں حاضری دیں۔⁵ چنانچہ آپ نے ہمدانی کی راہ لی۔ اسکندریہ میں ان کی ملاقات ایک سو یا پورے تیس سے ہوئی جو مقدم عبدالرشید کے حرم سے اپنے کشت کی بدولت پہلے ہی سے واقف تھا اس نے دعا دی مقدم آگے بڑھتے گئے اور آخر منزل

1- بحوالہ "تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتان" از نور احمد فیضی، ص 62

2- منبع البرکات، (قلی) کے مطابق مقدم عبدالرشید حقایق کو والد نے یہ ہدایت خواب میں کی تھی۔ (بحوالہ کتاب مذکورہ، ص 27)

3- "منبع البرکات" (قلی) ص 28 کے مطابق ان کی ہمشیرہ کا نام پسرانِ خاتون تھا ان کے بطن سے سات فرزند تولد ہوئے (1) شیخ صبرالدین طارت (2) مولانا پیراں الدین (3) مولانا قدرت الدین (4) مولانا شمس الدین (5) مولانا شہاب الدین (6) مولانا ضیاء الدین (7) مولانا طعنا الدین

4- 5- بحوالہ "منبع البرکات" فارسی (قلی) ص 28 تا 31 (میری تحویل میں ہے۔)

مقصود نک جا پہنچے۔ سید علی عثمان کے مرید کثرت سے تھے جو زمانہ قدیم سے ان کی خدمت میں تھے لیکن انہیں وہ مرتبہ اعلیٰ نہ مل سکا جو حضرت مخدوم عبدالرشید طائف نے جب وہیں سے حاصل کر لیا۔ آپ اپنے مرشد کی خدمت میں تین سال رہے۔ خلافت حاصل کی فادریہ مسلک سے منسلک ہوئے اور انہیں کی ہدایت پر ملتان واپس آ گئے۔¹ اور بہاء الدین زکریا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بہاء الدین زکریا نے آپ کے واپس آنے کے بعد آپ دینی کی جتنی مشترکہ جائیداد تھی سب تقسیم کر لی اراضی کا ایک حصہ دریائے راوی کے مشرق کی طرف اور دوسرا طرف کی طرف تھا، قریب ڈالاکہ تھا۔ مخدوم عبدالرشید کے حصے میں مشرقی حصہ آیا اس کے علاوہ ایک ایک کنوڑا اشرفیاء دینی کے حصے میں آئیں۔ اجناس اور دیگر سامان علاوہ تھا۔²

آپ اپنے مرشد کے اثر سے دنیا کی ہر قسم کی آرام و آسائش کی چغری سے بیگانہ ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ نے اپنی ساری دولت اور اراضی محتاجی اور مسکینی میں تقسیم کر دی۔ پھر احد فریدی کے مطابق

"دور دور تک آپ کی فیاضی کی دھوم مچ رہی تھی۔ جب امام میں ہی سارے ترکہ میں کوئی محتاجی مسکینی میں بات داس جھاڑ کر کھلے ہو گئے۔"

(بحوالہ تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا طائف، ص 152)

اور دریائے راوی کے مشرقی حصے میں اپنے لئے حجرہ بنا کر رہنے لگے۔ انہوں نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا طائف کے لئے آئے اور فرمایا آپ کا ^{قبیلہ} قبیلہ اور بھائی بہت ہیں ان کے لئے رعاش کا بندوبست ہونا چاہئے تاکہ ہر شخص آرام سے رہی گزار سکے چنانچہ ان کے کہنے پر اپنے قریبی اور متعلق کو وہاں سے دس کوس کے فاصلے پر اراضی بخش کر دی۔³ آپ کی عطیہ سے وہ طائفہ مخدوم رشید کہلوا۔ آپ نے وہاں میں قلعہ کے لئے وہاں ایک کنواں بھی بنوایا تھا۔⁴

1۔ بحوالہ "شیخ البرکات" فائیس (طی) ص 28 تا 31 (سری تحصیل میں ہے۔)

2۔ ایضاً ص 33

3۔ اس کنوئیں کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ جو کوئی بھی اس کنوئیں کا پانی پیتا ہے وہ ہر قسم کے مرض سے شفا پاتا ہے یہ کنواں ہر سال عرس کے موقع پر کھولا جاتا ہے اس کے علاوہ سارا سال بند رہتا ہے۔ (حوالہ مکملئے ملاحظہ فرمائیے) (الد) اولیائے ملتان از پشیر حسین ناظم، ص 92 (2) موقع ملتان از اولیائے ملتان

کہا جاتا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے ملتان کے خواجہ طائع راجہ رائے سنگھ سے زلی اراضی

لے کر اس پر ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی۔ بعد میں جب رشید آباد ضلع، ضلع نو بہ مدرسے بھی وہاں لے گئے۔ اس مدرسے میں سینکڑوں طالب علم علوم دینی و روحانی حاصل کرتے تھے۔ حضرت مقدم رشید نے اپنی ساری عمر یہیں درس و تدریس میں صرف کی۔

(بحوالہ ضمنی " حضرت میر مقدم عبدالرشید حقانی " از محداسلم جوعدری، مطبوعہ روزنامہ جنگ لاہور، 27 جولائی 1982ء)

عبدالرشید حقانی نے چار شادیاں کیں۔ پہلی شادی اپنی عم زاد یعنی بہاء الدین زکریا کی ہمشیرہ بی بی کمال خاتون سے دوسری شاہ تغلق کی صاحبزادی عظیم خاتون سے تیسری رائے لونا کی لڑکی راج کنول سے اور چوتھی قوم مڑل کی ایک خاتون سے ہوئی۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ جن میں نام یہ ہیں مقدم ابوبکر، مقدم محمد، مقدم حسن اور مقدم عبداللہ²۔ ان میں سے مقدم حسن کی خواہاں کپڑوں میں واقع ہے۔ آپ کے غلطاف کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

مقدم عبدالرشید بھی سماع سے شوق فرماتے تھے۔ درہم الدین منج شکر فرماتے ہیں کہ

" ایک روز میں اور بخانی عبدالرشید قطعہ خاص میں بیٹھے تھے عبداللہ

1۔ ان کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ شاہ تغلق کو کھانے میں کرم نظر آئے تھے۔ آپ کی دعا سے یہ شکایت دور ہوئی تو انھوں نے از راہ عقیدت اپنی صاحبزادی کا عقد آپ سے کر دیا۔ (حوالے کے لکھے دیکھئے " موقع ملتان " ص 222)

(ب) " اہوائے ملتان " از پروفیسر فرحت ملتان، ص 192

(ج) اہوائے ملتان از بشیر حسن ظالم، ص 91۔ لیکن صفحہ البرکات (قلم) ص 38، 37 میں لکھا ہے کہ بادشاہ کے سامنے جو بھی کھانا بٹھا رکھا جاتا وہ سارا کا سارا غلاظت میں تبدیل ہو جاتا یہاں تک کہ بادشاہ جاں بلب ہو گیا۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے پاس ایلچی بھیجوا دیا کہ اس صحت سے نجات دلاؤ۔ وہ ایلچی صحت مقدم عبدالرشید حقانی کی خدمت میں پہنچے۔ دینی نے دہلی جانے کا قصد کیا۔ انھیں لاہور پہنچے تھے کہ تغلق کو اس صحت سے چھٹکارا مل گیا۔ دہلی میں ان کا شاہدار استقبال کیا گیا اور بادشاہ نے اپنی صاحبزادی کو ان کے عقد میں دے دیا۔ ان کے بطن سے مقدم حسن پیدا ہوئے۔

2۔ (القلم) اہوائے ملتان از بشیر حسن ظالم، ص 92 (ب) موقع ملتان، ص 222 اور اہوائے ملتان از فرحت ملتان، ص 193 میں عبداللہ کی بجائے حضرت ابوب قتال کو مقدم رشید حقانی کا چوتھا فرزند بتایا گیا ہے۔ جبکہ صفحہ البرکات قلمی صفحہ ص 35 کے مطابق حضرت ابوب قتال مقدم عبدالرشید حقانی کے فرزند ابوبکر کے بیٹے تھے کیا ابوب قتال مقدم رشید کے بیٹے تھے۔

قبول ہے بہ بیت پرما

آکھن کہ پھیر سراسر دریک صفت از جان ہم گشت ز موی ہایک

یہ شعر سن کر بھائی عبدالرشید کا حال مضطرب ہو گیا اور بے خودی

کی حالت میں رقص کرنے لگے۔۔۔ 1

مخدوم عبدالرشید حقانی نے 669ھ میں وفات پائی اور مخدوم رشید میں ہی آپ کا مزار ہے۔ آپ کے مزار پر ہر دو سال عرس ہوتا ہے اور اس موقع پر عقیدت مند بہت سے چڑھائی چڑھاتے ہیں۔ حکومت نے یہاں ایک فضا قائم کر رکھا ہے جس کی آمدنی سے آپ کا روضہ بہت عالی شان بن چکا ہے اور اس کے ساتھ ایک مسجد بھی بنوائی گئی ہے۔ 3

(8) شاہ شمس سبزواری

=====

شاہ شمس سبزواری 580ھ (1165ء) میں ایران کے شہر سبزواری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید صلاح الدین محدث نور بخش مبلغ تھے اور اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے والد کے ملازمت میں چچا عبدالہادی غزنوی سے، چچا شاہ مرگوش کے ہوتے ہوئے، تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے آپ کو تفسیر، فقہ، حدیث اور دوسرے ظاہری علوم ابھی طرح سے پڑھائے 579ھ میں 19 سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ تبلیغ کے لیے بدخشاں گئے پھر وہاں سے تبت چلے گئے وہاں لوگوں کو اسماعیلی عقائد کا درس دیتے رہے۔ کچھ عرصے بعد اپنے وطن سبزواری واپس آئے اور مختصر قیام کے بعد تبلیغ کے لیے قبیضہ تشہیت لیے

1- بحوالہ "اولیائے طہاں" از فرحت طہانی، ص 193 (شکوہ)

2- حوالے کھلے ملاحظہ فرمائیے (الف) اولیائے طہاں از فرحت طہانی ص 195 (ب) مرقع طہاں ص 222 (ج) اولیائے طہاں از بشیر حسن ناظم، ص 92 اگر پھر احمدی کے بیان کو صحیح مان لیا جائے کہ آپ 569ھ میں پیدا ہوئے تھے تو اس لحاظ سے آپ کی عمر ایک سو سال بھی ہے۔

3- تفصیل کھلے ملاحظہ فرمائیے "مرقع طہاں" ص 222

4- اولیائے طہاں از بشیر حسن ناظم ص 60 پر آپ کا سن پیدائش 580ھ درج ہے کہ مقدمہ ذیل کتاب میں 580ھ بیان کیا گیا ہے۔ (1) تاریخ طہاں از حکم چہ، ص 75 (2) اولیائے طہاں، از فرحت طہانی، ص 89 (3) آئینہ طہاں از محسن عبدالرحمن، ص 136، مکتبہ اشرفیہ طہاں (4) اولیائے طہاں، ص 225 از اکرام الحق، ص 225

گئے جس کی وجہ سے اکثر لوگ آپ کو شمس تبریزی کہنے لگے۔ تبریز، عراق، عرب اور مصر میں کچھ عرصہ

اسماعیلی مذہب کی تبلیغ کی۔ اسی دوران مرکز میں عباسی حکومت ختم ہو گئی تو 664ھ میں آپ کے والد

کو ان کے علاقہ کی بناء پر قتل کر دیا گیا۔ آپ واپس آئے اور والد کی تجویز و نکلن کے بعد بغداد شریف

لے گئے لیکن وہاں کے علماء آپ کے خیالات کی وجہ سے مخالف ہو گئے چنانچہ قاضی شریع کے کہنے پر وہاں

سے نکل کر کائنس پہنچے پھر حدوثان کا رخ کیا اور دیبل (کراچی) کے راستے 668ھ (1269ء) میں

ملتان پہنچے۔ آپ کے ملتان آنے کی ایک اہم وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ایک زمانے میں ملتان قراطیوں کا مرکز

تھا۔ تقریباً دو سو برس تک قراطیوں نے ملتان پر حکومت کی اگرچہ محمود غزنوی اور اس کے بعد کے حکمرانوں

1۔ شاہ شمس سبزواری اور شاہ شمس تبریزی کے بارے میں اکثر لوگ غلطی کر جاتے ہیں اور انہیں ایک ہی

شخصیت سمجھتے ہیں حالانکہ شاہ شمس تبریزی اور شخصیت ہیں خلیفۃ الامم میں ہے کہ

"ملتان (پاکستان) میں جس بزرگ شمس الدین تبریزی کی قبر ہے وہ شمس الدین سبزواری

تھے۔ ان کا شمس تبریزی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شمس سبزواری سادات موسوی میں

سے تھے۔ ان کی اولاد نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا ہے۔ یہی لوگ لاہور میں آکر رہے

تو اپنے آپ کو شمس سبزواری کی نسبت سے شمس کہلانے لگے۔"

(بحوالہ خلیفۃ الامم از علی غلام سرور لاہوری مترجم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ص 390، مکتبہ نبیہ لاہور)

یہی قصہ حکایت پنجاب (حصہ سوم) میں اس طرح ہے

"ملتان میں ایک مشہور شیعہ خاندان ہے جو اپنے آپ کو ملتان کے ایک بزرگ شمس تبریز

نامی کی اولاد بتاتا ہے۔ 1787ء میں اس خاندان کے ایک فرد نے اسی بزرگ کے مزار پر

ایک بڑا مقبرہ تعمیر کرا دیا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ مقامی شمس تبریز اصل شمس تبریز سے

خلط ملط ہو گیا اور اس کے مقبرے اور اس کے متعلق کو بہت منافع ہوا اور غالباً اس مقبرے

کو تعمیر کرائے والے کا مقصد بھی یہی تھا۔"

(بحوالہ حکایات پنجاب (حصہ سوم) مرتبہ آئرس ٹیل ترویجہ مآں عبدالرشید، ص 148-149، مجلس نشری

ادب لاہور، طبع اول 1962ء)

2۔ بحوالہ (الد) اوطاف ملتان از بشیر حسین ظالم، ص 63

(ب) آئینہ ملتان از مفتی عبدالرحمن خان، ص 137، مکتبہ اشرف العارف ملتان

روح ملتان نے ملتان آمد 574ھ میں بتائی ہے جو کہ قیوں قیاس نہیں ہے۔ آپ بہاء الدین

رکھا کے عہد میں ملتان تشریف لائے تھے جسے بھی آپ کی تاریخ ہجرات 560ھ ہے اور آپ

579ھ میں 19 سال کی عمر میں اپنے والد کی سادہ پہلی مرتبہ تبلیغ کے لیے بدخشاں

تشریف لے گئے تھے۔

نے قرامطہ فرقہ کو ختم کرنے اور ملتان پر ان کے اقتدار کو مٹانے کی بڑی کوشش کی۔ ان کی کوشش سے ان کی شکست ہو گئی مگر ان عقائد سے متعلق رکھنے والے ابھی ملتان اور اس کے اردگرد کے علاقے میں موجود تھے۔ عقائد کی یہی کشش شاہ شمس سنبوڑی کو ملتان لے آئی اور وہ یہاں اسماعیلی طوطہ نظر کی اشاعت کرنے لگے۔ ملتان میں اس زمانے میں بہاء الدین زکریا قاسم القضاہ کے مہدی پر فائز تھے۔ آپ کے اور بہاء الدین زکریا کے عقائد میں بہت فرق تھا۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ بہاء الدین زکریا کو آپ کی آمد ناگوار گزری۔ ملتان میں انجمن آپ کی زیادہ پذیرائی نہ ہوئی تاہم آپ اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے رہے اور بہت سے مہدوی کو مسلمان کیا جو شمس کہلاتے۔ غریبۃ الاصطیاد کے مطابق "شمس الدین تہریزی سنبوڑی نے ملتان کے اردگرد کے علاقے کے کہاری اور مٹاری میں اپنا طریقہ رائج کیا اور لوگوں کو "مہدو شمس" کا لقب دیا۔ ان دہی شمس مہدو بھی آغا خاں اسماعیلی کے معتقد تھے اور اب ان کی ضرورت سازگار سر آغا خاں کی امداد کی طرف گیا ہے۔۔۔" 1

اس بات کو شیخ محمد اکرام اس طرح لکھتے ہیں

"پنجاب کی ایک جماعت، جو بظاہر مہدوی میں شامل ہیں اور خودی کے مہدو، امام آغا خاں کو اپنا دیوتا تسلیم کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو شاہ شمس کے نام پر شمس کہتے ہیں۔۔۔" 2

آپ کے معتقد میں محمد اسماعیلی کے ساتھ ساتھ خودی بھی شامل ہیں جو اسماعیلی فرقہ کے امام ہوں گے۔ آغا خاں کو اپنا امام سمجھتے ہیں، شیخ محمد اکرام کے مطابق "خودی کے دوسرے مبلغ شاہ شمس تھے جو ملتان میں ایک بڑی شاں دار" 3

1۔ بحوالہ "غریبۃ الاصطیاد" ص 240

2۔ بحوالہ "آب کوثر" از شیخ محمد اکرام، ص 344

3۔ خودی کے پہلے مبلغ کا نام میرالدین یا نور شاہ تھا جو نور سید کوہ کے نام سے مشہور تھے۔ پہلے انہی نے گجرات میں تبلیغ کی پھر ایران چلے گئے اور وہاں سے آئے کے بعد ریاست مرہٹہ کے شہر نوساری کے قریب و جوار میں اوتار و عداوت شروع کی انہی نے اپنا مہدو نام رکھا لیکن سلطان احمدی نور الدین یا سید سعادت کہتے ہیں۔ انہی نے قصی، کبار اور کٹلی جیسے گجرات کی عظیم ذاتوں کو اسماعیلی مذہب میں شامل کیا۔ (تضیل مبعثتہ لہجائے "آب کوثر" از شیخ محمد اکرام، ص 340)

روئے آرام فرما ہیں۔ اسی عام طور پر شاہ شمس تبریز کہا جاتا ہے لہٰذا
خوجہ روایات کے مطابق وہ ایران کے شہر سبزوار سے تشریف لائے۔۔۔ " 1

اسماعیلی عقائد کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں آپ نے بہت سے لوگوں کو اپنے فرقے میں شامل کیا اور
ہر طور پر مصلحتاً آپ نے ملتان میں اسماعیلی تصوف کو رائج کیا۔ 2

شاہ شمس سبزواری کے بارے میں فاضل مبدی اور حسن الحق فرید کوش کا کہنا ہے کہ آپ شاعر
بھی تھے۔ فاضل مبدی کے مطابق

" بہاء الحق زکریا کے دور میں قیامی، ہمدی، کشمیری زبانوں کے بلند پایہ
اور سرائیکی زبان کے پہلے شاعر حضرت شاہ شمس تبریزی سبزواری ملتان
تشریف لائے۔۔۔ " 3

حسن الحق فرید کوش نے تو آپ کے سرائیکی کلام کا نمونہ بھی دیا ہے

من میرا حلقے اور اللہ میرا قاضی

کایا ہماری مسیتیں

اھر بھد میں ساز گزاری

سورکھ کا جامے طاعت ہماری

ایک جگہ مجدد کو بت پرستی سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں

ماہی پتھر سی کسی بھتو دے حقو

اڑ کھو نہ ٹاسم شاہ اوتار

کک شکر مار رہے چھے حقو

تے صاحب در داتا

آپ کے دو بیٹے تھے ایک سعد صبر الدین اور دوسرے سید طہ الدین جو بچے اطفال تھے اور " زندہ پیر "

کے نام سے مشہور ہیں۔ سعد صبر کا مزار لاہور میں ہے۔ ان کے بیٹے کبیر الدین حسن نے بھی تبلیغ کا کام

1۔ بحوالہ " آب کوثر " ص 343 - 2۔ بحوالہ " تصوف اور ملتان " امیر ملتان صبر، 28 جون 1978ء

3۔ بحوالہ " ملتان کے قدیم علمی و ادبی ماحول " امیر ملتان صبر، ص 8، 28 جون 1978ء

4۔ بحوالہ " اسماعیلی بزرگی کا تاریخی کلام " مطبوعہ ماہ نو اکتوبر 1981ء ص 8 (میں ضمنی رسالہ " خاتمی
خاتمی پہلی کتب فرید کوش بہاؤچر میں بھی شائع ہوا ہے۔)

کیا۔ آپ کا مزار اچ شہت میں ہے۔^۱ اس کے فرزند عالم شاہ الصوفی جتو شاہ شاہ شمس کے مزار کے مقبرے میں مدفون ہیں۔

شاہ شمس سبزواری نے تقریباً دس سال ملتان میں تبلیغ و اشاعت کا کام کیا اور 675ھ میں واپس ہائی اس کے بعد آپ کو بھی عام خاص باغ کے نزدیک دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار ہمیشہ شہری اور اساطیل کے درمیان وجہ نزاع بنا رہا۔ آج کل یہ مزار اہل تشیع کے قبضے میں ہے۔

(۹) شیخ صدرالدین عارف

ملتان میں سلسلہ سبزواری کے صوفی بزرگ حضرت بہاء الدین زکریا کی ولادت کے بعد ان کے پوتے صاحبزادے شیخ صدرالدین عارف غلیظہ پور^۲۔ جو کہ حضرت زکریا کے عم زاد مدفون عبدالرشید حقانی مسمیٰ ہمشیرہ مسمیٰ رشیدہ بانو حمصی عفت مآب مسمیٰ کے ہاں سے 621ھ میں پیدا ہوئے۔ شیخ صدر الدین نے ابتدائی تعلیم اپنے والد فخر العالمین حضرت بہاء الدین زکریا سے حاصل کی۔ جس سے ایک زمانہ علم حاصل کرنے آتا تھا۔ بہاء الدین زکریا نے اپنے تمام فرزندوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی کہ صرف خود تعلیم دیتے بلکہ ان کی صلاحیتی کو مزید جلا بخشنے کی خاطر نامور اساتذہ بھی مقرر کئے جن کی حوصلہ افزائی کے لئے آپ انھیں وقتاً فوقتاً انعام و اکرام دیا کرتے تھے۔ صدرالدین کی ابتدائی تعلیم کے متعلق "انوار غوثیہ" میں ہے کہ

- 1۔ حوالے کیلئے دیکھئے (الف) تاریخ اوج از مولیٰ حفیظ الرحمان، ص 151 (ب) "اساطیل بزرگی کا مرقعہ کلام" از صی الحق فہد کٹی، مطبوعہ ماہ نو، ص 10
- 2۔ حوالے کیلئے دیکھئے (1) اوطائے ملتان از فرحت ملتان، ص 91 (2) اوطائے ملتان از بشیر حسن ناظم، ص 4 (3) تاریخ ملتان از حکم چہ، ص 78 (4) آئینہ ملتان از مثنی عبدالرحمان، ص 117 (5) اور ملتان، ص 227

- 3۔ شیخ محمد اکرام "آب کوثر" ص 262 پر لکھتے ہیں کہ "شیخ بہاء الدین کی ولادت 1262ھ میں ہوئی اور آپ کے صاحبزادے شیخ صدرالدین جانشی ہوئے (غالباً ہمدستان میں ہوئی سجادہ شریفی کی یہ پہلی اہم مثال ہے، جس پر بعد میں اوچے کے قادری بھی نے بھی عمل کیا "انشر شمیم معجزہ دی لکھتے ہیں "شیخ صدرالدین پسر شیخ بہاء الدین زکریا ملتان کے بعد از ولادت پدر پر صف ارشاد شہت (بہوالہ اعمال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا، ص 52)
- 4۔ بہوالہ (الف) تذکرہ صدرالدین عارف، جلد اول از جواد خاں فہدی، ص 10 مطبوعہ نصرالدین، جگہوالہ

"حضرت مدظلہ العالی عارف کی تعلیم و تربیت اپنے قبلہ گاہ حضرت زین العالیس کی شراف میں ہوئی تھی اور وہی آپ کے علوم ظاہری و باطنی کے استاد تھے۔" (معارف، ج ۱، ص ۱۰۰)۔ قرآن مجید کے آپ حافظ تھے اور علوم دینیہ میں کوئی شخص آپ کا ہم پلہ نہ تھا جب علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو آپ کے والد بزرگوار نے جو آپ کے بعد مرشد بھی تھے آپ کو علوم باطنی اور اسرار ہرقت کی تعلیم دینا شروع کی، تھوڑے سے عرصہ میں والد بزرگوار کی نگاہ میں سے وہ مقام حاصل کر لیا جو دوسرے نے سالہا سال کے مجاہدات اور ریاضتیں کے بعد پایا تھا۔" 1

بہار الدین زکریا نے آپ کی تعلیم و تربیت اور اخلاق و عادات متواتر کے لئے مجھ سے بھی خیال رکھا
رحمۃ الخاطر میں لکھا ہے

"نہایت مناسب ماحول میں تربیت علمی و روحانی حاصل کی اوائل بچپن میں سے خورد و نوش اور لباس میں توسط تھا۔ جس پر مدد قائم رہے۔ روح و قلب اور ساز و ریزہ داری ہر ایک میں کمال تھا۔ ہر حال میں اللہ کا ذکر زبان پر جاری رہتا۔ امور عظیم شوقہ اور ادا مرد خواہی سب کا خیال رکھتے۔" 2

آپ کا نام تو مدظلہ العالی تھا لیکن شیخ عارف کہلاتے تھے جس کی وجہ تسمیہ یہی بات کی جاتی ہے
"کہ جب وہ کلام اللہ پڑھتے تھے تو اس پر بہت شوق و فکریں فرماتے اور جس وقت بھی قرآن کريم تلاوت کرتے تو ان پر دوسرے ماضی و مطالب ظاہر ہوتے۔" 3

ڈاکٹر شمیم مسعود زیدی کے مطابق

"جی ہر بار ختم قرآن مجید ہی کر دیا ماضی تازہ ان پر ہر لمحہ عرصہ

1- بحوالہ "ذکرہ مدظلہ العالی عارف" جلد اول، ص 20

2- بحوالہ "رحمۃ الخاطر" ص 288

3- بحوالہ "تاریخ فرشتہ" (جلد دوم) ص 408 اسی بات کو مقدم جواہر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "شیخ عارف مدظلہ العالی کو ہر بار کلام اللہ پڑھنے میں دوسرے ماضی ظاہر ہوتے تھے۔ سوائے ان ماضی کے جو اس سے پہلے ظاہر ہوئے تھے۔ ایک دن اچھی نے شیخ کبیر (حضرت فوت العالیس) سے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو ان ماضی کو حیلہ تمیز میں لے آؤ۔ حضرت نے منع فرمایا کہ لوگ سمجھ نہیں سکیں گے اور چونکہ یہ ماضی بجائے خود دست ہی کے اثر کسی نے اشارہ کر دیا تو گناہگار ہو گا۔"
(بحوالہ اندر المظلوم، ص 508)

باسم عارف نام ہزارہ شد۔۔۔ 1

شیخ صدرالدین عارف ذاتی کردار اور شخصی احوال کی بدولت اپنے والد کرام سے اس اعتبار سے مختلف تھے کہ آپ دعائیں جگہ و جمال اور مال و دولت کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے اس لحاظ سے وہ بابا لہد فتح شکر کی قلندر اور سواۃ برکت کے ~~مطابق~~ زیادہ قریب تھے جامعہ شیخ صدرالدین عارف نے ساری عمر اپنے لائق موقی دولت جمع نہ کی بلکہ سادگی کی وجہ سے آج بھی اس زندگی بسر کرتے رہے۔
تاریخ فیروز شاہی کے مطابق

"شیخ صدرالدین اپنے روحانی کمالات اور شعلہ کے ساتھ اکتفا درجے کے شخصی تھے۔ ان کی پیشکش اس قدر زیادہ تھیں کہ باوجود اس کثیر دولت کے جو ان کو اپنے والد سے ترکے میں ملی تھی وہ اکثر مقروض رہتے۔" 2

اگرچہ یہ شمار خدائے الٰہی کا مظاہر ہے آتے تھے لیکن آپ انہیں لہو "دستی" پر غیچہ کر دیتے تھے کبھی اپنے پاس کچھ نہ رکھا تھا یہاں تک کہ انہیں اپنے والد بہادر الدین زکریا سے جو دولت ورثے میں ملی تھی وہ بھی آپ نے لہو "لیکھی" میں یاد دہی۔۔۔ حرمتہ الخواطر کے مطابق

"اپنے والد مرحوم سے جو مال و زر اور سامان و کمالات ملے۔ ان میں لاکھ دینار بھی تھے۔ آپ نے یہ سب ہتھ دے چھوڑا اور فقیرانہ طور پر سامان و مکانیں اور دوسرے حق داروں کو لے دیا اور اپنے امرا اہل و عیال کے لئے تن کر لباس کے سوا کچھ نہ رکھتے دیا۔ اس پر ایک سرد نے عرض کیا آپ کے والد نے سوئے چادر کے ڈھیر جمع کر لئے۔ خامی کرامی گھڑی، مہشی اور مال اور چھٹاں سر بٹک چھوڑیں مگر آپ نے سب مال و مکان ایک دن میں خالص کر دیا۔ حتیٰ کہ اپنے اہل و عیال کے لئے بھی کچھ نہ رکھتے دیا۔"
جواب (عصمت) لہوایا میرا ماب دھا پر اس قدر غالب آیا کہ اس کے حصول میں کبھی ان کے ہاں نہ ڈھنگانے مگر میں کبھی اس سؤل تک نہ پہنچ سکا کہ سادا دھا مجھ پر غالب آ جائے۔" 3

1- بحوالہ "احوال و آثار" شیخ بہادر الدین زکریا مطابق و غلامیہ العارضی (حاشیہ) ص 52

2- بحوالہ "تاریخ فیروز شاہی" از عیاد الدین پوری (اردو ترجمہ) ص 50 مطبوعہ مرکزی اردو پوز ڈیپارٹمنٹ، لاہور۔

3- بحوالہ "حرمت الخواطر" ص 268۔ نیز تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (الف) سیر القاری (اردو ترجمہ) ص 84

(ب) تذکرہ صدرالدین عارف (جلد اول) ص 46-47 (ج) بزم صوفیہ، ص 107-108

ساری دولت خیرا و صافیں پر لٹانے کے باوجود آپ نے بہاء الدین زکریا کی صبا کی نوازی، فاضل اور دستر خوان کی دراز والی بیاد کو ختم نہ کیج دیا۔ شیخ عارف کا دستر خوان بھی سلاطین سے کسی طرح کم نہ ہوا۔ آپ اگرچہ خود بہت کم غذا کھاتے لیکن اسے بھی اتنا آہستہ آہستہ کھاتے کہ اگر انھی نے جلدی دستخواں سے ہاتھ اٹھا لیا تو لوگ بھی ان کی تقلید میں کھانا کھانا ختم کر دیں گے۔

شیخ عارف نے نہ صرف کھانے کی سطح پر شیخ زکریا کی تقلید کی بلکہ والد کے بعد ان کے درس و تدریس کے سلسلے کو بھی جاری رکھا اور انہی کی صف پر بیٹھ کر آپ لوگوں کو درس دیا کرتے۔ جہانناں جہاں گنت کے مطابق

"شیخ عارف ہر سبک اور مشق کو بلا کسی امتیاز کے تسلیم دیتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی نحو یا صرف پڑھتا تو پڑھائے۔ تصدیق جہول ان کی ہی تصدیق ہے۔۔۔" 1

ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں

"شیخ صدرالدین عارف مائتہ پدر ہزگوارش بعد از فراغت از اویاد و افکار بہ درس و تدریس مشغول می شد۔۔۔" 2

حدیثۃ الاولیاء کے مطابق

"شیخ عارف کی منزل درس و تدریس میں بھی ہمیشہ ہجوم رہتا تھا۔ انھی نے عزیزی طالبان خدا کو منزل مقصود تک پہنچایا۔" 3

صدرالدین عارف کو اس عرصے کے ظہرات سے بھی کچھ واقفیت تھی بقول شیخ عبدالکرام "مدرسہ کے مشائخ میں شاہ صب سے پہلے آپ تھے، جنھیں شیخ ابن عربی کے طریق اور بصافت کے متعلق اطلاع ملی۔" 4

اس کا سبب آپ کے بہنوئی اور مشہور شاعر صدرالدین عراقی بتاتے ہیں جو طائف سے بلا دور کی طرف

1- بحوالہ "الدر الصالح" ص 28

2- بحوالہ "احوال و آثار" - شیخ بہاء الدین زکریا مطاعی و خلاصۃ العارفی " ص 52

3- حدیثۃ الاولیاء، ص 150

4- بحوالہ "آب کوثر" ص 282، مزید تفصیل کینٹے دیکھئے "تذکرۃ صدرالدین عارف" ص 115

واپس گئے تو قونہ میں ان کی ملاقات ابن عربی کے خلیفہ شیخ صدرالدین قونوی سے ہوئی ان کی صحبت میں رہ کر آپ کو "فصوص الحکم" کے بارے میں معلومات دی گئیں۔ عراقی نے اس سے متاثر ہو کر ایک کتاب "لغات" لکھی عراقی ہی نے خط و کتابت کے ذریعے شیخ عارف کو اس کتاب سے روشناس کرایا۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی ~~مکتوبہ~~ کے مطابق

" — شیخ صدرالدین عارف از مشائخ شہ قارہ پاکستان و محد اویں کسی ہودہ باشد کہ از نظریات ابن عربی متولی 638ھ آگاہی پیدا کردہ ہودہ چو اوبا عراقی مکاتبہ داشت و تصانیف ابن عربی را ہم خواہد بود۔ " 1

2 شیخ عارف کو بھی اپنے والد ہی کی طرح شیخ الاسلام کا خطاب ملا تھا۔ تاریخ فرشتہ اور تاریخ مصوی کے مطابق فیروز شاہ تغلق نے شیخ صدرالدین عارف کو شیخ الاسلام کا خطاب عطا کیا لیکن " تذکرہ صدر الدین عارف " کے مطابق جس صدرالدین کو فیروز شاہ تغلق نے شیخ الاسلام کا خطاب عطا کیا تھا وہ شاہ رکن عالم کے بھتیجے اور شیخ صدرالدین عارف کے بھتیجے شیخ صدرالدین/تھے۔ فیروز شاہ تغلق کی حکومت کا زمانہ 23 محرم 752ھ تا 13 رمضان 799ھ ہے۔ جبکہ صدرالدین عارف کا 684ھ میں وصال ہوا تھا۔ اس لیے تاریخ فرشتہ اور تاریخ مصوی کی یہ روایت درست نہیں کہ شیخ عارف کو فیروز شاہ تغلق نے شیخ الاسلام کا خطاب دیا تھا۔ آپ کو بھی شیخ الاسلام کا خطاب ملا تھا لیکن یہ بات نہیں چلتی کہ یہ خطاب کس نے دیا تھا بہرحال بہاد الدین زکریا کے عہد سے ہی یہ خطاب اس خاندان میں چلا آتا رہا۔

شیخ صدرالدین عارف کی ایک زوجہ فقاہ کی شہزادی تھیں جو آپ کے تقویٰ و پرہیزگاری اور عبادت گزاری سے متاثر ہوئی تھیں اور سی سی راستی پاک داس کے نام سے مشہور ہوئیں۔ قطب الاقطاب شیخ رکن الدین ابوالفتح آپ کے بھتیجے مبارک سے پیدا ہوئے، ڈاکٹر شمیم محمود زیدی کے مطابق

" — سی سی راستی بغاظر زہد و طاعت خود بہ راہبہ صبر

1- " احوال و آثار - شیخ بہاد الدین زکریا ملتانی، و غلامتہ العارفی " ص 52

2- (الد) تاریخ فرشتہ (ادب) جلد اول ص 458 (ب) تاریخ مصوی، ص 69

3- بحوالہ " تذکرہ صدرالدین عارف " جلد اول، ص 284

4- آپ کا مزار ملتان میں پاک مائی کے نام سے سی سی ریلوے اسٹیشن کے پاس موجود ہے۔

آپ کی دوسری بیوی شہر کے قاضی کی صاحبزادی تھیں ان سے آپ کے دوسرے فرزند شیخ صدر الدین اسلمی پیدا ہوئے۔ جس سے آپ کی اولاد کا سلسلہ چلا۔ اس کے علاوہ ایک اور صاحبزادی شیخ شہاب الدین بھی پیدا ہوئے لیکن ان کا کسی میں ہی انتقال ہو گیا۔ شیخ عارف کا شجاع سلطان شمس الدین التمش کی بیوی سے بھی ہوا۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ سلطان فیات الدین ہلس کا بیٹا خضر خان جو خان شہید کے لقب سے مشہور ہوا جب ملتان کا حاکم بن کر آیا تو اس زمانے میں شیخ صدر الدین عارف بھی ملتان میں تھے۔ خان شہید نے ایک دن شے کی حالت میں بیوی کو، جو التمش کی بیوی تھی، طلاق دے دی لیکن ہند میں بہت بچھتا ہوا اور غلام سے رجوع کیا جنھوں نے بتایا کہ حلالہ کے سوا کوئی صورت نہیں ہے۔ خان شہید بہت پریشان ہوا آخر کار اپنے قاضی اشیر الدین خواجی کے کہنے پر شیخ عارف سے اس کا شجاع کرنے پر اس صورت میں راضی ہوا کہ وہ دوسرے دن اسے طلاق دے دیں گے۔ چنانچہ شیخ عارف نے شجاع کر لیا۔ دوسرے دن وہ سی سی شیخ عارف کے بیوی پر گر پڑی اور کہا کہ مجھ کو اپنی خدمت سے علیحدہ کر دیں میں اس شخص کے پاس واپس نہیں جانا چاہتی چنانچہ شیخ عارف نے اسے طلاق دے دی۔ خان شہید کو علم ہوا تو وہ آپ کا دشمن ہو گیا اور آپ کے قتل کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل کرنے سے پہلے ہی مقلی کے حلقے میں مارا گیا۔²

مولانا نور احمد خان فریدی کا خیال ہے کہ "شہزادہ خضر اور حضرت صدر الدین عارف کے درمیان یہ جھگڑا دراصل سیاسی نوعیت کی تھی کیونکہ "شاہانہ قوت" پر ہر وقت ڈیڑھ دو ہزار آدمی مہم دھتے تھے اور وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ شہزادے کو ان سے بغاوت کا اندیشہ لاحق ہوا۔ حالانکہ یہ واقعہ کو یقین سے بدل دیا اور جب شیخ الاسلام کو شہزادے نے ان خیالات کا پتہ چلا تو انھوں نے اس کے دھار میں آکا چھوڑ دیا یہ شکر بھی رہ بیڑ بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ شہزادہ ان کی جان کا دشمن ہو گیا۔"³

- 1- بحوالہ "احوال و آثار شیخ بہاء الدین (رحمہ اللہ) و خلافتہ القاریں" ص 54
- 2- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) سیر القاریں (اردو ترجمہ) ص 190 تا 192 (2) تاریخ حصی ص 56-57 (3) مرآت الاسرار (جلد دوم) ص 257 (4) ارض ملتان ص 206 (5) پنجاب کے صولی و اشہر ص 104
- 3- بحوالہ "تذکرہ صدر الدین عارف" جلد اول، ص 225

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ظفر و شاہی میں تصادم کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ

" شہزادہ ظفر نے کسی بات پر ناراض ہو کر امیر حسن مخموری کو تازیانے سے ہٹایا تھا۔ شیخ عارف کو یہ بات ہری لگی اور انھی نے شہزادے کو برا بھلا کہا۔ اس سے بات بڑھتی چلی گئی۔۔۔ " 1

بہرحال سب کوئی ہو یہ تصادم ہوا حالانکہ شیخ صدرالدین عارف اپنے والد بزرگوار کی طرح مقدر طبع سے اچھے روابط اور تعلقات قائم رکھنے کی حکمت عملی کے قائل تھے۔

شیخ صدرالدین عارف کے بھی کئی خلفاء ہیں جن میں سب سے مشہور شیخ جمال الدین² اچھے تھے۔ آپ کے دوسرے مرید خیرِ آپ کے صاحبزادے ابوالفتح رکن الدین تھے۔ ان کے علاوہ شیخ احمد بن محمد قندھاری، شیخ طاہر الدین خجندی، شیخ حسام الدین طغانی اور صدرالدین سیستانی کا نام آتا ہے۔ جو کشمیر کی پہاڑی کے رہنے والے تھے۔ میر حسینی کا شمار بھی آپ کے مریدی میں ہوتا ہے جو آپ کے والد کے بھی خلیفہ تھے۔ انھی نے اپنی مشہور مثنوی " کفر الومض " میں بہاء الدین زکریا اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے ساتھ ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا ہے۔

شیخ صدرالدین نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہیں دی۔ ان کے ایک مرید شیخ خواجہ بہاء الدین نے ان کے ملفوظات کو ایک مجموعہ " کفر اللہواک " میں جمع کیا۔ اس کتاب میں پتہ و صالح اور اسرار و عارف کا وہ خزانہ ہے جو آپ اپنے مریدی اور شاگردی پر دیکھا کر کرتے تھے۔ اس کے اقتباسات " اخبار الاخبار " از شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں درج ہیں لیکن اصل کتاب ناپید ہے۔ انھی نے " سیدی کے لئے ایک رسالہ " تصنیف جلدوں " بھی لکھا جو اس زمانے کے مدارس میں شامل تھا لیکن افسوس یہ بھی اب دستیاب نہیں۔۔۔ حضرت شیخ صدرالدین عارف کو شعر و شاعری کا بھی شوق تھا۔ میر محمد

1- بحوالہ " پنجاب کے مٹی داکٹر " از قاضی جاوید، ص 103

2- شیخ جمال الدین خداں رو - اچ کے رہنے والے تھے وہاں انھی نے مدرسہ قائم کیا تھا جہاں بہت سے لوگ درس لیتے آتا کرتے تھے۔ ان میں متعدد جہانیاں جہاں گشت نمایاں ہیں جنھی نے ابتدائی تعلیم آپ سے حاصل کی تھی سلطان فیات الدین بلخ بھی آپ کا مرید تھا۔

3- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (الدم احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا طغانی و خلاصۃ المعارض ص 52-53 (ب) تذکرہ صدرالدین عارف، ص 256-270 (ج) پنجاب کے مٹی داکٹر از قاضی جاوید، ص 99-100

مضمون بکھری ہے بلکہ اس کے زمانے کی ایک روایت درج کی ہے جس کے مطابق

" شیخ عثمان اور شیخ بہاء الدین زکریا کے فرزند ابو ابرہہ شیخ صدرالدین
ایک محل میں موجود تھے وہاں بہت سے اشعار سن کر وہ اور دوسرے درویش
وجد میں آ گئے اور سب رقص کرنے لگے اس موقع پر بادشاہ سلجق پر حاضر رکھے
ان کے سامنے کھڑا رہا اور زار و قطار رونا رہا۔۔۔ " 1

آپ کا صرف یہ کہ شاعری کو پسند فرماتے تھے بلکہ خود بھی طبع آزمائی کرتے تھے ڈاکٹر شمیم محمود زیدی
لکھتی ہیں کہ

" شیخ صدرالدین عارف بہ شعر ہم علاقہ داشت و شعر ہم گفتہ است عارفی
در اشعار خود (نور عرب) (مع بیت) شیخ عارف راستودہ است " 2

دور احمد خان زیدی نے حضرت شیخ العارف کے ایک مہرے قصیدے کا ذکر بھی کیا ہے جو انہی نے
حضرت سلطان التارکین حمید الدین حاکم سے متعلق موزی کہا تھا۔ اس کے علاوہ انہی نے " نور عرب " اور
" مع بیت " کے عنوان سے بھی چند اشعار موزی فوائد اس کلام کو عارفی نے خراج تحسین ادا کیا۔³ لیکن
اب یہ کلام دستیاب نہیں ہے۔

شیخ صدرالدین عارف نے 3 ذوالحجہ 684ھ میں وفات پائی اور اپنے والد کے پہلو میں دفن
ہوئے۔ خلاصۃ الاحباب کے مطابق آپ نے 60 سال کی عمر پائی کیونکہ اس قلمی شخص کے مطابق آپ کی

- 1۔ بحوالہ " تاریخ حصی " از میر محمد مضمون بکھری مترجم اختر رضوی، ص 56، مطبوعہ مدنی ادبی
بورڈ کراچی، اشاعت اول 1959ء
- 2۔ بحوالہ " احوال و آثار۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفی " ص 53 شعر یہ ہیں
زہد کر دی شکستہ را بہ بیت
کسزدم عیبی نشان دارد
حسرت جان ماغصبت بہت تمرا
کم ز مدقتہ در اماں دارد
- 3۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فوائد " مذکرہ صدرالدین عارف " ص 270 تا 273
- 4۔ بحوالہ (1) مرآت الاسرار (جلد دوم) ص 257 (2) سلیمۃ الاولیاء، ص 153 (3) نزہۃ السواطیر
290 (4) اخبار الاخیار، ص 138 (5) بزم صوفیہ، ص 119 (6) خطبات ملبسہ و سبوح العارفی
ص 145۔۔۔۔۔ ان سب نے آپ کا سن وفات 684ھ لکھا ہے لیکن ارض طہان از محمد اکرام الحق،
ص 208 پر سنہ وفات 709ھ درج ہے۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی نے اپنی کتاب " احوال و آثار۔ شیخ
بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفی " ص 53 پر 686ھ لکھا ہے اور قلمی نسخہ خلاصۃ الاحباب
(فارسی) میں 684ھ درج ہے۔ مذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ نے ص 158 پر 776ھ لکھا ہے۔

ولادت 574ھ اور وفات 684ھ میں ہوئی۔¹

ہم عبداللہ بن عارت کا ذکر فارسی حاشیہ کے اس الفاظ پر غم کرتے ہیں کہ

”اس عظیم شخصیت نے بھاب کے غزایں لوگی کو راست بازی، شکنی، خیر،
افغانی حرأت اور اصلاح و تبلیغ کی راہ پر لگا دیا تھا۔ بھاب بلکہ پھر
پوشپور میں عظیم الشان عمارتوں کی تشکیل میں ان کا یہ کردار قابل ذکر
ہے کہ شیخ عبداللہ بن عارت ہی آؤں، شیخ عبداللہ بن عارت ہی
انکار سے بھاگتا ہوں۔“²

(10) مزاجہ حسن افغان

بیاد اللہ بن زکیا طائی کے خلاف میں مزاجہ حسن افغان ایک غار اجیت کے حامل تھے جس

کا ذکر وہ بیاد اللہ بن زکیا بھی اس اشارے میں کرتے ہیں کہ

”اگر قیامت کے دن مجھ سے پوچھا گیا کہ تم دنیا سے کیا شے لائے ہو؟
تو میں عرض کروں گا کہ مزاجہ حسن کا مدد اور اعزاز راست لایا ہے۔“³

خلاصۃ الفاروقی (طی) میں لکھا ہے

”شیخ بیاد اللہ بن زکیا اگر قیامت مرا کہے کہ در درگاہ حاجہ
آوردی میں یکتیم کہ مدد حسن افغان آوردی ام“⁴

1۔ اصل الفاظ یہ ہیں ولادت ایشان در سال یاضد و چہار ہجری و وفات ایشان پڑ سے شصت و بلوی
پڑ چہار شصت سال بعد از الفتح و ہشتاد و چہار ہجری و مدت عمر شریف ایشان یک مد
و وہ سال و تیر مارک ایشان بعد از پڑ بزرگوار خود طرز مشرقی واقع است مطالعہ فرمائیے کتاب
خلاصۃ الاسباب (فارسی) از سعداقل قہریشی آمدی از اجازہ حضرت بیاد اللہ بن زکیا، ص 75 میں
تالیف 1162ھ (طی صفحہ غاٹا عبدالرشید طائی کے سجادہ نشینی سے حاصل کیا گیا۔)

2۔ بحوالہ ”بھاب کے صوفی دانشور“ ص 101

3۔ بحوالہ ”ذکرہ بیاد اللہ بن زکیا طائی، از غفر اسماعیل، ص 15 (منہ حوالہ کتب مطبوعہ فرمائیے
(1) تراجم الفوائد ص 58 (2) اوقیانے طائی از بشیر حسین نظامی ص 84 (3) اوقیانے طائی از فرحت
طائی، ص 218 (4) ”آب کوثر“ ص 274

4۔ خلاصۃ الفاروقی (طی) ص 77۔۔۔ میں عبارت خلاصۃ الفاروقی مرقیہ 2 اثر شمیم مسجد اہل حق کے
ص 168 پر دو ایک لفظی کی تبدیلی کیے ساتھ من ہے۔

ڈاکٹر شمیم محمود زید کی الفاظ میں

"حسن الخصال در زهد و عبادت و زکی و شفی و عقی و صفت ظہر

دانشد مدنی ریاضت کشید و در خدمت پیر خود پسر برد تا آنکہ

بہ مرتبہ "ولایت" رسید" 1

خواجہ حسن الخصال بالکل ان بڑے تعریف لیکن علوم باطنی میں کامل شیخ کی وجہ سے قرآنی آیات کو با
آسانی پہچان سکتے۔ لوگ آپ کی باتیں اس قسم کی تمہید لاتے جس میں کسی سطر پر قرآنی آیات ہوتی اور
کبھی غیر قرآنی سطریں ہوتی مگر آپ اپنے فہم و فراست اور ذہنی و عقلی کی بدولت بڑی آسانی سے قرآنی
آیت کو پہچان جاتے اور فرماتے کہ قرآنی آیت کو دیکھ کر مجھے ایسا دور نظر آتا ہے جو لامکاں تک پہنچا
ہوا ہے۔ حدیقتہ الاسرار فی اخبار الانبیاء میں لکھا ہے کہ

(ترجمہ) "ان کا ظاہر و باطن صاف اور دل روشن تھا۔ انہی ظاہری علوم سے

لاحزار تعریف لیکن ان کا باطن اس قدر روشن تھا کہ کوئی چیز اس سے

پوشیدہ نہ تھی۔ ایک دفعہ ان کا امتحان لینے کی خاطر کئی سطریں

لکھ کر ان کے سامنے رکھی گئیں پہلی سطر میں قرآن کی آیت تھی۔

دوسری میں حدیث شریف اور تیسری میں مشائخ نظام کے اقوال و احوال

درج تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ فرمایا پہلی قرآن

کی آیت ہے کیونکہ اس کا نور ہرگز سے بھی بڑھ گیا ہے دوسری حدیث

ہے کیونکہ اس کا نور ساتویں آسمان تک ہے اور تیسری مشائخ کے احوال

کے بارے میں ہے کہ اس کا نور آسمان تک ہے۔ یہ حیران ہو گئے اور

مسجد گئے کہ آپ کامل ہیں۔"

(بحوالہ حدیقتہ الاسرار فی اخبار الانبیاء (فارسی) ج ۱ ش ۱ ص ۱۹۲)

خواجہ حسن الخصال کی پیدائش ۸۰۲ھ میں ملتان میں ہوئی آپ کے خاندان کے بارے میں شیخ

محمد اکرام "منزل الخصال" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

1- احوال و آثار - شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خطابتہ القاری " ص 70

2- بحوالہ "انوار النعمان" (اردو) از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص 168

حدیقتہ الاسرار، ص 192 کے مطابق آپ ملتان میں پیدا ہوئے۔۔۔

" جس اصل میں خواجہ نے ایک سید زادہ تھے۔ وہاں کی ایک خاتون کے ساتھ ، جس کی ہمشیرہ ملتان میں رہا کرتی تھیں۔ آپ قلعہ سالی کے زمانے میں یہاں آئے۔ اس خاتون نے فرشتی قبیلہ کے ایک انسان (دادی) سے شادی کر لی اور جس بھی انسانوں میں سے کہ اور شادی بہا کر کے انسانوں میں ہو گئے۔ ان کی اولاد کو خواجہ، خواجہ یعنی خواجہ کہتے ہیں۔ مختلف انسانوں میں لکھا ہے کہ آپ شروع شروع میں، ان بھی کی طرح حرمات باپ کی نگرانی سے محروم رہ گئے ہیں، آوارہ و آزاد ہو گئے۔ بلکہ چوری اور ڈکیتی کا پیشہ شروع کیا اور فرشتی قبیلہ کے پختہ پختہ میں آپ کا صرف ہی ہجو یعنی چور رکھ دیا۔ لیکن پھر عیادت الہی شامل حال ہوئی۔ نگاہوں سے یک ظم تیرہ کی اور شیخ بہاد الدین زکریا کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے ایک مرحلہ ان کی خدمت میں گزارا اور بالآخر ایک کامل بنی ہو گئے۔ اس کے بعد مرشد نے حکم دیا کہ جا کر انسانوں میں ہدایت و ارشاد کا سلسلہ شروع کرو۔۔۔ چنانچہ وہ اپنے وطن واپس آئے اور فرشتی میں ارشاد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔۔۔ " 1

خواجہ حسن انسان کو جب بہاد الدین زکریا سے ولایت ملی تو آپ ان کے حکم سے نور فشتی کی اصلاح کے لئے تشریف لے گئے۔ ان قبائل کو نیکی اور ہدایت کا راستہ دکھایا اور بقول نور احمد خاں فریدی " اپنے زہد و حق کے سبب خواجہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔۔۔ " 2

خواجہ غلام الدین اولیاء آپ کی بزرگی و عظمت کا ذکر کرتے ہوئے یہ واقعہ بیان کرتے ہیں " ایک دفعہ میں جس ایک گلی میں جا رہے تھے ایک مسجد کے پاس پہنچے تو ان نے تکیہ کیا، امام آگے بڑھا اور لوگ اس کے پیچھے جماعت میں کھڑے ہو گئے۔ خواجہ حسن بھی مسجد میں داخل ہوئے اور امام کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ جب نماز ہو گئی اور لوگ خارج ہو کر چلے گئے تو خواجہ حسن امام کے قریب گئے اور اس سے کہا اے خواجہ! جب تم نے نماز شروع کی تو میں تمہارے پیچھے صفت میں تھا۔ تم نماز کے دوران میں یہاں سے دھکی گئے، وہاں لیٹے غلام غیبہ کہتے وہاں سے واپس آئے اور ان

لوڈی خلاصی کو غراساں لے گئے۔ وہاں سے تم ملتان لوٹے اور پھر اس
سجدہ سے آ گئے۔ جس سے تھکے پھٹے مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر یہ کیا
کار ہے؟¹

امام صاحب آپ کی یہ بات سن کر حیران رہ گئے۔ غرارجہ جس افغان کے ساتھ کوئی تصفیہ منسوب نہیں
ہے۔ اسی نے 880ھ میں وفات پائی اور ملتان میں بہادر الدین زکریا نے ہزار کے قہرپا رہے ہوئے۔

(11) سید جلال الدین سیح ہزاری

تصہ آج کی ایک اہم شخصیت حضرت جلال الدین سیح ہزاری اپنے دور کے نامور بزرگ اور علمی
کامل تھے۔ آپ 885ھ میں ہزارا میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم ہزارا میں ہی اپنے والد حضرت

1۔ بحوالہ "فوائد الفوائد" (اردو ترجمہ) ص 36

مزید حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) اشعارالاعتراف، ص 160 (2) تذکرہ بہادر الدین زکریا ملتان ص 57
(3) اولیائے ملتان از بشیر حسن عظیم، ص 82 (4) آب کوثر، ص 275 (5) اولیائے ملتان از فرحت ملتان، ص 220

2۔ ہشتی آج، ریاست بہاولپور کا اہم تاریخی، مذہبی اور ایسا روحانی شہر ہے جو ایک زمانے میں بڑا
تجارتی اور فوجی مرکز تھا۔ مسعود حسن شہاب اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ
"یہ شہر (آج) ریاست بہاولپور کی حدود میں چناب اور راوی کے سنگم کے قریب ایک
مطلوع مرتفع پر واقع ہے جس زمانے میں یہ سیاست، تمدن، تجارت اور علم و آگہی کا
گہوارہ تھا۔ ساحلی نے اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ فاتحین نے یہاں ذہنی ڈالنے
راجائی، مہاراجائی اور امرا و سلاطین کے مہر و زوال کی داستانیں اس سطح پر
مکمل ہوئی تھیں۔ علم و فنون کے سحر میں اس سے پہلے، روحانیت کے چشمے یہاں جاری
ہوئے اور وہ کوشش دنیا کی دولت اور علم و عرفان کی شخصیت تھی جو اس کے حلقہ میں
نہیں آئی۔"

(بحوالہ "خطہ پاک آج" از مسعود حسن شہاب، ص 20، اردو ایڈیشن بہاولپور، طبع اول 1967ء)

3۔ مسد ایوب قادری نے غزیت الاعلیاء جلد دوم کے حوالے سے لکھا ہے کہ "یہ بزرگ مختلف القاب اور
اسماء میں رہے، شہید اللہ، ابوالکلیات، ابو احمد، میر بزرگ، مقدم اعظم، جلال اکبر اور عظیم اللہ
کے نام سے بھی مشہور ہیں۔"

(بحوالہ — مقدم جہانگیر جہاں گنت از مسد ایوب قادری، ص 77، مطبوعہ ادارہ
تحقیق و تصنیف مار اول 1983ء، کراچی۔)

4۔ بحوالہ "خطہ پاک آج" از مسعود حسن شہاب، ص 203

سید علی ابوالموکد بن جعفر حسینی کی کرائی میں حامل کی۔ بخارا میں سید قاسم بخاری کی صاحبزادی طامعہ سے آپ کی شادی ہوئی جس کے پہلے سے آپ کے دو بیٹے سید علی اور سید جعفر پیدا ہوئے۔ بیوی کی وفات کے بعد 635ھ میں بخارا سے پہلے ملتان² اور پھر وہاں سے بھکر پہنچے وہاں کے ایک رئیس بدرالدین بن عبداللہ بن خطیب کی بیٹی سے شادی کی میر علی شہر قانع شہسوار آپ کی آندازہ عقد کے ہائے میں لکھتے ہیں

”سید جلال الہدوی کامل ہیں (ایک بار) وہ اپنے در فزندی سید علی اور سید جعفر کے ساتھ ملتان سے بھکر آئے ہوئے تھے۔ جہاں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواب میں سید بدرالدین کی دو بیٹیوں سے بکرہ دینے کی شادی کرنے کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سید (بدرالدین) کو بھی خواب میں ایسا ہی ارشاد ہوا (چنانچہ) سید جلال نے اس قرابت کا شوق حاصل کیا۔۔۔“ 3

بخارا سے ملتان آ کر آپ نے شیخ بہاء الدین زکریا سے بھت کی متعدد خوش شطاری لکھتے ہیں کہ

”آپ شیخ بہاء الدین زکریا کے مرید اور مقدم جہانیاں کے دارا ہیں۔

دس سر ہم کہتے ہیں تھمیر آگس آپ کو بخارا سے بھکر کھینچ لائی تھی۔“ 4

- 1- بحوالہ ”خطہ پاک آج“ از صفوح حسن شہاب، ص 203
- 2- مقدم جہانیاں جہاں گذشتہ ص 77 (2) تحفۃ الکرام، ص 367 (3) سیرالعارفین کے مطابق آپ پہلے ملتان شہر لائی پھر وہاں سے بھکر گئے جبکہ (1) خطہ بالکلیہ، ص 203 (2) اخبارالانصار، ص 137 (3) گلزار ابرار، ص 57 کے مطابق آپ پہلے بخارا سے بھکر شہر لائے۔
- 3- بحوالہ ”تحفۃ الکرام، از میر علی بیچ شہر قانع شہسوار مترجم اختر رفوی، ص 367 مطبوعہ مدھی ادبی بیرو کراچی 1959ء
- 4- بھکر میں آپ کی شہرت اور عظمت سے لوگ حسد کرنے لگے تو آپ کو وہ طلاق چھوڑنا پڑا۔ مصنف خوش شطاری کے مطابق

”آسانی گردش سے بہانوں کے دلی میں حسد اور کینہ پیدا ہوا۔ اہ۔ سب سے سید جلال الدین بہ ترک سکوت اوجھ جس آ کر گوشہ گزیں ہوئے بہت مدت تک خدا ہیستی میں مشغول رہے اور وحلت کے بعد بھی یہی شہر آپ کی خوابگاہ بنا۔۔۔“

(بحوالہ گلزار ابرار، ص 58)

مزید تفصیل کے لئے طامعہ فرماں (التم) اخبارالانصار، ص 137-138 (ب) آب کوثر، ص 277

- 5- بحوالہ ”گلزار ابرار“ از مصنف خوش شطاری ماضی مترجم فضل احمد میری، ص 57

جناب جلال سرخ بخاری کے بہاء الدین زکریا کے پاس آنے کی وجہ سے وہ حسن شباب بہ نتائج میں کہ جب بہاء الدین زکریا حصول علم کی خاطر بخارا تشریف لے گئے تو وہاں جلال الدین بخاری کے والد سید علی آپ سے بہت متاثر ہوئے والد کی طرح سید جلال بھی آپ کو پسند کرتے تھے اور وہیں پسندیدگی آپ کو ملتاں لے آئی اس کے علاوہ آپ بہاء الدین زکریا کے مشفق شیخ شباب الدین سہروردی کے عقیدت مند بھی تھے۔¹ سید جلال، بہاء الدین زکریا کے بہترین خلفاء میں سے تھے جو خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے میر علی شہر نافع شعشی لکھتے ہیں

"سید جلال بخاری جنہیں سید جلال سرخ کا لقب حاصل ہے۔ وہ شیخ بہاء الدین طناتی کے مرید اور بارہا میں بہ (بزرگ آپس میں) چار بار (کہلاتے) ہیں۔۔۔ شیخ بہاؤ الدین، شیخ فرید الدین، سید عثمان سہروردی (قادر شہباز) اور سید جلال سرخ۔۔۔" 2

آپ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں تیس سال تک رہے اور ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند شیخ صدر الدین فارت کے کہنے پر اچے شریف منتقل ہو گئے جہاں آپ آخری وقت تک رہے۔ محدث ایوب قادری آپ کے پوتے مخدوم جہانگیر جہاں نشت کی کتاب "الدر العظیم" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

"شیخ کبیر بہاء الحق والدین نے دعا گو کہ دادا کو بعد نص برس کے اچھے کی طرف مہیا بہ۔ وفات شیخ کبیر کے شیخ صدر الدین نے چھ زمانہ رکھا۔ بعد اس کے اجازت دی کہ اچھے میں ساکن ہو۔۔۔" 3

جس زمانے میں سید جلال الدین بخاری اچے تشریف لائے ان دنوں اچے کے گرد و خوار میں عہدوں کا تسلط تھا جو مسلمانوں کی دلآزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے لیکن سید جلال نے ہمت و حوصلے سے کام لیتے ہوئے خود اختیاری کے ساتھ دینی اسلام کی تبلیغ اور ان کفار کو راہ راست پر لانے کی ذمہ داری قبول کی اور اپنے مقصد کے حصول میں کاحاسب حاصل کی مولوی حفیظ الرحمان لکھتے ہیں کہ

"حضرت جلال سرخ نے اچے میں قیام کے بعد اصلاح و تبلیغ کا کام پوری

1- تفصیل مکتبے طائفۃ نوافل "خطہ ہاک اچ" از سعید حسن شباب، ص 202

2- "تصفیۃ الکرام" ص 267

3- "مخدوم جہانگیر جہاں نشت" از محدث ایوب قادری، ص 79

سعدی نے ساتھ شروع کیا۔ طاقت اچ کی چدر، ڈھر اور سیال وضرہ
نے حضرت کی عداوت پر متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ 1

ان کے علاوہ مولانا نور احمد خاں فہدی نے "تذکرہ عبداللہ بن عارف" میں اس طاقت کے راجہ گھلو کے
مسلماں ہونے کا ذکر کیا ہے " جس کی اولاد محمد گھلوان، اجاڑہ، چھٹہ مانی، ہیشو واس، چوٹالہ،
خاٹواہ، ملک پور، مہرا، کرام علی والا اور سعد اللہ پور (خلع ملتان) کے موافقات میں پھیلی ہوئی ہے۔ 2

سعود حسن شہاب نے خزینۃ الاصفیاء (جلد دوم) کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے۔

" ہزار ہا مطلق خدا را بہ عداوت جادی حقین براہ راست آورد و شہر
جھک سالان کہ در پنجاب مشہور و معروف است بنا فرمود،

توجہ — ہزاری لڑکی کو عداوت جلی سے راہ راست پر لائی اور شہر
جھک سالان کی جو پنجاب کا مشہور خلع ہے بناد بھی آپ ہی نے
رکھی۔ 3

سید جلال بخاری جب اچ شریف لے گئے تو اصلاح و تبلیغ کے کام کے لئے انھیں نے ایک " خاٹواہ بخاریہ"
کی بناد رکھی، سعود حسن شہاب کے مطابق

" اچ میں حضرت سید جلال سرخ بخاری نے خاٹواہ بخاریہ کی بناد رکھی
اس خاٹواہ میں علی اور روحانی استفادہ کرنے والی کا ٹاٹا بندہ کیا اور
اس کثرت سے روح خلق حضرت شیخ کی جابب ہوا کہ بہت جلد اچ کا وہ
حصہ جہاں حضرت والا لڑکھٹے تھے، اچ بخاری کے نام سے دور و نزدیک
مشہور ہو گیا۔ 4

اس خاٹواہ کے طاقہ سعود حسن شہاب اچ مرکز ظم و عرفان کے نسب میں ایک اور خاٹواہ جلالیہ کا ذکر
کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

" حضرت سید جلال سرخ بخاری کی آمد پر یہاں خاٹواہ جلالیہ کی بناد

- 1- بحوالہ " تاریخ اچ " ص 98
- 2- بحوالہ " تذکرہ عبداللہ بن عارف " ص 171
- 3- بحوالہ " خطہ پاک ارج " ص 210
- 4- - - ایضاً - - ص 211

ہوئی جس میں خود حضرت مخدوم اور ان کے ہند ان کے لڑکھ حضرت سید احمد کبیر زید صمد رہے۔

اس درس گاہ کو غیر معمولی شہرت حضرت سید احمد کبیر کے لڑکھ اور حضرت مخدوم جلال سرح ہزاری کے ہونے حضرت مخدوم جہاں جہاں گشت کے زمانہ میں حاصل ہوئی۔ اس عہد میں عہد اور ہستی عہد سے یہاں اس قدر طلباء جمع ہوئے کہ اس کی مثال دہلی کے سدا اور کہیں نہیں ملتی۔ ان طلبہ میں بعض حضرات اپنے زمانہ کے ممتاز اہل علم و فضل اور نامور اصحاب شجاعت تھے اور جن جن علاقوں میں گئے وہاں ایک دنیا ان کے فیوض علمی و عقلی سے بہرہ ور ہوئی۔ " 1

جلال الدین سرح ہزاری اپنی عمر کے آخری حصے تک اوج میں مقیم رہے اور یہیں 18 جنوری 1291ھ مطابق 20 مئی 690ھ (1291ء) میں وفات پائی۔ حدیثۃ الاولیاء میں دئیے ہوئے نسخہ تاریخ سے اس کی تصدیق ہوئی ہے۔

جلال الدین سرح ہزاری کو شہرت حاصل ہوئی آپ نے اپنے والد اور	جو رفت از جہاں در بہشت ہستی
صدرالدین عارف دہلی سے خلافت حاصل کی تھی۔ سید احمد کبیر میں کے دو لڑکھ سید صدرالدین	ہزارخ او مہر دولت ہو
راجہ قتال اور مخدوم جہاں جہاں گشت، اچ شہادت کی وہ عظیم شخصیتیں ہیں جنہیں دنیا ہمیشہ	دگر قبلہ اہل جنت چہ جلال

آپ کے باپ لڑکھ تھے جن میں سے سید احمد کبیر مشہور ہوئے کو شہرت حاصل ہوئی آپ نے اپنے والد اور صدرالدین عارف دہلی سے خلافت حاصل کی تھی۔ سید احمد کبیر میں کے دو لڑکھ سید صدرالدین راجہ قتال اور مخدوم جہاں جہاں گشت، اچ شہادت کی وہ عظیم شخصیتیں ہیں جنہیں دنیا ہمیشہ یاد رکھتی ہے۔

وال نے ہند سید جلال ہزاری کو قصبہ چناب بسول پر بھیجا، جہاں وہ رہنے لگے، دہلی گیا تھا لیکن دہلی کی ظفانی کے سبب وہ حصہ متاثر ہوا تو آپ کو سیوگک بیلا منتقل کر دیا گیا یہ طائفہ بھی دہلی ہی رہا تو آپ نے جسد مبارک کو آپ کے ہونے سید راجہ قتال کے مزار کے ساتھ دہلی گیا تھا پھر

1۔ بحوالہ "خطہ پاک اوج" ص 167

2۔ حوالے کے لئے دیکھئے (1) مخدوم جہاں جہاں گشت، ص 61 (2) خطہ پاک اوج، ص 212 (3) آب کوثر از شیخ محمد اکرام، ص 277 (4) سیرالغریب، ص 222 (5) تذکرہ اولیائے حق و پاک، ص 481 البتہ اخبار اللغات از مولوی عبدالحق محدث دہلی، ص 127 پر آپ کا یہ بیان 632ھ تصحیح ہے

3۔ بحوالہ "حدیثۃ الاولیاء" از غلام سرور لاہوری، ص 74، مطبوعہ نولکشم

مقدم محاط دو بہار آہ نے 1026ھ (1617ء) میں زبردست مخالفت کے باوجود آپ کے جسد مبارک کو وہاں سے نکال کر اس جگہ دفن کیا جہاں اب ان کا مزار موجود ہے۔ آپ کے مقبرہ کی موجودہ عمارت کو نواب بہاول خاں ثالث رکن بہاولپور نے پختہ بنوایا اور احاطے میں ایک کنواں اور طالب بھی بنوایا۔ 1300ھ میں نواب صادق محمد خاں رابع نے اس کو وسیع کرتے ہوئے اس کی مرمت بھی کروائی۔¹

(12) شیخ رکن الدین ابوالفتح

ناٹھی جاوید کے مطابق شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتان

”ایک لحاظ سے شیخ زکریا کے خاندان کے آخری نامور بزرگ تھے انھوں نے دینی اور دنیاوی معاملات میں اپنے خاندان کی روایات کو برقرار رکھا۔۔۔۔۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے صورت اور سیاست میں قریبی ربط پیدا کرنے کی جس کوشش کا آغاز کیا تھا۔ ان کے بچنے کے زمانے میں وہ صوبہ الہیہ میں بک رہ گئے جہاں تک کہ اسے مولانا آدرش پر بھی ترجیح دی جائے لگی۔۔۔۔۔“ 2

فوت بہاء الحق کے بچے اور شیخ صدرالدین عازم کے بھٹے شیخ رکن الدین ابوالفتح اپنے والد کی وفات کے بعد سجدہ کی پرستش۔ اور باقی سال تک سجادہ شریف رہے۔ ”سفینۃ الاولیاء“ میں لکھا ہے ”پہلے دو سال میر سجادہ پدر و جد بزرگوار شریف پادشاہ طالبان قیام داشتہ“ 3

آپ معتبرہ میں ہی راستی، جوہیں ہی پاک دامن کے نام سے مشہور ہیں، نے اکتلئے فزاد تھے جنھیں حضرت بہاء الدین نے آپ کی بدافتہ سے دو ماہ قبل خوشخبری سنائی تھی کہ ان کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہو گا جو ”خانی خاندان کا چراغ اور خانی خاندان کی شمع ہے۔“

- 1- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (القلم) مقدمہ جہاں گندہ 81 (ب) خطہ پاک آج، ص 212
- 2- بحوالہ ”پہلے کے صلی دانشور“ ص 105 - 106
- 3- بحوالہ ”سفینۃ الاولیاء“ (فوس) ص 177، مرقۃ یارمحمد مرید حضرت شیخ خواجہ حافظ غلام حسرتیہ 1280ھ
- 4- بحوالہ ”سیرالعارفین“ ص 200۔۔۔ ”سفینۃ الاولیاء“ (فوس) از داراشکوہ، ص 187، مطبوعہ دولکشر میں

”شمع“ کی جگہ ”شمع“ کا لفظ استعمال ہوا ہے جگہ میں ہے۔ اور چراغ خاندان و شمع دوردار خاندان

آپ 9 رمضان المبارک 649ھ (1251ء)¹ بروز جمعہ کو پیدا ہوئے تو آپ کے دادا بہاء الدین

زکریا نے آپ کا نام رکھ دیا تھا۔ آپ "ابوالفتح"² کے لقب سے مشہور ہوئے۔ خواجہ شمس

سبزواری نے آپ کی سعادت مدنی سے متاثر ہو کر آپ کے نام کے ساتھ "والعالم" کا اضافہ کیا اسی صحت سے آپ رکھ ظلم بھی کہلائے۔³

حضرت بہاء الدین زکریا نے جس طرح اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام کیا تھا

اسی طرح شاہ رکن عالم کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی خاص توجہ دی آپ نے اپنے والد امیر ججائی کی

طرح اپنے دادا کی قائم کی ہوئی درسگاہ، مدرسہ بہائیہ، میں تعلیم حاصل کی جہاں جدید علماء ہزاریہ

طالبان علم کی پیاس بجھانے کو موجود تھے۔ قرآن مجید ساتھی قرأت کے ساتھ والد معتمد صدرالدین غارت

سے پڑھ کر حفظ کیا۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کی تربیت کا بھی خیال رکھا جانا چاہیہ آپ کے والد

تہجد، اشراق، چاشت، زوال، ہیں الفاضل امیر دیگر خواہاں ادا کرنے وقت آپ کو بھی ساتھ شامل رکھتے

تھے احمد شاہ فریدی بزم صوفیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

"انہی نے مکاشفہ و معانی سے اپنے مدارج طے کر لئے تھے کہ ان کو مغرب

شہود الہی، منبع جود، لامتناہی، اندرہیں خلوت و وحدت، ہرچیز پر ہر طرف،

گوشت و بدن صفات لایہ، تو لوتے سمجھتے دریائے غیب زدتہ العالیات، مطلق کل

اور حل الحق کے القابات سے ہار کھا جاتے لگا تھا۔" 4

مدرسہ بہائیہ میں آپ نے اس زمانے میں مروجہ تمام دینی کتابیں ہر کامل عبور حاصل کر لیا تھا۔

آپ کی تعلیم و تربیت ہر جو خصوصی توجہ دی گئی اس نے آپ کی شخصیت بنانے میں اہم کردار ادا کیا

1- حوالے کیلئے دیکھئے (الحق) "قلب الاقطاب شاہ رکن عالم" از میر احمد فریدی، ص 18، مطبوعہ ہجر
الادب، جگوالہ ضلع ملتان (ہم) مخدوم جہاں جہاں جہاں گفت از سعدایوب قادری، ص 71 (ج) اوطان
ملتان از بشیر حسن ناظم، ص 37 البتہ حدیثہ الاسرار فی اخبار اللہ علیہ السلام، ص 195، اخبار
الاخبار، ص 142 ہر 635- دج ہے جبکہ احوال و آثار۔ شمس بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین
از ڈاکٹر شمیم محمود زیدی، ص 34 میں سے پیدائش 637ھ دیا گیا ہے۔

2- بشیر حسن ناظم کے مطابق "آپ ابوالفتح کے گرامی لقب سے بدین باعث مشہور ہوئے کہ آپ اپنے باطنی
اعوار و تجلیات سے اپنے تمام متوسلین اور ارادت مدنی کے دلی کے احوال و غیبات معلوم کر لیتے تھے۔
(بحوالہ "اوطان ملتان، ص 50)

3- بحوالہ "قلب الاقطاب شاہ رکن عالم" ص 19

4- -- ایضاً -- ص 34

چشمہ آب

"صاف و ریاضت، تقویٰ و طہارت، پاکیزگی و پرهیزگاری میں پختائی زمانہ
تھی۔ ہمدرد صانع، شفقت و مہربانی، اللہ و محبت، عروج و مدح، ہر
ماہی و سمندل میں خلق اور جس طرح میں لائق تھی۔ رب العزت نے
آپ کو ظلم و حیا، صدق و سفاہ، عفو و وفا اور عبودیت کا ایک بحر
بیکراں بنا دیا تھا۔ آپ کا اکثر وقت ذکرِ خلی (Latent Remembrance) اور ذکرِ خلی
patient Remembrance میں گزرتا۔ ریاضت و معاہدہ میں اس حلا کشی اور جفا کشی سے کام لیتے
کہ دیگر اہل معاہدہ حیران و ششدر رہ جاتے۔ دس برس کی عمر میں
احوال و کشفِ تصور اور کشفِ قلوب میں فانی ہوئے اور اس کے بعد وہ
بعد کمالات صوری اور حقیقی کا اسوۂ کاملہ بن گئے۔" 2

قطب المصائب شاہ رکن عالم کو وہ خیرۃ خلافت اپنے والد کی طرف سے ملا جو بہاء الدین زکریا کو شہاب
الدین سہروردی کی طرف سے ملا ہوا تھا اور آپ نے بہاء الدین زکریا کی وہ دستار پہنی جو جچوں میں
کھیلنے والے آپ نے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی تو صدر الدین عارت نے آپ کو ٹوکا لیکن بہاء الدین زکریا
نے فرمایا کہ اسے یہ کوئی حقیقت میں اس کے مستحق ہیں۔ چشمہ بہاء الدین زکریا نے وہ دستار صدق
میں رکھوا دی جو مئے ہو کر آپ کے سر پر رکھی گئی تھی۔

شاہ رکن عالم سخاوت اور غریب دوستی میں بھی اپنے والد سے کس طرح کم نہ تھے۔ آپ نے
ساری زندگی اپنے لئے کوئی مال و دولت جمع نہ کیا بلکہ آپ کو جہاں کہیں سے بھی جو کچھ ملتا اسے
فوراََ مستحق میں تقسیم فرما دیتے آپ نے دہلی کا سفر بھی اختیار کیا اور جب آپ دہلی تشریف لے گئے
تو سلطان علاؤ الدین نے آپ کی خدمت میں پہلے دو لاکھ تھے پھر کچھ جو آپ نے فوراََ تقسیم فرما دیے
پھر واپس کے وقت اس نے تین لاکھ تھے پھر کچھ وہ بھی آپ نے فوراََ تقسیم فرما دیے۔ شہادۃ الدین برنی

1۔ ذکرِ خلی سے مراد اصل عبادت ہے جس میں صرف طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جس کی ذمہ داری خدا کے
ساتھ پیدا ہو سکتی ہے۔ غناء و طریقہ اسم کا ہر فعل ہو کلمہ، طائر، طاووس قرآن مجید ہو
و غیرہ اور اپنے کا ہر فعل ہے اور تا صرت خدا کے ساتھ پیدا رکھنا ہوتا ہے۔

2۔ بحوالہ "اولیائے ملتان" از بشیر حسین ظالم، ص 38-40

3۔ تحصیل کلمۃ مباحثۃ فریاضی (الدم سیرۃ الفاضل، ص 200) (ب) اولیائے ملتان از بشیر حسین ظالم،

ص 39 (ج) تذکرہ قطب المصائب شاہ رکن عالم، ص 22-23

" تاریخ فیروز شاہی " (اردو ترجمہ) میں لکھتے ہیں

" شیخ دو مرتبہ علاء الدین کے عہد میں دہلی آئے ہر مرتبہ سلطان نے آئے
وقت دو لاکھ اور واپس کے وقت پانچ لاکھ تک پیش کئے یہ سب رقم شیخ نے
قراہ میں تقسیم کر دیں۔۔۔۔۔ " 1

شاہ رکن عالم کے تعلقات سے صرف علاء شاہی سے تھے بلکہ آپ سلاطین کے ساتھ بھی تعلق رکھنا کرتے
تھے۔ 2۔ اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کی شکایات کو سلطان تک پہنچایا جائے اور ان کی مشکلات
کو حل کیا جائے۔ حدیثتہ الاسرار فی اخبار الابرار کے مطابق

"۔۔۔۔۔ وقت حضرت فرد بادشاہ محض بوائے حاجت برائی اہل حاجات ہوجے
کہ ذات پاک ایشان محض غیر خواہ خلق اللہ سے۔۔۔۔۔ " 3

چنانچہ اس سلسلے میں آپ کا خصوصی طریقہ تھا " سیرالاولیاء " کے تحت اپنے والد کے حوالے سے لکھتے
ہیں کہ

" جب میں ان مزدگوارہ کے سامنے کھانا لے گیا تو شیخ رکن الدین کے لڑکے
پر محتاجی کی عرضیں اور کافلات کا ڈھیر لگا دیا دیکھا میں روٹیاں
رکھنے اور جگہ وسیع کرنے کھانے اور کافلات کو ایک جمع کر رہا تھا کہ اسی
اثناء میں شیخ رکن الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے سلطان الشاہ کی طرف
منوجہ ہو کر کہا تم جاہل ہو کہ یہ کافلات کبھی میں بعدہ خود دیوایا کہ اس
زماں کے مسکین کی عرضیاں ہیں جب میں بادشاہ کے پاس جاتا ہوں تو محتاج
لوگ اپنی عرضیاں دینے میں تاکہ انکی حاجات انجام کو پہنچیں۔۔۔۔۔ " 4

1۔ بحوالہ " تاریخ فیروز شاہی " ص 498، مکتبہ مرکزی اردو بیروں لاہور، مارچ 1969ء

2۔ آپ کے خاندان کے بزرگ شیخ الاسلامی نے مصب کے باعث دہلی کی حکایت کے ساتھ خصوصی تعلق
رکھتے تھے اس لئے سیاست میں بھی آپ کے والد اور دادا کا غاس کردار ہوتا تھا۔ قاضی جاوید کے
مطابق " سیرتہ مکتبہ فکر کی نوجہ کا مرکز حصاراں تھے ان کے ہی ملاقات اہمیں عزیز تھے اصل یہ
ہے کہ سپروری اکابرین اور خصوصاً شیخ رکن الدین بخاری طور پر اسے جانکوار تھے جنہیں ورث
میں روحانی اقتدار بھی ملا اس اقتدار کو اچھی طرح اکثر و بیشتر دعاوی حاملات کھانے استعمال کیا "
(بحوالہ " پنجاب کے صوبی دانشور " ص 114)

3۔ " حدیثتہ الاسرار فی اخبار الابرار (فارسی) ص 125

4۔ بحوالہ " سیرالاولیاء " ص 145-146

آپ کے ساتھ/خادم سے عرضیاں پڑھواتا اور مناسب جواب جاری کرواتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے عہد کی اہم سیاسی و مذہبی شخصیت تھے۔ سلاطین کے درباروں میں بھی اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں کہ

"شیخ رکن الدین در زمان خود شخصیت ارجح و بشمار میر فتح سلطان علاء الدین خلجی و پیروز قطب الدین خلجی احترام زیادی برآی او قابل بود۔ شیخ با سلاطین تغلق ہم روابط خاصی داشت۔" 1

ایک مرتبہ جب سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ نے ملتان کے قتل عام کا حکم دیا تو آپ بڑھتے ہوئے سلطان کے دربار میں پہنچے سلطان نے انہیں تعلقات کی بنا پر قتل عام کا حکم روک دیا۔ 2

قاضی جاوید لکھتے ہیں

"اس واقعہ کے بعد شیخ رکن الدین ملتان میں مقیم رہے یہ ان کی زندگی کے سب سے زیادہ پر سکون دن تھے۔ ان کی روحانیت اور سیاسی اہمیت کے چرچے پورے مسلم عہد میں پھیل چکے تھے۔ ان کی ارادت مہدی کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ ملتان اور اس کے گرد و نواح میں ان کی جاکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ سلطان محمد تغلق بھی ملتان کے واقعہ کے بعد دہلی جاتے ہوئے شیخ کی خدمات کے عوض اپنے باپ کا تحفہ کردہ ہر سکوت مقررہ اور سو دیباچے طرزانے کے طور پر دے گیا تھا۔" 3

شاہ رکن عالم کی دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے پانچ مرتبہ ملاقاتیں ہوئیں۔ 4

1- بحوالہ "احوال و آثار۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ القاریں" ص 55

2- سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ کے زمانے میں کشنلو شاہ نے ملتان پر قبضہ کر کے ملتان اور بکر میں بغاوت کر دی 728ھ میں سلطان نے خود حملہ کر کے اس بغاوت کو فرو کیا۔ کشنلو شاہ اس حملے میں مارا گیا اور اس کی بیٹی بکھر گئی۔ بادشاہ نے ملتان کے قتل عام کا حکم دیا تو شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ملتانی کی سفارش کیلئے بڑھتے ہوئے سلطان کے دربار میں آ کھڑے ہوئے آخر سلطان نے آپ کی سفارش مان کر ملتان کا قتل عام روک دیا (تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (1) تاریخ حصی ص 65 (2) آب کوثر ص 264 (3) قطب الاقطاب رکن عالم، ص 148-149 (4) "مرقع ملتان" از اولاد علی گیلانی، ص 214

3- "چند پنجاب کے صوفی دانشور" ص 113

4- سید غفور مبارک کرمانی نے "سیرالاولیاء" میں آپ دہلی کی پانچ ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں "سیرالاولیاء" ص 143 تا 148)

اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ دہلی کے سلطان قطب الدین خلجی کے دل میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی طرف سے کچھ رنجش پیدا ہوئی تو انہی نے دہلی میں ان کا اثر و رسوخ کم کرنے کے لئے ملتان سے شاہ رکن عالم کو بلوایا۔ شاہ رکن عالم جب دہلی پہنچے تو سب سے پہلے آپ کی ملاقات نظام الدین اولیاء سے ہوئی جو آپ کے استقبال کے واسطے حوض خانی کے مقام پر تشریف لائے تھے۔ شاہ رکن عالم کی جب سلطان سے ملاقات ہوئی تو اس نے پوچھا کہ آپ کی ملاقات اس شہر کے بزرگوں میں سے کس سے پہلے

”جو اس شہر کے تمام باشندوں میں زیادہ بہتر و بزرگ تھا۔۔۔“ 1

کہا جاتا ہے کہ یہ سن کر سلطان قطب الدین خلجی کے دل میں خواجہ نظام الدین اولیاء کی طرف سے جو رنجش تھی وہ دور ہو گئی اس کے بعد آپ جب بھی دہلی تشریف لائے تو خواجہ صاحب سے ضرور ملاقات کرتے اس دوران آپ دوسری کے دریاں ملی نکات کا تبادلہ بھی ہوتا جسے سننے کے لئے کئی لوگ جمع ہوتے۔۔۔

تمام دہلی کے درواں ہی میں ایک مرتبہ آپ نے سماع کی محفل میں شرکت فرمائی۔ آپ دہلی میں تھے کہ ہا یا فرید کے عرس کا زمانہ آ گیا تو خواجہ نظام الدین اولیاء نے دہلی میں ہی عرس کا انتظام کیا جس میں شاہ رکن عالم بھی شامل ہوئے۔ اسی عرس کے موقع پر محفل سماع کا بھی انتظام کیا گیا۔ سماع کے دوران وفد میں آ کر خواجہ نظام الدین اولیاء اٹھنے لگے تو رکن عالم نے انہیں پکڑ کر بٹھا لیا۔ تدفین دیر بعد وہ دوبارہ اٹھے تو آپ نے انہیں نہیں روکا بلکہ خود بھی دوسری مشائخ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ بعد میں مولانا علم الدین نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ

”میں نے حضرت کو پہلی مرتبہ عالم ملکوت میں پایا میرا ہاتھ وہاں تک

پہنچ گیا اور دوسری مرتبہ میں نے ان کو عالم جبروت میں دیکھا اور اپنا

ہاتھ روک لیا۔۔۔“ 2

1- بحوالہ ”سیرالاولیاء“ ص 143 -- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) قطب الاقطاب شاہ رکن عالم

، ص 145 تا 148 (2) گزارش ابرار، ص 58 - 59 (3) اخبارالانصار، ص 146 تا 149

(4) ”آب کوثر“ ص 263

2- بحوالہ ”سیرالطاریف“ ص 204

شاہ رکن عالم کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت مقدم

جہاں جہاں گشت کو حاصل ہے۔ جو ابتدائی تنظیم اچ سے حاصل کر کے بعد آپ کے مدرسہ میں مزید

تنظیم حاصل کرنے کے لئے ملتان میں کافی عرصہ قیام پذیر رہے۔ ان کا تفسیلی ذکر آگے آئے گا۔ آپ کے

خلفاء میں شیخ وجیہ الدین عثمان ستانی کا نام بھی آتا ہے جن کا مزار دہلی میں ہے آپ شاہ رکن عالم

کے ساتھ ملتان شہر لے آئے اور دو سال یہاں قیام فرمایا اس دوران قرآن مجید حفظ کیا اور آپ سے

معارف العارف بڑھی پھر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے ہوتے ہوئے شیخ کے حکم سے دہلی میں قیام فرمایا

جہاں خواجہ غلام الدین اولیاء رہتے تھے۔ آپ سماع کے بہت شوقین تھے حالانکہ سلطان فیاض الدین تفضل

نے اس پر پابندی لگائی ہوئی تھی۔ شیخ مجد الدین خاھر بھی آپ کے صید تھے جن کا مزار قصبہ کنور

میں ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے خلفاء میں حمید الدین حاکم، حاجی صدر الدین چراغ شاہ جوں پوری، مولانا

ظہیر الدین محمود سہروردی اور حضرت علی بن احمد فوری شامل ہیں انہی نے بہاء الدین زکریا کی کتاب

"الاوراد" کی شرح "کثر الصیاد" کے نام سے لکھی۔ شیخ رکن الدین نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔

قاضی جاوید نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے

"شیخ رکن الدین ابوالفتح کی زندگی زیادہ تر سیاسی ہنگاموں کی غم زد ہو

ہوئی تھی۔ درس و تدریس سے انہیں زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ ان کی بار

گاری میں کوئی تصنیف بھی موجود نہیں۔ موطاآت مسائل اور المسائل کثرت

طرزاً ہی سے انہیں دلچسپی نہیں تھی۔۔۔"

(بحوالہ "پنجاب کے صفی دانشور" ص 114)

البتہ اخبار الاخبار، ص 74 پر "جمع الاخبار" کے نام سے ایک کتاب ان سے منسوب کی گئی ہے۔ ڈاکٹر

شعیم محمود زیدی کا بیان ہے کہ

"در بارہ تصانیف شیخ مذکورہ نو سال جزئی غور کیا۔ فقط در کتاب

اخبار الاخبار ص 74 اسی از "جمع الاخبار" پردہ شدہ تھیں از آن

ظل شدہ است و این کتاب را بہ شیخ رکن الدین نسبت داده اند۔۔۔" 1

شاہ رکن عالم نے اپنی عمر کے آخری دس سال حافظہ شعبہ ہو کر گزارے اور اس دوران آپ کے خلفاء آپ کے

گرد جمع رہے وہاں سے کچھ پہنچے قبل آپ نے سب کو جمع کر کے دعا کی یہ ثباتی اور قافی ہونے کے باعث
میں وحط فرمایا اور اس کے بعد اپنے بھتیجے اور شیخ عداد اسحاق کے بیٹے شیخ عبداللہ بن محمد¹ کے سر پر
وہی دستار مبارک رکھ کر انہیں اپنا جانشین مقرر فرمایا، جو آپ کو آپ کے دادا نے دی تھی۔ ڈاکٹر
شعیم محمد زیدی کا بیان ہے

"شیخ رکن الدین جی صاحب فرزند شیخ محمد از او خلفائی عظام او بہ
جانشینی اور رسد مدعو حقیقتاً با در گذشت او سلسلہ سپردہ از ملتان
بہ آج منتقل شدہ و اس خطہ بصورت مرکز روحانی شد و پنجاب
در آمد۔۔۔۔۔"

اس کے بعد حال تک تقریباً تین ماہ کا عرصہ آپ نے زیادہ تر اپنے حجرے میں عبادت کرنے ہونے گزارا صرف
فرض نمازی کے لیے باہر تشریف لاتے حال والے دن مولانا شہیر الدین محمد کوہ جو آپ کو وضو کرا رہے تھے
فرمایا کہ جاؤ میری تہیز و تکفیل کا انتظام کرو، وہ سن کر باہر آئے اور دوسرے خلفاء کو بھی یہ بات
بتائی سب مسجد گئے کہ آپ کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ آپ نے غرب کی صاف پرچائی اس کے بعد صلوات
ادا کر رہے تھے فارغ ہونے کو سجدے میں سر رکھا اور حق نفس مصری سے ہزار کر گئی آپ کی
وفات 735ھ (1334م) میں ہوئی۔ آپ کا بیٹہ قلعہ قدیم پر ہے جہاں آپ کے دادا اور آپ کے والد
محترم کے مزار بھی ہیں۔ آپ کے مزار کی صاف فیات الدین تغلق نے اپنے مقبرے کے لیے تعمیر کرائی تھی
لیکن وہ دہلی میں فوت ہوا اور اسے وہیں دفن کیا گیا۔ اس کے بیٹے محمد بن تغلق نے یہ صاف آپ کے
روح کے لیے دی۔⁴ ڈاکٹر شعیم محمود زیدی لکھتی ہیں

- 1۔ بحوالہ (الدم مرآتہ الاسرار، جلد دوم، ص 263) (ب) قطب الاقطاب شاہ رکن عالم، ص 250
- 2۔ "احوال و آثار۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" ص 55-56
- 3۔ بحوالہ "1) سیر العارفین، ص 208 (2) قطب الاقطاب شاہ رکن عالم، ص 257 (3) آب کوثر
ص 267 (4) مندوم جہانیاں جہاں گشت، ص 73 (5) مرآتہ الاسرار، ص 263
- (6) سفینۃ الاولیاء، ص 154 (7) اوطاف علیہ سلطان، ص 510 (8) تاریخ فیض شاہی، ص 496
- (9) تذکرۃ اوطاف علیہ و پاکہ، ص 484 (10) مصولات مطہرہ و محبوب العارفین، ص 145 جبکہ
اخبار الاخبار، ص 142 پر سے وفات 690ھ اور "احوال و آثار۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، ص 56
پر 734ھ درج ہے۔

- 4۔ حوالے کیلئے دیکھئے (الدم آب کوثر، ص 266) (ب) مرقع ملتان، ص 215

در مقبرہ ای کہ سلطان فیات الدین متوفی 1320ھ ہوائی خوش بود

طائی شد۔۔۔ " 1

آپ کے مقبرہ کی صارت کافی اونچے ہے اور شہر میں دور دور سے نظر آتی ہے، اطراف طائی گیلان کے مطابق

" آپ کے پڑا صارت کی صارت ہندوستان کی بہترین صارتوں میں شمار

کی جاتی ہے یہ عظیم الشان صارت شکل کی ہے اس کا مرکزی قطر

51 فٹ 9 انچ لمبا ہے۔ ہر ایک زاویہ پر صودی ستی کھڑے ہیں۔ اس

سے اور کے حصہ میں ایک اور مثل شکل کی صارت استادہ ہے جس کا باہر

کی طرف کا گھیر تقصیراً 25 فٹ کا ہے اور اونچائی میں 26 فٹ ہے۔ اور

کے گھنڈ کی بیرونی گولائی 58 فٹ ہے اور کل مقبرہ کی بلندی سو فٹ اور

دو انچ ہے۔ چونکہ مقبرہ بہت بلندی پر واقع ہے اس لیے اردگرد کی آبادی

سے یہ کوئی ڈیڑھ سو فٹ کے قریب بلند ہے۔ طائوں سے 12 یا 15 میل

کے فاصلے سے یہ صارت نظر آتی ہے۔۔۔ " 2

(13) شیخ حسام الدین طتائی

=====

مولا حسام الدین طتائی کا تعلق سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے دس خلفاء میں ہوتا

ہے۔ 3۔ آپ 687ھ (1268ء) میں پیدا ہوئے، چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام سے تعلق رکھتے تھے۔ 5۔ آپ

علوم ظاہر و باطن میں مشہور تھے صحت سرالاولیاء رکھتے ہیں کہ

" زاہد روحانی تابد سبحانی مولا حسام الملک والدین طتائی سلطان المشائخ

1۔ " احوال و آثار ۔ شیخ بہاء الدین زکریا طتائی " ص 55

2۔ بحوالہ " مجمع مولا " از سید محمد الطراد طئی گیلانی، ص 214-215

3۔ (الذی) مراثی السراور (جلد دوم) ص 313 (ب) شیخ محمد اکرام کے مطابق

" حضرت سلطان المشائخ کے دس خلفاء کے نام (سید موسیٰ طائی الحسنی والہشتی مقدم

سید حسن عتق سوار، شیخ حسام الدین گیلانی) ہیں کے بزرگی میں طتے ہیں۔ لیکن

اولیت کا شرف شیخ حسام الدین کو حاصل ہے۔ ان کا وطن طتائی تھا اور حضرت سلطان

المشائخ کے خاص خلیفہ تھے۔ " (بحوالہ آپ کوثر، ص 331)

4۔ " مرقۃ المفاتیح و جمیع الصالحات والفوائد " مؤلفہ علامہ سید عبدالحق بن لہر الدین الحسنی متروم ابو

یحییٰ بامام خان، ص 216 مطبوعہ مقبول اکڈمی، لاہور طبع اول 1963ء

5۔ بحوالہ " تاریخ مشائخ چشت " از خلیف احمد طتائی، ص 178

کے ستار و اولوالعزم خلیفہ میں جو علم تقویٰ اور فہم و زہد میں ایک کامل
آیت تھے۔ آپ کو علم فقہ میں انتہا درجہ کی مہارت تھی ہدایہ کی دینی
جلدیں حفظ تھیں اور اس کے تمام مطالب نوک زبان تھے علم سلوک میں قوت
القلوب اور اعیان العلوم دینی جامع جلدیں ازبر تھیں اور باوجود ان تمام
بزرگوں اور فضائل کے زائر الحرمین اور صاحب نصیب تھے۔ " 1

شیخ حسام الدین نے اپنی عبادت گزاری اور ریاضت کی زندگی کے بارے میں کسی کو کاشی کاں خبر نہ
ہوئی تھی۔ ان کے ذریعہ خاص کے بارے میں گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ

" ہمیشہ ناک پہننے سے روزمرہ کی قوت ہم پہنچاتے تھے اور جو کچھ ہم
پہنچتا تھا اس میں سے ہمیں آدھی آدھ کسی اور شخص کو دیدیا کرتے
تھے جو مستحق ہوتا تھا۔ اور کسی علوم کے دوس میں مشغول رہتے تھے۔
رحلت کے وقت تک ہمیں روز و رفتار اور کاروبار رہا۔ " 2

مولانا نے اپنی باطل زندگی سادی اور ریاضت میں گزاری محنت سے کام لیتے اور حتا وقت بچتا عبادت میں
گزار دیتے۔ آپ نے کبھی ضرورت سے زائد اپنے گھر میں نہیں رکھا تھا بعض اوقات تو جب کچھ نہ ملتا تو
کئی کئی دن قلعے میں گزار دیتے لیکن کبھی کسی سے کچھ لینا گوارا نہ کرتے بلکہ جو کچھ بھی کہیں سے
حاصل ہوتا اسے لوٹی پر غنیمت کر دیتے۔ آپ نے بہت عرصہ تک خود کو لوٹی کی شرط سے چھپائے رکھا
تاکہ لوٹی کو آپ کے بارے میں کچھ علوم نہ ہو سکے اور جب لوٹی کو آپ کے بارے میں علم ہوا۔ 3۔ تو پھر
کھل کر لوٹی کی خدمت بھی کی اور ان کی رہنمائی کو اپنا شعار بھی بنا لیا۔ آپ کے زہد و تقویٰ
ریاضت، باطنی اور بیرونی کی وجہ سے اس نظام الدین اطمینان فرماتا کرتے تھے کہ شہر دہلی شیخ حسام

1- بحوالہ " سیرالاولیاء " اردو ترجمہ غلام احمد برہان مولانا سید محمد جبارک کرمائی " مرغورہ " ص 257

2- بحوالہ " گلزار ابرار " از محد فوٹی شطاری (اردو ترجمہ) ص 103

3- آپ کی کیفیت ظاہر ہونے کا واقعہ اس طرح ہے کہ 735ھ میں ایک شخص سلطان نظام الدین اطمینان
کے پاس دہلی گیا اور عرض کیا کہ میرا گھر دیہوالہ (پٹی گجرات) میں ہے لڑکی کی شادی اتنی نزدیک
آگئی ہے کہ مدت عظم اس قدر سافت طے کرنے کے واسطے کافی نہیں آپ نے فرمایا شیخ حسام الدین
دیہوالہ کے رہنے والے ہیں ہر روز صبح نماز کے واسطے ہماری مسجد میں آتے ہیں اور پھر چاشت کے
وقت اپنے مکان پر پہنچ جاتے ہیں تم ان کے ساتھ جانا تاکہ جلد گھر پہنچ جاؤ دوسرے روز وہ
پہرا ہوا اور یہ بات کرات حسامہ کو ظاہر کرنے کا باعث ہوئی۔

(حوالہ کھلتے دیکھئے " گلزار ابرار " ص 103)

کی حمایت میں ہے۔¹ جب آپ کے مرشد سلطان المشائخ کا حال ہوا تو اس نے بعد سلطان محمد شاہ تغلق نے تمام مشائخ کو اکٹھا کیا اور دہلی سے "دیو گھر" کی طرف ہجرت دیا جہاں اس نے دولت آباد کے نام سے نیا شہر بسایا تھا۔² لیکن مولانا حسام الدین طتانی گجرات تشریف لے گئے جہاں آپ نے آخری عمر تک قیام فرمایا شیخ محمد اکرام کے مطابق

"شیخ حسام الدین کے وجود معدود سے سلطان اور اچھے کے کئی اور بزرگ

یہاں تشریف آور ہوئے۔۔۔" 3

پتن گجرات میں آپ نے آٹھ دہکدہ 736ھ میں وفات پائی آپ کا مزار پتن گجرات میں ہے۔ آپ کے خلفاء اور مشہور سادھوی میں شیخ حسن بدایونی شامل ہیں جو آپ کے شاگرد تھے۔

شیخ حسام الدین طتانی سلطان غیاث الدین بلبن کے صدقے بزرگ تھے جو سلطان محمد بن

تغلق شاہ کے بعد تخت نشین ہوئے بزم سلوک کے صنف بلبن کے عہد پر تیسرا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

1- بحوالہ "سیرالاولیاء" ص 258

2- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "تاریخ فرشتہ" (جلد اول) از مسدقاسم فرشتہ مترجم عبدالغنی خواجہ، ص 432، مطبوعہ شیخ غلام علی ایڈ سٹر لاہور

3- بحوالہ "آب کوثر" ص 331

4- پتن گجرات کا قدیم نام "نہروالہ" ہے۔ (بحوالہ گلزار ابرار، ص 103)

5- بحوالہ "مرآۃ الاسرار" (جلد دوم) ص 317 لیکن اخبار الاخبار ص 183 میں آپ کی تاریخ وفات 753ھ درج ہے۔ تذکرۃ اولیائے عہد واک، ص 124 پر اس وفات 735ھ دیا ہے۔

6- "ترجمۃ النواظر و بیجۃ الصامع والنواظر" ص 216 میں آپ کی حاتم وفات بدایونی لکھی ہے اور فواد الفواد کے حوالے سے یہ واقع لکھا ہے

"ابھی نے رہا میں جس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ وہو فرما رہے

ہیں اور اس کا ہاں شہر سے باہر ظان نالی سے گزر رہا ہے جوہی

آکھ کھلی بھال کر اس مقام پر آئے تو ہاں کا اثر پایا اور اپنے اصحاب

سے وصیت کی کہ میں انتقال پر مجھے اسی جگہ دفن کریں اور ابھی نے

بھی ایسا ہی کیا۔۔۔"

لیکن یہ روایت درست نہیں ہے "فواد الفواد" کی جلد چہارم کی اسٹیشنر مجلس میں خواجہ نظام الدین اولیاء نے بدایونی کی جس بزرگ شخصیت کے حوالے سے یہ قصہ بیان فرمایا ہے ان کا نام قاضی جمال طتانی

ہے۔ (بحوالہ "فواد الفواد" ص 392 ترجمۃ پروفیسر محمد سرور مطبوعہ نظام اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب لاہور طبع اول 1973ء) مولانا حسام الدین طتانی کا مزار گجرات میں ہے۔ حوالے کیلئے دیکھئے (1) گلزار ابرار

ص 103 (2) مرآۃ الاسرار (جلد دوم) ص 317 (3) تاریخ مشائخ چشت، ص 178

(4) سیرالاولیاء، ص 263

"اس (پلیں) کا عہد ۵۵ صوفی سیاسی حیثیت سے ممتاز تھا بلکہ اس زمانہ میں اتنے مشائخ و سادات جمع ہو گئے تھے کہ مریضی نے ان کے وجود سے اس عہد کو "خیرالاصار" لکھا ہے حضرت بابا گنج شکر نے طاوہ خواجہ علی چشتی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، ان کے صاحبزادے شیخ صدر الدین، شیخ بدرالدین قزوی، شیخ ابوالموثق، نظام الدین، شیخ جمال الدین شامی، خواجہ طاوہ الدین علی بن احمد صابر، سعدی مولہ، شیخ حسام الدین ملتانی، شیخ جمیل الدین مہروری شیخ ابوبکر حیدر طوسی وغیرہ کے انوار سے ہندوستان منور ہو گیا تھا۔۔۔" ۲

(14) مقدم جہانیاں جہاں گشت

=====

سزیمین ملتان کے بزرگ صوفیاء میں حضرت مقدم جہانیاں جہاں گشت کو بطور ایک روحانی پشوا بلند پایہ سیاست دان، صلح دین اور مذہبی دانشور ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ انھی نے تصوف کی آغوش میں آنکھ کھلی کیونکہ ان کا خاندان کئی پشتوں سے صلک تصوف کا پیروکار رہا۔ سیر و سیاحت، تعلیم و تعلم، حکمرانی سے روابط، دینی اور دنیاوی مشاغل میں ادھماک نے ان کے علم و عمل کو ایک خاص گہرائی اور گہرائی عطا کی۔

سید جلال الدین حسین مقدم جہانیاں جہاں گشت، سید جلال الدین مرغ بخاری کے بیٹے

اور سید احمد کبیر کے بڑے فرزند تھے۔ ۳۔ آپ 14 شعبان الحظم 507ھ (1308ء) کو اچ میں پیدا

1۔ پلیں کے عہد کو "خیرالاصار"، "تاریخ فیروز شاہی" از فیہ الدین بڑی، ص 46-47 کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔

2۔ "بزم مطبوکہ" مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمان، ص 228 مطبع طارق اعظم گڑھ 1374ھ/1954ء

3۔ "کیفیت سلسلہ حضرات سہروردیہ حضرت مقدم جہانیاں را احازت این طریقہ از حد خود

حضرت سید جلال الدین بخاری و ایشا ترا از رکن الدین شاہ رکن عالم و ایشا ترا از

بدر خود شیخ صدرالدین و ایشا ترا از بدر خود بہاؤ الدین بہاؤ الحق زکریا ملتانی و

ایشا ترا از شیخ الشیخ شیخ شباب الدین سہروردی و ایشا ترا از شیخ بہاء الدین ابو

حبیب عبدالقادر سہروردی و ایشا ترا از شیخ مشاد دہلوی و ایشا ترا از ابوالقاسم سید الطائفہ

محمد بغدادی و ایشا ترا از حال خود سید سقایی و ایشا ترا از ہرود کریمی را در صورت دو

صفت ست پیکر با امام علی موسی رضا تا بہ ہضم خدا صلی اللہ علیہ وسلم

(بحوالہ ہیوطات بطبیعیہ و صحیح الفاروق ص 20، مطبع محدثہ لاہور 1310ھ)

جہاں الدین

ہوئے۔ آپ کا نام آپ کے دادا منہج سرح بخاری کے نام پر رکھا گیا تھا لیکن آپ عام طور پر اپنے لقب

"مقدم جہاں جہاں گشت" کے نام سے مشہور تھے۔ شیخ اکرام نے اس کی وجہ بیان کی ہے کہ

"آپ کا بہت سارا زمانہ سیر و سیاحت میں گزرا اس لئے آپ کو "مقدم

جہاں جہاں گشت" کہتے ہیں۔" 3

حدیث الاولیاء کے مصنف نے بقول

"آپ نے تمام روضہ زمیں کی سیاحت کی تھی۔" 3

مقدم جہاں جہاں گشت کی تعلیم و تربیت پر ان کے والد سید احمد کبیر نے خصوصی توجہ دی جب

آپ سات برس کے ہوئے تو وہ آپ کو اچے کے مشہور عالم بزرگ شیخ جمال خنداں رو کی خدمت میں لے گئے

آپ بچپن سے ہی ذہین اور حاضر جواب تھے۔ جب آپ جمال خنداں رو کی خدمت میں حاضر ہوئے تو

انہی نے حاضرین کے سامنے کھجوریں پکڑ کر آپ کے حصے میں جو کھجوریں آئیں وہ آپ کھلیں۔ سید

کہا گئے۔ یہ دیکھ کر شیخ جمال خنداں رو نے مسکرا کر سب سے پوچھا تو آپ نے ہرستہ عرض کیا

"جو کھجوریں آپ کے دست مبارک سے عطا ہوئی ہیں، مجھے اچھا نہیں

ملیج ہوا کہ ان کی کھلی کو پھینک دی۔۔۔۔۔" 4

1۔ ان کی تاریخ ہدائن کے بارے میں کئی اغیظات نہیں ہے حوالے کیلئے دیکھئے (1) سیرالعارفین (اردو

ترجمہ) ص 224 (2) مقدم جہاں جہاں گشت "از ایوب قادریہ ص 38 (3) خطہ پاک اچے از صفی

حسن شہاب ص 224 (4) تاریخ سجدہ از امین الدین قدوسی ص 403 (5) گلزار امیر (اردو ترجمہ)

مرآتہ الاسرار (جلد دوم) ص 415 (6) اخبار الانصار (اردو ترجمہ) ص 307 لیکن "مصولات مشہور و مشہور

العارفین" میں تاریخ ہدائن چار شفعہ ذوالحجہ 705ھ درج ہے (بحوالہ مصولات مشہور و مشہور العارفین

ص 145۔ مطبوعہ مطبعہ جامعہ لاہور 1310ھ)

2۔ بحوالہ "آپ کوثر" ص 278 لیکن تحفۃ اکرام ص 368 کے مطابق "انہی مقدم جہاں جہاں اس وجہ سے

کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) عید کے دن انہی نے شیخ بہاء الدین کے روضہ پر جا کر عید کی طلب کی (اس

پر آواز آئی کہ خدائے تعالیٰ نے تجھے مقدم جہاں جہاں بنایا ہے۔ یہی عید تیرے لئے کافی ہے۔" (بھر

وہاں سے) جب وہ شیخ صدر الدین کے روضہ پر گئے تو وہاں بھی یہی سنائی دیا (چنانچہ جب وہ) باہر

آئے تو ہر شخص انہی "مقدم جہاں جہاں" کہنے لگا۔ سلیقۃ الاولیاء (فارسی متن) ص 179 میں بھی یہی

واقعہ درج ہے، لکھا ہے۔ "رف عید ہر وہ شیخ بہاء الدین و صدر الدین روضۃ الناس عید کردہ آواز

آمد کہ حق تعالیٰ نرا مقدم جہاں جہاں کردہ عید تو اسے جی ہر وہ شیخ رکن الدین روضہ از آجیا

ہیز حسن آواز آمد جی میری آمدہ ہے کہ مقدم جہاں جہاں ہوگئے۔۔۔" مزید حوالے کیلئے ملاحظہ

فرمائیے (1) خطہ پاک اچے ص 226 (2) مقدم جہاں جہاں گشت ص 90 (3) تاریخ سجدہ ص 403

(4) سیرالعارفین ص 228 (5) تذکرۃ اولیائے مقدسہ پاک ص 489

3۔ بحوالہ "حدیث الاولیاء" از عتیق غلام سید لاہوری ص 156

حضرت شیخ جمال خداس ایک بچے کے ساتھ سے بہ جواب میں کہ بہت غصہ ہوئے اور فرمایا

"تم اپنا فقرہ کا، اپنے خداس کا نام پڑھ کر گئے۔۔۔" 1

چنانچہ مقدم جہاں گشت نے ابتدائی تنظیم شیخ جمال خداس/آج کے ایک اور بزرگ قاضی شیخ

بہام الدین سے حاصل کی شیخ جمال ہدایہ، بزدلی، مشرق الانوار، مشکوٰۃ الطالب اور عوارث الحارث

کا درس دیا کرتے تھے آپ نے ان سے حدیث کا درس بھی لیا تھا اور قاضی بہام الدین نے آپ کو ہدایہ

اور بزدلی کا کچھ حصہ پڑھایا تھا اس کے متعلق مقدم جہاں گشت فرماتے ہیں

"مولانا بہام الدین قاضی اچھے دانا کو کے استاد تھے، میں ان کے پاس

پڑھتا تھا اور تواضع کرتا تھا۔ ایک دن محمد سے کہا کہ تو سر کو بلو

کر کے سلام کر لیجا کر کے سلام دے کر کھینٹ کر رہے۔۔۔" 2

ابتدائی تعلیم مکمل کی تھی کہ قاضی بہام الدین وفات پا گئے اور آپ مزید تعلیم کے لئے ملتان تشریف

لے آئے۔ ملتان میں آپ نے ایک سال قیام فرمایا اس دوران میں آپ نے شاہ رکن عالم ملتان سے تعلیم حاصل

کی جنہوں نے آپ کی مزید تربیت کے لئے مولانا موسیٰ شہید، حضرت رکن الملکان اور ان کے چچا زاد بھائی

مولانا عبداللہ سے درس دلواوا۔ مقدم جہاں گشت نے الدر المنظوم میں اپنے ایک اور استاد

نور الدین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آپ نے ان سے علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کر لی تو سلطان

محمد تغلق نے ان کو شیخ الاسلام مقرر کر دیا۔ 3

1- بحوالہ "خطہ پاک آج" ص 224۔۔۔ مزید حوالے کیلئے دیکھئے (القام) مقدم جہاں گشت

ص 90 (ب) تذکرۃ اہل مالے پاک و ہند، ص 487

2- بحوالہ "الدر المنظوم" ص 360۔۔۔ جامع العلوم از مولانا طہ الدین صلی حسی اردو ترجمہ الدر

المنظوم فی ترجمۃ طوطی السندوم مطبع الناری دہلی (1309ھ) ص 360

3- بحوالہ "الدر المنظوم" ص 245 ص 255

سلطان فیروز شاہ تغلق نے آپ کو شیخ الاسلام مقرر کیا اور 40 خانقاہیں آپ کی تعہد میں دیں

اور سمیتان اور اس کے ارد گرد کا علاقہ آپ کی تعہد میں دیا اخبار الاخبار کے مطابق سمیتان

اور اس کے ارد گرد کا علاقہ آپ کی جائیداد قرار دیا گیا، وہاں آپ نے ایک خانقاہ تعمیر کرائی جس

کا نام "خانقاہ سعدی" رکھا پھر چند دہائیوں کے بعد سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حجاز چلے گئے۔

(بحوالہ "اخبار الاخبار" ص 308) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (القام) مقدم جہاں گشت

گشت، ص 111 (ب) تحفۃ الکرام، ص 368 (ج) خطہ پاک آج، ص 226 (د) تاریخ محمد

(جلد اول) از اصحاب الحق قدس، ص 403

مقدم جہاں جہاں گشتِ تحصیل علم کی خاطر کئی سال کا سفر اختیار کیا اس دوران

میں کتنے ہی علماء سے اعلیٰ نے فیض حاصل کیا اور مختلف نوعیت کے ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل

کی۔ پروفیسر محمد ایوب قادری کے مطابق آپ کے سفر کا آغاز شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہونے کے بعد ہوا

جو کہ محمد توفیق کا زمانہ تھا اور آپ کے مرشد شیخ رکن الدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ سن 735ھ

تھا جبکہ سیاحت سے واپس 751ھ سے کچھ پہلے ہوئی۔ آپ نے کئی سال کا سفر کیا جس کی تفصیل

قاضی جاوید اس طرح دیتے ہیں

"مقدم جہاں نے طہل سیاحت کی تھی غالباً اس طالع میں پنجاب کا

کون سا صوبہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ محتاط طور پر یہ کہا جا

سکتا ہے کہ اعلیٰ نے پنجاب سے نکل کر ۵۵۰ کے بعد حصہ، سعودی عرب²

میں، لبنان، شام، ایران، خراسان اور سیاحت یوں کے مسلم علاقوں کی سیاحت

کی تھی۔ دوران سفر اعلیٰ نے یہ شمار ولیم، عالمی اور راشدی سے ملاقات

کی بہت سے لوگوں سے بہت کچھ سیکھا۔ بہت سے لوگوں کو بہت کچھ سکھایا۔" 3

شیخ محمد اکرام کے مطابق

"آپ (مقدم جہاں جہاں گشت) نے شمالی افغانستان، بہار و بنگال

1۔ بحوالہ "مقدم جہاں جہاں گشت" از محمد ایوب قادری، ص 111۔ سیرو سیاحت کی وجہ اس طرح

بتائی جاتی ہے کہ شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہونے کے بعد ایک رات آپ نے خواب میں شیخ رکن الدین

ابوالفتح کو دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں کہ "تو حج کو چلا جا ورنہ غم ہو جائے گا۔ صبح کو شیخ کے

امام نے بھی کہا کہ شیخ کا حکم ہے جلد روانہ ہو جاؤ۔ تیاری کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے حضرت مقدم

والد سے اجازت طلب کی اور روانہ ہو گیا۔ (الدرالمطہر، ص 609)۔ مزید حوالے کے لئے ملاحظہ

فرمائیے (الدم خطہ پاک ای، ص 227) (ب مقدم جہاں جہاں گشت، ص 112)

2۔ کہا جاتا ہے کہ ایک سفر کے دوران جدہ شریف پہنچے۔ دیکھا کہ لوگ کسی کا جنازہ اٹھانے جا

رہے ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت بدرالدین رضی اللہ عنہ کا جنازہ ہے پتہ چلا کہ وہ حج سے واپس

آئے تھے صبر کے وقت قرآن شریف پڑھا اور اس کے پورا پورا ثبوت ہو گیا۔ آپ نے (جہاں جہاں گشت)

فرمایا رہے نہ کریں، ہو سکتا ہے کہ ابھی سے وہ جی اعلیٰ نے واپس لایا کر جنازہ مسجد میں رکھ دیا

آپ نے لوگوں کو باہر نکال کر مسجد کا دروازہ بند کر دیا اور بازار و عوام پڑھنے کے بعد قرآن خوانی شروع

کر دی جب آپ اس آیت پر پہنچے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ مِنَ الْمَيِّتِ وَبَشِّرِ الْمَيِّتِ مِنَ النَّبِيِّ

تو شیخ بدرالدین رضی اللہ عنہ میں حرکت پیدا ہوئی اور اٹھ بیٹھے (بحوالہ حدیث الاسرار فی اخبار الابرار) قاضی

ص 197۔۔۔ مزید حوالے کیلئے دیکھئے "تذکرہ اولیائے عہد و پاک" ص 489-490

3۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی راشدی" ص 120

کے علاوہ عرب، مصر، شام، عراق، بلخ و بخارا کی سفر کی اور چھ حج کئے
متعدد بزرگیوں سے نصیب پایا۔۔۔۔۔ " 1

مقدم جہاں گشت نے تقریباً دس بارہ برس سیاحت کی اس دوران میں سات سال مکہ معظمہ میں
رہے اور دو سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔۔۔۔۔ سیرالطریق کے صحت آپ کی سفر کے متعلق اس طرح لکھتے
ہیں

" حضرت سلطان المشایخ جمال الدین مقدم جہاں نے تین سو سے زیادہ
اہل کمال سے ملاقات کی اور ان سے نصیب کلی حاصل کیا۔ دنیا کی ہر سمت میں
سفر کیا اور اس حلقہ (جمالی) نے بھی مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس
بغداد اور بہت سے دوسری مقامات پر ان (مقدم جہاں) کے متبرک حسیں
ہائے اور وہاں نماز دو گنا ادا کی ہے۔۔۔۔۔ "

سفر میں علوم ظاہری کی تہذیب حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے سلوک کی منزل بھی طے کی آپ نے
کئی علماء کرام سے خلافت حاصل کی۔ اخبار الانصار کے مطابق آپ چودہ خاندانوں کے خلیفہ تھے۔۔۔۔۔ جبکہ
صحت " گلزار ابرار " سے شرف الدین شہیدی کے رسالے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ
" مقدم جہاں کو کچھ اور چار سو چالیس اصحاب سے خلافت تھی۔ منجملہ ان
کے جس قدر بیان صحت کو پہنچا ہے اور شجرہ میں لکھا ہوا دیکھا ہے،
یاداشت میں لکھ لیا ہے۔۔۔۔۔ " 4

مقدم جہاں نے سب سے پہلے اپنے والد سعد کبیر بخاری سے خلافت حاصل کی پھر چچا سعد مصطفیٰ
بخاری سے اس کے بعد طہان شہید نے آئے عزیز معظم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے دادا اور والد کی
طرح سہروردیہ سلسلے سے منسلک ہوئے

" مقدم جہاں جہاں گشت نے شیخ رکن الدین ابوالفتح بن شیخ صدر
الدین بن شیخ بہاء الدین کی خدمت میں تہذیب حاصل کی اور انہیں کے
ہاتھ سے سہروردیہ پیری کا خرقہ پہنا۔۔۔۔۔ " 5

شیخ رکن الدین سے آپ کو اس درجہ عظمت تھی کہ خواب میں ہی ان نے کہتے ہوئے آپ سے شیخ الاسلام کا لقب اور سموسٹان کی جائید چھوڑ چھاڑ کر حجاز کا رخ کیا۔ وہاں آپ نے مکہ میں شیخ عبداللہ یافعی سے خلافت حاصل کی اور سات سال ان کے ساتھ گزارے پھر دو سال شیخ عبداللہ طبری کی صحبت میں گزارے اور وہاں سے خلافت حاصل کی۔ مکہ میں آپ نے شیخ عبداللہ یافعی سے شیخ صبرالدین چراغ دہلوی کے ہاں میں سنا تھا چنانچہ آپ نے اپنے سفر سے واپس ہو کر ان سے چشتیہ سلسلے کا خرقہ حاصل کیا۔۔۔

"سفینۃ الاولیاء (فائیس) کے مطابق

"از مکہ منتقلہ کہ باز ما ہندوستان آمدہ در دہلی ما حضرت شیخ
صبرالدین چراغ دہلی طافات صوفیہ خرقہ مشرکہ چشت را از ایشان
پوشیدہ آمد۔۔۔" 1

("سفینۃ الاولیاء" (فلی خسفہ) ص 179، مرقۃ 1280ء میں بھی یہی عبارت درج ہے۔)

مقدم جہانیاں جہاں کثرت سیر و سیاحت کے تجربات حاصل کر کے واپس آئے تو ان تجربات سے لوگوں کو فہم یاب کرنے کے لیے آج میں ایک درسگاہ مدینہ جلالی کے نام سے قائم کی۔ اس مدرسے میں مختلف علوم اسلامی کی تدریس کی جاتی تھی الدرالمطہوم کے مطابق

"حضرت مقدم کی مجلس مبارک میں علوم و طاری کے رموز و خواص حل فوائد
جاتے تھے، درس و تدریس کا بالاعدہ انتظام تھا، روز و نزدیک سے طلباء
"مدینہ جلالی" میں آ کر تنظیم حاصل کرتے تھے، نامور عالم و لفظ طالب
قرآن و بیحد احادیث حل کرتے تھے، عربی و ہندی بالما لازم تفسیر و
حدیث اور کتب صوت کا درس لیتے تھے، غرض عربی کے لیے تہجد و روضہ
صوفیہ لکھ کر یہ مدت حضرت کا درس شروع ہوا تھا۔۔۔ حضرت مقدم کے یہاں
قرآن حکیم تفسیر مدارک، صحاح ستہ، شارق النافار، شرح کبیر چہل اسم،

1- (1) سفینۃ الاولیاء (فائیس) ص 117 (2) سمرقانی، ص 226 میں لکھا ہے کہ

"ایک دن شیخ عبداللہ یافعی نے وقت اللہ میں کہا کہ اگرچہ اس زمانے میں دہلی میں
جو درس تھے ان کا ابطال ہو گیا لیکن ان کا اثر اور ان کی برکتیں حضرت شیخ صبر
الدین میں ہیں اور وہ اس زمانے میں اس شہر (دہلی) کے چراغ ہیں کہ شائع کے
طریقہ کو اپنے وجود سے روشن رکھے ہوئے ہیں۔ اس وقت حضرت سید (جلال الدین)
نے یہ بت کی کہ اگر سفر سے واپس آؤ تو پہلے شہر دہلی میں آؤ گا اور حضرت شیخ
صبرالدین (چراغ دہلی) سے ملے گا۔۔۔"

شکوہ المصائب، رسالہ کمیہ، قصیدہ لایہ، کتاب مطلق، عقائد مسلمی، شرح
نودہ نام، فقہ اکبر، عوارث الطارف، اوراد شیخ شباب الدین مہروری
وغیرہ کا باقاعدہ درس ہوتا تھا حضرت مخدوم صرف و نحو اور لغت کی طرف
خاص طور سے توجہ دلاتے تھے تاکہ عربی زبان کی تحصیل آسان ہو اور اس میں
اچھی طرح مہارت و قدرت حاصل ہو جائے۔۔۔ " 1

حضرت مخدوم جہاں جہاں گشت درس و تدریس کے لئے زیادہ تر عربی و فارسی زبان اختیار
کرتے تھے لیکن ضرورت اور موقع محل کے مطابق دیسی زبانیں استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔
ان کے ملفوظات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملتانی، پنجابی، سندھی اور ہندی زبانوں میں بہ
صرف گفتگو فرماتے تھے بلکہ تعلیم بھی دیتے تھے۔ الدرالمظوم کے مطابق ایک مرتبہ ایک سندھی بھٹ کے لئے
حاضر ہوا تو آپ نے اسے سندھی میں تلقین فرمائی، اس طرح ایک لڑکے کو ہندی (اردو زبان) زبان
میں اور ایک شخص کو ملتانی میں تلقین فرمائی۔² الدرالمظوم (اردو ترجمہ) میں لکھا ہے
"دہلی کے قیام کے زمانہ میں ایک موقع پر میرزا شاہ شہل سے شیخ الاسلام
بہاء الدین زکریا ملتانی کے بھتی، اپنے رشتہ داری، غرضی اور خادمی کے
لئے وظائف مقدم کرائے اور اسی موقع پر بادشاہ کے حضور میں ایک چھوٹے
دھڑ بچہ کو بھی پیش کیا، سلطان نے کہا کہ یہ مسلمان کیسی نہیں ہو
جائے، حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جس زمانہ میں یہ بچہ دھاکو کے پاس آیا تھا
تو دعا کی گئی تھی کہ خدائے تعالیٰ اسے اسلام سے شرف فرمائے حضرت
مخدوم کی یہ تمام گفتگو سلطان میرزا شاہ شہل سے ہندی (اردو) میں ہوئی۔" 3

جہان شاہی (ملفوظات شاہ عالم فارسی 1045ھ / 1635ء) میں حضرت مخدوم جہاں جہاں گشت کا
ایک قول محفوظ چلا آتا ہے۔ جو آپ نے اپنے چھوٹے بھائی راجو قتال کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ
"اساں غوجے تسان راجے۔۔۔" 4

1- بحوالہ "مخدوم جہاں جہاں گشت" از محدثین قادری، ص 191 تا 193

2- بحوالہ "الدرالمظوم" فی ترجمہ ملفوظ المخدوم بھٹوان جامع العلوم از سید حلال الدین مخدوم جہاں جہاں
جہاں گشت مرتبہ مولانا طاووس الدین دہلوی اردو ترجمہ از مولوی ذوالفقار احمد، ص 216
جلد دوم، مطبع انصاری دہلی 1309ھ (1891ء)

3- ایضاً، ص 811

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے پروفیسر حسن مسکری (پٹنہ) کے ایک مضمون کے حوالے سے حضرت مندوم جہاں جہاں گشت کے عہدی قون کے سلسلے میں ایک واقعہ درج کیا ہے کہ کسی شخص نے آپ سے گزارش کی کہ جو افراد و افعال آپ ادا کرتے ہیں وہی وہ بھی ادا کرتا ہے لیکن اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا اس پر حضرت نے فرمایا

"کھاڈا ہے پھاڈا کہاں"

یعنی خدو موجود ہے اس سے کٹنے کا ذریعہ کہاں ہے مطلب یہ ہے کہ خدا کے سچے عرفان کی کمی ہے۔¹ مسعود حسن شہاب نے کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن کے ایک قلمی رسالے "مقابلہ برہان" کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت مندوم جہاں جہاں گشت اپنی سیاحت گجرات کے دوران جب پٹنہ پہنچے تو آپ نے اسی جگہ قیام فرمایا جہاں آج کل حضرت قطب العالم کا مزار ہے۔ آپ نے اس جگہ فرمایا

"ابتھان اساتھ ہا ڈان دی خوشبو ہے" 2

اردو زبان کے گہاز و ارتقا کے ابتدائی دور میں اس قسم کے حلقے اور فقیہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اردو زبان کی ابتدائی شوقیہ کے سلسلے میں دوسرے صوفیاء کے ساتھ حضرت جہاں جہاں گشت کا نام گواہی بھی پڑ سلسلے کے ساتھ آتا ہے۔

حضرت مندوم نے اپنی سیاحت کے دوران کئی نادر کتب بھی جمع کی تھیں جن کو اپنے ساتھ آج لائے اور یہاں ایک شاہکار کتب خانہ قائم کیا۔ کہا جاتا ہے کہ عوارف الطارف کا وہ نسخہ بھی اس کتاب خانے میں موجود تھا جو غوث صاحب کتاب شیخ شہاب الدین مجددی کے درس میں رہا تھا۔ شیخ قطب الدین و عشق نے رسالہ مکہ مکمل کیا تو اس کی ایک نقل مندوم جہاں جہاں گشت کو بھیجوائی تھی۔ عبدالرحمان طغاری کے پاس بھی ایک نادر کتب "اسرار الدعوات" تھی اس کی ایک نقل بھی حضرت مندوم نے حاصل کی۔ ایک قطبہ و محدث نے سات جلدوں میں قرآن حکیم کی تفسیر لکھی تھی۔ اس فاضل نے یہ ساتھی جلدیں حضرت مندوم کو پیش کر دیں جو اس کتب خانے میں رہیں۔³

1- بحوالہ "اردو متر کا گہاز و ارتقا" ص 40، مطبوعہ مجلس تحقیقات اردو، حیدرآباد دکن

2- بحوالہ "خطہ پاک اوج" ص 377

3- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (الدم) "جہاں جہاں گشت" از معذایوب قادری، ص 194 تا

حضرت جہاں جہاں گشت نے اگرچہ خود تو کوئی کتاب نہیں لکھی تاہم ان کے شاگردی نے

ان کے صوفیانہ تعلیمات، فقہی مسائل، حدیث، تفسیر، اخلاقیات اور رشد و ہدایت سے متعلق ارشادات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا۔ ان ملفوظات کے مجموعے میں جامع العلوم، سراج الہدایہ، مرقاۃ خزائن جلالی، جواہر جلالی، مظہر جلالی، اربعین صوفیہ، مطابق مقدم جہاں جہاں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

جامع العلوم کے مرتب ابو عبد اللہ علاؤ الدین علی بن سعد بن اشرف دہلوی ہیں جو حضرت مقدم جہاں جہاں جہاں گشت کے قیام دہلی کے روزگار کے پاس مقیم رہے اور 8: ربيع الآخر 781ھ (1379ء) سے 17 محرم 782ھ (1380ء) تک ملفوظات جمع کرتے رہے۔ اس کتاب میں ۵۰ صرف ہم عصر شخصیات اور واقعات کا ذکر

موجود ہے بلکہ صورت کی نہایت بلند پایہ کتابوں کے بکثرت حوالے بھی ملتے ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ "الدر المنثور" کے نام سے دو جلدی میں 1309ھ / 1891ء میں مطبع انصاری دہلی سے چھپا۔ سراج

الہدایہ احمد برقی کی مرتب کردہ ہے۔ ملفوظات کا یہ مجموعہ دو ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں صورت اور مذہب کے بارے میں بہت سی معلومات ملتی ہیں۔ مقرر نامہ، حضرت جہاں جہاں جہاں گشت کے مکتوبات کا مجموعہ ہے۔ یہاں مکتوبات میں حضرت مقدم نے صورت کے بارے میں ہدایات دی ہیں یہ مکتوبات تاج الدین بن حسین سیاہ پور کے بعض استشارات کے جواب میں تحریر کئے گئے تھے۔ خزائنہ جلالی حضرت جہاں جہاں جہاں

کے مرید احمد الد عوہ بہاد بن حسن بن محمود بن سلیمان ثقفی نے مرتب کیا۔ یہ کتاب بھی رشد و ہدایت اور علم و معرفت کا اصول خزائنہ ہے۔ جوہر جلالی کے مرتب فضل اللہ بن غیاث العباسی تھے۔ جو حضرت کے مرید اور خلیفہ تھے انہی نے یہ کتاب 781ھ (1379ء) میں مرتب کی۔ مظہر جلالی کے مرتب کا نام علوم دہیں ہے۔ اس کتاب میں توحید، طہارت، فضائل، مقام، اوقات وغیرہ کے بارے میں تشبیحات و بیانیہ ہیں۔ اربعین صوفیہ حضرت مقدم کے دوسرے رہتی تھی "مطابق مقدم جہاں جہاں" حضرت مقدم کے ملفوظات کا نام یہ مجموعہ ہے۔ جس کا ثانی صفحہ ایشیاف سوانحی آن بنگال (کلکتہ) کی لائبریری میں ہے۔ حضرت مقدم کے ساتھ قرآن کریم کا ایک فارسی ترجمہ اور کئی سفوط بھی منسوب کئے جاتے ہیں۔¹

موسیقی کے بارے میں حضرت جہاں جہاں گشت کا یہ بھی تھا۔ سماع کی اجازت مشروط

1- مزید تفصیل دیکھئے ملاحظہ فرمائیے (الف) "مقدم جہاں جہاں گشت" از محمد ایوب قادری، ص 237

اھاز میں دیتے تھے بعض ایک دھندہ چٹ قالی نے اشعار پڑھے تو سوتے رہے لیکر/تالیاں بجاتی چاہیں
تو منع فرما دیا۔ الدرامتظوم کے مطابق مزا میر کا بجانا اور اس کا سنا گنا ہے اور طیل کا بجانا بھی
گناہ ہے مگر لڑائی اور ٹالنے میں اجازت ہے۔ اس طرح وہ کا بجانا بھی روا نہیں ہے مگر کجائے وقت
رو بجانا درست ہے۔ البتہ قصائد، امداد اور صاحب اخبار حضرات کے حق میں یہ بھی منع ہے۔¹ قاضی
جاوید کے مطابق

"موسیقی کے بارے میں ار کا رویہ لچک آمیز تھا۔ وہ سہیلی آواز سے لطف
اھلے ہوا کرتے تھے لیکر آگات موسیقی کے استعمال کو ناجائز تصور کرتے
تھے۔ بلاشبہ یہ رویہ ان کی شخصیت میں چشتیہ اور سہروردیہ روایات کے
استراج کا مرہون صفت تھا۔۔۔" 2

مقدم جہاںیاں جہاں گشت نے بہرور زندگی گزارنے کے بعد اٹھتر سال کی عمر میں 785ھ/1384ء وفات³
پائی۔ لیکن مزار پر یہ شعر درج ہے جس سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔
تاریک گشت خطہ جہاں یہ جھال شاہ
تاریخ بود صفت صد ہشتاد پنج سال

(15) سید عبداللہی راجو قتال

سید قتال اللہی سرخ بخاری کے پوتے، حضرت مقدم جہاںیاں جہاں گشت کے چھوٹے بھائی،
سید عبداللہی راجو قتال کا شمار بھی اچ کے ان بزرگوں میں ہوتا ہے جن سے ایک عالم فیض باب ہوا۔
آپ 20 شعبان 780ھ (1359ء) میں پیدا ہوئے آپ نے ابتدائی تنظیم اپنے والد سے حاصل کی اور چھ

1۔ بحوالہ "مقدم جہاںیاں جہاں گشت" ص 168-169

2۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" ص 128

3۔ آپ کی تاریخ پیدائش کی طرح تاریخ وفات میں بھی کئی اختلافات نہیں ہیں۔

4۔ سیدایوب قادری نے "مقدم جہاںیاں جہاں گشت" ص 231 پر ایک قلمی نسخے "مطالع النواہت"
ص 13 کے حوالے سے یہ تاریخ پیدائش بتائی ہے جبکہ صفوح حسن شہاب نے "خطہ پاک اچ" ص 238 پر
26 شعبان 730ھ اور شیخ عبدالحمق محدث دہلوی نے اخبارالانصار ص 335 پر 741ھ بتائی ہے۔ "شاہ
رکی عالم ملتان" از نور احمد خاں فریدی ص 445 پر 620ھ درج ہے جو یقیناً کتابت کی غلطی ہے کیونکہ
تاریخ وفات 827ھ درج ہے۔ ظاہر ہے حضرت کی عمر 167 سال تو نہیں تھی۔

سالہ کے اندر ان تمام علیم کو حاصل کر لیا جو ایک صوفی بزرگ نے لٹری ضروری تھے۔ سید صدرالدین راجو قتال نے اپنے والد سید احمد کبیر اور بڑے بھائی مخدوم جہاںیاں جہاں گشت سے خلافت پائی اور ان کی ولادت کے بعد خلافت آپ کے حصے میں آئی۔ آپ نے اپنے بھائی مخدوم جہاںیاں جہاں گشت کی صحبت میں رہ کر بھی بہت کچھ سیکھا۔ راجو قتال علم و عمل اور شریعت و طریقت میں بے مثال تھے، آپ کے متعلق آپ کے بڑے بھائی

"مخدوم جہاںیاں اکثر و بیشتر میں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مشغول کی خدمت میں مشغول رکھا ہے اور شیخ راجو کو اپنی ذات میں صرف کر دیا ہے، چنانچہ سید صدرالدین پر ہمیشہ استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی اور لوگوں سے بالکل علیحدہ اور جدا رہتے تھے۔۔۔" 1

سید صدرالدین کے نام کے ساتھ "قتال" لکھنے کی وجہ مختلف لوگ مختلف بتاتے ہیں۔ شیخ عبدالرحمان چشتی نے مولانا سید سعدنوی شاہ جو آپ کی اولاد میں سے ہیں کے حوالے سے کہا ہے کہ "آپ قتال اس لئے کہلاتے ہیں کہ مزید میں سے نہایت سخت مجاہدہ لیتے تھے۔" 2

جبکہ شیخ محمد اکرام کے مطابق

"انہی نے بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کیے تھے اس لئے انہیں قتال بھی قتال میں کہتے ہیں۔۔۔" 3

سعود حسن شہاب کے مطابق

"چونکہ طبیعت میں جلال کا عنصر غالب تھا اس لئے قتال کے لقب سے مشہور ہوئے۔۔۔" 4

- 1۔ بحوالہ "اعبارالاعیار" از شیخ عبدالحق محدث دہلوی (اردو ترجمہ) ص 335۔۔۔ مزید حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیے (المخطوطات) ج 1، ص 338 (ب) مراۃ السراۃ (جلد دوم) ص 532 (ج) حدیثہ الاولیاء ص 78، دیکھو
- 2۔ محمد ایوب قادری، مذاہب الطائفات کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ یہ لفظ "راجو" قتال ہے، قتال نہیں ہے اور سہابی زبان کا لفظ ہے جس میں قتال کے بھی بزرگ اور راجو کے بھی ہیبت ناک ہے" (بحوالہ "مخدوم جہاںیاں جہاں گشت" ص 232)
- 3۔ بحوالہ "مراۃ السراۃ" (جلد دوم) از شیخ عبدالرحمان چشتی مترجم کہتاں واحد بخش سالہ ص 535 صوفی فاؤنڈیشن، لاہور
- 4۔ بحوالہ "آب کوثر" ص 282
- 5۔ بحوالہ "خطہ پاک اوچ" ص 238

قتال کھیلوانے کی وجہ کچھ بھی ہو یہ تو آپ کے عمل سے ظاہر ہے کہ آپ اسے بزرگ تھے جو بڑے وہب و جلال والے تھے۔ سید راجو قتال نے دین اسلام کی اشاعت کے لئے بہت کام کیا اور کئی لوگوں کو مسلمان کیا اشاعت اسلام کا یہ کام صرف اوج اور ملتان تک محدود نہیں رہا بلکہ گجرات تک بھی پھیلا ہوا ہے۔ آپ در صورت ان لوگوں کو مسلمان کرتے بلکہ ان کی ایسی تربیت کرتے کہ وہ آپ کے مشن کو آگے لے جاتے تھے مولانا نور احمد خان لہندی کے مطابق

"حضرت کے دست حق پوسٹ پر تین لاکھ چالیس ہزار تین سو اشخاص نے
بہت کی تھی۔۔۔" 2

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں

"آپ کا اصل کام اچے میں اشاعت اسلام اور گجرات وغیرہ کے صاحب ہمت
بزرگوں کی تربیت ہے۔ جنہیں آپ نے علوم باطنی سے مالا مال کر کے گجرات
کے قدیمی دارالخلافت میں اشاعت اسلام کے لئے بھیجا۔۔۔" 2

محمد ایوب قادری نے آپ سے منسوب اوراد کا ایک مجموعہ "مجموعہ تہذبات راجو قتال" کا حوالہ دیا ہے جو صبر 884 رضا لاہوری رام پور میں محفوظ ہے۔³ اس کے علاوہ آپ مخدوم جہاں جہاں گشت کے بڑے شیخ کبیر الدین اسماعیل کو "معارف" پڑھایا کرتے تھے۔ آپ کے چار فرزند تھے جن میں سے ایک ابو اسحاق نے بھی اس سے تبلیغ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ آپ نے اپنے بیٹی کی بجائے مخدوم جہاں جہاں گشت کے بڑے سید ناصر الدین محمود کو خلیفہ اور سجادہ نشین مقرر کیا جن کا مزار بھی اچھے میں ہے۔

یہی تو بہت سے لوگوں نے آپ سے بہت کی لیکن جن خاص لوگوں نے آپ کے مشن کو آگے پڑھایا اور آپ کے نامور خلفاء ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔ شیخ کبیر الدین اسماعیل، برہان الدین قطب عالم گجراتی، مخدوم فضل الدین، حاجی سید عبدالوہاب، شیخ علاؤ الدین، شاہ دائر قریشی، شیخ اسماعیل قریشی، مخدوم جہاں شاہ اور شیخ ساروٹ وغیرہ۔ آپ نے 16 جمادی الآخر 827ھ (1424ء) کو انتقال فرمایا اور

1- بحوالہ "شاہ رکنی عالم ملتان" ص 448 2- بحوالہ "آب کوثر" ص 286

3- بحوالہ "مخدوم جہاں جہاں گشت" از سید ایوب قادری، ص 236

4- حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیے (الغنی عنہ) خطہ ہال اوج، ص 238 (ب) مراۃ الاسرار (جلد دوم) ص 535

(ج) آب کوثر، ص 286 (د) مخدوم جہاں جہاں گشت" ص 235

اوج شریف میں دفن ہوئے جہاں آپ کا مقبرہ موجود ہے۔

(16) شیخ حسام الدین عقی ملتان

الاسلام

شیخ حسام الدین ملتان/ حضرت شاہ عالم محدث میں برہان الدین قطب العالم کجراتی کے خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ 878ھ میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپ بڑے عالم، زاہد، پرہیزگار اور با عمل شخص تھے۔ مولانا نور احمد خان فریدی کے مطابق

"آپ صحیح معنی میں عالم ربانی زاہد اور عقی تھے۔۔۔" 2

آپ کی پرہیزگاری اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ساری زہدی مشتبہ مال کو ہاتھ نہیں لگایا "حدیثہ الاسرار" سرار فی اخبارالابرار" میں لکھا ہے کہ

"حضرت حسام الدین عقی/ بڑے ساری زہدی حلال فی رزق کھاتی ان کا

قول تھا کہ جب تک غوراک حلال نہ ہو کسی کام کی نہیں۔۔۔" 3

آپ کی گزشتہ عمر کا ذریعہ خراجی زمین تھی جس میں آپ کاشت کرتے اور خراج ادا کیا کرتے لیکن ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس سے ان کا خراجی ہونا مشتبہ ہو گیا تو آپ نے اس زمین کی پیداوار کو کھانا ترک کر دیا۔ اسی طرح جب بھی ایسے بہانے طرقت می زیارت کو جاتے تو شاہ رکن عالم کے مزار کے سامنے میں کھڑے رہتے ہوئے کھیتے کہتے آپ کے خیال میں مزار کی تصویر میں بیت المال کا رویہ لگا ہوا تھا۔

1- "اخبارالابرار" ص 450 - مترجمین مولانا سبحان محمود صاحب استاد الحدیث دارالعلوم مولانا محمد فاضل صاحب دارالعلوم مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی

2- بحوالہ "شاہ رکن عالم ملتان" ص 599

3- اصل عبارت یہ ہے "مقدور مودعہ کا قوت حلال مانند هیچ بدئی بکار عاید" بحوالہ حدیثہ الاسرار فی اخبارالابرار ص 11 (اس کتاب کا قائلہ صفحہ فاقہ ہے اس لئے مطبع اور ایڈیشن کا پتہ نہیں لگ سکا۔ یہ کتاب جہازی سائز میں ہے اور جناب ڈاکٹر مسعود الحق کی ذاتی لائبریری سے حاصل کی گئی ہے۔)

4- مولانا نور احمد خان فریدی نے اس کی تائید بھی پیش کی ہے "قطب الاقطاب شاہ رکن عالم قدس سرہ کا مقبرہ سلطان فیاض الدین تغلق نے تصویر کرایا تھا اس پر اس کا خالص حلال سرمایہ مکتوب ہوا تھا۔ علوم ہوتا ہے کہ کسی نے شیخ کو ان عبارتوں کے بارے میں غلط اطلاع دی ہوگی اور چونکہ وہ ان امور میں بے حد احتیاط ہوتے تھے اس لئے سامنے سے بھی استغاثہ نہ کیا۔"

(بحوالہ "شاہ رکن عالم ملتان" ص 602)

میر عبدالقادر سروری نے حدیقت الاولیاء میں آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ

"شیخ سدر میں جس گاؤں کے قریب سے گزرتے پہلے باہر ہی سے وہاں کے لوگوں کے طور طریق دریافت کر لیا کرتے اگر وہ زہور شہقت سے آراستہ ہوتے تب اس گاؤں کے اندر داخل ہوتے۔ ورنہ پھر باہر ہی باہر چلے جایا کرتے۔ ان کا زیادہ تر وقت عبادت اور طالبی کو فہر پہنچانے میں صرف ہوا کرتا۔۔۔" 1

شیخ عبدالملک محدث دہلوی کے مطابق

"عالم و زاہد و متقی تھے، تقوا اللہ ما استطعتم کے بابہ سے، تقوا اللہ حق ثلاثہ کے مرتبہ میں پہنچے ہوئے تھے۔" 2

آپ امر بالعرف و حبس عن المنکر کی پابندی کرتے تھے اور دوسری کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ کے ایک صاحبزادے شیخ ہانفہ بھی پرمیض کاری اور تقویٰ میں بے مثال تھے۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر رہتے تھے۔

شیخ حسام الدین متقی ملتانی کے شاگرد میں شیخ علی متقی بہت مشہور ہیں جنہوں نے ابتدائی تعلیم اور تقویٰ کی تربیت آپ سے حاصل کی۔ بعد ازاں ہندوستان چھوڑ کر مکہ معظمہ میں رفاقت پذیر ہوئے اور دسویں صدی ہجری میں وہیں انتقال فرمایا شیخ علی متقی ہی سے آپ کی تعلیمات کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے کیونکہ شیخ علی متقی کے بیٹے یافقیان میں ایسی ایسی ہستان گزی ہیں جن کا شمار بڑے بڑے علماء اور محدثین میں ہوتا ہے۔ ان کا مفصلاً ذکر کرتا رہ جا رہا ہو گا۔ ان میں پہلی شخصیت تو مولانا محمد طاہر پٹنی کی ہے جو اپنے عہد کی عظیم علمی و ادبی شخصیت تھے۔ آپ نے لغت حدیث پر ایک سہول اور جامع کتاب "معجم لہجہ الانوار" کے نام سے لکھی جو فی لغت اور حدیث میں سہ کا درجہ رکھتی ہے اور اسے صحاح ستہ کی ادبی شرح بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اسامہ الرجال میں الفضل، اور موضوع حدیثی کے سلسلے میں "ذکرہ الموضوعات" بھی لکھی۔

شیخ حسام الدین متقی کے شاگرد میں شیخ علی کا نام بھی آتا ہے۔ جن کی خلافت مقدم چم

1۔ بحوالہ "تحفۃ الکرام" ص 363، مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "شاہ رکنی عالم" ص 599-600

2۔ بحوالہ "انوار مولیہ" یعنی اخبارالانوار فی اسرارالابرار صحت شیخ عبدالملک محدث دہلوی، ترجمہ محمد

لطیف ملک شجاع ادب، لاہور، مارچ، ستمبر 1967ء، ص 415

مقدم برہان مقدم طبیب سے ہوتی ہوئی شیخ عبد الکریم سہروردی تک پہنچی۔ شیخ عبد الکریم کے دو خلفاء بہت مشہور ہیں ایک حبیب ملتان جس سے ایک بڑے فرقہ حبیب شاہیہ مشہور ہوا ان کا مزار شاہ شمس سہروردی کے مقبرہ کے قریب ہے۔ دوسرے خلیفہ مولانا محمد اسماعیل جو میاں وڈا کے نام سے مشہور ہیں انہی نے لاہور میں حفظ قرآن پکھنچے ایک مدرسہ "درس میاں وڈا" کے نام سے کھولا جو آج تک قائم ہے۔

شیخ حسام الدین متقی ملتان نے 961ھ میں وفات پائی اور ضلع ملتان کے ایک چھوٹے سے

رہائے اسٹیشن لعلی والہ میں ان کا مزار² موجود ہے۔ مولانا نور احمد خاں فریدی لکھتے ہیں

"ابن عہد کا یہ ابو ذر غفاری گمے والا اور رطاس کے دریاں ایک گھٹام

گوشے میں بڑا سوتا ہے۔ گرد و پیش کے لوگ آپ کا مقام تو بجائے خود رہا

صحیح نام سے بھی واقف نہیں۔ صرف اتنا جانتے ہیں کہ پیر سام دیں

کا قبرستان ہے۔"

(17) دیگر صوفیاء

=====

ان صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کے علاوہ جن کا ذکر سابقہ صفحات میں تحصیل کے ساتھ کیا جا

چکا ہے، پیر دربر شاہ، شیخ حسین گاہ برہ، حضرت شاہ داتا غیبی، حضرت سلطان ایوب قتال، حضرت

شاہ علی سعد، ملتان کے ان بزرگیوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اس سلسلے کو کسی نہ کسی طرح

متاثر کیا اور لوگوں کو فہم و ہرکت سے شاد کام کیا۔ پیر دربر شاہ، جلال فیروز کی صہبائی کے زمانے میں

ملتان تشریف لائے اور حضرت بہاء الدین زکریا کی صحبت میں رہ کر فہم حاصل کیا۔ آپ نے 644ھ میں

وفات پائی۔ آپ کا مزار شیخ بہاء الدین زکریا اور شاہ رحمی عالم کے مزاروں کے درمیان قلعہ کہتہ قاسم پر

واقع ہے جو کہ دو عظیم بزرگیوں کے مزاروں کے درمیان آپ کا مزار ہے اس لئے اس صحبت سے وہی نام پیر دربر

شاہ مشہور ہو گیا۔

1۔ بحوالہ "اغیار الاغیار"، ص 450 حیکہ "تذکرہ اولیائے عہد و پاک" ص 235 کے مطابق وفات 660ھ میں

2۔ (1) تحفۃ الکرام کے مطابق حسام الدین کی صحبت سے یہ علاء حسام پورہ کہلویا، ص 363

(2) حدیقۃ الأسرار فی أخبار الابرار، ص 111

3۔ بحوالہ "رکن الدین عالم ملتان" ص 603

بہاء الدین زکریا کے ہی فیض یافتہ اور ہم صرا ایک اور بزرگ شیخ حسین گاہ ہر کا شمار بھی

ملتان کے اہل علم میں ہوتا ہے ان پر ہمیشہ سے خودی اور مستی کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ اس حالت سے پہلے آپ گھاس بھوسہ کر ریزی کھانا کرتے تھے آپ کا اعتدال ملتان ہی میں ہوا۔ آپ کا مزار بھڑکٹ کے اندر ہے۔

بہاء الدین زکریا کے ایک اور مرید اور خادم حضرت شاہ دادا شہید بھی بڑے کشت و کرامات والے بزرگ تھے۔ جن کا مزار ادرہ دہلی گٹ واقع ہے۔ آپ کے موصیائے صلک پر حضرت بہاء الدین زکریا اور حضرت بابا فرید گنج شکر کی شخصیتوں کے اثرات تھے آپ کے بارے میں مشہور تھا کہ

"اگر فوت بہاء الحق باہر طلب فرید جے تو بہت آنا ویں مک شہد شہید¹

آپ کو بدوش بہاء الدین زکریا نے ہی تھی بہاء الدین زکریا کی وفات کے بعد آپ شیخ صدر الدین عارف کے متبع و پیروں کی حیثیت رکھتے تھے اور انہی کے دور میں آپ نے وفات پائی۔

مشہور صوفی بزرگ عبدالرشید حقایق کے بچے حضرت سلطان ایوب قتال کا شمار بھی ملتان کے ان موصیائے کرام میں ہوتا ہے جو بڑے کشت و کرامات والے تھے۔ سلطان ایوب قتال کا مزار دہلیہ کے نزدیک ہے آپ نے وہاں اپنے دادا کے حکم سے بکریاں چرا کر ریزی کھاتے ہوئے ساری عمر بسر کی اور 766ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار دہلیہ کے نزدیک چنگل میں واقع ہے اور عمر سال 22 بیت کو آپ کے قبر میں شریعت کرنے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں زائرین دور دور سے آتے ہیں۔

سلسلہ قادریہ کے بزرگ شاہ علی محمد بن حسین شاہ 950ھ میں مشہد مقدس سے ملتان تشریف لائے اور حضرت مخدوم سید سعد فوط بدای کی گیلانی اچوتی کے ہاتھ پر بیعت کر کے مرشد کی اجازت سے دہلی کے چٹاب کے کٹارے شہر شاہ کے مقام پر چلے گئے جہاں آپ مسلسل بارہ سال تک ریاضت و مجاہدے میں مصروف رہے اور آپ کی صحبت سے ہی یہ علامہ "چاہ چلہ والا" کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ نے ملتان میں صرف وفات پائی اور دہلی کے چٹاب کے کٹارے شہر شاہ کے مقام پر شہنشاہ اکبر نے آپ کا مزار تعمیر کروایا جو سلطان آئم کے باعث حیدم ہو گیا۔ اسی وجہ سے آپ کا ناموت دوسری مرتبہ مبارک چاہ شہر والا گرد شہر شاہ

میں دفن کیا گیا۔ آپ شہر شاہ کے لقب سے معروف ہوئے۔ آپ صاحب کرامات تھے۔ لاکھوں اہل آپ کے عقیدت کیش تھے ان کی یاد میں ہر سال ان کے مزار پر میلہ لگتا ہے جسے شہر شاہ کا میلہ کہتے ہیں۔ آپ کے چچ بھٹے تھے جن میں سے صرف ایک بھٹے شاہ شہر محمد کے ہاں اولاد پیدا ہوئی۔ ملتان کے ایک اور صوفی بزرگ پیر جنوں سلطان تھے جن کا مزار کھنڈ سے لوہراں کی جانب چھ میل پر ہے۔ آپ شاہ علی محمد کے خلیفہ تھے۔

دسویں صدی ہجری کے بزرگی میں ایک اہم شخصیت حضرت حافظ شیخ محمد اسماعیل کا نام آتا ہے۔ جو 936ھ میں ملتان تشریف لائے۔ آپ نے بغداد کے مشہور علم خواجہ کمال سے تعلیم حاصل کی جو کہ قرأت میں ماہر اور حافظ قرآن تھے اور اشعار سال وہاں رہ کر علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم حاصل کی۔ ملتان میں آپ نے حرم درویشی کے باہر ایک مسجد میں قرآن درس دینے کے لیے مدرسہ کھولا آپ کی کوششی سے وہاں کثرتِ دماغ طالب علم بھی جمع ہوئے اور قرآن پاک حفظ کر لیتے تھے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی لوہی کو درس دینے کے لیے وقف کر دی تھی، فرحت ملتان کے مطابق

”آپ نے اپنے شیخ بدر فریب الدہار اور بے وطن طلباء کے لئے ایک عظیم درسگاہ بنوائی اور خود ہی درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے پھر ان پر دسی اور بے وطن طلباء اور دیگر مسافری کے لیے ایک بڑا لشکر خانہ قائم کیا جس میں ہاتھ سو آدمی ایک وقت میں کھانا کھاتے تھے۔“ 1

حافظ اسماعیل کا ہمیشہ طب تھا جو آپ کی ریوی کا وسیلہ بھی تھا۔ حافظ صاحب نے اپنی ساری اولاد کے لئے حفظ قرآن اور طب کی تعلیم کو لازمی قرار دیا تھا۔

حافظ اسماعیل کا شمار ان بلند پایہ صوفیاء میں ہوتا ہے جنھوں نے جو درس دیا اس کو صوفی طور پر لوہی کے سامنے نمونہ بن کر بھی پیش کیا۔ آپ کے ہاں اسیر فریب کی کوئی تفریق نہیں تھی، بادشاہ ہو یا فریب اہل آپ کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرتے۔ خود زندہ حلال کھانا اور دوسری کو بھی تقویٰ کی اور اپنی اولاد کو بھی یہی سکھایا۔ آپ صاحب صحیف بھی ہیں آپ کی ایک ہائے طب فارسی اور سالہ مراتب الحدیث کے موضوع پر ہے۔ آپ کے خلفاء میں حضرت خواجہ امام بخشہ حضرت خواجہ احمد عار

کے نام ملتے ہیں۔

آج 1011ھ میں ملتان میں وفات پائی اور پہلے اسٹیشن کے جنوب کی طرف مسجد طوطاں کے عقب میں آپ کا مزار موجود ہے۔

کچھ ایسے لوگوں کی ملتان میں آمد کا پتہ چلتا ہے جو اپنے صوفیانہ مرتبے اور روحانی قیوس سے زیادہ اپنے شعور، ادبی، تہذیبی، ثقافتی اور لسانی اثرات کی بدولت شہر ہونے ان میں حضرت امیر خسرو اور حسن دہلوی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

(18) حضرت امیر خسرو

حضرت امیر خسرو ایک عہد ساز شخصیت کے حامل تھے آپ کی صوت و سیرت میں اہل صوت کا طریقہ ہمارا تھا اور اگرچہ بظاہر بادشاہی سے تعلق رکھتے تھے لیکن حقیقت میں ان لوگوں میں شعار کئے جاتے تھے جو صوت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔² تاریخ فیروز شامی کے مطابق "وہ (امیر خسرو) مستقیم الحال صوفی بھی تھے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ صوم و مملکت اور قرآن خوانی میں گزرا۔ وہ متعدد اور لازمی عبادات میں بکثرت تھے اور ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ وہ شیخ نظام الدین کے خاص مریدی میں تھے۔۔۔۔۔ صاحب صنایع اور صاحب حال و وجد تھے گانے اور راق و فیرہ ایجاد کرنے (علم موسیقی گفت و ساختن) کے فن میں کمال رکھتے تھے۔۔۔۔۔" 3

مولوی عبدالحمید لکھتے ہیں

"سلسلہ چشتیہ میں حبیب صاحب کمال، وسیع شرب، صاحب دل اور صاحب ذوق بزرگ گزریں ہیں۔ ہر ملت و مشرب کے لہجوں لوگوں ان کے ہاں حاضر ہوتے اور ان کے عرفان و زہد دلی سے فیض پاتے تھے۔۔۔" 4

1- بحوالہ "المطالع ملتان" از فرحت ملتان، ص 158

2- بحوالہ "سیرالاولیاء" ص 299

3- بحوالہ "تاریخ فیروز شامی" ص 522

4- بحوالہ "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیانہ کرام کا کام" ص 56

امیر خسرو کے آباؤ اجداد ترکوں النسل تھے اور لا چھیں قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ منگولی کا لقب اٹھا تو یہ تیرھویں صدی عیسوی میں ہجرت کر کے دریائے سندھ کے راستے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ پہلے شمال مغربی حصے میں قیام کیا پھر التمش کے عہد میں دہلی آ گئے۔ خسرو کے والد سیف الدین محمود التمش کے دربار سے وابستہ تھے۔ امیر خسرو موسیٰ ہر پٹالی (ہندوستان) کے مقام پر 651ھ/1253ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم اور تربیت اس شہر میں ہوئی۔ آٹھ برس کے تھے کہ والد وفات پا گئے۔ اس کے بعد ان کی پرورش ان کے نانا عباد الملک کے زیر سایہ ہوئی۔ عباد الملک التمش کے عہد سے لے کر بلیں کے عہد تک دربار کے ساتھ وابستہ اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ آپ طغلق اور شان و شوکت کے حامل تھے۔ ان کا دسترخوان اور مجلسیں ریاست اور شہادت تھیں۔ امیر خسرو نے بھی اسی شہادت محل میں پرورش پائی اور ان مجلسوں میں علماء، شہداء اور ماہرین موسیقی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ انہیں صحبتی کا اثر تھا کہ آپ نے بہت ہی کم عمری میں شہر کہنے شروع کر دیے۔ آٹھ برس کی عمر میں والد کی وفات پر ایک مرثیہ کہا۔ امیر خسرو ہندو زبان تھے۔ فارسی، عربی، ترکی، ہندی، سنسکرت سے ان کی واقفیت ثابت ہے۔ انہی نے طویل زندگی پائی اور آٹھ حکمرانی کا عہد دیکھا۔ طاق شہلی خسانی کے مطابق

"ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا۔ اور سچ بولو تو اس قدر مختلف اور گونا گویا اوصاف کے جامع ایران اور روم کے خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو ہی بار پیدا کئے ہیں۔" 2

امیر خسرو مذہب، علم، عجم، حلیہ، صفت و نحو اور ادب و شعر پر مہارت رکھتے تھے۔

امیر خسرو سب سے پہلے فیات الدین بلیں کے بھتیجے اور امیر کشلو خاں چھجو کے دربار کے ساتھ وابستہ ہوئے اور دو سال ان کی ملازمت میں رہے۔ بعد میں بلیں کے بیٹے بٹرا خاں کو بنگالہ کی حکومت ملا ہوئی تو امیر خسرو دہلی چلے آئے اور بلیں کے دوسرے بیٹے ملک محمد کا آن کے شعرائے خاص

1- "تاریخ ادب اردو" (جلد اول) ص 34 کے مطابق گیارہ حکمرانی کا زمانہ دیکھا۔

2- بیوانہ "شعرا عجم" (جلد دوم) از شہلی خسانی ص 118، مطبوعہ نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، مارچ اول 1972ء

میں شامل ہوئے۔ جب سلطان محمد ملتان کے حاکم مقرر ہوئے تو امیر خسرو اور حسن دہلوی کو اپنے ساتھ ملتان لے آئے۔ یہاں پانچ برس تک ان کا قیام رہا۔¹۔ خسرو لکھتے ہیں

"پنج سال دیگر پنج آب ملتان را از بحر لطافت فانی آب دا دم" 2

ہلاکو خان نے پچھلے اٹھ سال نے جو ایران کا حکمران تھا، اپنے ایک امیر تیمور خان کو لشکر کے ساتھ مدھوستان بھیجا وہ لاہور اور دیپال پور کو فتح کر کے ملتان پہنچا اور یہاں حملہ آور ہوا سلطان محمد خان شہید اس جنگ میں شہید ہو گئے اور جوئے امیر خسرو اور حسن دہلوی اس حرکت میں شریک تھے وہ تاتاری کے حاکم کی گرفتار ہوئے اور پنج برس تک۔ دو سال بعد رہائی حاصل کر کے دہلی آئے یہاں خان جہاں سہوہ دار اور وہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ دو سال ان کے پاس رہے۔ پھر جب جلال الدین خلجی تخت پر بیٹھا تو خواجہ حسن دہلوی کے ساتھ ساتھ امیر خسرو بھی اس کے دربار کے ساتھ وابستہ ہو گئے جب علاؤ الدین خلجی اپنے چچا کے قتل کے بعد تخت نشین ہوا تو امیر خسرو نے ان کی طرز پر اختیار کر لی۔ پھر شہاب الدین، قطب الدین، عارف اور غیاث الدین تغلق نے بھی ان کی ہدایت کی۔ جب خواجہ نظام الدین اولیاء کا انتقال ہوا تو امیر خسرو تغلق کے پاس ہنگال میں رہے، وفات کا سترے ہی دہلی پہنچے اور خواجہ صاحب کی قبر کے مجاور بن گئے۔ اپنے مرشد کی وفات کے چھ ماہ بعد یعنی 725ھ (1325ء) میں انتقال فرمایا اور انھیں کی پالشی کی جانب دفن ہوئے۔³

تاریخی کے مطابق امیر خسرو نے 99 کتابیں لکھیں۔ 5 لاکھ کے قریب اشعار کہے اور عددی زبان

میں بے شمار کلام چھوٹا تذکرہ شائع کرام کے مطابق

"امیر خسرو نے ہندی کتابیں سلک نظم میں مصنف ہیں اور مشہور ہے کہ امیر

خسرو نے اپنی ہفت تصانیف میں لکھا ہے کہ میں اشعار پانچ لاکھ سے کم تر

اور چار لاکھ سے زیادہ ہیں۔"⁴

1- بحوالہ "شعرالغنی" (جلد دوم) ص 201 -2- بحوالہ "بزم طوبیہ" ص 303

3- بحوالہ (الغنی) حیات و طبع اردو ترجمہ صفحہ 752 (ب) اقبال نے محبوب صوفیہ ص 298

(ج) تذکرہ اولیائے ہند و پاک ص 123 (د) شعرالغنی (جلد دوم) ص 110

4- "تذکرہ شائع کرام" از محمد ظفر فاضل ص 124 - صفحہ الاولیاء (فاس) ص 99 سے بھی اس بات کی

تصدیق ہوتی ہے اس میں لکھا ہے "تصانیف میر از نظم و نثر تو دو ہزار است و اشعار میر آجہ

مشہور است از پنج لک کم و از چہار لک زیادہ است۔"

امیر خسرو کی صدقہ تصانیف میں دیوان تحفۃ الصلحہ، دیوان وسط الحیات، غرۃ الکمال، نہایت الکمال، قرآن السعدین، مطلع المنار، شہر خسرو، آئینہ اسکدری، لیلیٰ مجنی، ہشت بہشتہ سپہر، افضل الفوائد، احراز خسرو، تاج الفتح، تہذیب نامہ، خزائن الفتح، طاقب ہند، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ فی ریاضی اور فی موسیقی پر بھی اعلیٰ نے کتابیں لکھیں۔۔۔

طوطی ہند امیر خسرو شاعری میں ایک نابغہ روزگار کی حیثیت رکھتے تھے۔ پہلی نصابی کے

مطابق

" فردوسی، سعدی، انوری، حافظ، عری، ظہیری، بر شبہ، قلم سخن کے جم و کر ہیں، لیکن ان کی حدود حکمت ایک اقلیم سے آگے نہیں بڑھتے فردوس مثنوی سے آگے نہیں بڑھ سکتا، سعدی قصیدہ کو ہات نہیں لگا سکتے انوری مثنوی اور فزل کو چھو نہیں سکتا، حافظ، عری، ظہیری فزل کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے، لیکن خسرو کی جہانگیری میں فزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی سب کچھ داخل ہے اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہاں سخن یعنی قصیدہ، ستراد اور صنائع بدائع کا تو شمار نہیں۔۔۔ " 1

امیر خسرو بھی فارس شاعری سے قطع نظر کر لیا جائے اور صرف اس شاعری پر نگاہ ڈالی جائے جس میں اعلیٰ نے ہندی زبان کا استعمال کیا تو ان کی حیثیت صد اول کے ان مصنفین میں قائم ہے کہ جنہوں نے اردو زبان و ادب کی ترویج میں ابتدائی کاوشیں کیں۔ طوطی عبدالحق نے تذکرہ شکات الشعراء کے حوالے سے ایک قطعہ درج کیا ہے۔

زرگر پسے چو ماہ پارا کچھ گھڑے سوارے پکارا
نقد دل میں گرفت و ہنکست پھر کچھ نہ گھڑ نہ کچھ سوارا

طوطی عبدالحق لکھتے ہیں کہ

" ہنکتہ اس کا نام ہے جس میں فارسی ہندی دونوں ملی ہوئی ہیں اور یہیں سے اردو کی ابتدا ہوئی ہے۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ ہمسوی، ہیلمان، اطمین اور کچھ مکرناں وغیرہ ان کے نام سے مشہور ہیں جن کی صحت کا اس وقت

کوفی ہتھ لڑیچہ نہیں لکریہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ انہیں کی ہیں تو
صد ہا سال سے لکری کی زبان پر دھن سے ان کے الفاظ اور زبان میں بہت
کچھ تصویر ہو گیا ہے اور یہ ظاہر یہ اس وقت کی زبان نہیں علم ہوتی مثلاً

ہالا تھا جب سب کو بھایا بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اسس شای بوجھے نہیں تو چھوڑو گائی (جراغ)

دس تارے ایک ہی دھیر ہستی باہر وا کا کھیر
پیشہ سخت اور بہت نرم منہ میٹھا تاشیر گرم (خجور)

لیکن ان کے فارسی کلام میں بہت سے عذری لفظ یہ غلط استعمال ہوئے ہیں
اور ان کی مشقی تعلق نامہ " ہے ہے تیر مارا " کا جملہ اس وقت کی عذری
یا دھڑلے زبان کی شان کو بھٹاتا ہے۔ 1

انہیں لطیفہ میں شاعری کے ساتھ امیر خسرو کو موسیقی میں بھی کمال حاصل تھا مولانا

شبلی نعمانی کے بقول

" موسیقی میں یہ کمال پیدا کیا کہ ٹایک کا خطاب ان کے بعد آج تک کوئی
شخص حاصل نہ کر سکا۔ " 2

موسیقی کی دعا میں ان جسا نادر کوئی پیدا نہیں ہوا انہی نے نہ صرف کئی ساز ایجاد کئے بلکہ یہ
شمار وال ان کی بدولت دشانے موسیقی میں متعارف ہوئے۔

تہذیبی اور ثقافتی سطح پر بھی امیر خسرو کے کارنامے کچھ کم اہم نہیں ہیں۔ انہی نے
مولانا رومی کی اس روش کو عام کیا جس نے انساں دوستی اور دعاوی زندگی کے تقاضے کو کبھی نظر
انداز نہیں کیا۔ ایک طرف تو انہی نے اپنے تخلیقی مضامین کا اظہار روحانی یا فکری سطح پر کرنے کی
 بجائے جمالیاتی اور جذباتی سطح پر کیا اور دوسری طرف انہی نے سید علی ہمدانی اور بابا فرید گنج شکر
کی طرح ہمد و سلم ثقافت کے طالب کے عمل کو تمز کیا خاص جاوید کے مطابق

" امیر خسرو عذری مسلم تہذیب کے ماحفہ میں انہی نے شعری طور پر اس

1- بحوالہ " اردو کی ابتدائی شعریہ نظم میں مولانا کرام کا کام " ص 17-18

2- بحوالہ " شعر الفہم " جلد دوم، ص 120

ثقافتی بیگانگی کو ختم کرنے کی کوشش کی جو ہجیر کے دو بڑے ثقافتی
گروہوں کے درمیان چلی آ رہی تھی۔۔۔ 1

اس تہذیبی ملاپ کے لیے اسی نے سب سے بڑا ذریعہ زبان کو بنایا اور زبان کی ابتدائی نشو و نما
میں امیر خسرو کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ اسی نے ایک مشترکہ زبان کی تشکیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ
لیا۔ یہ صرف ہندی الفاظ و تراکیب کو بکثرت استعمال کیا بلکہ فارسی زبان کو بھی ہجیر کے مزاج اور
صورت حال کے مطابق ڈھالنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ان کی فزلیں مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی
ہیں جن میں ایک مصرع فارسی کا اور ایک صوفیہ ہندی کا ہے۔

ز حال مسکن کن شغافل و مہوئے صداس بنانے بہان

کہ تاب ہمارا دھرم اے جان نہ لہو کاہے لگائے چھتیاں

شبان ہمارا دراز جی زلفت و ریز ویش جو سر کوشاہ

سکھی ہا کی جومیں نہ دیکھی تو کہے گاں ادا میری رہاں

یکایک از دل دو چشم جادو بند فہیم میرد نسکین

کسے بڑی ہے جا سٹان بہان پس کو ہزاری بہتیاں

جی شمع سواں جی ذرہ حیراں ز صبر آں ماہ بکشم آخر

نہ صند نہاں نہ اک چہاں نہ آب آہ نہ ہشجہ بہتیاں

حق رہ وصال دلیر کہ داد مارا فریب غصہ

ہست میں کہ درائے راکھی جو جائے ہائی ہا کی کھتیاں 2

امیر خسرو کے یہاں مقامی زبانوں کے الفاظ کے استعمال اور صورت میں جو تبدیلیاں ملتی ہیں ان کی مثال
کہیں نظر نہیں آتی۔ امیر خسرو کو ملتان میں ہاج مال قیام کرنے کا موقع ملا اس دوران میں اسی نے
مقامی زبان کے الفاظ بھی سیکھے اور ان الفاظ کو اپنی شاعری میں برتا۔ مولانا محمود شملانی نے امیر خسرو

1- بحوالہ "ہجیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" ص 53

2- بحوالہ "تاریخ ادب اردو" (جلد اول) از ڈاکٹر جمیل جالبی ص 28

نی ایک نظم دج کی ہے۔

وہ گلے ہالم وہ گلے دیمو، کفار
بھائی رہے مٹا ہو ہم کو ہمارا آثار
دیکھ میں اپنے حال کو رہی زاروزار
باہل بھیجی میں وجہ کی تاندا کو پھول
چکوا چکوا دو جہر اکھی ماروہ کو
بیچ کھیتی چکھ کر رہی دن رات
سجھ تاریں سو کھ سبھی کشتاں کو گل لا +
تازی چھوٹا دھن میں قصہ پڑی پکار
کوری سوئے ہلک پر مکھ پر دایہ کیس
آہے ہار اتھر گلے ہم تو رہے ارور
ہاتھ کا دیووشی مہرا گل کا دھن کی ہار
ہی گھوٹا بہت میں ہم میں اور گھنار
ہو چھاونچہ وہا جاناں لندھا مہول
اودہ مارن کرتا کر رہی بھڑکی ہو
ہیا کرتی میں پھری ہا، مھر سکھ نہ جی
میں دیکھ پاری چشم کی دیکھی گئی بہا
دروازہ دیکھ رہے گلے گلے سوار
چل خسرو گھر آہے ساجدہ پڑی جو دھن

ڈاکٹر مہر عبدالحق کے مطابق

"شان زدہ الفاظ اور ترکیبیں اصل کے لحاظ سے تو ہمدی ہیں لیکن اس لحاظ سے خالص

ملتان ہیں کہ یہ دوسری زبانیں ہیں ان ہنسی میں یا ان ترکیبیں سے استعمال نہیں ہوتیں اگرچہ ملتان
زبان میں یہ عام ہیں " دروازے دیکھ رہے گلے " میں دروازہ دیکھتا ہوں دروازہ بند کرنا غالباً اردو کا
محاورہ ہے اور نہ کسی دوسری زبان کا " لندھا مٹا " یعنی اصل بھی حاصل نہ ہوا خالص ملتان زبان
ہے گل لای بھی گلے ملتا یا گلے لگاتا آج بھی ملتان میں سنا جاتا ہے۔ نے یا بھا بھی " اور
الحدہ ہزاکرت سے آتا ہے مگر جدید ہند آریائی زبانیں میں سوائے سندھی کے اور کسی زبان میں اس کی
کوئی شکل موجود نہیں۔ 2۔

گیا امیر خسرو کے یہاں زبانیں مخلوط کر کے یہ شعر تہجرات ملتے ہیں مثلاً امیر خسرو کا

شعر ہے۔

ہار ہر سر شہاد گھٹتا جل

میں کہ ہر سر ہے شہاد دم گل

1۔ بحوالہ "پنجاب میں اردو" ص 197

2۔ بحوالہ "ملتان زبان اور اس کا اردو سے تعلق" ص 534، مطبوعہ اردو اکادمی، ممبئی، مارچ 1967ء

ادب کے وہ شاعر آئے جن کی شعاس آج بھی زبان میں شہد گھول رہی ہے
 امیر خسرو دو تہذیبوں کے امتزاج کے وہ گل نبوس ہیں جو افریقہ پہمیلی
 تہذیبوں کے ایسے ہی مؤثر ظہور میں آئے ہیں اور خود تہذیب کی علامت
 بن جاتے ہیں۔ امیر خسرو ہمہ مسلم ثقافت کی وہ زندہ علامت ہیں کہ
 رہتی دنیا تک اس تہذیب کے اولین نمائندے کی حیثیت سے یادگار رہیں گے۔
 --- ان کا اردو کلام ایک تہذیب کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ امر کہ ہمیں
 بہت سا کلام ان کے نام سے منسوب ہو گیا، خود اس بات کا اشارہ ہے کہ
 امیر خسرو حقیقہً طورً احساس کے ایسے نمائندے ہیں جو تہذیبوں کے خون سے
 شامف ہو کر خود کلچر بن جاتے ہیں۔ * ۱

(19) حسن دہلوی

=====

شہزادہ سلطان محمد کے دیہار میں امیر خسرو کے ساتھ ساتھ اس دور کے ایک اور بڑے شاعر اور
 بزرگ حسن دہلوی کا نام بھی آتا ہے شہزادہ محمد جب امیر خسرو کو دہلی سے ملان لائے تو حسن
 بھی ساتھ تھے۔ حسن 653ھ میں ہدایہ میں پیدا ہوئے تھے دہلی میں پائی۔ حسن امیر خسرو
 کے ہم عصر بھی تھے اور پھر بھائی بھی کیونکہ وہ بھی نظام الدین اولیاء سے بہت تھے۔ عبدالرحمان جامی
 نے انھیں "سعدی ہندوستان" کہا ہے۔ مولا جامی تاریخ حنفی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ
 "سعدی مکارم اخلاق اور لطافت و شرافت مجالس اور عقل کی استقامت اور صوفیہ
 کے دستور و آداب اور فصاحت کے لزوم اور پاکیزہ اعتقاد اور دعاوی طالح سے
 تیز اور ظفر میں ظاہری اسباب کے بغیر عجز رہنے اور اچھے کتران کے ساتھ
 رہنے میں حسن جیسا دوسرا آدمی بہت ہی کم دیکھا ہے وہ اسی شخص
 مجلس والا یا ادب اور مہذب تھا کہ جو راحت سمجھے ان کے پاس بٹھ کر
 ملتی تھی وہ کسی دوسرے کی مجلس میں نہ پاتا تھا۔" 3

حسن دہلوی اپنے وقت کے نہایت اہم اور قادر الکلام شاعر تھے مراۃ الاسرار کے مطابق

1- "تاریخ ادب اردو" جلد اول، ص 34

2- بحوالہ "تاریخ ادب اردو" از ڈاکٹر حمید جالبی، ص 34

3- بحوالہ "حیات صوفیہ اردو ترجمہ خطبات الامام" ص 752-753، مکتبہ محمد ادریس اعشاری

" تمام شعرائے وقت میں سے ابوالدہبہ کوئی آپ سے بہتر شعر نہیں کہتا
تھا۔ شاہانِ دہلی آپ کے کلام کے عاشق تھے۔ " 1

آپ فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ امیر خسرو کی طرح حسن نے بھی فارسی اور
ہندی کو ملا کر شعر کہے ہیں مثلاً

ہر لحظہ آہد در دلم دیکھ۔۔ ہی اویں شک جائے کسر
گویم حکایتِ حورِ خود با آن مضام۔۔ و لائے کسر
آن سیم تن گھوڑ مسرا در کوشے ما آئی چرا
ماہی صفت تر پہ۔۔ ہی جو شک نہ دیکھی۔۔ جائے کسر
تا کہے خورم خوی جگر کا میں کہی دیکھ جسائے کسر
سوزِ فشانہ در۔۔ تقسیم ہوئے دے گئے مسلمانے کسر
گنشم ہی جوئی در بندر یا ہم آگ۔۔ جائے خیم۔۔ کسر
ہر دور رہا پہنچتی شکر اجیوں کا ملہا آئے کسر
ہستار گفتم این سخن اب دل بکس و بہت ہنس
ان کی تباہی ات کھنسی پہنچتی کہے مسجداںے کسر
ہر حیلہ کو دم اے حسن پر جاں شدم از دم بدم
کہے رہی تیرے جیوں میں تم نے گئے شک لائے کسر

ڈاکٹر جلیل جالبی لکھتے ہیں کہ

" مکی ہر قل در شک کے سبب اس غزل کے چند الفاظ وہ رہے ہیں
جو حسن نے لکھے تھے، لیکن لفظی کے ادھر ادھر ہونے یا خطبست
تبدیلی سے زبان کے مزاج اور اشعار پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ جو
بات قابلِ توجہ ہے وہ نیا لہجہ ہے جو " عربی ایرانی تہذیب " کا حلیہ
ہے جس نے مزید لفظی میں جان بھی ڈال دی ہے اور ایک ایسے جھٹکار
بیدا کر دیا، ہر جو گاہی کو پھلی ظلم ہوتا ہے جس نے زبان کو ہے

سفر اور دلی منزلی کا راستہ بتا دیا ہے۔۔۔ 1

حسن دہلوی نظام الدین اولیاء کے کاتب بھی تھے انھی نے نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کو "قواعد القواد" کے نام سے جمع کیا۔ اس کے علاوہ مرہی میں "قواعد الحمود" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ آپ نے 736ھ میں دیوگر میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔²

یہاں اگلے باب میں ہم دسویں صدی ہجری کے بعد کے مونیاء کا ذکر شروع کر رہے ہیں۔
حقہ جاری کے موضوع سے براہ راست متعلق ہے۔

1۔ بحوالہ "تاریخ ادب اوز" جلد اول، ص 35

2۔ بحوالہ "تذکرہ اولیاء عہد و پاک" از مرزا محمد اختر دہلوی، ص 123، مطبوعہ سہ ماہی آدم جی
عبداللہ پبلشر بھیٹی والی لاہور

کتابیات (تصرا باب)

صفحہ نمبر	موضوع	کتاب	ناشر/ایڈیٹر
1	آرٹھ، مش، ڈبلیو، پرویز عنایت اللہ، شیخ، ڈاکٹر (مترجم)	دعوت اسلام (پہچان آت اسلام)	محکمہ اوقاف، چکوت پختاب، لاہور طبع اول 1972ء
2	آفتاب بیک، مرزا	تحفۃ الابرار	طبع رخص، دہلی، 1323ء
3	احقر علی جشتی	جواہر فریدی	وکتبہ پریس، لاہور 1301ء
4	امام بخش، مولوی	حدیثۃ الاسرار فی اخبار الابرار	اس کتاب کا ٹائٹل صفحہ غائب ہے اس لئے پریس کا ہتہ نہیں چلتا۔
5	امیر خسرو	مخالف ہاری بہ قلم جلی	طبع مطبعہ عام لاہور، مار اول فروری 1910ء
6	بدرالدین اسحاق، خواجہ	اسرار الالوہ	اللہ والہ کی قوی دکان، لاہور
7	ایضاً	اسرار الالوہ (فاسی)	پبلشر کاسپر، چھٹا ایڈیشن، 1917ء
8	بدر، کرم الہی	تاریخ ملتان	استراج پبلی کیشنز، لاہور، مار اول 1978ء
9	برہن، شہاد الدین سید حبیب الحق، ڈاکٹر (مترجم)	تاریخ حبیب شاہی	مرکزی اردو بورڈ، لاہور
10	شہل آرسی مبار عبدالرشید (مترجم)	حکایات پختاب (حصہ سوم)	مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول 1962ء
11	جمال حامدین فضل اللہ قادی، محمد ایوب (مترجم)	سیرت العارفین	مرکزی اردو بورڈ لاہور
12	جمال جالبی، ڈاکٹر	تاریخ ادب اردو (جلد اول)	مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول 1975ء
13	جعفر قاسمی طاہر اسدی (مترجم)	بابا فرید الدین مسعود گنج شکر	"الحارث" لاہور

- 14 حبشی رام مشتاق فرید کوٹی
پدری، سابی، قادری
ارشادات فریدی یعنی شلوک فریدی اللہ والے کی قوس دکان لاہور
1927ء
- 15 حسن رضا گردیزی
شاہ بیوت گردیز
کاروان ادب، ملتان، ہارنگی 1983ء
- 16 حکم جٹ
توانج ملتان
- 17 خواجہ حسن دہلوی
نواکھ الفواد (فارسی)
نولکشمہ 1302ھ
- 18 خواجہ حسن دہلوی /
نواکھ الفواد
علامہ اکھڑی، اوقات پنجاب، لاہور
1393ھ / 1973ء
- 19 خواجہ غریب نواز
خواجہ غریب نواز
شیخ غلام علی ایڈیٹر، طبع سوم
1978ء
- 20 حضرت الہدایہ ابن شیخ
عبد الرحیم / درانی محدثین
الدین، پروفیسر
ذکرہ خواجگان چشت، اردو ترجمہ "طیس اکھڑی، کراچی
سیرالاقاب"
- 21 رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر
اردو خیر کا آثار و ارتقا (19 ص) کیم ستر پبلشرز، کراچی 1978ء
مدی کے اوائل تک
- 22 شارب، الطہور الحسن، ڈاکٹر
حسین الحق
تاج پبلشرز، دہلی
- 23 ایما
دلی کے بائیس خواجہ
- 24 نیلی شعاعی، علامہ
شعر العجم (جلد دوم)
- 25 شتار، محمد قوی، ماڈرن
فضل احمد جمیری (مترجم)
گلزار اہرار (فارسی) اردو ترجمہ
اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور
سی اشاعت 1365ھ
- 26 شمیم محمود زیدی، ڈاکٹر
احوال و آثار۔ شیخ بہاد الدین اشارات مرکز تحقیقات فارس ایران و
زکریا ملانی و خلاصۃ العارفین (فارسی) پاکستان
- 27 شباب، سعید حسن
غٹہ پاک ایچ
اردو اکھڑی بیابا پور، طبع اول 1967ء
- 28 صباح الدین عبدالرحمان،
بزم طوبکہ
"عارف" اعظم گڑھ 1374ھ / 1954ء
- 29 عبدالمجلی، سعید مولانا
نوشہری ابی حمزہ امام خاں (مترجم)
ترجمۃ الخطا و بہجتہ السامع و
الخواطر
مقبول اکھڑی، شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طبع اول 1965ء
- 30 عبدالرحمان چشتی، مولوی
ذکرہ اولیائے عہد
لکھنؤ 1914ء
- 31 عبدالرحمان شیخ
مرآۃ الاسرار (جلد دوم)
سوال، واحد بخش کپتان (ترجمہ و تحقیق)
صوفی فاؤنڈیشن لاہور، سی اشاعت 1982ء
- 32 عبدالرحمان، مثنوی
آئینہ ملتان
کتبہ اشرف العارف، ملتان۔

- 33 فقیر فکری، علامہ مختار ملتان (جلد اول) فکری اکیڈمی، بھارت مجلس ثقافت و تاریخ ملتان، سن اشاعت جنوری 1982ء
- 34 ملاؤالدین علی حسینی، مولانا ذوالفقار احمد، مولوی (مترجم) الدارالعلوم فی ترجمہ ملفوظ المصنوع اردو ترجمہ از جامع العلوم طبع اصاری دہلی 1309ھ
- 35 غلام سید لاہوری خزینۃ الاصغیاء مکتبہ نبویہ کتب بختی روڈ لاہور
- 36 ایضاً خزینۃ الاصغیاء (جلد دوم) دولکشور پریس، کانپور
- 37 ایضاً حدیثۃ الاولیاء
- 38 فرحت ملتان اولیائے ملتان مکتبہ تنہار ادب ملتان، مارچ 1984ء
- 39 فقیر محمد اشفاق حسن جمال بیوت طبع الہی آگرہ 1326ھ
- 40 فرشتہ، محمد قاسم تاریخ فرشتہ (جلد دوم) شیخ غلام علی ایڈ سٹر، لاہور
- 41 ایضاً تاریخ فرشتہ (جلد اول) ایضاً
- 42 فرشتہ، محمد قاسم تذکرہ مشائخ کرام احسن پرواز، لاہور 1965ء
- 43 ایضاً ترجمہ تاریخ فرشتہ (اردو) جلد اول دولکشور پریس، لاہور
- 44 فریدی، تنہار احمد (مولا) تذکرہ شاہ رکن عالم ملتان قمرالادب، جگہوالہ، خلیج ملتان
- 45 ایضاً تذکرہ صد الدین غازی (جلد اول) ایضاً
- 46 ایضاً تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتان مکتبہ اوقات پنجاب، لاہور، طبع اول 1980ء
- 47 فیاض محمود سید (مرتبه) تاریخ ادبیات سلطانی پاک و ہند، جلد 13 پنجاب یونیورسٹی، لاہور
- 48 قادری، داراشکوہ، شہزادہ سفینۃ الاولیاء (فارسی) دولکشور
- 49 قادری، داراشکوہ، شہزادہ سفینۃ الاولیاء ظہیر اکیڈمی، کراچی، طبع ششم 1982ء
- 50 قادری، محمد ایوب مقدمہ حیاخان جہاں گشت ادارہ تحلیق و تصنیف کراچی، مارچ اول 1963ء
- 51 قاسمی، حاجہ پنجاب کے صوفی دانشور شیخ غلام علی ایڈ سٹر، لاہور
- 52 ایضاً برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء یک ٹیڈ، وزارت ادارہ ثقافت پاکستان، لاہور، طبع اول 1977ء
- 53 قانع شعلوں، علی شہیر محمد تحفۃ الکرام سہ ماہی ادبی بورڈ کراچی 1959ء
- 54 حدیث، اصحاب المل تاریخ سہ ماہی (دو جلدیں) مرکزی اردو بورڈ لاہور

اقبال کے محبوب صوفیہ	اقبال اکادمی، لاہور، طبع اول جنوری 1976ء	55
ظہر، حمید شاعر	خیر المعالیں (اردو ترجمہ) مستطاب مزاج المعالیں	56
گہلی جام پوری	سرائیکی شاعری	57
گہلانی، اولاد علی سید	موقع ملتان	58
محمد اکرام شیخ	آب کوثر	59
محمد امین، پرویز	اشارات قلعة	60
مدحت دہلوی، عبد الحق شیخ	"انوار صوفیہ" یعنی اخبار الاخبار فی اسرار الانوار	61
مدحت دہلوی، عبد الحق شیخ	اخبار الاخبار	62
سیدان محمود، صاحب، مولانا / محمد افضل، صاحب، مولانا (ترجمیں)	مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی	
سعود، وحید احمد	سوانح حضرت بابا فرید الدین سعود گنج شکر	63
محمد اختر دہلوی، مرزا	تذکرہ اولیائے ہندو پاک	64
محمد ہلال، صاحبزادہ (سید)	روحہ اقطاب	65
محمود شیرانی، حافظ	پنجاب میں اردو	66
وحید قریشی، ڈاکٹر (مؤلفہ)	مقالات حافظ محمود شیرانی (جلد اول) و دوم مجلس ترقی ادب، لاہور طبع اول 1966ء	67
محمود شیرانی، حافظ	لغات خواجہ	68
عبد الدین احمد	جواہر فیدی	69
عبد الدین، مولانا	اردو کی ابتدائی شہینہ میں صوفیائے کرام کا کام	70
مولوی عبد الحق، ڈاکٹر	مقالات دہلی و علی (جمعہ اول)	71
مولوی سید شجاع، ڈاکٹر	سرائیکی زبان اور اسکی حساسیت مطالعائی ریاض	72
مہر عبد الحق، ڈاکٹر	سرائیکی ادبی بورڈ ملتان، سی اشاعت 1977ء	

- 73 میرغورد، سید محمد بن مبارک کرمائی سیرالاولیاء
برہان، قلام احمد (مترجم)
الکتاب گنج بخش روڈ لاہور، سال
اشاعت 1982ء
- 74 طاہم، بشیر حسین اولیائے ملتان
عظام الدین اولیاء (خواجہ) راحت القلوب
ملک فضل الدین نقشبندی (مترجم)
- 76 نظامی و غلیظ احمد احوال و آثار شیخ فرید الدین
قاسمی محمد حفیظ اللہ (مترجم) سعید گنج شکر
اردو ترجمہ "دی لائف اینڈ ٹائمز
آف شیخ فرید الدین گنج شکر"
- 77 وقائع شاہ حسن الدین چشتی (فارسی) مولکھنور پریس 1300ھ
ہزار، اعظم گڑھ 1949ء
- 78 بزم صوفیہ
- 79 مطبوعات مظہریہ و محبوب الفارسی مطبعہ صفحہ لاہور، 1301ھ

تلمیحی ضمیمہ

- 1 زکریا، بہاء الدین (ملتان) دیوان فارسی
- 2 بہاء الدین بن حافظ مولوی خلاصۃ الفارسی (فارسی) مطبوعات حضرت بہاء الدین زکریا ملتان
عبداللہ قادری 27 شعبان 1290ھ
- 3 شرب الدین قریشی شمع صنع التبرکات (تذکرہ حقایق) (فارسی)
- 4 فرید سعد امجدہنی گنج الاسرار (مطبوعات بابا فرید گنج شکر) 15 جمادی الثانی 1277ھ
- 5 گل محمد چشتی مولوی گلزار فریدی (فارسی) مطبوعات بابا فرید گنج شکر
- 6 محمد افضل قریشی خلاصۃ الاحباب (فارسی)
- 7 یار محمد مرید خواجہ المتحجب مفلوح شریف (فارسی) اس کے دو نسخے حاصل ہوئے، ایک جناب
استغاثی سے اور دوسرا ڈاکٹر طاہر
توضیح سے۔
- 8 قادری، دارا شکوہ سلیکۃ الاولیاء (فارسی) کاتب یار محمد مرید قلام حسن شہید
30 شعبان المبارک 1280ھ

رسالہ

- 1 دیباجہ مومن سنگھ، ڈاکٹر بابا غریب الدین گنج شکر ابراہیم اور فینڈاٹی پور پنجاب پرنٹریس مکتبہ
فروری 1938ء
- 2 رائی دی، حسام الدین پور اردو زبان کا اصلی مولد۔۔۔ سندھ "اردو" انجمن ترقی اردو، کراچی
اپریل 1951ء
- 3 عین الحق لہند کوٹی اسماعیلی بزرگی کا عارفانہ کلام "ماہ نو" اکتوبر 1981ء

المعارف

- 1 عتیق فکری، علامہ ہوشیار پر ملتان کے علمی اثرات "امری" ملتان نمبر 28 جون 1978ء
- 2 غنظہ مہدی ملتان کے قدیم علمی و ادبی محسن ایضاً
- 3 محمد اسلم، پروفیسر صوت اور ملتان ایضاً
- 4 محمد اسلم چوہدری حضرت پور مخدوم عبدالرشید حقانی ریاضۃ "جنگ" لاہور، 27 جولائی
1982ء

باب چہارم

(ملتان کے مونیام)

دسویں صدی ہجری کے بعد کے مونیام کا احوال

ان کی

طس، ادس اور تہذیبی خدمات کے حوالے سے

چوتھا باب

دسویں صدی ہجری کے بعد کے مولاناں کرام

(الت) پس منظر

=====

سابقہ باب میں جن مولانا کا ذکر کیا گیا ہے ان کی وجہ سے سولہویں صدی میں تصوف کی ایک مسئلہ اور بائیدار روایت قائم ہو گئی۔ ان مولانا کی بدولت ملتان کی تہذیبی، ثقافتی، علمی، ادبی، اخلاقی اور مذہبی اقدار ہی جو اصلاح ہوئی۔ اس کے واضح نتائج سامنے آنے مختلف مولانا کی خواہشیں مرجع خلافت بن گئیں اور لوگوں نے اپنی مذہبی اور روحانی تشنگی کو دھڑکھڑکاتے لکھنؤ مختلف سلسلے کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرنا شروع کیا۔ ملتان کے علاوہ تونہ، اوچ، سخی سہر، کوٹ شعی، پاکپٹی، عبدالحمید اور غیر ہر نامی والی وغیرہ تصوف کے مرکز بن گئے۔

دسویں صدی ہجری کے بعد بھی تصوف اور ملک تصوف کا سلسلہ مطلق نہیں ہوا بلکہ حضرت حافظ جمال، حضرت خواجہ سلیمان تونہوی، حضرت خواجہ غلام فرید، حضرت خواجہ خدا بخش اور غلام حسنی شہید وغیرہ کی بدولت یہ سلسلہ نہ صرف قائم رہا بلکہ آگے بڑھتا رہا۔ دسویں صدی ہجری کے بعد کے مولانا کی بدولت تعلیم و تعلم، رشد و ہدایت اور فلسفہ و فکر کے ساتھ ساتھ زبان و ادب اور علم و فضل کی بھی ترویج ہوئی اس دور کے ملفوظات اگرچہ زیادہ تر فارسی ہی میں ہیں لیکن ان میں سے اکثر کے تراجم ہو چکے ہیں اور بہت سے مولانا کا اردو کلام بھی دستیاب ہے۔

لیکن اگر ایک طرف تصوف نے تہذیبی اور علمی سطح پر اپنے دیرپا ہوش برستم کئے تو دوسری

جانب عالی سطح پر سلامتی کے باقی اور دنیاوی زوال کا سلسلہ بھی شروع ہوا اور انھیں مدی میں یہ زوال اپنے نقطہٴ مرجع پر پہنچ گیا بیرونی دنیا کے سلمان بالخصوص اور برصغیر کے سلمان بالخصوص اس زوال کی زد میں آئے۔ یہ زیادہ سلامتی کی سیاسی، سماجی، حاشیائی اور اقتصادی اقدار میں تبدیلیاں لایا۔ دنیا کے مختلف ممالک میں آزادی کی تحریکیں تیز تر ہوئیں۔ اٹلی، فرانس اور جرمنی نے انقلاب دیکھ کر ان کے یہاں حاشیائی، تہذیبی اور سیاسی سطح پر انقلابی تبدیلیاں پیدا ہوئیں لیکن اس کے برعکس هندوستان کے سلامتی بددعج اقتصادی، سیاسی، سماجی اور حاشیائی طور پر زوال کی طرف بڑھتے گئے۔ سلطنتِ مغلیہ دم توڑ رہی تھی اور شاہی قوتیں ابھر کر سامنے آ رہی تھیں اس انحطاط کا سبب بادشاہی کی کوتاہ ادبش، میں پرستی اور بہت ہمتی تھی اور جب مرکزی ڈھانچہ کمزور ہو جائے تو طرح طرح کی سازشیں، گروہ بددعاں جنم لیتی ہیں پھر ہر کوئی جڑ توڑ کر نئے لگتا ہے تو بیرونی طاقتیں آپس کے اشار کا فائدہ اٹھا کر اپنا مفاد حاصل کرنے لگتی ہیں کچھ ہیں صورت حال هندوستان میں بھی پیدا ہوئی۔ صوبی کے گورنر، جاگیردار اور امراء خودمختار ہو گئے یہ لوگ نہ صرف مرکز سے باقی ہوئے بلکہ اپنے اقدار اور عیش پرستی کے لالچے میں غریبی پر ظلم بھی کرنے لگے جس سے عوام میں پریشانی پھیلی اور اقتصاد بدحالی میں اضافہ ہوا ان کی دیکھا دیکھی سکھ، مرہٹے، جاٹ اور روہیلے بھی سر اٹھانے لگے اور اپنے اپنے طور پر ہر ایک نے لوٹ مچا دی۔ سکھوں کی قارت گری خصوصاً تاجپ کا ایک تاریک دور ہے۔ رجحیت سنگھ کے عہد میں ان کی حکومت بہت پھیل گئی 1234ھ/1818ء میں ملتان پر بھی اس نے قبضہ کر لیا۔

اندرونی سازشوں کے علاوہ بیرونی حملہ آفریں نے برصغیر کی سیاسی اور اقتصادی بدحالی اور اشار میں مزید اضافہ کیا۔ جس سے لوگوں میں خوف و ہراس، اضطراب اور ناہت پیدا ہوئی۔ ان حالات میں جب کہ ملکی سیاسی، سماجی فضا اس قدر بگڑ چکی تھی، برطانوی سامراج کی ہمار کو روکا نہ جا سکا۔ یہی سیاسی، سماجی اور اقتصادی بدحالی کے ساتھ ساتھ غلامی کا طوط بھی ان کے گلے میں بڑھ گیا۔ انگریزی نے اپنی شاطرانہ چالوں سے غیر مسلم هندوستان میں اٹھنے والی حریت پسند تحریکیں کو ناکام بنا

دیا انہیں زیادہ فائدہ عسوی اور سلامتی کی نا اعلانی اور فساد کی مٹا دہی اور غیر فروشی
 نے پہنچایا۔ انگریزی کا نشانہ زیادہ تر مسلمان تھے کیونکہ وہ تقریباً پانچ سو سال تک ہندوستان پر حکومت
 کر چکے تھے۔ انگریزی کو اب بھی خطرہ انہیں سے تھا، اور مسلمان 1757ء کی جنگ پلاسی میں
 سراج الدولہ کی شکست کے بعد پھر سیاسی طور پر مجتمع نہ ہو سکے۔ 1757ء اور 1857ء کے درمیان پوری
 صدی مسلمانوں کے سیاسی، معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی زوال کی صدی تھی۔ آٹا دتا تحریکیں وجود
 میں آئیں لیکن ان کے کوئی خاطر خواہ اثرات مرتب نہ ہو سکے۔ یہ علمی، اختراع اور طوائف الطوبی نے
 مسلمانوں کے اتحاد کو بارہ بارہ کر دیا حقیقت یہ ہے کہ اوروں نے عالمگیری کی وفات کے بعد جو بساط الہی
 تو دوبارہ بچھائی نہ جا سکی۔ اور احمد شاہ ابدالی اور نادر شاہ کے حملوں نے اقتصادی بدحالی میں
 اضافہ کیا۔ غیر منظم ہندوستان ہمیشہ غیر ملکی حملہ آوروں کی آماجگاہ بنا رہا ہے۔ غیر ملکیوں نے کبھی
 تجارت کے نام پر اور کبھی طاقت کے بدلے ہوتے ہوئے اس ملک کا استعمال کیا۔ اقتصادی لوٹ مار کا سلسلہ
 پندرھویں صدی عیسوی میں پرتگیزی کی آمد سے شروع ہوا پھر آئندہ صدیوں میں ولندیزی اور فرانسیسی
 لوٹتے رہے اور بھی سب سے گرا انگریزی نے پوری کر دی۔ ظاہر ہے کہ کسی ملک کی اقتصادی بدحالی،
 اخلاقی اقدار کو بھی ہائمال کر دیتی ہے۔ میں کچھ ہندوستان میں ہونے والی اقدامات کے ساتھ ہوا لیکن
 اس کی زد میں مسلمان نسبتاً زیادہ آئے کیونکہ انگریزی کے اقتدار کے بعد شعوری سطح پر مسلمانوں کے مطالبے
 میں عسوی کو ہر میدان میں آگے بڑھایا گیا اور مسلمانوں کو جان بوجھ کر پسواہہ رکھا گیا۔ فری
 عبدالعزیز سالک کے مطابق

”مرہٹوں کی وفات، سکھوں کی سرکشی، نادر شاہ کا حملہ، دہلی کا قتل
 عام، احمد شاہ ابدالی کا ہرکے پانی پت، یوہیلی کا دور، ایرانی و توتانی ا
 امراء کی کتکڑہ بنگال و بہار میں انگریزی کا تسلط اور پھر سارے ہندوستان
 پر چھا جانا تاریخ کے ہر طالب علم کو معلوم ہے۔ سلاطین و امراء کی
 خالاتی، ظلمت کی غفلت و مدافعت، حال حکومت کی شک حرامی اور اخلاق
 باطنی نے بھی عسوی کو عائد فائدہ اور اصلاح شیعہ کے جواب میں فرق
 کر دیا۔“ 1

بھی شامل تھے ان کی وفات 923ھ میں اچ شریف میں ہوئی۔ ان کے بعد ان کے فرزند مقدم عبدالقادر ثانی سجادہ نشین بنے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مقدم سید عبدالرزاق مسک نشین ہوئے۔ ان کا سر وفات 942ھ ہے۔ سید عبدالرزاق کے فرزند مقدم سید حامد الغزوی سید حامد گنج بخش¹ سجادہ نشین ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے مانع ہوئے بزرگ تھے۔ آپ کے مرنے میں عنایت بادشاہ ہند کے علاوہ حضرت سید داؤد مدنی کرماتی، حضرت شہر شاہ ملتان اور نواب میراں حاکم ملتان شامل تھے۔۔۔ اسے ہزبریدہ انسان کے گھر میں ایک برگزیدہ نر انسان حضرت موسیٰ پاک شہید کی صورت میں 952ھ² میں پیدا ہوا۔ آپ کا پورا نام حافظ محمد جمال الدین موسیٰ پاک شہید رحمت علیاتی کے مطابق "ابوالفضل تاجی مادہ ہے، سلطان الحقیق، عدۃ الواصلین، قطب العالم جمال الاسلام القاب ہیں، ابوالحسن کہتے ہیں۔" 3

کتاب "بحرالسرائر" از سید سعد اللہ رضوی میں ان کے نام کے ساتھ یہ القاب درج ہیں

"سلطان الحقیق، عدۃ الکامین، اسوۃ الواصلین، قطب العالم، شیخ الشائع والاولیاء، سلطان الشہداء وغوث الدنیا والدین، جمال الاسلام والصلحین، ابوالحسن شیخ موسیٰ شہید دس سرہ۔" 4

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد علوم ظاہری کی تحصیل شروع کی۔ صورت و نحو، کافہ اور جملہ علوم متداولہ نو عصری میں حاصل کر لئے۔ سلوک کے مدارج بھی والد محترم کی ہدایت میں طے کئے۔ حضرت شیخ حامد نے اپنے فرزند ارجمند کی تعلیم اور تربیت پر خاص توجہ دی۔ "بحرالسرائر" میں خود موسیٰ پاک شہید کے حوالے سے لکھا ہے

"..... حضرت والد ماجد را مشغول خاطر بود بہتر و ہشت سالہ بچہ کو در ستہ سفر بخدمت خود ہمراہ کردہ و از آنوقت در سطر و حفر از خود جداس ساختہ..... شب و روز در کفار رحمت و جوار شفقت ایشان تربیت

- 1- بحرالسرائر از سید سعد اللہ رضوی ص 187 پر حامد گنج بخش کی بیانیے حامد جہاں بخش اور حضرت موسیٰ پاک شہید کے فرزند کا نام حامد گنج بخش لکھا ہے۔
- 2- آپ کے سر ولادت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، سب تذکرہ نگار اس میں ہر متفق ہیں۔
- 3- "اولیائے ملتان" ص 81 مکتبہ تنویر ادب ملتان، ہارسوم، 1984ء
- 4- "بحرالسرائر" از سید سعد اللہ رضوی فارسی (ثانی منصفہ) ص 187۔۔۔ 1291ھ رمضان المبارک کے پہلے میں

می یافتہ و ہم در آن امام طفولیت سفیان ابن عیاض و در جان ما رہنما
تربت باطنی مسیحہ شفق ظاہری می خواستہ۔ " 1

اس تعلیم و تربیت کی بدولت حضرت موسیٰ پاک شہید شروع ہی سے ریاضت اور عبادت کے عادی ہو گئے۔
والد ماجد اپنے سامنے بیٹھا کر سات سات وظائف اور اواراد پڑھاتے، ذکر جہر اور اشتغال باطنی کرتے،
اسلام الہی اور ارمیہ منویٰ کی تلقین کرتے اور تعلیم و تربیت، رشد و ہدایت میں کوئی کسر نہ چھوڑتے²
غلام سرور لاہور کے مطابق

"جب باپ کے روضہ اعلیٰ میں تکمیل ظاہری و باطنی پائی تو بظاہر جمال
الدین ابوالحسن مغالط ہوئے۔" 3

جب حضرت حامد گنج ہفتی نے آپ کی تربیت کی طرف سے اطمینان حاصل کر لیا تو اپنے بیٹے
بیٹے سعد عبدالقادر کی بجائے آپ کو اپنا جانشین اور خلیفہ ہمام کا فیصلہ کیا چنانچہ اعلیٰ نے آپ کو
اپنا خاص عرفہ مبارک، سجادہ اور انگوٹھی عطا فرمائی حکم چھ لکھتے ہیں

"تعمیہ صریح میں ہر ایک علم تفسیر و حدیث و فقہ و فتاویٰ وغیرہ میں ہوئے
اور علم باطن بھی حاصل کیا۔ والد بزرگوار حضرت سے بڑی محبت رکھتے تھے۔
بلکہ اپنی حیات میں ہی اعلیٰ نے ان حضرت کو جائے نشین اپنا فرمایا ہاویو
یکھن ہائی ان کا عظام الدین عبدالقادر موجود تھے۔" 4

عبدالحمید درویش دہلوی، کوٹہ جیل

"شیخ حامد در حالت حیات خود امر خلافت و سجادہ شیعہ را بولد

شہید خود سپرد۔" 5

بحرالسرائر میں خود حضرت موسیٰ پاک شہید کے حوالے سے لکھا ہے

"..... جد ازاں عرفہ خاص مبارک و جائی عاز و تسبیح خود و انگشتی کہ

در اطفال کامل داشتہ و اسناد فرامیں اوقات نظر مشربکہ حضرت فوت الشقیں و

1- "بحرالسرائر" فارس (قلم) ص 187

2- مزید تفصیل کہلئے مطالعہ فیوائیم "بحرالسرائر" قلم، ص 188-189

3- "حدیثک الاولیاء" ص 41، تحقیق و تعلق محدثانہال مجددی، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور

4- "تواہج ملتان" ص 81

5- "اخبار الاخیار" ص 206

آپا اور بغیر اجازت لئے آج کو روانہ ہوئے۔ دکن کی میم سے فارغ ہو کر حضرت موسیٰ پاک آگرہ آئے تو بادشاہ نے ہاضمی کا منصب عطا کر کے دیہات عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ آگرہ سے موخس ہو کر آپ دہلی وارد ہوئے۔ " 1

عبدالقادر بدایینی لکھتے ہیں کہ

"ہر دریں ایام شیخ موسیٰ بعد از زهد و عبادت و شغف چندان سالہ ارادت متعارف رسمی بہ بادشاہ آورد و سخت سپاہگری یافت و تسلیم ہوئی کردہ داخلہ امرای ہاضمی شدہ " 2

گیا حضرت موسیٰ پاک شہید صرف مذہبی اور روحانی رمضانی تک محدود نہ رہے بلکہ اعلیٰ نے علیٰ طور ہر پہلو/بہی حصہ لیا اور یہی علم کے ساتھ عمل، دین کے ساتھ دنیا اور روحانی مدارج طے کرنے کے ساتھ ساتھ رزم گاہ حیات میں بھی سرخرو ہوئے۔ آگرہ میں آپ نے بہت عرصہ قیام فرمایا اور پھر وہاں سے دہلی تشریف لے گئے جہاں آپ دشمنی فراہم کے ساتھ ساتھ دین کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ شیخ محمد اکرام کے مطابق

"شیخ موسیٰ گھلاں، ایک قصبے تک لشکر شاہی اور دارالسلطنت میں اسلام کا بول بالا کرتے رہے اور کئی شہر شیخی کو اس مادہ پہنچا کر بدولت روحانی تازگی اور استقامت صہب ہوئی۔۔۔" 3

دہلی میں بہت سے لوگ آپ کے مرید ہوئے ان میں شیخ عبدالحمید مدد دہلی جسے جید عالم بھی شاعر ہیں، مدد نے آپ کے ہاتھ پر بہت کی۔ بشیر حسن عظیم لکھتے ہیں کہ

"آپ کی صحبت میں وقت کے بڑے بڑے علماء و فضلا اور بڑے مرید ہوتا کرتے تھے اور آپ بڑے بڑے کات اور ادبی مسائل بڑے لطیف انداز میں حل فرمایا کرتے تھے حد بزرگی نے آپ کے دست حق پرست پر بہت کی ان میں سے حضرت شیخ عبدالحمید مدد دہلی کا اسم گرامی قابل ذکر ہے۔" 4

- 1- طوسی بھٹائی "حافظ محمد جمال الدین موسیٰ پاک شہید" از مولانا نور احمد فریدی، مطبوعہ امروہو 3 جی 1983ء، (موسیٰ پاک شہید کے عرس کے موقع پر خصوصی ایڈیشن شائع ہوا۔)
- 2- "مختار التواریخ" جلد سوم از عبدالقادر بدایینی، ص 92، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ
- 3- "ریاض الجنان" شیخ محمد اکرام، ص 355، مطبوعہ انوار شہزاد اسلام آباد، ساتویں بار 1979ء
- 4- "اربابیہ ملت" ص 98، سٹم میل پبلیکیشنز، لاہور

شیخ عبدالحق محدث دہلی اپنی حروف مصنف "اعیارالاعیار" میں مرشد سے حقیقت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں

"اگر دیگران قلعہ آہ۔ او قلعہ القلعب استند و اگر ایشان سلاطین، او

سلطان السلاطین محال ہیں کہ میں اسلام زہدہ گدایت و بخت کفر بیزاریہ " 1

یہ حقیقت ہے کہ موسیٰ پاک ~~میں~~ گیلانی میں اسلام کی خاطر جس طرح کام کرتے رہے اس کا اظہار صرف حقیقت کے طور پر نہیں کیا گیا بلکہ آپ واقعی حذ کو، بے باک اور ڈر انسان تھے۔ اگرچہ اور دہلی میں ان کے قیام کا زمانہ وہی ہے جب اکبر "میں الہی" کو سوج کئے ہوئے تھا۔ اگرچہ تاریخ سے یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ حضرت موسیٰ پاک شہید نے علی طور پر اس میں نے خلاف کوئی اقدام کیا یا اس کے خلاف کوئی فتویٰ دیا لیکن یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ اکبر کی موجودگی میں دیوان خانہ غاس و عام میں سارے وقت خود اذان دے کر با حمايت نماز پڑھاتے مگر کسی کو آپ کو ٹوکنے کی جرأت نہ تھی عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ

"در حضور بادشاہ در میں دیوان خانہ غاس و عام اگر وقت نماز می رسید

خود اذان گفتہ نماز بحضور خانہ وقت بہ حمايت می گزارد۔ و هیچ کس

جمنے نہ تو اعدت گفت۔ " 2

موسیٰ پاک گیلانی نے کچھ عرصہ دہلی میں قیام فرمایا اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا پھر وہاں سے اچ کی جانب روانہ ہو گئے مگر احمد فہدی کے مطابق

"شیخ (عبدالحق محدث دہلی) کی دیکھا دیکھی دہلی شہر کی

ہزاروں مسجد روئیں بھی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئیں جب کہ ہم

وہاں قیام کرتے تھے بعد آپ اچ کو روانہ ہوئے اور والد ماجد کی آرام گاہ پر

حاضر ہو کر عرفہ اطہر کی خاک پاک کو آنکھوں کا سرمہ بنایا اور پھر ان

کی مسند پر بیٹھ کر رشد و ہدایت کا دروازہ کھول دیا۔ " 3

1- (1) "اعیارالاعیار فی اسرارالاعیار" از عبدالحق محدث دہلی، 206ء، در مطبع مجتہان دہلی

1332ھ (2) بحوالہ اسرار (فی) ص 195

2- منتخب التواریخ، جلد سوم، ص 92

3- ضمیمہ بعنوان "حافظ محمد جمال الدین موسیٰ پاک شہید" مطبوعہ امرتسر، 3 جی 1983ء

موسٰی ہاک کا دور بڑی اہمیت اور بے چینی کا تھا۔ ہر ملک میں طوائف الطوق پھیلی ہوئی تھیں۔ قزاقی نے ہر طرف لوٹ مار اور راہزنی کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا جس سے لوگ بڑی خوف اور انتشار کا شکار تھے۔ موضع مگر ہش میں آپ کے مہدی کی ایک ہستی پر ایک مرتبہ قزاقی نے حملہ کیا "بحرالسرائر" میں لکھا ہے کہ

"..... قوم لکھاں جمع شدہ در شب برای قارت ہرآن وہ افتادہ آنحضرت
 ہمع شد شراز غامی ہسیدہ او عرض کرد کہ لکھاں وہ را قارت مکنہ
 فرمودہ صبح شد و زمان وصال آمد۔ حضرت سوار ہر فصل شدہ و خود را
 بچہ کس مدودہ میان آن ۹ رسانید۔۔۔ آن ۱۵ بحمد دیدن سواری حضرت
 او بہ ہزہ نہادہ و گہنہ، دہن اشہ از دست سلطان نام لنگاہ تہی
 ہجود کرات آواز ہماں پیلو ہارکت رسیدہ بحق ہسیت شد۔" 1

چنانچہ اس تیر کی وجہ سے آپ نے شہادت پائی۔ آپ کی تاریخ وفات چار شعبہ شعبان 1010² ہ ہے۔ پہلے آپ کو آپ کے والد کے پیلو میں اچ میں دفن کیا گیا لیکن 15 سال بعد آپ کے صاحبزادگان سید محسن الاولیاء صلی علیہ السلام کی ان کی شخص کو مشکوٰۃ منتقل کر دیا پھر وہاں سے ان کے فرزند سید محمد حامد گنج نے جو ملتان میں رہتے تھے، آپ کی شخص وہاں سے نکلا کر ملتان میں ہاک دروازے کے پاس دفن کرائی اور حضرت موسٰی ہاک شہید کی نسبت سے یہ علاقہ ہاک دروازہ کہلویا۔

موسٰی ہاک شہید کے چار بیٹے تھے سید حامد گنج بخش، سید محسن، سید صلی اور سید جان محمد ان میں سے بڑے صاحبزادے سید حامد گنج بخش کو اپنی زہدگی میں خلافت اور سجادگی سپرد کی اور اشتغال باطنی و اوضاع ظاہر میں ان کو تفویض کرتے۔ "بحرالسرائر" کے مطابق

1- بحوالہ "بحرالسرائر" قلمی، ص 197

2- بحوالہ (1) تواریخ ملتان از حکم جہ، ص 81 (2) اولیائے ملتان از بشر حسین ناظم ص 99 جبکہ مرقع ملتان از اولیائے کملی ص 217 پر وفات کے وقت ان کی عمر 58 سال بتائی گئی ہے اس طرح میں/کے مطابق سن وفات 1010 ہ خطا ہے حالانکہ زبد کوثر از شیخ محمد اکرام ص 351 پر 1002 ہ لکھی ہے جبکہ ایضاً ملتان کے اولیائے ملتان ص 84 پر غلام سید لاہوری نے حدیثۃ الاولیاء ص 41 پر اور صفوح حسن شہاب نے "خطہ ہاک اچ" میں ص 318 پر سن وفات 1001 ہ لکھا ہے جو کہ غلط ہے۔ آپ کے تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ وفات کے وقت عمر 58 سال تھی اور سن وفات 952 ہ تھا۔ اس کے مطابق آپ کا سن وفات 1010 ہ درست ہے۔

....” در حقیقت حالت حیات خود امر خلافت و سجادگی بخلت اعظم
خود ہدیٰ شیخ الاسلام شیخ حامد کج بخش سیرت و جمیع لوازم
و توابع این امر شریف را از اشتغال باطنی و اوضاع ظاہر بہ حضرت ایشان
تلخیص فرمودہ۔ “ 1

آپ کا اور سید بھٹی کا مزار بھی ہاں دروازے کے پاس ہے۔ موسیٰ ہاں شہید کے چوتھے بیٹے سید جان
محمد دہلی چلے گئے تھے ان کا مزار دہلی میں ہے۔ حضرت موسیٰ ہاں شہید کی اولاد میں سے ان کے
بیٹے بیچ اور خلیفہ سید حامد کج بخش کے فرزند نواب سید موسیٰ ہاں دہن کو بھی ہاکیزگی اور بزرگی کے لحاظ
سے مرتبہ بلند حاصل ہوا۔ ان کا شمار بھی گیارہویں صدی ہجری کے بزرگی میں ہوتا ہے۔ آپ کا اصل
نام ابو الفیاض سید فتح علی تھا اور والدہ محترمہ کا نام امۃ الزماں فاطمہ۔۔۔ آپ قابل، ذہین و پیر اور
بہترین معلم تھے۔ آپ کی قابلیت اور حسن تدبیر سے طائر ہو کر شاہجہاں نے 1068ھ میں عثمان کی
سہیداری آپ کے سیرت کی تھی۔ بقول بشیر حسین ناظم

”آپ علم و فضل کا مرقع تھے ان کے عرفان و کمال کے بطن نظر شاہ حد
شاہجہاں نے کئی جاگیریں اور وظائف دیے رکھے تھے۔ آپ کے بیٹے حضرت
سید عبدالزماں کو بھی منصب نوایس عطا ہوا لیکن انھی نے قبول نہ
فرمایا۔ “ 2

موسیٰ ہاں دہن نے 1073ھ میں وفات پائی اور موسیٰ ہاں شہید کے بیٹے میں ہی فیسی پہلو کی جانب
دلی ہوئے۔

محمد مصطفیٰ دنا گمانی از اولاد حضرت موسیٰ ہاں شہید نے خود اپنے ہاتھ سے بحرالسرائر
(تلسی) کے ابتدائی مضمون پر حضرت موسیٰ ہاں شہید کے حالات زندگی اور کارناموں کے بارے میں مختصر
طور پر لکھا ہے، اس مضمون میں درج ہے کہ

”شیخ الکمل (حضرت موسیٰ ہاں شہید مراد ہے۔) نے سلطان میں سادات
حسبہ قادریہ کی ایک ایسی صفہ ارشاد کی بشار رکھی جس نے ایک

مسلک دہش، ملی اور ادبی اس شخص (رحمۃ اللہ علیہ) کی حیثیت اختیار کر لی جس نے نہ صرف ایک ایسی مذہبی و روحانی درس گاہ کا کام کیا جہاں دہشیات خصوصاً علم العدمیت کا اہتمام کیا گیا بلکہ اہل ملتان تو کجا ترکستان، ایران، افغانستان اور ہندوستان کے دور دراز کے علاقوں سے آئے والوں کے لئے تہذیب اخلاق اور تعمیر کردار کی تربیت گاہ کا بھی فہرہ سر انجام دیا اور اس شخص نبوت کے فاضل فارغ التحصیل شاگردوں کے قول و فعل سے ہزاروں کم گشتگان کو صراطِ مستقیم صیقل ہوا اور یہ سب اس ادارہ کے ناظم اعلیٰ حضرت شیخ الحدیث موسیٰ پاک شہید گیلانی کی حلقہ توحید کا امتیاز تھا۔ ۱

لیکن کسی تاریخ یا مؤرخ کتاب میں سے اس بیان کی تصدیق نہیں ملتی کہ واقعی حضرت موسیٰ پاک شہید ملتان میں قیام پزیر رہے اور انھیں نے کوئی مدرسہ قائم کیا یا توحیتی ادارہ بنایا اس لئے اس مسئلہ میں جتنی تاثر پر کچھ نہیں کیا جا سکتا البتہ اس میں شک نہیں کہ ملتان میں حضرت موسیٰ پاک شہید کا روحانی سلسلہ ان کی اولاد کی بدولت ابھی تک جاری ہے۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کی ایک تصنیف "تیسرے الشالیہ" کے نام سے موجود ہے، جسے پاس طبع صدری محیط پور کا چھپا ہوا نسخہ (1308ھ) موجود ہے یہ کتاب تین ایوایں پر مشتمل ہے۔ ہر باب میں چھ چھ فصلیں ہیں۔ ایوایں کی تفصیل میں ہے

- 1- باب اول اس میں اذکار و ادعیہ صلوات وغیرہ کا بیان ہے۔
- 2- باب دوم میں نماز، رات، سحر وغیرہ موافقہ کا ذکر ہے۔
- 3- باب سوم آداب تلاوت قرآن و بیان روز اذکار صبر و شغل باطن و ذکر غلی و ذکر مراقبہ کے باب میں ہے۔

اس کتاب میں ان باتوں کا بیان ہے جو حضرت موسیٰ پاک شہید نے آباء اجداد سے روایتاً چلی آئی ہیں۔ تیسرے الشالیہ تصوف پر ایک قابل قدر کتاب ہے جسے سلسلہ قادریہ کے صاحب کی حیثیت حاصل ہے۔

- 1- بحوالہ اعلیٰ ضمیمہ بحوالہ سرائر (قلمی) کے ابتدائی صفحوں میں لکھا ہوا "از سبطی رضا گیلانی، امپ۔ اے۔ ایڈیٹل۔ پریس، دیار پور میں صاحب ملتان۔"

تیسرا شاخلی --- در اصل عبادات اور حصول روحانیت کے طریقے پر مشتمل ہے۔ اس میں صفت اوران اور دعائیں درج کی گئی ہیں۔ ماری ہاتھیں آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔ محبوب حقیقی کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کی اطاعت کے نسخہ ہائے کیمیا درج ہیں مثلاً "ایک جگہ لکھا ہے کہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ذکر حق زبان پر ہونا چاہئے۔ تاکہ تجھ پر لمحہ/لحمہ تازہ بہ تازہ رحمتیں نازل ہوتی رہیں، الفاظ یہ ہیں

"باید کہ در آمد و رفت و برفاست و نشست و هر طور کہ باشی زبانت بذكر حق تر باشد تا رحمتہائے تر و تازہ بہ اعزازہ دم بدم بر تو نثار شود
خصوصاً ہم شب و آخر شب و وقت سحر بآسانی کہ این وقت محمود است" 1

اسی طرح شب بیداری اور عبادت گزاری کا ذکر ایک اور جگہ بھی کیا ہے۔

"ہم شب و آخر شب کر برپیشوی بذكرش آہزی کہ این وقت محمود است --
--- بآید کہ ہم شب و سحرگاہ باستغفار و دعا و ہتالہ باشی کہ اثری
محبوب دارد۔۔۔" 2

ایک اور جگہ درج ہے کہ

"صلے کہ یہ سواکت دل بود ہر از حق تعالیٰ جل و علا قدر صحت و
بشاقل تازہ دہد۔۔۔" 3

یعنی وہ صل جو دل کی رفعت سے یہ کیا جائے خدا کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔ جب کسی کو عبادت و عبادت کا رزم ہو جائے تو وہ طہیر ہو جاتا ہے اور دوسری کو ظنوت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید ایسے شخص کو بھیج اسلام سے مژدہ قرار دیتے ہیں، ایسے شخص کے ہاں میں قوتات ہیں
".... بھاد کہ مقصد اعلیٰ ازین کسب این ست کہ بفریب شیطان و
صوفی او طہیر گردد و بدینکے بطور حقارت شکر۔ شہود بالآلہ۔۔۔" 4

- 1- تیسرا شاخلی صفحہ حضرت موسیٰ پاک شہید، ص 3 - حسب ابواب منشی نظام معنی الدین خاں قادری
طبع لہور --- 1309ھ
- 2- _____ ایضاً _____ ص 38
- 3- _____ ایضاً _____ ص 26
- 4- _____ ایضاً _____ ص 55

آگے چل کر اسے توجہ استغفار کا منبرہ دیتے ہیں۔ اقوال ادب کی تحریف کرنے والے ہوتے ہیں کہ یہ
تحسین اقوال اور تہذیب افعال کا نام ہے پھر افعال کی دو اقسام ہوتی ہیں۔ ایک کا تعلق ظاہر
کے ساتھ اور دوسرے کا باطن کے ساتھ اور دوسری کی ہم آہشی پر زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں

" لفظ ادب عبارت است از تحسین اقوال و تہذیب افعال و افعال دو قسم
اہم افعال خوب و آفرین احسان خواہندہ و افعال نواب و آفرین افعال خواہندہ و
اخلاق و نبات باطنی تعلق دارد۔ و اقوال و افعال بظاہر نسبت دارد۔ پس
مرد نسبت آہستہ بہ ظاہر و باطنی و قول و فعل و نسبت او بہ حسن اخلاق
آراستہ بود۔ چہ غلطی قول و فعل و نسبت مواظب فعل چنانکہ نماید باشد
و چنانکہ باشد نماید۔ " 1

حضرت مولیٰ پال شہید نے حفظ آداب کو صحبت کا شرعی قرار دیا اور تقیم بھی فرمایا
" حفظ آداب ہم شرف صحبت است و ہم تقیم صحبت۔ " 2

غیر یہ کتاب اس قسم کی خصوصیات پاتی ہے یہ ہے۔ دلچسپ اور پرلطف لیکن سنجیدہ اسلوب
میں لکھی ہوئی یہ کتاب علم و اخلاق اور رشد و ہدایت کا اصولی خزانہ ہے۔ ان باتوں پر عمل کر کے انسان
دینی و دنیاوی سرفیض ہو سکتا ہے۔

حافظ محمد جمال ملتانی

مقابہ المحبوس میں لکھا ہے کہ

"جب حضرت قبلہ عالم (خواجہ نور محمد مباروی) ¹ دہلی گئے ہوئے تھے اور ایک دن حضرت مولانا صاحب (مولانا فخرالدین دہلوی) کی مجلس میں حافظ صاحب (حافظ محمد جمال ملتانی) کے ساتھ موجود تھے، تو یہ بات چلی کہ ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریا کی عظمت کے سامنے کسی ولی کا تصرف نہیں چلتا۔ حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ "اے میاں نور محمد! اب تک ملتان کی ولایت حضرت بہاء الدین زکریا کے سپرد تھی مگر اب ملتان ہمارے سپرد ہو گیا ہے لازم ہے کہ اپنے مریدی سے ایک مرید اس جگہ بھیجیں اور کہیں کہ میں خاشاۃ

1- اشعار میں مدنی خدمت میں پنجاب میں چشتیہ نظامیہ سلسلے کو پھیلانے میں سب سے اہم کردار خواجہ نور محمد مباروی نے ادا کیا۔ آپ کے خلفاء کی تعداد اتنی زیادہ تھی اور ان سب کا اثر اتنا عظیم تھا کہ یہ سلسلہ دور دور تک پھیلتا چلا گیا۔

شاہ نور محمد 14 رمضان المبارک 1142ھ کو قوم کھل میں چوٹالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ابھی چھوٹے تھے کہ آپ کے والد نے چوٹالہ چھوڑ کر مہار میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ پانچ سال کی عمر میں حافظ صاحب سے قرآن مجید حفظ کیا اس کے بعد موضع بڈیراں، موضع بہلاہ، ڈیرہ فازی خان، لاہور اور دہلی میں تحصیل علم کیا۔ ادبی دینی آپ کی طاقتات شاہ فخرالدین دہلوی سے ہوئی جس سے آپ نے قطبی کا درس لینا شروع کیا۔ 1165ھ میں قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر آپ نے شاہ فخرالدین سے بیعت کی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ مرشد کے ساتھ مہار اور پھر ہاک پش رہے۔ پھر شاہ فخر جہاں نے آپ کو مہار شریف میں مستقل رہائش کا حکم دیا۔

مہار شریف میں آپ نے جو خاشاۃ قائم کی اور تلقین و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا آپ کی محفل میں دور دور سے عزاری کی تعداد میں لوگ آتے اور پھر پاتے تھے۔ آپ اپنے مریدی کی نصیحت، ان کے مزاج کے مطابق کرتے تھے۔ شکستہ سیرالاولیاء میں لکھا ہے کہ "مریدی کی تعلیم و نصیحت کا طریقہ عجیب و غریب تھا جس طرح حکیم مرض کی تشخیص کرتا ہے دوجہ حرارت اور سردی کے مزاج کی ماسکت سے دوا تجویز کرتا ہے اس طرح ذات مبارک ہر شخص کو اس کے مناسب حال اشغال کی تلقین فرماتے۔" (شکستہ سیرالاولیاء اردو ترجمہ) از مولوی گل محمد احمدمیں، ص 145

آپ کے خلفاء اور مریدی کے تعداد بہت زیادہ ہے اور تقریباً سارے پنجاب میں پھیلے ہوئے ہیں، "مقابہ المحبوس (فارسی) ص 74 پر لکھا ہے "حضرت قبلہ عالم را جز خلفاء مجازوں دیگر مریدان کامل و صاحب سبقت ہم بسیار بود۔" آپ نے 3 ذی الحجہ 1205ھ میں وفات پائی قطعہ تاریخ یہ ہے حیف و حیل جہاں سے نور گشت

1205ھ

آپ کا مزار تاج سیر سے ہے۔ آپ کے خلفاء میں حافظ محمد جمال، شاہ سلیمان توسی، شیخ نور محمد و والد، سائے غلام حسین بھٹی، مولوی نور محمد بہاولپوری، قاری عزیز اللہ، قاری صفی اللہ، نواب لعل اللہ خان،

مثنی غلام حسن شہید کے مطابق

" قبلہ گاہ آن حضرت طائے خود بہ تجارت ہمدرد " 1

محمد یوسف نے ماری عمر سلطان 1930ء میں گزارے۔ یہیں ان کے گھر 1160ء² میں حافظ محمد جمال پیدا ہوئے۔ حافظ محمد جمال یہیں سے ہی لائق اور ذہین تھے آپ نے چھوٹی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور دوسرے علوم کتاب دائرۃ الاصول تک مکمل پڑھ لی تھی پھر حقوق و مقدمات کی تعلیم اپنی شہرہ کی " انوار جمالیہ " کے مطابق

" جس ذات جامع الصفات آنحضرت از دولت حفظ کلام مجید بہرہ یاب سفارت

گشت بہ کسب علوم مقبول و مقبول کمر جہد محکم بہت۔ " 3

آپ کی ذہانت اور قابلیت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کے ایک ہم مدرس مولوی محمد حسین نے آپ کو " طائے العصر " کہا۔ عبدالعزیز بھاروی لکھتے ہیں کہ

" نہایت ہی دقیق اور مشکل مسائل میں از روئے فکر آپ احسن الطرائق تھے

جب ہمیں کوئی مشکل سے مشکل مسئلہ پیش ہوتا تو وہ کسی علم کا ہو ہم

آپ کی طرف رجوع کرتے آپ اس کے حل اشکال میں ایسی واضح اور اچھی تقریر

فرماتے کہ جس سے بہتر فاسک نہیں تو مشکل تر ضرور ہے۔ آپ تحصیل علم

کے وقت مثنی طالب علمی میں علم و زکاوت میں تمام طلباء سے افضل و مکمل

سمجھے جاتے۔ اذراک علوم میں وہ ملکہ حاصل کیا تھا کہ تمام مدارس میں

1- " انوار جمالیہ " فارسی (فلس) از مثنی غلام حسن شہید بقلم اللہ بخش مرید غلام حسن شہید (1245ھ میں لکھی گئی) ملکیہ جناب فیض الحسن سجاءہ شین لحاظاً حضرت شہید (جناب ڈاکٹر میر عبدالحق کی وساطت سے دستیاب ہوئی۔)

2- " نور جمال " از ڈاکٹر میر عبدالحق ص 17، مطبوعہ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان 1974ء۔۔ حافظ محمد جمال کی سب سے پہلا شہرت کے متعلق اختلاف ہے " شہور جمال " مرتبہ مخدوم زادہ محمد سلیم جٹانی، ص 14، مطبوعہ جمال لائبریری ملتان میں 1162ھ درج ہے جبکہ میر کمال خاں نے اپنی کتاب " دیوبند و مغل خان شہید اور اس کا عہد " ص 281 مطبوعہ لاہوری کتب خانہ ملتان میں سب سے پہلا شہرت 1125ھ لکھا ہے جو کہ قریب قریب سچ ہے اس لیے کہ آپ کا سن وفات 1226ھ کے مطابق، جس پر آپ کے تمام تذکرہ نگار متفق ہیں، آپ کی عمر 101 سال مثنی ہے حافظ صاحب کی اتنی طویل عمر کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔

3- " انوار جمالیہ " فلس فارسی، ص 2

4- (1) گلشن ابرار (ترجمہ) ص 162 (2) مشائخ چشت ار خلیفہ عظام، ص 600

مستطیع الحال تھے چنانچہ۔ مناظرہ و مباحثہ کا یہ حال تھا کہ جو مناظرہ میں
آتا آخر خاموشی و عداوت حاصل کرتا۔ کتاب دائرۃ الاصحاب کہ علم حاصل
کیا تھا۔ " 1

حافظ سعد جمال نے خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت کی تھی اس بیعت کا سلسلہ حسن بھروی تک پہنچتا
ہے " امرار سالہ " فارسی (قلم) از مشق نظام حسن شہید میں جو سلسلہ درج ہے وہ اس طرح ہے



خواجہ کمال الدین

خواجہ سراج العز والدین رحمہ اللہ --- خواجہ ظہیر الحق والدین رحمہ اللہ --- شیخ راجہ رحمہ اللہ --- شیخ حسن رحمہ اللہ

حضرت شیخ حسن رحمہ اللہ --- حضرت شیخ محمد رحمہ اللہ --- حضرت شیخ یحییٰ مدنی رحمہ اللہ

حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمہ اللہ

حضرت خواجہ نظام الحق امروہ آبادی رحمہ اللہ --- حضرت خواجہ فقیر العز والدین رحمہ اللہ

حضرت خواجہ نور محمد مباروی رحمہ اللہ

حضرت خواجہ جمال الحق والدین ملتانوی رحمہ اللہ

حضرت مولوی خدا بخش ملتانوی رحمہ اللہ

آپ کی بیعت کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ آپ اکثر و بیشتر عبادت و ریاضت کی خاطر شاہ دکن عالم کے مزار کے پاس گزارتے تھے اور ایک رات میں پورا لڑکا محید ختم کر دیتے۔ ایک رات آپ کو خواب میں خواجہ نور محمد مباروی کے مزار پر حاضر دیکھنے کا اشارہ ہوا تو آپ بہار شریف خواجہ نور محمد کی خدمت میں تشریف لے گئے اور مولوی محمد حسن کی صیادت سے ان سے طاعات کی اور ان کے دست حق پر بیعت کر لی۔²

خواجہ نور محمد مباروی نے مزید بیعت دینے کے لئے کچھ عرصہ آپ کو ہر جگہ اپنے ساتھ رکھا۔

- 1۔ "انوار جمالیہ" فارسی (قلمی) از عشق نظام حسن شہید، ص 3 و 4
- 2۔ (1) کتاب المحبوبین (ترجمہ) ص 131 (2) مشائخ چشت از علامہ خلیف نظامی، ص 599 (3) گلشن ابرار (ترجمہ) ص 161 و 162

حافظ سعد جمال حب خواجہ نور محمد مباروی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے خود کو کم علم ظاہر کیا لیکن آپ کے عم مدرس مولوی محمد حسن نے بتایا کہ آپ بہت پڑھے لکھے اور عالم شخص ہیں۔ یہ سن کر خواجہ نور محمد مباروی نے پیچھا کہ حافظ صاحب! آپ نے اپنا علم ہم سے کیوں چھپایا۔ اس پر حافظ صاحب نے فرمایا کہ میں نے سنا تھا کہ آپ قراقرظ علماء سے نفرت کرتے ہیں اس لئے میں نے اپنا علم ظاہر نہ کیا اس پر خواجہ نور محمد مباروی نے فرمایا کہ یہ بات درست نہیں ہے بلکہ ہم تو علماء و قراء کو چاہتے والے اور ان کی قدر کرنے والے ہیں۔ ("نور جمال" از ڈاکٹر مہر عبدالحق)

حوالہ کیلئے دیکھئے "گلشن ابرار" (ترجمہ) ص 162

سفر سفر میں بھی ساند لے جاتے جہاں آپ ریاضت اور مجاہدے کے ساند ساند قبلہ عالم کی دن رات خدمت کرنے جن میں آفتاب بھرنا اور وضو کرنا بھی شامل ہے۔¹ ساند ہی ساند حافظ محمد جمال نے قبلہ عالم کی خواہش کے لشکر کا انتظام بھی سنبھال لیا تھا۔

حضرت نور محمد مباروی وقتاً فوقتاً ان کی قابلیت و اہلیت کا امتحان لیتے رہتے تھے۔ حافظ جمال اللہ ان کی خدمت اور فرما برداری میں کوئی کسر نہ چھوڑتے یہاں تک کہ حضرت نور محمد مباروی کی کتابیات ان پر پڑھتی گئیں۔ "گلشن ابرار" (قلمی) میں لکھا ہے

"... جی آنحضرت جمال اللہ بندت حضرت قبلہ عالم در سفر و حضر
بہاں میگوشت آنحضرت قبلہ بنا ہوا عطاء نصرت باطنی۔۔۔ امتحان قابلیت
و اطمینان میں خود ہر گاہ بظلمہ تعالیٰ در و لہایت کام و کامل
نمایا دیدنا عطاء نصرت سر فراز فرمود۔" 2

کچھ عرصہ اسی طرح آپ قبلہ نور محمد مباروی کے ساند رہے اس کے بعد انھوں نے آپ کو رشد و ہدایت کی خاطر ملتان واپس جانے کا حکم دیا۔ ملتان جا کر آپ نے بہاد الدین زکریا کی خواہش میں بیٹھ کر سب سے پہلے علومِ خدا بخش کو مرید کیا۔ مجاہدے اور ریاضت کی بدولت روحانیت کو ترقی دی، خلقت حق و راجح ان کی خدمت میں آئے لگی یہاں تک کہ بڑے بڑے علماء ان کے آستانے پر حاضری دینے لگے۔ گلشن ابرار (قلمی) میں لکھا ہے

"بمجاہدات شاکہ و ریاضیات حاکمہ طالب عصری را میفرمود و لطافت روحانی مع
افہور تا آفتاب کار بجائے رسید کہ عالمی بدنامی میں مایہ آفتاب انعام گزید
و خلق در سایہ رحمتش بار آمد۔۔۔۔۔ عطا فرمایا کہ غلطہ کویں علوم و ریاضت
ایشان بہ ساحل زینتی و زمان رسیده بود در حضرتش کسب علوم ظاہر و باطنی
فرمود۔" 3

- 1۔ "مآثر الصوفیہ" (ترجمہ) میں لکھا ہے کہ "... مدت تک اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں لڑنا اٹھانے اور وضو کرانے کی خدمت انجام دیتے رہے۔" (ص 131)
- 2۔ بحوالہ "گلشن ابرار" ص 229۔ خواجہ نور محمد مباروی نے حافظ جمال کے صبر اور حوصلے کا امتحان کشی جگہ لیا لیکن آپ ہر آزمائش میں بھی اٹھے۔ صبر اور حوصلے کے امتحان کے کئی واقعات گلشن ابرار (قلمی) میں صفحہ 228 تا 233 میں درج ہیں۔
- 3۔ "گلشن ابرار" (قلمی) ص 234۔

ملتان میں آپ نے ایک دینی مدرسہ قائم کر کے خود ہی وہاں قرآن مجید، حدیث، فقہ اور

تفسیر کی تعلیم دینی شروع کی۔ اس مدرسے کا شمار ملتان کے اچھے مدرسوں میں ہوتا ہے۔ خواجہ گل

محمد احمد پوری نے بھی کچھ عرصہ اس مدرسے میں تعلیم حاصل کی وہ لکھتے ہیں کہ

"بعدہ دو سال تک ملتان میں کسب علم کرتا رہا ہے اور آپ کے فیض صحبت سے مستفید ہوا ہے۔" 1

آپ لوگوں کو قرآن پاک کی آیات اور احادیث مبارک کے متعلق تفصیل سے بتایا کرتے تھے آپ علم

و نزاکت میں بہتر تھے۔ دقیق اور مشکل مسائل کو یہاں کرنے میں کمال رکھتے تھے۔ آپ کی مجلسوں میں

علم و فلسفے کے بارے میں مسائل پر بحث ہوتی اور آپ بڑی تفصیل، وضاحت اور بڑی کے ساتھ آسان

لفظوں میں ان کے جواب دیتے۔ بحث و مباحثہ اور مباحثوں میں بھی آپ کسی سے کم نہ تھے۔ مسئلہ وحدت

الوجود خاص طور پر آپ کا موضوع تھا۔ "انوار جمالہ" میں لکھا ہے کہ

"حافظ مدوح مسئلہ وحدت الوجود میں اجل العلماء تھے، آپ شیخ اکبر

محمی الدین ابن عربی اور شیخ عبدالرحمن جامی قدس سرہما کی کتابوں

کو بہت پسند فرماتے تھے۔ نیز طحطاط الناس، مشنوی شریف، لوائح جامی

اشعۃ اللغات، الفرائد اور فصوص الحکم طیب خاطر تھیں۔ فصوص الحکم

کاغذ معدی تو معمولی طور پر پسند تھا۔ یہاں تک کہ اس معدی کو

اگر کوئی آپ کے سامنے پڑھتا تو آپ وحدت میں آنے جھومتے اور دینی لہجے

کو از راہ غلطی جھومتے۔ جب اپنے کسی عہد کو ذکر فرماتا تھا کہ میں سے

کسی ایک کتاب سے مسئلہ وحدت الوجود کا درس دیتے تو ایسے مسائل یہاں

فرماتے کہ غلط و انکار حیران و ششدر رہ جاتے۔ مجھے اپنی عمر کی قسم

کہ آپ علم کا بحر ذخار تھے اور ایک ادنیٰ سے لفظ سے بھی علوم و ہنر

کی کئی اقسام استخراج فرماتے۔" 2

1- بحوالہ "شہد میرالاولیاء" از خواجہ گل محمد احمد پوری مترجم مسعود حسن شہاب، ص 153
مکتبہ الہام، بہاولپور

2- "انوار جمالہ" از شیخ عبدالعزیز پڑھاری مترجم محمد اعظم سعیدی، ص 27، 28، سوانحی اردو
رائٹر گلڈ آف پاکستان، کراچی

مقابہ المعصومین کے مطابق

"حافظ صاحب اپنے زمانہ میں مسئلہ وحدت الوجود میں بزرگ ترین عالم تھے

حضرت مولانا حالی اور محی الدین ابن عربی کی تصانیف کو درست رکھتے تھے۔" 1

وحدت الوجود پر مشتمل تصانیف کا درس دیتے وقت آپ جس طرح کلمات فرماتے اس سے آپ کے تبحر علمی کا

اظہار ہوتا۔ آپ کے طریق درس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ تفصیل، وضاحت اور تشبیہ کے ذریعے مشکل

چیزیں سبب دیا کرتے تھے۔ 2۔ حافظ جمال کے قائم کردہ مدرسے میں آپ کے مرید بھی شاگردوں کو درس دیا

کرتے تھے جس سے آپ کے مدرسے کی شہرت میں اور زیادہ اضافہ ہوا۔ لوگ حق درجہ آئے لگے۔ دور دور

سے بڑے بڑے علماء و فضلاء آپ کے در پر حاضری دینے لگے۔ آپ کی قابلیت کا شہرہ اس درجہ بلند ہوا

"کہ ملک کے بڑے بڑے عالم اور فاضل بھی جن کی شہرت کا غلطہ چار داک

عالم میں پھینکا ہوا تھا۔ آپ کے شاگردوں اور باطنی علوم کے در پر حاصل کرنے

میں زانوئے ادب طے کرتے تھے۔ دنیا کے بڑے بڑے صوفی اور صوفی آکر چشمہ

فیض سے سیراب ہونے اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق طرف پر کرتے تھے۔" 3

"گلشن اہرار" میں آگے چل کر لکھا ہے

"ہر مذہب و ملت کے برگزیدہ اصحاب کے آستان فیض نشان کی طرف رجوع

فرماتے لگے یہاں تک کہ آپ کی مجلس طعام علماء اہرام کے لئے آفتاب جہاں

تاب کی طرح یکساں نور افروز تھی۔ فقر اور صوفی کے علاوہ ان کی مجلس

میں شعر و سخن فصاحت اور بلاغت کے سندر شاعریں مار رہے تھے۔" 4

حافظ محمد جمال کا صرف درس دیتے تھے بلکہ آپ نے اپنے مریدی کو جہاد کے لئے علمی تربیت بھی دی۔

کیفی جامعہ لکھتے ہیں

"کہ آپ کی درسگاہ میں علم و فن کی تدبیر کے ساتھ ساتھ فن سپاہ گری

بھی درجہ جانی تھی۔ آپ علمی و فطری طور پر اس کے قابل تھے کہ

1۔ بحوالہ "مقابہ المعصومین" ص 132

2۔ "انوار جمالیہ" از عبدالعزیز پربھاری، ص 9

3۔ "گلشن اہرار" (ترجمہ) از مولانا امام بخش، ص 167 (گلشن اہرار فائیس) (قلمی) ص 401

4۔ "ایضاً" ص 168 (ایضاً) ص 402

ع۔ عا ۵ ہو تو کلیں سے کار سے بھاد

چنانچہ اس درگاہ سے عزاریں عازیاں اسلام جذبہ جہاد سے سشار ہو کر

جگہ جگہ پھیل گئے۔ " 1

آپ خود بھی فن تیر اندازی میں ماہر تھے اور بھی فن آپ نے اپنے مریدوں کو بھی سکھایا اگرچہ سلسلہ
چشت کے مشائخ کے ہاں طبعی جہاد ہی تلقین یا ترویج نہیں کی جاتی تھی کیونکہ ان لوگوں کا مقصد
صرف عوام کی ذہنی و اخلاقی تربیت کرنا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ حاشیہ کو سنوارا جائے اس مقصد کے لئے
طبعی جہاد اور لوگوں کے کردار کو سنوارنا ان کے پیش نظر تھا۔ خود خواجہ سلیمان جو کہ آپ کے مرشد
دور محمد مبارک کے خلیفہ تھے، اس بات کے قائل تھے کہ جس اس بات سے کوشش مطلب نہیں کہ حاکم کو
ہے یا جو حکومت ہم سے چھل گئی ہے اس کے حصول کے لئے جدوجہد کی جائے بلکہ وہ اپنے مریدی کو
حکومت اور سرکاری معاملات سے لاتعلقی اختیار کرنے کا درس دیتے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ہم ہر کار
حکمران صلیب کئے گئے ہیں تو یہ ہمارے اعمال کی وجہ سے ہیں کیونکہ ہم اسلامی شعائر سے دور ہو چکے
ہیں اس لئے جس پرستی کے آئینے برا بھلا کہنے کی بجائے سب سے پہلے اپنے کردار، اعمال اور اخلاق
کی اصلاح کریں۔² جب کہ ان کے برعکس حافظ محمد جمال لوگوں کا اخلاق سنوارنے انھیں درس دینے کے
ساتھ ساتھ ہی تیر اندازی بھی سکھاتے تھے تاکہ وقت بڑھتے ہوئے اپنے طائفے کی حفاظت کو سکھیں اور ملتان
کے مطابق

"آپ کے ہاں تیغ و قلم ایک ساتھ ہیں تربیت پانے تھے علم وفراست کے باوجود

شصت و سپہر سے بیگا ۵ تھے، تیر اندازی میں ماہر تھے۔ ۵ صرف وقت

ضرورت کام آئے بلکہ اس کی تعلیم بھی دیتے۔ " 3

حافظ محمد جمال کے زمانے میں پنجاب سکھوں کے زیر تسلط تھا پھر ہندوستان پر انگریزوں کی

حکومت تھی اور پنجاب سکھوں کے حاکمی میں تھا۔ انگریز مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے دیردرہ سکھوں کو

امداد کر رہے تھے۔ ملتان میں اس وقت شواب مظفر خان کی حکومت تھی۔ رنجیت سنگھ نے طاقت حاصل کر

1۔ بحوالہ "سرائیکی شاعری" از کبھی جام پوری، ص 255-256

2۔ اس سلسلے میں تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "طالع السالکین" ص 34 تا 40

3۔ بحوالہ "ارز ملتان" از شیخ اکرام الحق، ص 239، مطبوعہ الکرام، ملتان

کے غارت گری، لوٹ مار کے ذریعے پھیلنے والی فتوحات کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ ملتان جیسا زرخیز علاقہ بھی اس کی نظر میں تھا چنانچہ اس نے کئی مرتبہ ملتان پر حملہ کیا مگر وہ لوٹ مار کر کے واپس چلا جاتا اور کبھی بھاری ٹاؤں لے کر شل جاتا تھا۔ حافظ جمال کے زمانے میں مسلمان سکھ کے ہاتھی صاف کا شکار تھے ہار ہار کی لوٹ مار، قتل و غارت گری سے وہ لوگ کافی ہوشیار تھے۔ اسے موقع پر حافظ جمال نے صرف درس و تدریس پر اکتفا نہ کیا بلکہ انھیں وطن چھوڑنے لگے بھی بتا رہا تھا آپ انھیں اس تیر اندازی کی تربیت بھی دیتے تھے بلکہ موت فوج خود بھی تیر کمال لے کر میدان جنگ اتار آتے۔ مطابق المصیبت میں اسے واقعات کا ذکر ملتا ہے جب آپ خود بھی میدان جنگ میں موجود تھے ایک موقع پر جب آپ کو سکھ کے حملے کی اطلاع ملی تو آپ تیرکمان لے کر میدان میں آگئے لکھا ہے کہ

* حضرت حافظ صاحب، در قلعة تیر و کمان گرفتہ موجود می بودت

میں کہتے کہ دران وقت جنگ حافظ صاحب مرحوم در برج قلعة ملتان تیر و

کمان بدست خود گرفتہ تیر پر کافران می اداخستند۔ * 2

غرض آپ کے زمانے میں سکھ نے بار بار اسلحے سے لیس ہو کر ملتان میں حملے کئے لیکن انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا بلکہ ایک مرتبہ تو لوگوں نے سکھ حملے سے گھبرا کر ہجرت کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ

* ... آواز جنگ بکار تمام است و انکی جنگ باایمان فرض میں کرود ہیں

العال بھی می روم کہ ما دو درجه است یعنی درجه فزا، دوم شہادت۔ * 3

انوار جمالیہ کے مطابق

* حضرت حافظ جمال اللہ کا شمار بہادر تیر لڑکی میں تھا ایک رات

خطرات کا مقابلہ کی طرف آپ کو بلایا گیا تو آپ تلوار ہاتھ میں پکڑے قوم

کے نموداری سے بھی آگے نکل گئے۔۔۔ اس شب قلعة کا بیج کنار بہ

بزداری کی وجہ سے گر پڑا تو وہ طعنی کنار اور عام کی شکل میں

1۔ ملتان پر رنجیت سنگھ کے حملے کی تفصیل دیکھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیے (1) "تاریخ پنجاب" از سید محمد لطیف

ہ 107 تا 140، مطبوعہ سنگھ پبلیکیشنز، لاہور، طبع اول 1982ء (2) "تاریخ پنجاب" از کنہیا لال

ہ 150 تا 458، مطبوعہ سنگھ میل پبلیکیشنز، لاہور (3) "نواب ظفر خاں شہید اور اس کا عہد" از

عمر کمال خان، ہ 136 تا 233، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان

2۔ مطابق المصیبت (فارسی) از حاجی نجم الدین، ہ 124، مطبع محمد حسن رام پور

قلعہ میں داخل ہو گئے لوگ شدید خوفزدہ ہو گئے حتیٰ کہ بہادری اور
دلیری کے دھندلے بھی تدر تدر کانٹے لگے مگر جیسے ہی آپ نے سنا
تو دوڑ کر نکلے ہوئے ہج کی جگہ پر جا پہنچے حالانکہ آپ کے سوا وہاں
کوئی دوسرا نہیں پہنچا تھا یعنی آپ تنہا تھے۔ 1

حافظ جمال کی زندگی میں ملتان پر مکھی کے حملے کا کام ہوتے رہے۔ ایک دفعہ بہت مشہور ہو گئی کہ
ملتان کٹار کے ہاتھی سفر ہو گیا ہے۔ یہ بات حضرت قاسی محمد قاسی تک احمدیہ میں پہنچی کیونکہ
وہاں کے رئیس الطف محمد صادق خان عباس نے انہیں اپنے پاس پشت بٹائی کے لئے بلا بھیجا تھا۔ جب
انہیں بتایا گیا کہ

"کٹار ظفر باب شدہ ہے"

تو آپ نے فرمایا

"دروغہ ہے"

پھر فرمایا

"تحقیق کرواؤ کہ آیا حضرت حافظ جمال در میں حیات مستحضر ہائے
فرمانگاہ کے در حیات مستحضر، خود بدولت فرمود تا آئندہ آنجناب در حیات
حیات میں باشند مگر قلعہ ملتان مسخر کٹار نہواہد شد القلعہ بعد ساقی
دیگر عرصہ اس در رسید کہ ملتان تسخیر کٹار شد کہ اہل اسلام ظفر باب
شدت و کٹار رو ہزار ہا۔ 2

گویا حافظ صاحب کی موجودگی سلامتی کے لئے باعث صحت و ظہار ہے یعنی البتہ حافظ صاحب کی وفات کے
بعد ملتان مکھی کے قبضے میں آ گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کی شجاعت اور بہادری ہی تھی جس سے
لوگ حوصلہ نہیں ہارتے تھے اور اس دلیری کا درس آپ لوگوں کو بھی دیتے تھے۔ خلیفہ نظامی کے مطابق
"ان کی شجاعت، ہمت اور استقلال نے سلامتی کے ضامن انعام میں ملی
رج پہونکہ دی تھی۔ مکھی کے بڑھنے سے حق سلاب کا مقابلہ انہی نے اٹھائی

1- "انوار جمالہ" از عبدالغفر بھاری مترجم محمد اعظم سعید، ص 42

2- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "گلشن اہوار" فارسی (ظہری) ص 259 تا 261

3- خاتم سلیمانی ص 99 پر لکھا ہے کہ "نواب مظفر والی ملتان کے عہد خواہی میں ہی مباراجہ رنجیت
سنگھ نے کئی دفعہ ملتان پر حملہ کیا مگر چونکہ حافظ جمال الدین صاحب قلعہ میں موجود تھے اس واسطے
ان کی ہرکت سے مکھی کا قبضہ نہ ہو سکا مگر ان کی وفات کے بعد بہت جلد مکھی نے ملتان تسخیر کیا

مردانگی اور عالیٰ حق سے کہا جب حالات بہت خراب ہو گئے تو خود میدان جنگ میں اتر آئے۔" 1

حافظ صاحب صرف بہترین عالم، استاد اور مجاہد ہی نہ تھے بلکہ بحیثیت انسان بھی آپ دلجوئی کرنے والے اسے شعر تھے کہ جس کا اخلاق دوسری کے لئے مثال تھا۔ "مناقب فخریہ" میں لکھا ہے کہ

"... حافظ محمد جمال ملتانى على هذا القياس كمال باطن و تہذيب اخلاق و کمالات آراستہ۔" 2

اچھے اخلاق و عادات کے ساتھ ساتھ ایک صوفی بزرگ کے لئے جو چیز اہم ہے وہ اس کی گفتگو کا اہاز ہے حافظ جمال حسن و اخلاق کے ساتھ ساتھ شعریں گفتار بھی تھے اور عالمانہ سطح پر گفتگو کرتے اور ہر شخص کے مزاج کے مطابق اس سے بات کرتے اور کبھی کبھی حاضرین کی غرض کی خاطر طراوت اور خوش طبعی کا اہاز بھی اختیار کر لیتے تھے لیکن اس میں بھی حق کا دامن نہیں چھوڑتے تھے۔ عبدالعزیز برہانوی لکھتے ہیں کہ

"آپ شعریں گفتار تھے۔ آپ مختصر اور اس نافع کلام کرنے جو حکمت اور حیرت کے چشمی پر مشتمل ہوتی۔ آپ مخاطب کے مزاج و لہجہ مذاق کے موافق کلام فرماتے۔" 3

آپ اپنی گفتار اور عمل میں شریعت کا خاص خیال رکھتے اور دوسری کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔ ایک مرتبہ اپنے خلیفہ زاہد شاہ سے پوچھا کہ تم کہیں شادی کرنا چاہتے ہو؟ انہی نے عرض کی جہ جی ہاں۔ مگر ایک تو وہ لوگ سادات سے نہیں ہیں اور دوسرے عوامی برادری کے کچھ سہرا آوردہ لوگ کہیں یہ مخالفت کر رہے ہیں، اس پر آپ نے فرمایا

"کہ ہم دو غلط است زیرا کہ نکاح سادات یا غیر سادات در شرع جائز است تو گفتہ جاہلان رایہ اعتبار می کنی۔" 4

1- "تاریخ مشائخ چشت" از علامہ غلام نظامی، ص 603

2- "مناقب فخریہ" قاسم (علی) بہ حالات حضرت خواجہ فخر الدین دہلوی، ص 46 (جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے حاصل کی گئی۔)

3- "حیات" گلزار جمالیہ، ترجمہ قاسم محمد بن محمد بن ملتان، ص 19

حافظ صاحب اکثر لوگوں کو صوف و سلوک کی باتیں بتاتے رہتے تھے۔ آپ کے چند ارشادات یہ ہیں

فرمایا کہ دہشت کیا ہے؟ اس سے نہ کسی کے کت یا کو درد ہو اور نہ ہشت یا کو گرد لگے۔

پھر یہ کہ دہشت معزو خاکساری میں استواری کا اور تحلیل و مٹ جانے میں کمال حاصل کرنے کا نام ہے

ان کے مطابق اصول سلوک چار چیزیں سے عبارت^۱ قلت طعام، قلت مقام، قلت کلام، قلب صحیح مع الامام

اس طرح فرمایا عرفان حق کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ظاہر کو شریعت سے آراستہ کرنا اور باطنی

کو رجحانات ذمہ سے پاک کرنا، خواہشات نفس کو صافست یا خاموشی کے ذریعہ کم کرنا۔

اس طرح ارشاد ہے طہیب کا ایمان نصیب ہوتا ہے کیونکہ وہ مہر کی شفا اپنے نفس کی طرف

مضروب کرتا ہے اور اس سے مفر ہوتا ہے۔ اگر اس وہم سے سلامت رہے تو پھر مشکور ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں

بہت اچھا شغل خدا و عدا کا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی امر وجود میں ظہور پذیر ہو لہایا کہ

حدیث صحیح^۲ میں آیا ہے کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اخلاص و قوراحت کرے کہ گھبرا

تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اگر وہ مرتبہ حاصل نہ ہو سکے تو اسے دیکھے تو یہ اعتقاد تو ہو کہ وہ

مجھے دیکھتا ہے۔^۳

حافظ محمد جمال کے بہت سے ملفوظات ملتے ہیں جن میں سے یہ مجموعہ زیادہ مشہور ہیں

"انوار جمالہ" کے نام سے حافظ جمال کے بارے میں دو کتابیں ملتی ہیں ان میں ایک آپ کے خلیفہ متشی

غلام حسن شہید نے آپ کی حیات اور ملفوظات پر فارس میں تصدیق کی۔ یہ قلمی ہے جو آپ کے سجادہ

شعبی خطاب فیہر الحسنی کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔ اور 1245ھ میں غلام حسن شہید نے اپنے

مرید اللہ ہند صاحب سے اسے لکھوایا تھا، اس کی تفصیل اس طرح ہے

مقدمہ در بحث صوفی علیہ اللہ علیہ وسلم و ذکر اسمائے مبارکہ خواجگان سلسلہ علیہ چشتیہ رضوان

اللہ علیہم اجمعین و بیان بعضی اللباب متعوضہ^۴ ایشان

باب اول ... مشتملہ ساقب خدام حضرت خواجہ محبوب اللہ کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ جمال

۱۔ آپ کے ارشادات کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (1) شملہ سیرالاولیاء از خواجہ گل محمد احمد دیوبند،

ص 155-156 (2) انوار جمالہ از عبدالعزیز پربھاری اردو ترجمہ "گلزار جمالہ" ص 25 تا 30

(3) اربطان از شیخ محمد اکرام، ص 240

حافظ محمد جمال کے شعریں سوانح میں "سے ایک ظلم" سے خروٹی " (سرائیکی) دستیاب ہے جس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ دوسرا نسخہ جناب ڈاکٹر مہر عبدالجل کے پاس تھا۔ اہراں بہت ہوسیدہ تھے محفوظ نہ ہو سکے تھے لہذا اس کا فوٹو مثبت نسخہ تیار کر لیا گیا۔ اس کو کسی زمانے میں آگرہ کے ایک چھاپہ خانے سے شائع کیا گیا تھا لیکن غلط کتابت اور ناقص طباعت کی وجہ سے ناقابل فہم ہے۔ یہ مطبوعہ نسخہ شیخ عبدالرحمان (ساولوی) کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔¹

مزار کے دیوار پر لکھے ہوئے عربی و فارسی کے ہاشعار ان کے اپنے ہیں

(1) حافظ بہ کنج بیکندہ وارد قرار گاہ

کا لطیف فی الطریقہ واللہ فی الصلاح

(2) ایں جان فاریت کہ بہ حافظ سپرد دوست

روئے رغبت بہ محکم و تسلیم و کسم²

کئی جام پوری تھے بھی یہ تین اشعار آپ سے منسوب کئے ہیں

مائی نہ کر سہاگ دانتے بہہ نہ بادبہ در تعمیر

چوے والی کشش جشی باہمیسی شمشان دھیر

اتھان یا نہ کتا ایں اتھان منگس مسر

آول نہ ڈلوس پیکر کشش نہ ڈلوس بھر

بھس بھس میں پتھراں جاؤں مگرے پائے نہیں ضروری

نام خدا دے بار پچاؤ میں وچھے جھسوک غیری!۔³

حافظ محمد جمال کو محفل سماع بھی بہت پسند تھے اور اکثر شوقیہ جماعت فرماتے تھے۔ کشش اہراں کے

مطابق ۔۔۔ "آپ کو سماع سے بہت رغبت تھی اور شوقیہ بنا کرتے تھے۔ مولانا جامی کی

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "نیر جمال" از ڈاکٹر مہر عبدالجل، ص 42

2۔ "نیر جمال" از ڈاکٹر مہر عبدالجل، ص 41-42۔ 3۔ بحوالہ سرائیکی شاعری از کبلی جاحوری، ص 257

حافظ سعد جمال کا انتقال تب صغریٰ کی وجہ سے 5 جنوری 1296ھ/1811ء کو ہوا۔ آپ کے مریدوں میں ایک عیار عبداللہ ہزار بھی تھے جب اسے حضرت محمد وصال کی خبر ملی تو یہ حد المسدہ ہوا اور فوراً حضرت سلمان نوصی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس قدر رھا کہ ہاتھ بھی نہ کر سکا۔ حضرت سلمان نے اسے تسلی دی اور فرمایا

" اے عبداللہ چھپیں گھر میں کہ میں مردان خدا ہرگز شہید " 3
(اے عبداللہ اس قدر نہ رو کیونکہ آپسے مردان خدا ہرگز نہیں مرنے۔)

آپ کے خلیفہ مشی غلام حسن شہید نے تاریخ وصال/الفاظ میں لکھی ہے

آن العقیب فی حیات
1226ھ

آپ کو اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں آپ نے وفات پائی۔

آپ نے دو شادیاں کی تھیں لیکن کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ آپ کی پہلی شادی موضع لاک کے بزرگ عیار محمد موسیٰ المروہ سے ہوئی لیکن ان سے اولاد نہیں ہوئی۔ آپ کے خلیفہ مولوی محمد خدا بخش نے آپ کی دوسری شادی کروائی جس سے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں لیکن کچھ عرصے کے بعد دوسری بیوی اور اس کی اولاد فوت ہو گئی۔ آپ نے اپنے ہزاروں فقیہی مکتوبوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب سے آپ نے پہلے سجدہ شمس سے اور مولانا خدا بخش صاحب آپ کی راہنمائی کرتے تھے۔

حضرت حافظ سعد جمال کے خلیفہ کی تعداد بہت زیادہ ہے کلکتہ اہرار (ایس ایس) میں لکھا ہے

خلیفہ کا ذکر ہے، لکھا ہے

" خلیفہ اول مولانا حضرت محمد خدا بخش غسانی ثم حسین علی خواللہ مہدی،
کہ خلیفہ کلین و شہادہ شمس ہوش آکتاب است خلیفہ دوم ...

1- بحوالہ " گلشن اہرار " (اردو ترجمہ) ، ص 183

2- آپ کی تاریخ وفات میں کوئی غلطی نہیں ہے آپ کے تمام سماع نگار اس تاریخ وصال پر متفق ہیں۔

3- بحوالہ " المکتبہ ملفوظ شہد حضرت سلمان نوصی " مرتبہ یار محمد (ایس ایس) ص 461 - 462

مولوی عبدالرزاق ... کہ درحقیق حیات آنحضرت مظهر جمال اللہ از دارالافتا
رفت اوقات پدار الہا کنند ... خلیفہ سوم ... مولوی حامد ... خلیفہ
چہارم ... سیدزادہ شاہ ... خلیفہ پنجم سعد پادشاہ۔" 1

کچھ ایسے خلفاء ہیں جنہیں بہت تو حضرت نور محمد مہاروی سے تھی لیکن خرقہ خلافت اور اجازت حضرت
حافظ جمال سے حاصل ہوئی۔ اسی طرح چند وہ ہیں کہ جنہیں بہت تو حضرت حافظ جمال سے تھی لیکن
انہیں اجازت حضرت خواجہ خدا بخش سے حاصل ہوئی چنانچہ گلشن ابرار فارسی (قلی) کے مطابق
"خلفائے دیگر آنحضرت بسیار اند مگر بعضی کسانند کہ بہت بحدیث حضرت
قبلہ عالم (حضرت نور محمد مہاروی) سداشتند و خرقہ خلافت و اجازت از
آنجناب یافتہ بودند و بعضی کسانند کہ شری بہت آنجناب مشرف گشتند و
اجازت از حضرت محبوب اللہ سولانا محمد خدا بخش وصول کردہ اند۔" 2

ایسے لوگوں میں مولوی عبداللہ طنائی، محسن غلام حسن شہید، قاضی محمد عیسیٰ خان پوری، شجاع
آباد، صابزار، غلام فرید وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حافظ محمد جمال کا مقبرہ پوری رویت دروازہ عام خاص باغ کے مشرق کی طرف ہے وہاں قلعہ سا
حصہ کے اندر 27 فٹ مربع کا مقبرہ ہے جو تقریباً سو سو سال پہلے کا بنا ہوا ہے لیکن وقتاً فوقتاً اس
کی مرمت اور اس میں اضافے ہوتے رہے ہیں۔ سٹک مر مر اور سٹک موسیٰ کا فرش ہے اور شمالی و جنوبی
دروازے بھی سٹک مر مر کے ہیں۔ چھتھی پر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ ایک طرف مجلس خانہ ہے جس کی
چھت مقدس ہے۔ منبر کی تصویر کے پار میں ایک روایت شیخ محمد اکرام نے درج کی ہے

"کہ تصویر کے وقت ایک کنوئیں کی ڈاٹ صبح دیسی آتی تھی، ہمارا اس کی
بچائے لکڑی کے مضبوط ٹکڑے پر جس کو ہماری اصطلاح میں "چھت" کہا جاتا
ہے، دیوار اٹھاتا چاہتے تھے۔ آپ کے مرید اور خلیفہ اول خواجہ خدا بخش
مسیحوی کو جو مقبرہ بنا رہے تھے، خبر ہوئی تو باوجود سخت بھڑی کے خود
آئے اور کہا ہانا میں پھر کے مکان کو صوبہ لگاؤ، مشکل سے ڈاٹ پر چڑھ

201- مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے گلشن ابرار فارسی (قلی) ص 268 تا 271 صفحہ مولانا امام بخش
(القولی 1300ھ) اس کتاب کا اصل نسخہ حضرت حافظ اکرم بخش مہاروی ساکن مبار شہد از طاقات
چشتیاں موجود ہے۔ اس کی فوٹو مشین کاہنی جناب امد عظمیٰ سے حاصل ہوئی۔

نتیجہ کار کیا

از زمیں خشک رو یاہ لہاہ آسمان را بے سنی دارد نگاه
ترجمہ : اللہ تعالیٰ کو خشک زمیں سے سبزہ آسمان کی قدرت ہے اور آسمان
کو بخر سنی کے مضحکہ خیز ہے۔
پھر اپنے فائدہ سے معرکوں میں لگائی جو صحیح بیٹھ گئی، اور :
مکمل ہو گئی۔۔۔ " 1

حافظ محمد جمال۔۔۔ معیشت شاعر

اگرچہ حافظ محمد جمال ملتان کے تمام مکتوبات فارسی زبان میں محفوظ کئے گئے ہیں۔ یہاں تک
کہ ان کے ہاتھ مرتبہ خلیفہ اور شاکر حضرت غلام حسنی شہید نے بھی، جو سرائیکی اور اردو زبان کے
شاعر تھے، ان کی تعلیمات اور صفات کے بیان کے لئے "انوار جمالہ" میں فارسی کو ذریعہ اظہار بنایا۔
تاہم یہ حقیقت ابھی جگہ مسلم ہے کہ ان کی مادری زبان سرائیکی تھی اور وہ اردو زبان سے بھی بڑی
طرح واقف تھے چنانچہ ان کے ادبی اور شعری حوالے میں جہاں عربی اور فارسی کے کچھ اشعار شامل
ہیں کچھ وہاں سرائیکی زبان میں بھی ہوئے، جس حوالے میں پائی جاتی ہے۔ حضرت حافظ جمال کا فارسی
مرسی اور سرائیکی کلام ایک نئی دیوان کی صورت میں موجود تھا اور یہ حضرت مولانا عبدالرشید طالح
نیم کی تحویل میں تھا لیکن ان کی لچاک وفات کے بعد ان کے لواحقین نے جہاں ان کے سواۓ کتب کو
شائع کر دیا وہاں یہ دیوان بھی باقی نہ رہا۔² تھیں کہتا ہے کہ اس نئی دیوان میں اردو کی کچھ
چیزیں بھی بقیہ شامل ہوں گی کیونکہ "سرحدی" میں اردو الفاظ و تراکیب کا بکثرت اور بے دریغ استعمال
اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ حضرت حافظ جمال اردو زبان کی باہمی سے بڑی طرح آگاہ تھے۔ یہی
بھی اچھی ہے حضرت نضر الدین دہلوی اور نور محمد میاوی کی معنی اور معنی دیکھی تھیں۔ اس لئے
وہ اردو زبان و ادب سے ناہل کہہ سکتے تھے۔ تاہم اردو زبان کی ایسی کئی چیز دستیاب نہیں ہو
سکتی جس سے اس کی اردو شعری یا زبان دانی کا ثبوت مل سکتا۔

1۔ بحوالہ "اور ملتان" ص 142

2۔ بحوالہ "نور جمال" (سرائیکی) از دانش مہر عبدالحق، ص 42-43

ایکو ملا متہ تھانے مان آس دھس ملانٹس
اُتہ جمال سہاگڑ سوہی ، جوشو دے من بہاڑی

اس کا مطلب یہ ہے کہ اے سہانی اور عقل مند بیٹی ! اب اٹھ جا چرخا لے کر بیٹھ، آرام کی ایسی رات
گزر چکی۔ عمل اور حرکت کا وقت آن پہنچا۔ مزید وقت نالغ نہ کر کہ وقت لوٹ کر کبھی نہیں آئے گا۔
اگر عاقبت شک اور انعام بھلا چاہتی ہے تو اپنے خداوند حقیقی کو راضی کر (اور ظاہر ہے وہ شک عمل
سے راضی ہوتا ہے۔)

دراصل حافظ جمال نے تصوف کے معاملات کو طمانی کے ذریعے ظاہر کیا ہے۔ چرخا اور اس کے
لوازم کو فراہم کی ادائیگی سمیت، حرکت اور شک اعمال کے حصول کا اشارہ، سیکھ گھر کو مادر دہا کی،
مسرال کو عاقبت اور زندگی بعد موت کی، شوہ (شوہر) کو خداوند حقیقی کی عطایت بتایا ہے اور یہی اس
ظلم کے ذریعے کردار کی تعبیر کا فہرہ ادا کیا ہے۔ ہر ہر بعد میں خوں اخلاقی، شک سہتی، دیات
داری، حلیمی، فرم مزاجی، سلیقہ شکاری اور روحانی ترویج کی تقاضا کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب
کچھ صوفی کی عقلی تخلیقات کا ناگزیر حصہ ہے۔

جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے کہ پہلے بعد میں بیدار ہونے اور کام میں جت جانے کی تلقین کی
ہے اس کے بعد درہند میں کوئی نہ کوئی صحت کی گئی ہے۔ مثلاً روسیہ بعد میں کاہلی اور سستی
کو چھوڑنے اور سوچ کاغذ (فرائض کی ادائیگی) کا مشورہ ہے۔ تیسری بعد میں بد مزاجی ترک کرنے اور مجز و
اکساری اختیار کرنے کی صحت ہے۔ چوتھی اور پانچویں بعد میں اعمال شک کی نصیحت کی گئی ہے۔ چھٹی
بعد میں حلیمی، فرم مزاجی اور غصہ خلی کی صفات کو سراہا گیا ہے۔ ساتویں اور آٹھویں بعد میں فہرہ
فرہ اور گرو فرہب سے احتساب کی تلقین ہے۔ نوویں اور دسویں بعد میں بے پروائی چھوڑ کر اعمال شک
کے ذریعے عاقبت ستارے کی صحت کی گئی ہے۔ گیارھویں اور بارھویں بعد میں مال و دولت کے لالچ کو
ترک کرنے کا مشورہ ہے۔ سکندر کی تلمیح کے حوالے سے زندگی کی بے نہانی کا ذکر ہے۔

ز زر دولت، مال غریبہ کر کر کالی سا لے
لاسی رہی اکھی اتھان کہیں نہ دھس والے

میں گیا سلطان سکندر جس ملک میں رہتا تھا
 دیکھ جمال احوال تنہاں دا مونا مٹی وچ گالے

یعنی لوگ سوچ چاہی کہ خزانہ زر و دولت تو جمع کرتے ہیں لیکن یہ سب کچھ بہت بڑے جاتے ہیں اور
 کوئی بھی انہیں ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ سکندر جسے سلطان نے ساری دنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھے
 دنیا جہاں کے ملکوں کو اس نے زیر و زیر کر دیا لیکن ذرا ان لوگوں کا انجام دیکھو کہ اب سب مٹی میں
 گد سڑ چکے ہیں۔

سترہویں اور چودھویں بند میں اللہ کی محبت اور شوق کا درس دیا ہے۔ پندرہویں بند میں
 ہری محبت سے بچنے اور سولہویں بند میں سلفہ شکاری اور سکھڑا یا اختیار کرنے کی تلقین ہے۔ سترہویں
 بند میں موت کے بھوکے ہونے کا اعلان ہے تو اٹھارہویں اور انیسویں بند میں یکسوئی کے ساتھ خداوند کریم
 کی محبت کرنے کی نصیحت ہے۔ بیسویں بند میں حسن اور جوانی کے ماریں اور گزراں ہونے کا اور اگلے تین
 بندوں میں زندگی کی بے ثباتی اور فنا کا ذکر ہے۔ پچیسویں اور چھبیسویں بند میں شوق اور
 جذبہ سے کام کرنے کی تلقین ہے۔ ستائیسویں اور اٹھتیسویں بند میں حسن اور جوانی کی گھیز پائی اور
 بڑھاپے کی آمد کا اعلان ہے اور آخری بند میں الوداعی دعا کی تلقین ہے۔

و ہاری رہ ڈیویں دعا گھر ور ہونویں بکھی
 طالع بہت سولے ہو ویں رات نہ ڈیکھیں ڈکھی
 توبہ دے مال محبت دل دی شالا پہیوں ڈھکی
 ہر جمال دعا کرے، مارن فکھی رہیں نہ بکھی

یعنی اے بیش! آخر میں میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ گھر میں سکھی
 رہو۔ تمہارا مقدر چمکے۔ تمہیں دیکھی بھی رات سے واسطہ نہ پڑے۔ خدا کے عاود حقیقی کے ساتھ
 تمہاری محبت ہر آزمائش پر پھیلے۔ اُمّی اور اللہ تمہیں دعا اور آخرت میں تنگی توڑے اور بھوک ٹک سے
 معقول رکھے۔ ڈاکٹر میر عبدالملک سی خاں کی مثنوی کو سمجھنے شروع لکھتے ہیں۔

”اے نظم دا ماحصل اے ہے جو فیض انصاری مال وقت گزاریا وجہی فہم
 نے فہم کس عثرے نہ آہوڑ ڈھجے، تے جو ویں لکھے، فکھی دے کم کر کے خوش

اخلاقی روت کے تحت دعا اچھ صحیح صل کر کے آپوں آگہاں دے سفر دا
زاد راہ پٹیا وجہ۔ " 1

(اس نظم کا ماحصل یہ ہے کہ صبر اور انکساری کے ساتھ وقت گزار دیا جائے۔ فیروز اور
فکر کے قہر نہ پھٹتا جائے۔ جتنا میں چلے بھی گئے کام کر کے۔ غور اخلاقی سے کام
لے کر اور دعا میں صحیح صل کر کے طاقت کے سفر کے لئے زاہد راہ بنایا جائے۔)

حافظ محمد جمال کا اسلوب نہایت سادہ، رواں دواں اور دلنشین ہے۔ موزوں کے ساتھ میں
کھانے الفاظ، یا معاویہ زبان، اور علامتی کا استعمال اس نظم کے عام خصائص ہیں۔ جہاں ایک طرف
سرائیکی شاعر کی شہاس پائی جاتی ہے تو دوسری طرف عام فہم اور مانوس اردو الفاظ و تراکیب کے ذخیرے
سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ یہاں ایسے چند الفاظ کی فہمیت دی جاتی ہے جو اردو اور سرائیکی میں
مشترک طور پر مشتمل ہیں۔ ان سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ سرائیکی اور اردو کھلم میں کتنی
شابہت و شامیت اور اشتراک پایا جاتا ہے۔

لکھی رات، حال، شہاء، پرائی، بدکردار، نیکیاں بدیاں، جملہ، پرائی، وکیل کرن لقا، شخصی
خلق، کبیر (مطربان)، عمل، دعا، احوال، صحت، بے ذکر و فکر، امیر، شرم، مٹاوا (آخری الوداع)،
کچاوا، دعا (دعویٰ)، قبیلہ، زر و دولت، مال خزیانہ، سلطان، ملک، زمین، سوداگر، چار (تجار)،
لعل، صد ہزار، ہسار، شرم، سبیلماں، دل مل، تاز بھری البطمان، حوٹماں، ستر (سوچ) حاکم (دعا)
مجلس، فائدہ، ازل، ظلم، شخص قبیلہ، ملک سخیلی، محل سخیلی، فضل، مہل (دوست) ظن، فرہس،
حوس، مٹوری، زہری، وصیت، پاک کھائی، صورت، سر جوان، راج، داغ، فطرت، عیب، ادھار، وقت،
تھوک، وداع، شانی، ہوش، پلک، طالع بخت، شکی۔

ایک سو سولہ (116) مصرعی پر مشتمل مختصر سی نظم میں اردو الفاظ کا یہ ذخیرہ بہ ظاہر
کر رہا ہے کہ حضرت حافظ جمال اردو زبان سے کھاتق واقفیت رکھتے تھے اور اگر ان کا دیوان دستیاب ہو
جاتا تو یقیناً اس میں اردو کلام بھی شامل ہوتا۔ تاہم سبزیں ملتان میں اردو شعر و ادب کی تصحیح کے
سلسلے میں حافظ محمد جمال کا حصہ قابل ذکر بھی ہے اور ایک ستائش بھی۔

خواجہ خدا بخش

حضرت خواجہ خدا بخش بارہویں صدی ہجری کی ایک اہم روحانی اور علمی شخصیت ہیں۔ جنہیں حافظ محمد جمال ملتان سے فیضِ باپ، شیخ کا موقع ملا تھا۔ حافظ محمد جمال نے انہیں خانقاہ بہادری زکریا کے سامنے پیش کر سلسلہ چشتیہ کے حق میں بھلائی کے حکم دیا اور مرشد کے حکم سے انہی نے ملتان سے سلسلہ چشتیہ کی تجدید کا حق ادا کیا اور میں حافظ محمد جمال ملتان اور خواجہ خدا بخش کی بدولت ملتان میں سلسلہ سہروردیہ کے ساتھ ساتھ سلسلہ چشتیہ کا اثر و رسوخ بھی قائم ہوا۔ خواجہ خدا بخش حافظ جمال ملتان کے دیانت نامور خلفاء میں سے ایک تھے بلکہ گلشن ابرار کے مطابق

”خلیفہ اول ذات مکی صلاب، سراج الوہابین، خیر العاشقین، سعد العارفين، محبوب اللہ سیدنا و مولانا حضرت محمد خدا بخش ملتان، ثم غریبوی مولیٰ اللہ مرقدہ، کہ خلیفہ مطلق و مساجد شمس بوجل آفتاب (حضرت خواجہ حافظ جمال اللہ مد“ :

اس کتاب میں آگے چل کر لکھا ہے

”جی در او آخر عمر حضرت محبوب اللہ محمد جمال کہ مزاج شریف فارغہ من الموت لآخر شد میرک نظام خاص و مقام خود باؤز بلند بطریق وحدت فرمود کہ مالکید ... ہر دو جہاں بحضرت بطریق صاحب (خواجہ خدا بخش) تلخیص کراں ام“ 2

خواجہ خدا بخش کے آباء و اجداد محدثین قاسم کے عہد میں عرب سے ہجرت کر کے سندھ میں

مکھوت ہذیر دویج اور کچھ فرقہ جہاں قیام کرنے کے بعد ملتان میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ اپنی بہادری اور علمی قابلیت کی بنا پر اس خاندان کے لوگوں کا دخل مکھوت کے معاملات میں ہر زمانہ میں کسی نہ کسی طور رہا ہے لوگ کہیں تو کسی فتح کو ختم کرنے کے لئے مکھوت کا ساتھ دیتے تو کہیں ان کی قابلیت کی

بظاہر کسی اعلیٰ عہدے پر فائز رہتے۔ مسعود حسن شہاب ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

" یہ خاہاں عالمگیر اپنی شجاعت و فطانت اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر دور حکومت میں ممتاز و مطہر رہا ہے شہر شاہ سہون نے اس خاہاں کے بھتیجے افراد کو حلیہ القدر عہدے دے رکھے تھے۔ جب سلطان ناصر الدین قباچہ نے قطب الدین امیک سے سرکشی کی اور ملتان و سندھ پر آپس تسلط قائم کیا تو اس خاہاں نے اس کے خلاف احتجاج کیا جس کی بادشاہ میں قباچہ نے اس خاہاں کی تمام جائیداد ضبط کر لی اور ممبراً اس خاہاں کو ترک سکونت کر کے ضلع ہزارہ میں بظاہر یعنی بیڑی۔ شہشاہ خپاشہ کے عہد میں یہ خاہاں ضلع ہزارہ سے تعلق آ گیا۔ خپاشہ نے تعلقہ کا قطعہ اس خاہاں کے ایک بزرگ قاسم خان الدین کے سپرد کیا اور انہیں دس ہزاری کا منصب دیا یہ منصب شاہ عالم ثانی کے عہد تک اس خاہاں میں رہا۔ مولوی شہاب الدین اس سلسلے کے آخری منصب دار تھے جو 1151ھ میں اس سے دستکش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔ " 1

اسی خاہاں میں خواجہ خدا بخش 1150ھ میں مولانا قاسم خان محد کے ہاں پیدا ہوئے۔² آپ قریشی الصل تھے۔ آپ کے والد مولانا جان محمد علی، بڑھیکار اور باصل عالم تھے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے

- 1- اوطائی بہاولپور از مسعود حسن شہاب، ص 168، مطبوعہ اردو انکٹی بیہاولپور، بار دوم
- 2- --- ایضاً --- ص 169

جیکہ سر کمال خان نے اپنی کتاب "ذو اب مظفر خان شہید اور اس کا عہد" ص 282 مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان اور عبدالعاس قہر نے "خیر البلاد" ص 12، مطبوعہ نصرالدین، ضمیر پور ٹاٹوالی (بہاولپور) میں آپ کا سن ولادت 1158ھ لکھا ہے۔

- 3- آپ کے سن ولادت کی طرح تسلیم کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اوطائی بہاولپور، ص 168 میں احوال و آثار (قلی) کے حوالے سے بتایا ہے کہ آپ قریشی صل سے تھے۔ آپ کی والدہ کا تعلق قوم طہاس سے تھا جو تعلقہ کی رہنے والی تھیں۔ اس لئے آپ کا مادری منسلق قوم طہاس سے ملتا ہے لیکن والد کی طرف سے آپ قریشی صل سے تھے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (1) "ذکر کرام" از مولوی حفیظ الرحمان، ص 47، مطبوعہ دہلی رجب المرجب 1352ھ اس کتاب کا پہلا صفحہ غائب ہے اس لئے مطبع کا نام یہ نہیں ملتا صرف دہلی کا نام رہ گیا ہے۔ (2) گلشن ابرار (اردو ترجمہ) حدیثۃ النعمان از خواجہ امام بخش متوجم صالح محدث تھانوی ص 279، مطبع صدیقیہ (3) خیر البلاد از العاس قہر، ص 12

انہیں سے حاصل کی۔ حضرت غلام حسن شہید اپنی کتاب انوار جمالیۃ فارسی (فارسی) کے باب دوم میں حضرت
خواجہ خدا بخش طائی ثم غریبہ طائفہ بہ محبوب اللہ کی عظمت میں لکھتے ہیں

” بدر منزلت آنحضرت از طائفہ ناز و افقائے بزرگوار بود جس میں اختر
سفادت کائنات مولانا را بہ فیض شہانے و مودہ معنوی عرواقی جامعہ توحید
بتوحید او مصروف داشت و مہر وحدت و الہیہ اس کار بزرگداشت تا آنکہ
مقتضائے قلو داریت و صفائی طہیت از کتب فضائل جہدہ ذاتی بدانت و
از عقل و عقل و فہم و اصول آجکات کمالی ہم رسانید کہ از فعل
طائفہ دہم سر آوردہ در طائفہ صر محبوب گردیدہ و بہ اقتضائے والا
عشق اظہار بتوحید علوم مذاکرہ و تنظیم فی مشاعرہ از تفسیر و حدیث
و کلام و طہارہ و علم حقیقت و عرف و شعور و عقل و عارف و بدیع و بیان
و غیرہ ذالک میں العلوم المشاعرہ توحید گردیدہ ہر ادب طہر بخشی و ایس
و ساری دہم و مہر جامعہ کمالات انسانی ہر اسکات انسانی و ادبی
انتشار یافت ۔“

والد محرمی سے حصول تعلیم کے بعد آپ دینی تعلیم کے عزم سے رجوع فرماتے تھے۔ والد محرمی کی خاطر تشہید
لے کر اور حدود شاہ ولی اللہ نے آگے بڑھ کر تعلیم فرمائی۔ والد محرمی نے بہت سے مشائخ سے
صحبت حاصل کی اور فیض اعلیٰ بہت عرصہ وہاں رہ کر علم حاصل کیا پھر آپ واپس تھیں تشہید لے آئے۔
اور والد کی حیات تک وہیں رہے۔ ان کی وفات کے بعد آپ اپنے ملتان کے محلے کپھار پورہ میں رہائش اختیار
کر لی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ملتان میں آپ جس مسجد میں درس دیتے تھے وہ آج تک
قائم ہے اور درس و تدریس کے نام سے مشہور ہے جو دولت دیوان کے اندر واقع ہے۔ مولوی عبدالقادر
اھلبی (متوفی 1317ھ) کی ایک مطبوعہ فارسی کتاب ”در تصنیف خواجہ خدا بخش صاحب تاملات“
(سوانحی) میں عبدالغلامی کی ذاتی تائیدیں سے دستاویز ملتی ہے۔ اس میں ملتان میں خواجہ خدا
بخش نے مدرسہ شریف کے نام سے لکھا ہے۔ کہ وہاں انہی نے اپنی ایک مسجد بنائی اور درس و تدریس
کا سلسلہ شروع کیا۔ عربی کی تفسیر میں طالب علم آتے تھے اور یہاں تا فیض خداوندی

1۔ ”بیانہ“ انوار جمالیۃ فارسی (فارسی) از طہر غلام حسن شہید، ص 87

2۔ سر دیوانہ ص 7 پر لکھا ہے کہ ”جہاں مدرسہ علم کتب کے عالم را از علم خود بیچارہ“ (سر
دیوان از نظام عبداللہ طہانی، ص 5، مطبوعہ فیض عالم پریس ناچور، ماہ صفر 1324ھ)

اور تمام شہر والوں نے اپنے اپنے صوبے کے مطابق خطاں حاصل کیا اشعار ہیں ہیں

جو حک سعد اوجیاں اپنی ہائی	پڑیں کہتے یہی مطلق آنس
اوس وجہ دوس شہر کہتو جس	ہزاراں طالبانسی رنگ لہو جس
جسے طالب اوجیاں تو سب گھبرا	چوہ کونیں صوب اس فہر لہو
کئی عام بہرہ اول کسوسی	ہوتا اس نے ہمالہ لعل کولی
تمام شہر فہر اوجیاں وندایا	صوب کے سعد صوبا اوجیاں پایا 1

لیکن اکثر مہر عبدالحق کا کہنا ہے کہ مولوی خدا بخش صاحب

"حافظ جمال اللہ کے قائم کردہ مدرسہ عالیہ کے اول مدرس اور مہتمم و
مصرم تھے... آپ نے ملتان میں سالیبا سال رشد و ہدایت کے سلسلے کو
نہایت کامیابی سے چلایا پھر جب ملکی حالات خراب اور بد امنی اختیار ہو
پہنچ گئی تو حافظ صاحب نے انھیں ظل مکانی کا حکم دیا چنانچہ آپ
بہاولپور کے رہے آپ و گیارہ بھائیوں کی طرف جمع ہدایت و تبلیغ لے کر چل
پڑے اور غیر ہندو فاضلانی میں متکین ہو گئے جہاں انھیں نے مدرسہ قائم
کر لیا۔" 2

اپنے طریق مدرسہ کی بنیاد پر بہت جلد آپ کی شہرت دور دراز تک پھیل گئی سید عبدالحق دہوی
آپ کے درس کے لیے بڑے متعلقہ لکھتے ہیں کہ

"الشیخ العالم خدا بخش المحدث الطائف احد من كبار الشائخ في عصره
والاحكام "ملتان" وقرام العلم علی من بهما الطوائف ثم صدر بہ درس و
درس بہ دکت العلم "ملتان" انھیں سکتہ" 3

گلشن ابرار کے مطابق

"مولانا صاحب اپنے بزرگی کی ہدایت کے مطابق علوم ظاہری کی مدرسہ میں

- 1۔ "در تصنیف خواجہ خدا بخش" (علی سرائیکی مکتوب) از مولوی عبدالغفور اصرار المتفلس عبداللہ ص 6
مرقومہ 1305ھ (50 صفحے پر مشتمل کتابچہ ہے۔)
- 2۔ "ملتان کے اسلامی دور حکومت کے انحطاط کی چار عظیم شخصیتیں" ص 6، مطبوعہ امیر ملتان مہر 1978ء
- 3۔ "مزمع الخواطر" جلد ششم از سید عبدالحمید دہوی، ص 368، مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن

مشغول ہوئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، لغت، علم حجتہ صرف و نحو، منطق و
 ہائے بدیع و بیان وغیرہ جملہ علوم متعارفہ کی تعلیم دینے تھے اور لوگوں
 کے نفس پرانی میں مشغول رہے اور آپ کی علمی کمالات کے چچے خاص و عام
 میں پھیل گئے۔ حضراتِ شباب سے لے کر آئمہ بڑھاپے تک لوگوں کو فائدہ دے
 پہنچائے اور لوگوں کے نفس دینے میں کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا
 حجتہ رضائے الہی کے طالب رہے ان لوگوں کی تعداد سمجھنے سے بڑھ کر
 ہے جنہوں نے آپ کی مدرسہ سے فارغ ہو کر دستارِ فضیلت پامال کی۔ عام
 طالب علموں کا تو شمار نہیں۔ آپ جو دو کرم اور بھر انہی کے ایک سطر
 سے بھر تھے ان کے علوم کے سلاب سے ہزاروں ہائوں نے اپنی طلب اور شوق
 کی پیاس بجھائی۔ ان کے دل کا ایک ایک قطرہ دریا بہا اب ان کے سامنے
 سے ایک ایک علم بحرِ لازم تھا۔ " 1

داکٹر مہر عبدالعلی کے مطابق

"آپ علمِ جہان میں مبارک شامہ رکھتے تھے، علومِ دینیہ و باطنیہ کے بہت
 بڑے علمائے مس شاعر تھے۔۔۔" 2

وہ علوم جس کا شمار آج سائنسِ علوم میں ہوتا ہے خواجہ خدا بخش ان میں مبارک رکھتے تھے، ان میں اور
 دہا کا یہ طالب بہت کم صوفیاء میں دکھائی دیتا ہے۔ اس لحاظ سے خواجہ خدا بخش کی اہمیت بہت
 زیادہ ہے کہ وہ علمِ خاص و عام کو حساب، سالک ہائے اسطوانات کو، حکمت اور اقدس وغیرہ کی تعلیم
 دیتے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہ علوم متروک ہو گئے تھے اور لوگ ان علوم کے حصول میں سستی سے کام
 لیتے تھے اور چونکہ حضرت خواجہ خدا بخش کو یہ علوم بڑے دشواری سے حاصل ہوئے تھے اس لیے وہ چاہتے
 تھے کہ دوسرے ان سے حاصل کریں اکثر فرماتے بیکار مہاش کچھ کیا کر، عین دل عاشقان ہوا کر۔ 3

۔۔۔۔۔ اس بات کی تصدیق مولانا عبداللہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے جو سرِ دلیران ص 9 پر موجود
 ہے اس کا ترجمہ ہمیشہ واحد بخش سال کے الفاظ میں لکھتی ہیں کہ

- 1- گلشنِ ابرار (اردو ترجمہ) از خواجہ امام بخش، ص 284
- 2- مثنوی کے اسلامی دورِ حکمت کے اصطلاحات کی چار مہتمم شخصیتیں " ص 6 مطبوعہ امیر
- 3- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "گلشنِ ابرار" فارسی (قلم) ص 439، دوسرا حصہ بھی مشہور ہے کہ
 "کہہ نہیں تو کہہ پھاڑ کے سیا کمر" لیکن خواجہ صاحب کے صرف سے شعر میں زیادہ گہرائی پیدا

" حضرت اقدس نے علوم اسلامیہ کے علاوہ معارفِ فنی (دنیاوی علوم) کی بھی
تسلیم دی مثلاً: ریاضی، جغرافیہ، ہیئت، نجوم، طب، علمِ زندگی، اقلیدس
وغیرہ۔۔۔ " 1

دعویٰ درس و تدریس کے دوران آپ روحانیت کی طرف مائل ہوتے تو مرشد کی نشان دہی ہوئی
جامعہ کئی جگہوں کا سفر کیا بہت سے ملاقات بھی ہوئی اور آخر حافظ جمال کی شکل میں
مرشد حاضر آیا تو حضرت بہاء الدین زکریا نے ہزار کے سامنے بیٹھ کر ان کے حاضر ہر محنت کر لی اور ملک
کے اعلیٰ مدان طے کئے۔ " ضرعاران " میں لکھا ہے کہ

" در سلطان سولی خدا بخت از میدان ایشان (حضرت حافظ جمال)
مے باشد " 2

حافظ محمد جمال نے ساتھ آپ کئی مرتبہ ان کے مرشد خواجہ نور محمد مہاروی کی خدمت میں مبارک شہادت
تشہیت لے کئے۔ وہ آپ پر بڑی شہادت فرماتے تھے اور اکثر حافظ جمال سے فرمایا کرتے تھے کہ احمق نے ایک
شہر کو حال میں بھٹایا ہے۔ اس کے علاوہ مارا اپنی زبان سے خواجہ خدا بخش کے اوصاف، فطری ملاحظہ
اور قابلیت کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا۔ " احوارِ جنالیہ " میں لکھا ہے کہ

" باوجود کمالات فنی ظاہر شوق تحصیل علوم باطن نیز دامن کس خاطر مبارک
بود بافضائیہ ہدایت ازل بشریت بہت جناب مہدوی اقدس اللہ سرہ العزیز (حضرت
حافظ جمال) حضرت گشتہ و تہم ہندو قبول ارجح یافتہ تھے در جناب قبلہ
عالم رضی اللہ عنہ (خواجہ نور محمد مہاروی) سے موجب و قبول شدہ چنانکہ کل
است کہ در آئامہ کہ جناب مہدوی بہ قصد زیارت حضرت قبلہ عالم رضی اللہ عنہ
کہ دران زبان ہمزایہ حیات صوری در برداشتہ همراه ہر وہ۔ در آویں جمعیت
میرد فہر و منظر قبول آغوش گریہ ہد جناب حضرت قبلہ عالم رضی اللہ تعالیٰ
عنہ، ہر زبان مبارک خود ایشان را مستثنائی سلسلہ عالیہ فرمودہ و نیز بہ
حضرت جناب مہدوی مبارک دادہ کہ شہر عظیم بہ جلال تو در آمدہ و بارہا
ذکر مکارم اوصاف ایشان ہر زبان کزایت توجہ حضرت قبلہ عالم رفیعہ و بہ کبریا

1- سولہواں (اورد و ترجمہ) ص 52، مطبوعہ مولیٰ فاؤنڈیشن بیابا، اشاعت اول محرم الحرام 1400ھ
2- " ضرعاران " (فارسی) جلد دوم، ص 12، مؤلفہ مفتی علی الدین خلیف مفتی، غیر الدین لاہور، مطبوعہ
پنجابی کتب خانہ لاہور

مرآت قابلیت جبلی و استعداد فطری ایشان مرقوب جناب قبلہ عالم
ریس اللہ تعالیٰ سے افتادہ " 1

خواجہ خدا بخش نے خواجہ نور محمد مباروی سے بھی بہت فہم حاصل کیا حافظ جمال فرماتے تھے کہ
"خواجہ خدا بخش کو میں ساتھ تو قلم بہت کا تعلق ہے ان کو جو
ہلکے مرتبے حاصل ہوئے ہیں خود قبلہ عالم سے ملے ہیں۔" 2

تحفۃ الابرار میں لکھا ہے کہ

"آپ کامل تھیں خلیفہ حضرت حافظ محمد جمال ملتانی تھے۔ آپ عالم صبر
اور روزِ مصوت کے اعلیٰ درجے کے ماہر تھے۔" 3

آپ کو اگرچہ حافظ محمد جمال سے بہت کچھ کی اجازت مل چکی تھی لیکن آپ کسی کو بہت نہیں کرتے تھے
اس لئے کہ آپ مرشد کے ہونے پر براہِ راست لوگوں کو بہت کرنا درست خیال نہیں کرتے تھے۔

خواجہ خدا بخش نور محمد مباروی کے خلیفہ خواجہ سلیمان نوسوی کے ہم عصر تھے اور اکثر عرصے

وغیرہ کے موقع پر اکٹھے ہوتے تھے جیسا کہ "منتخب ملفوظ شریف" میں لکھا ہے کہ

"... مولف مطابق شہدہ در اس جامی آورہ کہ بکے مرتبہ حضرت فخرالاولیاء
قدس سرہ (حضرت سلطان نوسوی) پر عرصے حضرت قبلہ عالم پر خاٹاہ مشرکہ
اوشاں تشریف لیا ہوا کہ کسی عالم چہ سوال از مسائل ہندت آن
فخرالاولیاء قدس سرہ عرض ہوا جواب یا صواب یافتہ ہوا و در آن مجلس
حضرت مولوی صاحب مولوی خدا بخش نوسوی کے کہ خلیفہ اعظم حضرت
حافظ صاحب حافظ محمد جمال ملتانی ہوا موجود ہوا۔" 4

خواجہ خدا بخش خواجہ سلیمان نوسوی کا یہ حدِ احترام کرتے تھے ایک دفعہ حضرت سلیمان نے ایک

سٹارٹس جتنے اس کے نام لکھی جس میں خواجہ خدا بخش کے ایک مرید سے کام تھا۔ خواجہ صاحب اس خط
کے ملتے میں بذاتِ خود اپنے مرید کے گان پر پہنچے وہ خبریں یہ گیا کہ حضور نے خود تمہیں زحمت کی لیکن

1- "انوارِ جمالہ" فارس (قلی) از بخش نظام حسن شہید، ص 908

2- "اولیائے بہاولپور" از معراج حسن شہاب، ص 173

3- "تحفۃ الابرار" جدول ثانی، ص 152، مطبوعہ مطبع رموی، دہلی

4- منتخب ملفوظ شریف فارس (قلی) مرتبہ حضرت خواجہ یار محمد بن تاج معراجی، پاکستان، ص 75۔ یہ قلی

خواجہ صاحب، حضرت سلطان کی عیش و عشرت سے اس لئے اس کو بھانجے کی بجائے خود جانا مناسب سمجھا۔¹

خواجہ خدا بخش بہت عرصہ ملتان میں رہ کر درس و تدریس کا کام سر انجام دیتے رہے۔ ملتان پر حب سکھنے نے رحمت سنگھ کی سرکردگی میں بار بار حملے کئے تو دوسرے علماء کے ساتھ ساتھ آپ نے بھی یہاں سے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن جب تک ملتان میں رہے حافظ محمد جمال اور دوسرے علماء کے ساتھ مل کر باقاعدہ جنگ میں حصہ لیتے رہے گیارہ مہینوں تک حضرت الرحمان "آپ علم و عمل کے دونوں زینتوں سے بہترین طریق پر آراستہ تھے۔" 2

سکھوں نے جب قلعہ ملتان کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو آپ بھی حافظ جمال کے ساتھ بھاگتے رہے۔ جیسا کہ حافظ جمال کے ذکر میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جب سکھ قلعہ کا محاصرہ کرنے کے باوجود فتح نہ کر سکے اور ہزیمت کھا کر پسپا ہو گئے تو انھوں نے حوالے سے یہ بات مشہور ہو گئی کہ ملتان میں ایک قطب ہے اور جب تک وہ موجود ہے اس کی زدگی میں قلعہ تسخیر نہیں کیا جا سکتا حالانکہ یہ بات حضرت حافظ جمال کے بارے میں کہیں کہیں تھی لیکن انھی نے خواجہ خدا بخش کو قطب قرار دیا۔ حضرت غلام حسن شہید لکھتے ہیں

"ہزیاں کراہت بیان رفت کہ مر شک زات حضرت مولوی صاحب (خواجہ خدا بخش) قطب زمانہ است پس رتبہ قطبیت ایشان بدلیل مطلق و برفان صادق با ثبات رسیده۔" 3

گلشن اہرار (قلمی) میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"در ایام کہ قلعہ دارالامان ملتان محصور کنار مقبرہ گشت دران ایام خدام کرام جناب حضرت حافظ صاحب محمد جمال نور اللہ مرقدہ نیز دران قلعہ محصور بودند القہہ بند رہے عظامہ محاصرہ در السہ عوام شہر تیافت کہ بعضی معجمان لشکر کنار گشتہ اند وہم بعضی مجاہدین مجیر دارہ کے در ملتان قطع است از اقطاب

1- تحصیل کیلئے طاحظہ فرمائیے، کتاب "مآثر سلطانی" قاسمی (قلمی) ص 54، 55 کتاب خدا بخش زوی

2- "ذکر کرام" از مولوی حفیظ الرحمن، ص 47

3- "انوار جمالہ" قاسمی (قلمی) از مثنی غلام حسن شہید، ص 9

اللہ کے ملتان در ظل حمایت او ماضی سے تاحیں حیات اور تسخیر قلعہ
 دشوار سے پہنچانے میں سخت ہو گئی۔ پھر حضرت حافظ صاحب
 قدس سرہ، در سید اکتیدہ بالیقین اشارت قطب بہ نظر ظہیر آفتاب ہو
 لیکن ہر زبان کمرات یہاں چٹان رفت کی کہ بیشک ذات حضرت مولوی صاحب
 (خواجہ خدا بخش) قطب زبان سے یہ قطعت آفتاب بدلیل ظاہر
 و برہان مادی بہ اثبات رسدہ ۱

جب آپ نے ملتان چھوئے تو پہلے موضع دھابور الحریہ راہ والا میں کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ گلشن ابرار کے
 مطابق

”جناب حافظ صاحب (حافظ جمال) نے حافظ غلام حسن بخش کو ایک خط
 لکھا کہ جس کا مضمون یہ تھا کہ آپ ہر راجح ہو کہ جناب مولانا صاحب ملتان
 سے جملے لکھ کر کوئٹہ و سلسبیل کی طرح وہاں کے لوگوں کو سیراب کر رہے ہیں
 آپ ہر واجب سے کہ جو کچھ ہو سکے ان کی قدر کریں ان کو اپنے مکان پر
 لے آئیں اور اپنے تئیں بھی ان کے چشمہٴ رحمت سے سیراب ہیں۔ نیز اس موضع
 کو نصیحت سمجھیں جب یہ نامہ نامی آپ کی خدمت میں پہنچا تو تحصیلاً جو
 کچھ بھی بھر میں موجود تھا از طہ قسم زہورانی و پارچات وغیرہ جناب مولانا
 صاحب کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ آپ بہت ہی العجا اور آلوئے ساتھ
 ان کو اپنے ذمہ جملہ بھی لے کر لکھ کر ان کی صحبت سے مستفید ہوئے۔“ 2

یہاں سے آپ بہاولپور کی طرف لکے تو وہاں کے والی ۳ ریاست محمد مادی خان نے آپ کو خمیرہ میں ٹھہرایا
 آپ کے خادمی کا رشتہ طبر کیا اور لشکر کا تمام عین اپنے ذمہ لے لیا۔ اس کے بعد آپ تمام میر خمیرہ میں
 ہی رہے وہاں آپ نے ایک مؤذن مسجد، ایک محفوظ کنواں، یہاں سرائے، قلعہ کے حجے اور دیگر لوگوں
 کے لئے عمارتیں تعمیر کرائیں۔ 3

خواجہ خدا بخش نے خمیرہ میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور اس کے ساتھ ہی

صحیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع کیا، صفحہ حسن شباب کے مطابق

1- ”گلشن ابرار“ قاری (قلم) ص 409-410

2- ”گلشن ابرار“ (اردو ترجمہ) ص 293 (گلشن ابرار قاری (قلم) ص 416 پر یہ واقعہ درج ہے۔)

3- حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمائیں (1) گلشن ابرار، ص 295 (2) خیرالبیاد، ص 31

"آپ کی تمام عمر درس و تدریس میں صرف ہوئی۔ تفسیر، حدیث، فرائض، علم ہیئت، صرف و نحو اور منطق و معانی آپ کی درس کی خاص موضوعات تھے آخری عمر میں تصنیف و تالیف کا شغل بھی جاری کیا۔ اس دور کی ایک مشہور کتاب توفیقہ آپ کی یادگار ہے اس میں شریعت کے احکام، طہارت کے آداب، حقیقت اور حرکت کے اسرار بیان کرنے کے علاوہ وحدت الوجود کے مسئلے کو بھی بڑے عالمانہ اور عارفانہ انداز میں حل فرمایا ہے۔" 1

مولوی امام بخش لکھتے ہیں کہ

"خفیف مدنی کے باعث جب آپ میں درس و تدریس کی طاقت نہ رہی تو روز و وظائف سے جو وقت بچ رہتا اپنی مشہور تصنیف توفیقہ کے لکھنے میں صرف رہتے یہ وہ کتاب ہے جس میں کما شریعت کے احکام، طہارت کے آداب، حقیقت اور حرکت کے اسرار بیان کئے ہیں۔ اس رسالہ میں توحید کے ایسے دقیق مسئلے بیان کئے گئے ہیں کہ راز داران حرکت نے کم لکھے ہوں گے۔ جو بھی صاحب مذاق آپ کی پاس آتا اسے اس کے مسودہ دکھائے اور فرماتے کہ ان کی تصحیح کرو جس کو تو در مقصود حاصل لگ جاتا اور بعض کا انکار اہل اللہ کے کمالات پر ٹوٹ جاتا اور بعض بیانیے کمرانی اور ضلالت میں رہ کر سرسبز رہ جاتے۔۔۔" 2

خواجہ خدا بخش تمام عمر درس دیتے رہے پہلے سلطان میں اور پھر خمیسہ میں اس موقع پر آپ نے ہر طرح کے موضوع پر اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ آپ علم کا دریا تھے ہر موضوع پر بے نشان بولتے اور حدیث و فقہ کے حوالے دے کر بات کرتے تھے۔ لوگوں نے کسی مسئلے کے متعلق آپ کی رائے بھیجی آپ باقاعدہ حوالے دے کر بات کرتے اور آپ کی یہ بات فقہ کی صورت اختیار کر جاتی چٹائیہ آپ کھاج، طراز، قبری پر اذان دیتے جسے سنائی پر بھی غنیمت جاری کر جاتے تھے۔ آپ کی باغی شہر میں اور انداز شکستہ ہوتا جو سننے والے کے دل پر اثر کرتا موقع بہ موقع اشعار بھی پڑھتے تھے، مسجد حسن شہاب لکھتے ہیں کہ

"آپ کی مجلس میں ہوشہ اسرار و عارف کا بیان ہوتا تھا اور باغی باتیں

1- "اولیائے بہاولپور" از مسجد حسن شہاب، ص 175

2- "گلشن ابرار" (اردو ترجمہ) ص 284، 285

میں آپ اسے کہتے حد فرما دیتے تھے جس کے لئے فہم کتابی کی ضرورت
 ہوتی تھی اکثر ہر مسئلہ اشعار سے خشک موضوع کو بھی شگفتہ بنا دیتے تھے
 صبح دم یہ اشعار زبان مبارک پر ہوتے تھے

محر پر غم ذکر پر رہا می ہداں درگاہ خود را آشنا کسی
 اگر کوئی کہ میں درویش عالم نظر پر خادان مصطفیٰ کسی
 اگر کوئی کہ برس ظلم و فساد است دثار برگشتگان کہلاا کن کسی²

چشتیہ سلسلے کے صوفیاء کی سماع سے دلچسپی بہ مثال ہے۔ غرض کی حد تک سماع میں دلچسپی رکھتے
 تھے۔ خواجہ خدا بخش کو بھی سماع میں دلچسپی تھی اور سماع کی محفل میں صبح سے پہلے ان پر
 زور طاری ہوتا تھا۔ مہر حال مؤلفہ ہوتا تو اس لئے لیکن فرمائش کرتے کہ کسی کو گانہ بجانے کی تکلیف
 نہیں دیتے تھے "انوار حمالیہ" کے مطابق

"ہاؤد استیلائے نوری و تھن سماع گاہ کسی را تکلیف نوری و طبعی و
 صبح غریبہ" 1

"سر دلبران" میں لکھا ہے کہ قوالی کی خواہش خود نہیں کرتے تھے ہاں اگر کوئی شخص اشعار یا قوالی
 سنوانے کا آرزو مند ہوتا تو اس لئے³۔ اس طرح آپ سماع میں سہلی آواز یا لے کر حاجت مند نہ تھے
 کیونکہ سماع کے پسر بھی الحان اور سر آپ کے ذوق لطیف کا حصہ تھے۔ چنانچہ آپ دوستی کی خوشی اور
 خوشخبری کی خاطر سماع سنتے تھے اور اس میں کسی غرض بھی نہ تھی۔ یہی حالت میں نہیں دیکھا
 تھا۔ "سر دلبران" میں لکھا ہے کہ

"آنحضرت را با سماع الحاجات حاجت بود چہ یہ سماع الحاجات حاجت بود
 چہ یہ سماع الحاجات در ذوق میں بود و اکثر میں شہود برائے موافقت ہاراں و
 خوشی دوستداراں میں شہود از دیدن سکر و وجد او خلق در ہودن رسوم
 رسوم و عادات مستحب بود۔" 4

2- "انوار حمالیہ" فارسی (قلمی) از محشی نظام حسن شہید ۱۰۹، مزید تفصیل کہلئے ملاحظہ فرمائیں

"قلمی اہرار" فارسی خطی، ۴۱۱ تا ۴۱۲

3- "سر دلبران" (فارسی) از حضرت عبداللہ ملتانوی، ۲۵۹، قلمی عام پریس لاہور، ماہ صفر ۱۳۲۴ھ

4- "ابشاً" ۴

1- "الحاجات بہاولپور" ص ۱۷۷-۱۷۸

آپ کے حلیہ مبارک کے بارے میں حافظ غلام حسین بھی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے حضرت فوت
بہاء الدین زکریا کی زیارت کی تو وہ حضرت مولانا محبوب اللہ کو دیکھ لے کہ نبی شخص کے
درمیان صورت اور عقول ملور ہر مال برابر کا بھی فرق نہیں ہے۔¹

خواجہ خدا بخش خمیسر میں تقریباً 19 و 20 برس تک درس و تدریس کی خدمات سر انجام دیتے
رہے البتہ آخری برس میں صحت کی وجہ سے تمام شغل ترک ہو گئے اور زبان پر صرف لا الہ الا اللہ کا ورد
جاری رہا آخر فرہ ماہ صفر 1250²ھ میں آپ نے وفات پائی اور خیر بھر میں ہی آپ کا مزار بنا جو آج
تک مرجع خائز ہے۔ مولوی عبدالغفور اصرار لکھتے ہیں

ہائے عرس عجب منسلق آمدی	چ اس دربار صالحہ سے سعادتی
بزرگاں سازیاں دے عرس تہذیبی	مثل عرس اونیاں ہرگز نہ وسیعی
سماں ہوتا عجب مجلس وصالی	دل آندا جذبہ چ از حد خمالی۔ ³

(ترجمہ = یعنی عرس کے دن اتنے لوگ جمع ہوتے ہیں کہ اس دربار عالی مرتبت میں سما بھی نہیں سکتے۔
یہی تو تمام بزرگی کے عرس تہذیب کی طاعت ہیں لیکن ان جیسا عرس کہیں بھی نظر نہ آیا۔ اس مجلس
میں ایسا سماں ہوتا ہے کہ دل جذبات سے سلو ہو جاتا ہے۔)

خواجہ خدا بخش کے ہاں صرف ایک بیٹا پیدا ہوا تھا جو بچپن میں ہی فوت ہو گیا۔ آپ نے
کئی اولاد نہیں جھڑی۔ آپ کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں کچھ مشہور یہ ہیں۔ قاسم
محمد عبداللہ طٹائی، منشی غلام حسین شہید، مولوی عظیم بخش احمدپوری، مولوی محمد موسیٰ طٹائی،
مولوی خدا بخش طٹائی، قاسم محمد عیسیٰ خاںپوری، مولوی محمد حسین پنوار، موسیٰ شاہ احمدپوری، مولوی
نور اللہ خمیسر، مخدوم حامد شاہ گیلانی اور مولوی نور محمدی بھٹائی والے۔

1۔ اصل عبارت یہی ہے "اگر کسی زیارت حضرت فوت بہاء الدین زکریا کردہ باشد زیارت حضرت محبوب اللہ
(خواجہ خدا بخش) مشرف شود کہ فی عاہل ہر دو شخص صیرتا و حتی بقدر تار مو لبق حیات"
(گلشن ابرار قاسمی، قلمی، ص 417-418)

2۔ (1) گلشن ابرار (اردو ترجمہ) ص 332 (2) اظہارِ بہاؤپور، ص 179 — لیکن سر کمال خاں نے
اپنی کتاب "نواب مظفر خاں شہید اور اس کا عہد" ص 283 اور مولوی عبدالغفور اصرار نے اپنی کتاب
"در تعریف خواجہ خدا بخش" ص 46 پر آپ کا سن وفات 1251ھ لکھا ہے۔

3۔ سوالہ "در تعریف خواجہ خدا بخش" قلمی منظوم سرائیکی، ص 7

آپ کی مصاحف توفیقہ، تومیدیہ اور ذوقہ آپ کے خیالات کی عکاس کرتی ہیں۔ ان میں سے توفیقہ بہت عرصے پہلے چھپی تھی جو اب نایاب ہے البتہ اس کے قلمی نسخے کئی لوگوں کے پاس ہیں۔ آپ کی دوسری مصحف ذوقہ نایاب ہے، آپ کی ان کتابوں سے حقیقت و ہرکت کے اسرار، شہادت کے احکام، طریقت کے آداب اور توحید سے متعلق آپ کے خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ ان تینوں کتابوں کے قلمی نسخے خطاب امدنظامی کی ذاتی لائبریری میں موجود ہیں۔

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ حضرت خواجہ خدا بخش جب گفتگو فرماتے تھے تو اس میں طبعیت کے علاوہ ادبیات کا رنگ بھی ہوتا تھا۔ اشاری اور کتابوں میں بات کرنے سے وہ صرف بات میں حسن پیدا ہو جاتا تھا بلکہ اس میں گہرائی بھی آ جاتی تھی مثلاً ایک بار فرمایا

۱۔ "خواجهد این جس از سرو لاله خالی ماند بکے میرے یاد و دیگر فصیح آمد مراد از سرو مرشدست کہ از اوست و مراد از لاله ناشد است کہ بداع ہمارا متلاست یعنی حباب از طالبان و مطلوبان خالی نہاند۔" 1

ایک اور موقع پر فرمایا

"فاشقاں ہر جہد مشتاز محال دلبرہ و دلبران ہر عاشقان عاشق تراء" 2

حضرت خواجہ خدا بخش جب کوئی ظہنی کرتے یا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی ہدایت فرماتے تو اس کے لئے براہ راست قرآن و حدیث کے حوالے سے بات کرنے کی بجائے قصی، شعری یا حکایتی کے ذریعے بالواسطہ طور پر اظہار فرماتے تاکہ کم عقل اور جاہل لوگوں تک بات کو مآخس طہید پہنچایا جا سکے۔ یہ بھی طبعیت ہے جو مولانا روم نے اختصار کہا تھا وہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ

غیوشر آن باشد کہ سر دلبران گفتہ آید در حدیث دیگران

اس کے طفولیات میں بھی ایک کتاب کا نام بھی "سر دلبران" ہے جسے ان کے خلیفہ اول مولانا عبداللہ طناتی نے مرتب کیا۔ حضرت عبداللہ طناتی کے مطابق آپ بڑے درد مند احسان تھے۔ دوسری کے دیکھ میں دیکھ محسوس کرتے اور دوسری کو راحت میں دیکھ کر راحت پاتے تھا سارا عالم آپ کے اجزا تھے لکھا ہے

1۔ "گلشن ابرار" فارس (قلمی) ۴۴۱-۴۴۲

2۔ -- ایضاً -- ۴۴۳

".... بتقریر دیکھ کر مقرر مشد و طبع مشد گھا ہمہ عالم اجرائے
اوست ---" 1

یہ ظریف حیات وحدت الوجود کی بنیاد اور بیج ہے۔ آپ خلق عظیم کے حامل تھے اس کے باوجود کہ کوئی
شخص آپ سے بے ادبسی ہوتا یا غصہ دکھاتا آپ دوستی سے مزہ کر اس پر شفقت اور کرم فرماتے آپ ہمیشہ
یہ تلقین کرتے

"اگر مردی احسن الایمان"

یعنی اگر تو مرد ہے تو اس کے ساتھ دیکھ کر جس نے تیرے ساتھ ہرانی کیے۔²

آپ کے مرید آپ سے طبع کے لئے آتے تو آپ تعلیماً کھڑے ہو جاتے اس سے راہ کی ساری کلفتیں بھول جاتیں
مولوی عبداللہ ملتان لکھتے ہیں کہ وہ جب کہیں زیارت کے لئے حاضر خدمت ہوتے تو آپ مرمیا مرمیا فرمایا
کے یہ شعر پڑھتے

آدوں و آدعت پس خوش است دیدن رونق تو عجب دلکش است 3

ان کے اخلاق، انکساری، شفقت اور صحبت کے کتنے واقعات مولانا عبداللہ ملتان نے "سر دلیراں" میں
قلم بند کئے ہیں۔⁴

حضرت خواجہ غدا بندہ اپنی گفتگو میں موقع محل کے مطابق فارسی اشعار پڑھتے تھے کہیں کہیں
خود بھی فارسی شعر کہتے تھے۔ اس طرح اردو اور سرائیکی اشعار بھی استعمال کرتے تھے اور ان میں
صوت بھی فرماتے تھے۔ مثلاً

بیکار مائر کبھ کیا کر خوب دل عاشقان بہا کر 5

اس طرح ایک موقع پر فرمایا

1- "سر دلیراں" از مولانا عبداللہ ملتان، ص 4، میں عام پریس لاہور ماہ مئی 1324ھ
(جناب ڈاکٹر میر عبدالحق سے دستیاب ہوئی۔) اس کا اردو ترجمہ کمپش واحد بخش سال نے کیا ہے
جسے مولوی ٹاؤشیش بہاولپور نے محرم الحرام 1400ھ میں پہلی بار شائع کیا (یہ کتاب مجھے اسعظمیٰ
سے ملی۔)

2- سر دلیراں از عبداللہ ملتان، ص 17

4- ملاحظہ فرمائیے، ایضاً، ص 66

3- مولیراں از عبداللہ ملتان، ص 6

5- ایضاً، ص 9

و تقصیر وقت مضامین ہے
 خط دران دم کہ بہ برکات ہے
 نظر عبادا کہ گوید تیسرا
 غیب چہ خطی کہ ابھی ران ہے خط

ایک دفعہ بطریق استعارہ فرمایا

در کوئے دست خطا ^{خطا} کہے قصور بخار ہے
 تو بھی کمر کھڑی آغا کھسار چشم ²

پھر فرمایا

خطا از مجلس دو شک رفتی
 اسی طرح ایک موضع پر یہ پہلی کہی

۹ ویں دی لکھ لکھ ترہما کہی چوتھی دانان
 ہم لکھ بادشاہ دی ~~سندو دی~~ ~~سندو دی~~

(اس خطا جہاز است کہ مرکب از چہار چیز است آتش و برف و برف و غلظ) ^۹

ایک مرتبہ حسب حلال کی شوق رہنے ہوئے فرمایا

لکڑیاں جس لیے آؤ دم کی مفت اور سچ کہا
 یہ محراب چوب چینی ہے میں نے درد کسبو ^۵

غیر وہ خود بھی اور خود بوسنی کو غم کونے کی ظلمت کرتے ہوئے فرمایا

مٹ جھنڈی پتھر ڈھونڈ رہی
 سچ و سالی ہر کو پتھر سو جو پتھر پتی ^۵

وعدت اور کنوت کی سلفی پر فرمایا

جل بلا چلتے طار نے اوتھان کہیے کھڑکی لکھ
 صورت آپس آہی تو ہنس رہا آگہ ⁷

1- " سر دلبران " از عبد اللہ ملانی ، ص 11

2- " ایسا " -- ص 13 -- کہیں واحد ہفت سال ہے اس شعر کو بھی لکھا ہے

در کوئے دست خطا کی ہے پھر ہوا ، تو بھی کھسار کھسار (سر دلبران) (اردو ترجمہ) ص 68

3- " سر دلبران " (فارسی) از عبد اللہ ملانی ، ص 13 : 5-6-8- " سر دلبران " (فارسی) ص 14

7- " سر دلبران " (فارسی) ، ص 15

ان اشعار میں ایک طرف تو اغلاق کی تنظیم ہے دوسری طرف اردو اور سرائیکی اشعار اور اقوال کا بے دریغ استعمال یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ اپنی گفتگو میں عوام کے لئے عربی و فارسی اشعار اور عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے اردو اور سرائیکی اشعار و اقوال سے کام لیتے تھے۔ نزاکت طبع اور لطافت ذوق کی یہ حالت تھی ایک دلکش لڑکھایا کہ ابو سعید ایوانصر سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے حناؤں کے موقع پر کب سے آہٹ پڑھی حناؤں تو اعلیٰ نے کہا قرآن پڑھنا تو بڑی بات ہے یہ شعر پڑھا حناؤں

چیت محبوب تیر در حد آفتاب کار
دوست بند جو دوست یار غم یار

پھر لڑکھایا کہ میں حناؤں پر یہ شعر پڑھا حناؤں

مطالعہ آسعدہ در کوشش تیر
شہداء اللہ از حلال روئے تیر

آپ نے جو شعر لکھا ہے وہ ہے "مطالعہ آسعدہ در کوشش تیر" اور "شہداء اللہ از حلال روئے تیر"

حضرت محمد سلیمان تھوڑی

حدوستان میں چشتیہ نظامہ سلسلے کے جن بزرگوں نے ارشاد و تلقی کی بہتر بہا خدمات انجام دیں ان میں سید ملتان سے علامہ سلیمان تھوڑی کا نام قابل ذکر ہے۔ ان کا تعلق پشماںی کے قبیلہ حضرت بلوچ سے تھا۔ اس قبیلے کو ودانی (برہم - دانی) میں کہتے تھے کیونکہ یہ ودانی قبیلہ کی شاخ تھا۔ سید جعفر خلای قبیلہ کے موٹ لعلی جعفر خان تھے جو ابتداء میں مراد (کوستان شیدائی) کے مقام پر رہتے تھے۔ کوستان سلیمان کی دو باند چوٹی "تفت سلیمان" اور "پوٹ پھو" کا دیوانی خانہ "پڑ کوس" کے شمال مشرق میں درگ کا وسیع و شاداب علاقہ تھا۔ جعفر خان نے وہاں کے حدود

1۔ "سر دلبران" فارسی، ص 288، 15

2۔ (1) خاتم سلیمان "از مکتب اللہ ملتان خان بلوچ"، ص 13، مطبوعہ انستیم بیس لاہور 1325ھ

(2) مکتب المصوبین از خاتم الدین سلیمان قریبہ و تلقیوں پر مبنی اشعار احمد چشتی، ص 137،

مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، 1376ھ

حکمران گھٹ کر شکست دے کر وہاں قلعہ کر لیا۔ جعفر خاں کی تیسری نسل سے رحیم داد خاں نے جو کئی کا سپہ سالار تھا، بعد ازاں گڑگوسی پر بھی قلعہ کر لیا۔ رحیم داد خاں کی مناسبت سے اس قبیلے کا نام رندانی پڑ گیا۔ اس رحیم داد خاں کی نسل سے آئی جا کر 1183ھ/1769ء میں کوہستان "گڑگوسی" کے مقام پر خواجہ شاہ سلیمان توحیدوی پیدا ہوئے۔ آپ اپنی جائے پیدائش کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"خاکہ خود کہ در کوہ است و اسم آن گڑگوسی ست کہ مسافت آن از توشہ

می کردہ میشود۔۔۔۔۔" 3

آپ کے والد کا نام زکیا بن عبدالوہاب بن عمر خاں اور والدہ کا نام زلیخا تھا۔ آپ کا خاندانی نام "محمد سلیمان" تھا بعد میں آپ حضرت "خواجہ محمد سلیمان توشہ" کے نام سے مشہور ہوئے۔⁴ حضرت سلیمان توشہ کی ابتدائی تعلیم آپ کی والدہ⁵ محترمہ کی زیر نگرانی ہوئی کیونکہ والد بچپن میں وفات پا گئے تھے۔ چار سال کی عمر میں والدہ نے حفظ قرآن کے واسطے حافظ ملا یوسف ثانی جعفر خوانی کے پاس بھیجا سلیمان توشہ نے وہاں رہ کر پندرہ سالہ حفظ مکمل کر کے بعد میں ایک اور بزرگ حاجی صاحب سے کلام اللہ ختم کیا اور انھیں سے دو بک کتابیں فرائض و کریمہ پڑھیں۔⁶ اور اس کے بعد حاجی صاحب نے آپ کو مزید علم حاصل کرنے کے لئے توشہ (ضلع ڈیرہ غازی خان) حاجی کا حکم دیا چنانچہ آپ استاد کے حکم سے کوہ درگ سے توشہ تشریف لے گئے وہاں توشہ کے بازار میں واقع مسجد مسجد الصوف "بگی مسجد"

1- "سیرت سلیمان" از مولوی صالح محمد، ص 9-10، مطبوعہ لاہور 1835ء

2- "حیات سلیمان توشہ" (حصہ اول) از مولوی صالح محمد، ص 7، مطبوعہ چشتیہ کتاب گھر، لاہور 1956ء
خواجہ سلیمان توشہ کی صحیح تاریخ ولادت کہیں نہیں ملتی البتہ یہ ظہور ہے کہ آپ نے 84 سال کی عمر میں 1267ھ/1881ء میں وفات پائی تھی چنانچہ اس تاریخ وفات کے مطابق آپ کا سن پیدائش 1183ھ/1769ء ہوتا ہے۔ (بحوالہ مناقب الصوفیہ ص 199) حیکہ خاتم سلیمانی (حاشیہ) ص 15، سیرت سلیمان ص 15، تاریخ مشائخ چشت، ص 511، پنجاب کے صوفی دانشور ص 240 اور حدیثۃ الاولیاء ص 11، تذکرہ اکابر اہل سنت مرعہ محمد عبدالحمید شرف قادری ص 470، مطبوعہ مکتبہ قادریہ، لاہور، اس کا سن ولادت 1184ھ/1770ء اور مقدمہ توشہ ص 5 کے مطابق 1188ھ/1774ء درج ہے جو کہ تاریخ وفات کے مطابق درست نہیں ہے۔

3- بحوالہ "نافع السالکین" (فارسی) مولفہ فقیر امام الدین، ص 10، مطبع مرتضوی دہلی، 1310ھ/1892ء (جناب اسد ظاہر کی ذاتی لائبریری سے حاصل کی گئی۔)

4- بحوالہ "مناقب الصوفیہ" (اردو ترجمہ) ص 137

5- بحوالہ "مناقب الصوفیہ" سلیمانی (فارسی) قلمی نسخہ، ص 137، کاتب عبدالغنی زرقی (جناب اسد ظاہر چکمبر 114/10-10 جہانگیر کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا۔)

میں جاں بحق بنی صاحب سے فارسی کی چند کتابیں بھی تعلیم حاصل کی جس میں پیدائش حجاز اور
 گلستان و بوستان بھی شامل ہیں۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ توبہ سے باج کوس کے قاضی
 بر واقع/لاہور میں جاں بحق ہوئے۔ اس کے پاس کئی عمارتیں تھیں جن میں آپ نے فارسی و رسالت کی تعلیم حاصل
 کی پھر عیسائی تعلیم حاصل کرنے کی جستجو ہوئی تو کوٹ مٹھن تشریف لے گئے جہاں قاضی محمد قاضی نے
 علوم عربیہ اسلامیہ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم قائم کیا تھا ان دنوں اس مدرسے کے مندر مدرس قاضی
 احمد علی تھے۔ خواجہ سلیمان توحیدی نے کوٹ مٹھن میں وہ کئی اس مدرسے سے درسی کتابیں پڑھیں جس میں
 منطق کی کتاب فطہ بھی شامل تھی۔ علامہ ڈاکٹر غلام احمد نظامی نے لکھا ہے کہ

"در ساری حال در کوٹ مٹھن بہ مدرسہ قاضی محمد قاضی صاحب بہ تحصیل

علم کتب دروسہ توحید میں فرمودہ " 2

اسی دوران میں جبکہ آپ وہاں تعلیم حاصل کر رہے تھے ایک مرتبہ خواجہ نور محمد مہاروی اچ کے مقام
 پر تشریف لائے تو کوٹ مٹھن سے قاضی محمد قاضی اور ان کے فرزند قاضی احمد علی مدرسے کے طالب علمی
 اور علمی کو ساند لے کر خواجہ نور محمد مہاروی صاحب کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے خواجہ سلیمان
 توحیدی بھی ہمراہ تھے واصل وہ "خواجہ مہاروی سے مسئلہ سہ اح پر بحث کرنا چاہتے تھے تاکہ اسے غیر
 اسلامی ثابت کیا جائے لیکن جب خواجہ کے حضور پہنچے تو کہایا میں ملت کلتی۔ کڑھاتے لئے اہر مرید ہوں
 کی دروغی کی 3۔" جسے خواجہ مہاروی صاحب نے قبول فرمایا اور بحث لینے کے بعد سلیمان توحیدی سے
 کہا کہ

"ان جاں بہر جا کہ علم یقیناں ہو بہر جاں

اے جاں جس جگہ علم پڑھ رہے ہو، وہیں جا کر مزید علم حاصل کرو" 4

گیا حضرت قلم عالم نور محمد مہاروی نے اس شہناز کو اپنے دام سے نکال کر لیا۔ 5۔ اس وقت سلیمان توحیدی

1- (1) مذاہب الصوبی (ترجمہ) ص 140 (2) غلام سلیمان ص 25، 26 (3) حیات سلیمان توحیدی (حصہ اول) ص 2

2- "مناجیہ چشت" ص 513

3- "پہلیاب نے صوبی راضیہ" از قاضی جاوید ص 241، مطبوعہ شمع فطیم علی ایڈٹ، مطبعہ اول 1979ء

4- "بہر حال" خواجہ محمد سلیمان توحیدی اور اشرف غلام "تحقیق و تصدیق" ڈاکٹر محمد حسن لکھنوی ص 127
 مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، سہ اشاعت 1979ء

5- بحوالہ کتاب "مذاہب سلیمان" (فارسی) اعلیٰ صفحہ، ص 4، کتاب خدا پیش زہی

کی عمر صرف پندرہ برس تھی۔ خواجہ مباروی کے حکم سے سلیمان تونسوی کوٹ مٹھی تشریف لائے لیکن مرشد کے عشق نے جس کو دیا اور آپ دوبارہ مبار تشریف لے گئے۔ جہاں خواجہ نور محمد کا قیام تھا۔ مگر خواجہ مباروی نے آپ کو واپس بلھوا دیا کہ مزید علم حاصل کریں چنانچہ آپ دوبارہ کوٹ مٹھی تشریف لے آئے اور مزید علم حاصل کرنے کے بعد نور محمد مباروی کے مرشد خواجہ فخر الدین دہلوی کی زیارت کے لئے جمادی الثانی 1100ھ/1784ء میں دہلی روانہ ہوئے۔¹ اچانک، بیکانیر اور اجمیر کے راستے سے دہلی پہنچے لیکن آپ کے دہلی پہنچنے سے دو روز قبل خواجہ فخر الدین وفات پا چکے تھے۔ چالیس دن تک ان کے مزار پر محنت و محنت کے بعد آپ نے خواجہ نظام الدین اولیاء، حضرت خواجہ قطب الدین مختار رحمۃ اللہ علیہ اوش، حضرت خواجہ صبر الدین محمود چراغ دہلوی، شیخ کمال الدین، امیر خسرو اور شاہ کلیم اللہ دہلوی کے مزارات پر بھی اعتکاف کیا۔ پھر بیکانیر و بھٹنڈہ سے فرخ شہر اور مختلف مقامات سے گزرتے ہوئے رمضان 1199ھ میں مبار شریف پہنچے۔² مبار شریف میں آپ کا قیام حافظ خدا بخش مبار کی مسجد میں تھا۔ آپ یہاں سے اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے جہاں نے چشتیہ روایات کے مطابق درویشی کے درجے تک پہنچانے کے لئے آپ کو ریاضت و معاہد اور ذکر و فکر کی طبعی کی حاجت نجم الدین سلیمان کے مطابق "آپ رات دن ذکر و پاس افلاس اور وقوف قلبی میں مصروف رہتے تھے۔ رات کو ذکر جہر بلند آواز سے کرتے۔ آپ کا زیادہ تر وقت مسجد میں گزرتا۔ صرت کچھری کے وقت زیارت اور سجد کے لئے حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں جاتے۔ آپ نے سلوک کی کتابیں مثلاً "آداب الطالبین"، "فوائد"، "لوائح"، "فتوح" کلیں کاملہ قصوں الحکم وغیرہ اپنے بعد مرشد سے پڑھیں۔ حضرت قبلہ عالم نے آپ پر خاص توجہ فرمائی چنانچہ کہیں کہیں حضرت قبلہ عالم خود یہ نظر میں خدا بخش مبار کی مسجد میں آپ کو طے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔" 3

یہاں صرف باطنی و روحانی ریاضت پر ہی زور نہیں دیا گیا بلکہ خواجہ نور محمد مباروی نے اپنے لکھنے کے معظّم غلام رسول کو حکم دیا کہ محمد سلیمان کو کھانا کم دیا جائے اور سردی کا بستر ہی ضروری ہو۔

1۔ "مناقب الصبیحین" (ترجمہ) ص 144 کے مطابق ۔۔۔ "قبلہ عالم اپنے وطن مبار شریف کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت نور زماں کو لپٹا کہ آپ یہاں سے دہلی جائیں اور حضرت مولانا فخر الدین صاحب کی ملاقات و زیارت کے بعد میں پاس مبار شریف آئیں۔"

2۔ بحوالہ "خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء" از ڈاکٹر محمد حسین للہی ص 128

3۔ بحوالہ "مناقب الصبیحین" (ترجمہ) ص 148

تاکہ خواب غفلت کا شکار ہو کر اصل مقصد سے غافل نہ ہو جائیں۔ خواجہ مباروی نے محمد سلیمان کی تعظیم و تہنیت کا خصوصی خیال رکھا آپ دوسرے مرتبہ کی صحبت ان پر زیادہ توجہ کرتے تھے۔ اس لئے اکثر ان کی خبر گیری کے لئے شریف لے آتے۔ ایک مرتبہ خواجہ مباروی شریف لائے تو خواجہ سلیمان "دیوان حافظ" میں سے کچھ اشعار غزل الحاق سے پڑھ رہے تھے مرشد کے سوال پر کہ کیا پڑھ رہے ہیں؟ عرض کیا "اشعار دیوان حافظ" انہی نے فرمایا کہ ہمیں بھی سناؤ " اس پر خواجہ سلیمان نے یہ شعر پڑھا

کمال صحبت مشاطہ شاید کہ یوں زشت را زیبا نماید

یہ سن کر خواجہ مباروی غول ہوئے اور خود بھی یہ شعر پڑھا

نکو کہ پیر شدی زوی عاشقہ نعاد شراب کہنتہ ما مستی دگر دارد۔ ۱۔

تقریباً ۲۰ سال تک آپ نور محمد مباروی کی صحبت میں رہ کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہے اور روحانی کمالات حاصل کئے، خاتم سلیمانی کے مطابق

"خواجہ صاحب نے آداب الطالبین، فقرات، لوائح، عشرہ کاملہ، فیوض الحکم وغیرہ سلوک و تصوف کی کتابیں سب اپنے پیروں سے ہی پڑھیں۔" ۲

ان چار سالوں میں صرف تین مرتبہ آپ اپنی والدہ کو ملنے ٹکڑیوں گئے لیکن مرشد کے مشق میں یہ قرار ہو کر فوراً واپس چلے آئے۔ ان کی والدہ اپنے بیٹے کی خدائی میں بہت پریشان رہا کرتی تھیں مقتضب ملاحظہ شریف فارسی (قلی) کے مطابق ان کی والدہ فرمایا کرتی تھیں کہ

"پرویزد برا کسی ظہر مباراں والا چنان سحر کردہ کہ نزد او مضبوط شدہ می ماند"

بلکہ ایک بار انہی نے ایک شخص کے ذریعے حضرت نور محمد مباروی کو پیغام بھجوایا کہ

"اے مبارا ظہرا! ہر مہر میں ظان غام مجھ کہ از مدتی جدا شدہ باطرف ست و سابق ازین برا خیون مجھ حالی غلوم شد کہ نزد شما است و من از فراق

۱۔ بحوالہ "خاتم سلیمانی" از مولوی اللہ بخش خان بلوچ، ص ۱۴۵

۲۔ بحوالہ "مقتضب ملاحظہ شریف فارسی (قلی) مرتبہ خواجہ بارمحمد بن تاج محمود چشتی پاکستانی ص ۴۲ (ملکیہ اندک نظامی، مہیاخان) اس کتاب کی ایک نقل لیکن جو کس دوسرے کتاب احمد الدین کی تصنیف ہوئی جناب ڈاکٹر طاہر توحیدی سے دستیاب ہوئی ہے۔ یہ قلمی نسخہ (فارسی) ۱۶ محرم ۱۳۱۶ھ کو مکمل ہوا۔ اس طرح ایک نسخہ قلمی جناب ڈاکٹر میر عبدالعزیز کے پاس بھی ہے، اس کا کتاب حیاں قلام محمد ہے۔ (یہ تصنیف

او گذار می شوم بنام خدا عز و جل پسر مرا از خود رخصت داده باین
طرف بفرستد "

حضرت نور محمد مباروی نے حضرت سلیمان توشوی کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ
" حافظ! حق والدہ بیمار است ہر ملاقات کردہ بہائد "

اس پر حضرت سلیمان توشوی دو چار روز خاموش رہے آخر ایک دن حضرت مباروی نے پھر طلب کیا اور
سکراتے ہوئے پوچھا کہ

" اے حافظ! بڑے رفتی ہوئے خود دل میں خواہد ؟ "

حضرت سلیمان توشوی نے دست بستہ یہ شعر پڑھا

ز آسودگی منزل الطاف تو حاض
فوت زندگان را شود صد وطن ها حاض

آخری سورت مجب آپ ، اپنی والدہ کو ملنے شہید لے گئے تو اس وقت خواجہ نور محمد مباروی مرض الموت میں
مثلاً تھے۔ تمام علاج عالمی بیکار ہو چکے تھے۔ اس موقع پر آپ بار بار خواجہ سلیمان کو روہیلے کے نام سے
یاد کرتے رہے۔ آپ نے صاحبزادے نور احمد اور حافظ جمال ملتان سے اپنی خدمات بہنہیں کہ وہ جا کر
آپ کو لے آئیں جس لیکن خواجہ مباروی نے منع فرمایا دیا۔ آخر یکم ذی الحجہ کو خواجہ سلیمان خود ہی
پر قرار ہو کر شہید لے آئے۔ خواجہ نور محمد نے آپ کو اپنے پاس بلایا اور یکم ذی الحجہ سے دو ذی الحجہ
1205ھ کی تاریخ صحت تک سامنے بٹھائے رکھا اس کے بعد فرمایا

" ای ظاہر الحجۃ میراں جدائی تو دل میں خواہد لیکن بحسب آئیں پیران کثاں
جی خواجہ میں الدین از خواجہ عثمان و خواجہ قطب الدین از خواجہ عین
الدین و خواجہ فہم الدین از خواجہ قطب الدین و خواجہ نظام الدین از خواجہ
فرید الدین تا آخر ہن قلہ عالم (خواجہ نور محمد) از مولانا صاحب (خواجہ
فہر الدین) رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بہشتی از رجال رخصت شدہ ، ایں قرار
ما غز شمارا از خود رخصت شایم ، و الحجۃ تو خواجہ و ظہیر ^{پاک} آئیں ہستی مگر
آئیدہ از ما بفرمان آئیں ، و عالمہ رسول اللہ و اصحاب و پیران خواجگان چشتیہ
و قادریہ و سیوریہ و غلبہ و شطاریہ وغیرہ تمامی سلاسل بتوہم رسیدہ "

اشاد اللہ تعالیٰ دعا بحصول آن مقبول الحق و منظور الرسول گشتید و
خواہد ماند " ۱

(ترجمہ: اے سلیمان! اگرچہ تمہاری جدائی کو دل نہیں چاہتا لیکن بزرگان سلسلہ کے
مطابق کہ جسے خواجہ حسین الدین، خواجہ نشان عاریض سے اور خواجہ قطب
الدین، خواجہ حسین الدین سے اور خواجہ فرید الدین خواجہ قطب الدین سے
اور خواجہ نظام الدین خواجہ فرید الدین سے اور آخر تک یعنی خواجہ نور محمد
خواجہ فخر الدین سے ان کے حال سے پہلے رخصت ہوئے۔ اسی طریقہ سے
ہم (اپنی وفات/پہلی) تم کو رخصت کرتے ہیں اور اگرچہ تم حق تعالیٰ کے
ظلم یافتہ اور ہرگزیدہ ہو لیکن ہماری طرف سے جو فرمان الہی اور حاکم
رسول اللہ و اصحاب رسول اللہ کے مطابق تمام سلسلے کے بزرگوں یعنی خواجگان
چشتیہ و قادریہ و سہروردیہ و قاسمیہ و شکاریہ کا فیصلہ تم کو پہنچا ہے۔
اشاد اللہ اس کے حصول کے بعد تم خدا اور رسول کے منظور نظر ہو گئے ہو
اور ہمیشہ منظور نظر خدا و رسول رہو گے۔)

اس طرح انھی نے آپ کو خلافت سے سرباز فرمایا اس کے بعد چند صیحتیں ارشاد فرمائیں اور
توضیح شریف میں اتمام کی عداوت فرمائی۔ خلافت کے وقت خواجہ سلیمان کی عمر تقریباً اکیس سال کی
تھی۔ تین دن الحد 1205ھ کو خواجہ نور محمد سہاروی نے وفات پائی۔ خواجہ سلیمان نو ماہ تک موہد
کے مزار پر حاضری رہے۔ 2۔ پھر گاہنچے وطن گزریں چلے آئے۔ یہاں سے اکثر صبار شہوت جانتے رہے۔ اسی
دوران میں آپ نے والدہ کے اصرار پر اپنے خاندان میں صرخاں جعفر خانی کی بیٹی سے شادی کی۔ 3۔
1214ھ میں آپ طبع ڈیرہ غازی خان کے علاقہ توضع میں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ جہاں
آپ نے آخری دم تک زندگی گزاری آپ کی نسبت سے یہ علاقہ "توضع شریف" کہلایا۔ 4
مستقل ہوئے تو یہاں کی آبادی مشکل سو گھروں پر مشتمل تھی۔ اہلکار میں سرکاری کی جھوٹری بنا کر

- 1۔ بحوالہ "حکوت خواجہ محمد سلیمان توضع اور ان کے خلفاء از محمد حسین للہی" ص 134، 135
- 2۔ حوالہ کیلئے دیکھئے "گلشن ابرار اردو تجمہ حدیثۃ الاسرار" از خواجہ امام بخش، مترجم صالح محمد،
ص 225، مطبوعہ صدیقہ پور، طاب۔
- 3۔ بحوالہ "خانم سلطانی" ص 64
- 4۔ بحوالہ "ذکر حبیب" از محمد الدین، ص 282، مطبوعہ لاہور 1342ھ

وہیں رہنے اور عبادت کرنے لگی۔ رفتہ رفتہ اس طائفے کی صورت حال بدلتے لگی۔ آپ نے آہستہ آہستہ طالبان علم دور دور سے یہاں آ کر آباد ہونے لگے تو آپ کی رہائش کے ارد گرد والی زمیں بھی آباد ہونے لگی اور اس میں شیخی صائیں کا اضافہ ہونے لگا۔ حجم الدین سلیمان نے لکھا ہے کہ

”آپ کی والدہ محترمہ، حمیرہ محترمہ اور زونہ محترمہ تونہ شہت آ گئے تو آپ نے سب سے پہلے اپنے دوست خانہ کے لئے ایک کمرہ، ایک دالان اور چابی طرف بڑی دیوار کا احاطہ تعمیر کرایا اور ساتھ میں اپنے لئے ایک حجرہ عبادت قرار کی مجلس کے لئے ایک دالان اور باجماعت نماز کے لئے پندر چھت کی مسجد تعمیر کرائی۔ بعد ازاں ایک بنگلہ حضرت صاحبزادہ گل محمد کی شادی کے وقت تعمیر کیا گیا پھر مدت بعد ایک اصطبل عیسائی کے گھوڑوں کے لئے تیار کرایا، جس میں ایک دو گھوڑوں، لکڑی بھی تھی کچھ عرصہ بعد خلیفہ محمد ہارن نے تین حصوں اور ایک دالان لکڑی خانے کے لئے تعمیر کرائے مزید کچھ عرصہ بعد مرغوردار چاکی نے سادہ شی سے چھت والی مسجد تعمیر کرائی پھر بہت مدت کے بعد خواب بہاول خان نے اس کچی مسجد کی جگہ بختہ مسجد تعمیر کرائی شروع کی۔۔۔“ 1

یہ تبدیلی تو صرف اس جگہ کی تھی جہاں آپ کا قیام تھا۔ اس جگہ نے خانقاہ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ جب تونہ شہت کی آمادی برقی حق در حق مہدیں اور طالبان علم نے آنا شروع کیا تو خواجہ سلیمان تھوڑے سے مشائخ چشت کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اس مقصد کے لئے آپ نے اپنی خانقاہ کے ساتھ دینی مدرسہ قائم کیا۔ اس دور میں سلطان خمجاہ میاں، عاشق اقتصادی اور ثقافتی طور پر ہمساحہ زندگی گزار رہے تھے اور ایسے موقع پر ضرورت اس بات کی تھی کہ ایسی دینی مدارس قائم کئے جائیں جہاں اسلامی روح اور اسلامی ثقافت کو برقرار رکھنے اور مسلمانوں کے مزید زوال کو روکنے کے لئے اسلامی علوم کا احیاء کیا جائے چنانچہ اس مقصد کے لئے ہندوستان کے کئی شہروں میں ایسی درسگاہیں قائم ہو چکی تھیں۔ تونہ شہت میں یہ خدمت خواجہ سلیمان تھوڑے سے انجام دیں۔ (اکثر محققین جسے لکھی کے مطابق

”خواجہ محمد سلیمان تھوڑے سے تونہ شہت میں ایک بڑی درسگاہ قائم کی

جس میں سینکڑی ہزاروں لوگوں نے علم دینی حاصل کر کے جگہ جگہ تبلیغ و اشاعت اسلام کی۔ توحہ کا فیر شہوت اور علم و معرفت سے مبرور علاقہ علم و عرفان کا مرکز بن گیا وہاں تک کہ اس نور علم و معرفت کی کرنیں سابق فہریں پاکستان سے باہر کے دور دراز علاقوں میں پھیل گئیں۔ " 1

سلیمان توحہ نے توحہ میں کئی مدارس قائم کئے جن کے سرپرست وہ خود تھے ان مدرسوں کے لئے آپ نے اپنے علماء اور اساتذہ رکھے جو طالبان علم کی پیاس بجھاتے تھے مجموعی طور پر ان مدرسوں میں پچاس استاد تھے جو مختلف علوم کی تدریس پر مامور تھے۔ ان مدارس میں مفت تعلیم کے ساتھ ساتھ کھانے پہنچنے کی چیزیں کپڑے اور کتابیں بھی مفت فراہم کی جاتی تھیں۔ سقوبہ سلیمانی میں لکھا ہے کہ "چندین از علما نامدار و از فضلا زوی القادریہ کے دستگیر از حاشیہ شیمان بساط فہم ساطعہ، ارشاد فہم رشاد حضرت خواجہ بہ تعلیم علوم شریفہ و فنی لطیفہ آیت، پس صدها طالب علم بہ خاص توحہ شریف زہر دامن عاطفت حضرت آیدہ و از حوائج خود غار الہال بودہ تحصیل مطالب اوجہ و اکتساب آثار دلیلی ضابطہ، زیرا کہ کتب تحصیل از آنحضرت خواجہ مطا شدہ امد و برای طالب علمان روضی تلح بہت مطالعہ کتب طر است" 2

خواجہ سلیمان توحہ کے مدرسے کے ارد گرد ان علماء کے مکانات تھے جو مدرسے میں درس دیا کرتے تھے اور یہ مکان ان کے نام سے موسوم تھے ان مکانی کی حیثیت بھی ایک لحاظ سے چھوٹے چھوٹے مدرسوں کی تھی جو کہ سلیمان توحہ کے مدرسے سے وابستہ تھے یہ اس مدرسے کے الگ الگ حلقے کہلاتے تھے جہاں مختلف علوم کا درس دیا جاتا تھا۔ ان کے بارے میں کچھ تفصیل مٹراچی - ایف فارسی، ڈسٹرکٹ جج ملتان نے اپنے ایک مقدمے کے فیصلے میں درج ہے جو کہ خواجہ حامد اور خواجہ محمود کے درمیان تھا۔ مٹراچی سائٹ فارسی نے اپنے ایک فیصلے میں خواجہ سلیمان توحہ کے مدرسے کے بارے میں لکھا ہے کہ

"اھمى نے (یعنی خواجہ محمد سلیمان) انفراس مذہبى کے لئے مدارس جاری کئے اور وہ لوگ جو زیارت کے لئے اور مہرہ پہننے کے لئے آتے تھے ان کو مذہبى تعلیم دیتے تھے اور ان کے لئے سہولتیں مہیا کرتے تھے۔ یہ تمام کارروائی زیر نظر شاہ

1- بحوالہ "خواجہ محمد سلیمان توحہ اور ان کے خلفاء" از ڈاکٹر محمد حسن لہس، ص 990

2- بحوالہ "مناقب سلیمانی" (فارسی) از غلام محمد خان بہاؤ، ص 34 مطبوعہ مطبع احمدی دہلی ص 288

محمد سلیمان صاحب ہوئی تھی۔ امداد کنندگان ان کے خلفاء تھے۔۔۔۔۔ بڑے
 بڑے خلفاء کے نام سے اب تک وہ مکانات جو مسجد کے ارد گرد ہیں موسوم
 ہیں گو اصلی مکانات سب شہید ہو چکے ہیں۔ احمد یہ بیان کرتا ہے کہ
 خواجہ اللہ بخش صاحب کے مکانات بنانے سے پہلے یہ زمیں خالی تھی اور
 وہاں لکڑی کی چمکیاں (چھوڑیاں) تھیں۔ مکھڑی ہنگلہ، محمد علی شاہ کا
 ہنگلہ اور ہزار بہت سے نامی سے مکانات نامزد ہیں مثلاً مدرسہ مولوی
 محمد عمر، مولوی احمد صاحب کا ہنگلہ، مدرسہ مولوی الہی بخش یہ تمام
 صاحب خواجہ سلیمان صاحب کے خلفاء تھے۔۔۔۔۔ پھر ملاحظہ ہو بیان نور
 محمد کا وہ یہ کہتا ہے کہ میرا دادا یہاں آیا اور پندرہ سال خواجہ محمد
 سلیمان صاحب اور پندرہ سال خواجہ اللہ بخش صاحب کی خدمت کرتا رہا۔
 اس کو مولوی شیخ احمد کہتے تھے اس کا ایک مدرسہ تھا اس نے مجھے بتایا
 کہ خواجہ محمد سلیمان صاحب کے زمانہ میں بیچاس استاد⁵⁰ تھے۔ ان کے مکانات
 تھے خواجہ صاحب کے لنگر سے ان کو کھانا ملتا تھا۔⁵¹

خواجہ سلیمان کے ایک غلیفہ خواجہ شمس الدین سیالوی، جعفری نے اس مدرسے میں آپ سے صورت

کا درس لیا تھا، لکھتے ہیں کہ

”بہت وسعت قضا کا دل در توجہ شریف مدرسہ مکرمہ و بہت زیادہ x
 سبق نزدیک خواجہ مشہور دیگر علمائے نامدار از طرق مشرق و مغرب و جنوب و
 شمال بیشتر من آدمہ اشخاص فرمود کہ توحید مثل لواط و لغات دھندہ داشتہ
 بحضور حضرت حاضر شدی چو نظر مبارک ہمیں افتادی باشارہ دست مبارک
 فرمود خواجہ سبق تعظیم صوبے و اکثر اوقات در باب خواجہ سبق سعی بلیغ
 فرمود۔۔۔“

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ

”... بعد ازاں چند کتب توحید مثل لواط، مولوی جامی و لغات لغزالدین

- 1۔ بحوالہ ”ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوبند“ ایچ۔ ایم۔ فاروق ڈسٹرکٹ جج ملتان، ص 11، 12، صفحہ نمبر 109
- 1911ء خواجہ حامد و محمود، طبوہ، یونیورسٹی برکٹ وکس لدھیانہ 1913ء
- 2۔ مرآۃ الطالبین (فارسی) از شمس الحق سیالوی، ص 48، طبوہ، حقیقی ناشر 1302ھ/1885ء، اس کتاب کا ترجمہ صاحبزادہ غلام نظام الدین نے کیا ہے جو کہ اسلامک بک فاؤنڈیشن سے 1981ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اس عبارت کا ترجمہ ص 69 پر ہے۔

مراقی و شرح لغات مولوی جامع و سوانح السہیل و مشکول و مرقعہ شریف میں
تصحیحات خواجہ کلم اللہ جہاں آبادی در قریہ سواتیہ شریف بلخجات
حضرت خواجہ توسی رضی اللہ عنہ خواجہ 1

خواجہ سلیمان توسی کے قائم کردہ مدارس میں صرف تعلیم ہی نہیں دی جاتی تھی بلکہ تربیت کا بھی
خاص انتظام تھا کیونکہ خواجہ صاحب تعلیم کے/ساعت تربیت اور ہدایت کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔
ملفوظ شریف فارسی فلسفی میں علم کے بارے میں ان کا یہ فرمان درج ہے کہ
".... علم نیز بہ ہدایت صیگو چیز ست و اگر ہدایت همراه نہ باشد خود
علم سبب و مال ... خود - " 2

پھر آگے لکھا ہے کہ علم کی مثال ایک تلوار کی ہے جس کے حاصد میں یہ تلوار ہواہ اس کا دل جگہ پر
ہو اور دشمن سے بد دل نہ ہو وہ دشمن کا سر کاٹ لے گا لیکن اگر دل حاصد سے نہ رہے اور بشوولی
قالب آ جائے پھر اس کا دشمن اسی کی تلوار سے اس کا سر کاٹ لے گا لکھا علم کا تعلق تربیت اور دل
سے ہے۔ 3۔ ملانا روم کا شعر ہے

علم را بہر تن زنی مانی بود

علم را بہر دل زنی مانی بود

آپ اپنے مہدی اور ظلیہ کو بار بار علم حاصل کرنے کی ہدایت فرماتے اور اس سلسلے میں تامل نہ کرنے
کی نصیحت کرتے۔ ملفوظ شریف کے مطابق

".... روز و شب مدکان را از حضور انور اس تاکید صادر می شود کہ

در خواہد علم و در مطالعہ آن بیچ تامل سازند۔" 4

1۔ مرآۃ العائشین (فارسی) ، ص 46 اردو ترجمے میں یہ ص 67 پر ہے۔

2۔ بحوالہ 17) منتخب ملفوظ شریف فارسی (فلسفی) مرتبہ یار محمدی تاج محمد جشتی ، ص 118

(2) میں عبارت ڈاکٹر طاہر توسی والے صفحے میں ص 362 پر درج ہے۔

3۔ (1) ایضاً ، ص 118

(2) ایضاً ، ص 363

4۔ بحوالہ (!) منتخب ملفوظ شریف فارسی (فلسفی) مرتبہ یار محمدی تاج محمد جشتی ، ص 119 (2) اس کتاب کے
ڈاکٹر طاہر توسی والے فارسی فلسفی صفحے میں بھی عبارت ص 366 پر درج ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہاں آنے والے طلبہ کی تہذیب، علمی، اخلاقی اور عاشقی ہر طرح سے تربیت کی حاتی تاکہ یہ لوگ اپنے عمل اور اخلاق سے دوسری کو متاثر کریں کیونکہ اسی مدارس کے تربیت یافتہ لوگ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے مختلف حصوں میں جا کر سلطانی کے علم و اخلاق کی تربیت کرتے جس طرح بہادر الدین زکریا کے مدرسے میں طالب علمی کی ذہنی، اخلاقی اور تنظیمی تربیت پر زور دیا جاتا تھا بالکل اسی طرح سلیمان توسوی کے مدارس میں بھی ان باتوں کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور اس کے لئے سب سے پہلے ان علماء اور اساتذہ کا کردار ان کے سامنے مثالی نمونہ ہوتا جو ان کو تربیت دیتے تھے۔ ان مدارس میں طالب علمی کی تنظیم و تربیت کے لئے یہ تمام علوم سکھائے جاتے جس کی ضرورت انہیں دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی بھی موقع پر پڑنی آ سکتی تھی۔ ان علوم کے صاحب زمانہ کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر وضع کئے جاتے تھے۔ اسی لئے آپ کی غائیاں اور مدارس 'برصغیر پاک و ہند' کے صوفیاء کی غائیاں کے طالب میں امتیاز جہت رکھتے تھے۔ یہاں ظاہری و باطنی ہر طرح کی تربیت کا خیال رکھا جاتا۔ اس علمی تعلیم میں پیشہ وارانہ (Vocational Training) تربیت بھی شامل تھی مثلاً لکڑی کا کام سکھایا جاتا تھا جس میں رمل اور کنگیاں بنانا شامل تھا۔ سورہ ڈالنے کی مثالیاں بنانے کا کام بھی سکھایا جاتا تھا۔ مایہ باقی اور طب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ چنانچہ اس علمی اور علمی تربیت کی خاطر دور دور سے لوگ یہاں تشریف حاصل کرتے کرتے آتے۔ فیض اللہ خان قصوی خواجہ سلیمان کے مدرسے کی مصلحت اور علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"جب حضرت خواجہ محمد سلیمان توسوی سے علم شروع کیا تو توسوی توسوی شریعت"

کہلانے لگا اور آبادی اس جگہ رفتہ رفتہ بڑھنے شروع ہوئی دور دراز سے لوگ

ہجوم در ہجوم حاضر محضر خواجہ شاہ سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہونے

لگے۔ پنجاب، ہندوستان، بلوچستان، کشمیر، قندھار، عرب، فارس، افغانستان، مجمع

اطراف/لوگوں کا ورد ہونے لگا۔ عربی، فارسی، حدیث، تفسیر، فقہ، سائنس

(قدیم، فلسفہ اور جدید وغیرہ کی تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر دی جانے لگی مشہور و

- 1۔ تذکرہ اکابر اہل سنت، ص 472 میں لکھا ہے کہ "آپ کے روحانی فیض سے صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ کابل، ایران، لکھا، عدن اور ترکیستان کے تمام و خواص مستفید ہوئے۔"۔۔۔ اسی طرح مراد العاشق ص 113 کے مطابق "بلخ، بخارا، ایران، عراق، ہند، سندھ اور حرمین شریفین کے لوگ اپنے استعداد کے مطابق ان سے مستفید ہوئے۔"

حروف علماء دور دراز سے آ کر اس جگہ مقیم ہوئے اور بڑی بھاری دیکھا
توضیح میں قائم ہو گئی ہر دو تعلیم ظاہری و باطنی دی جاتی تھی۔
حسرت خواجہ شاہ سلیمان صاحب نہایت سادہ اور پاکیزہ زندگی بسر فرمایا
کرتے تھے، اور ان کے دیہار زر و تار میں آمد و قد ہر دو کے ساتھ یکساں
سلوک برتا جاتا تھا۔ آپ شریعت کے عامل اور احکام محمدی کے پابند تھے۔ " 1

خواجہ سلیمان توحسوی خود بھی طالب علمی کو درس دے کر رہا کرتے تھے۔ خواجہ صاحب کو تمام علوم پر کامل
دسترس حاصل تھی اس کی وجہ وقت مطالعہ تھی خلیفہ نظامی کے مطابق

" شاہ صف سلیمان صاحب کا مطالعہ نہایت وسیع اور نظر بہت گہری تھی،
قرآن، حدیث اور فقہ پر ان کو پورا عبور تھا۔ ملفوظات میں جگہ جگہ آیات
قرآنی اور احادیث صوفی نقل کرتے ہیں۔ تصوف کی اعلیٰ کتابوں کا مطالعہ نہایت
بالغ نظری سے کیا تھا۔ حواری الحارث اور فتوحات مکیہ دو زبان پر تھے اور
تصحیح سبزواری اور امام اکبر کے مثنوی خیالات پر کائنات اور فکر کیا تھا۔
حدیث و فقہ پر عبور کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مسئلہ آپ سے دریافت کیا
جاتا تو بہرستہ استاد حل کر دیتے۔ " 2

حواری الحارث اور فتوحات مکیہ کے علاوہ بھی کئی کتابیں آپ کے درس میں شامل رہیں نجم الدین سلجانی نے
ان کتابوں کے نام بتائے ہیں ان کے مطابق

" مختلف درجہ اور طلبہ درج ذیل کتب میں سے کوئی کتاب آپ سے پڑھتے،
آداب الطالبین، فقرات، لوائح، عشرہ کاملہ، تصور الحکم، عقد لصوص اجماع
العلوم، فوائد الفوائد، سواد السبیل، ذکر تصنیف، فتوحات مکیہ، ضحیات الدائم " 3

خواجہ سلیمان توحسوی کے مدارس میں زائلیں، طالبین، علماء اور طلباء کی بڑی تعداد ہر وقت موجود رہتی
تھی جن کی رہائش و طعام کا بندوبست آپ نے کر رکھا تھا۔ اگرچہ آپ کی باقاعدہ آمدنی کا کوئی ذریعہ
نہیں تھا لیکن جو کچھ بھی ان کو حاصل ہوتا آپ اسے فوراً خرچ کر دیتے " المنتخب ملفوظ شریف فارسی

1۔ بحوالہ " مقدمہ توضیح شریف " از لیلۃ الخاء قصوری، ص 6، مطبوعہ لاہور 1927ء

2۔ بحوالہ " مشافعیہ چشت " از خلیفہ احمد نظامی، ص 623

3۔ بحوالہ " مناقب المصوبین " (ترجمہ) ص 160

(قصی) کے مطابق ایک دفعہ ایک شخص حافظہ دور احمد افغان نے حضرت خواجہ سلیمان توسوی کی خدمت میں بارہ ہزار روپے پیش کئے بعد از ضرب کا وقت تھا فرمایا یہ روپے فی الحال ہاں شخص کے پاس رکھے رہیں کل اس رقم کو غلام اور علماء میں تقسیم کرنے کی تدبیر کی جائے گی۔ چنانچہ دوسرے روز غلام اشراف اور وظائف وغیرہ سے فارغ ہو کر رقم دوات اور کفیلہ لے کر بیٹھے اور سب رقم علماء، ملازمین اور ملائی میں بانٹ دی اور خود اپنے لشکر کے لئے بھی کچھ نہ رکھا۔ بعد میں فرمایا کہ اس پالا کے بیج سے ساری رات نہ تو سو سکے اور نہ آرام و قرار حاصل کر سکے۔ آپ جس جگہ بھی رہے آپ کا یہی طریقہ رہا آپ نے لشکر خانے کے مختلف حصے بنا رکھے تھے اور وہاں ہر کام کے لئے الگ سے آدمی مقرر تھا۔ ہر کوئی اپنا اپنا کام سر انجام دیتا۔ نجم الدین سلیمانی آپ کے لشکر خانے کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"جب تونہ شریف میں مستقل رہائش اختیار کی اور ولایت سلیمانی کا شہرہ اطراف مالم میں پھیلا اور طالبان حق افغانستان، حدودستان، عرب، عجم، روم، اور شام سے فوج در فوج آتے شروع ہوئے تو آپ نے یہاں لشکر کے نظام کی از سر نو باقاعدہ تشکیل فرمائی۔ پہلا نام کا حدود ہلال تھا۔ اسے اپنے لشکر کا صوبہ مقرر کیا۔ قرا کے امور کے لئے اجراء بیواہ کا کام میں علی محمد ہوتا جس کے سپرد فرمایا اور مستطی حساب میں ہونیوار چاکی کو مکمل سرکار اور تدبیر صلاح کار نور شاہ گویا کو مقرر کیا۔ ان کے فوت ہو جانے کے بعد میں گل محمد قلیہ دامان کوشہر یا تدبیر مقرر کیا۔ مٹی کوی کا عہدہ مدیق محمد کاسپی کو عطا فرمایا۔ نیز حمام، ترکھان، لوہار، موہی، ماشکی، خاکوہ، کمال، دھوسی اور کوفہ مستقل طور پر لشکر کے بڑے عوار یا ملازم تھے۔ انہیں ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ سجاری کے علاج کے لئے طبیب بھی مقرر تھے۔ لاکھی کے عہدہ پر پہلے محمود کا مقرر فرمایا ان کے بعد قبول کولاشکی مقرر کیا اور پھر خدا بخش لاکھی مقرر ہوئے۔"

مقرر کیا اور پھر خدا بخش لاکھی مقرر ہوئے۔"

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ دوسرے میں روپے والے تمام علماء، علماء اور خواجہ ہر آئے والے زائیں کو کھانا لشکر سے ملتا تھا۔ ہفت اوقات کھانے والی کی تعداد دو ہزار تک پہنچ جاتی تھی اور اکثر ایسے مہاجن کی دکان سے اذھار لیتا ہوتا اور یہ قرض کبھی کبھی کئی ہزار تک پہنچ جاتا۔³ لیکن اللہ تعالیٰ

1- المستند مطبوعہ شریف فارسی (قصی) ص 403 (مکتبہ ڈاکٹر طاہر توسوی)

2- بحوالہ "مناقب المحبوس" (ترجمہ) ص 159، - مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "خاتم سلیمانی" ص 66

کے فضل سے لشکر کا عین کس نہ کسی صورت ملتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ بعض لوگوں نے حضرت سے جوی آگیا کہ اور اس کے بھائیوں کی شکایت کی کہ وہ حضرت سے سمجھتی ہزاروں روپے لیتے ہیں اور ہرانی گھمہ جوڑ اور ہاجرہ وغیرہ لشکر کے لئے دے دیتے ہیں حضرت قبلہ نے مدی میں فرمایا

دودھ کا دودھ ماں کا ماں کچھ بیج کے بھوتہ اسے

یعنی اگر کوئی کسی کے ساتھ دغا اور لڑب کرتا ہے تو اپنی عاقبت کو بھان پھیناٹا ہے۔

مثنیٰ چشت میں لکھا ہے کہ

"لشکر کا یہ قاعدہ تھا کہ ہر درویش کو تیس یا پچھتہ روپی ملا کرتی تھی۔

جہ پہنچے کے بعد کپڑے اور جوتیاں ملتی تھیں۔ عاویہ انہیں ایک سیر تیل اور

کچھ گھی ملا کرتا تھا ان مدرسوں کے لئے جو رات دن درس و تدریس میں

مشغول رہتے تھے، ان کو اس کے علاوہ بھی کچھ برائعات ہوتی تھیں ان کا کام

جیسٹہ دہلی محنت کا تھا اس لئے ان کو ایک سیر پختہ روپیہ، سیر بھر گھی

ماہانہ اور ایک سیر تیل ملا کرتا تھا۔ لباس ان کو بھی جہ پہنچے میں ہی

ملتا تھا لیکن ایک سفید لٹگی اور ایک گوسفند بھی ملتا ہوتا تھا۔" 2

فوج خواجہ سلیمان توشہ کی درسگاہ میں تعلیم کے ساتھ تربیت اور تربیت کے ساتھ زرعی گزارے کا ڈھنگ

سکھایا جاتا تھا۔ اس طرح ان لوگوں کی پوری توجہ صرف درس و تدریس کے ساتھ وابستہ رہی۔ یہی وجہ

ہے کہ ان کی محنت کی وجہ سے یہاں سے ایسے ایسے عالم اور طلباء علم حاصل کر کے دغا کے منطقت حصی

میں گئے جنہوں نے اس درسگاہ کا نام روشن کیا۔

اس باب کے پہلے حصے میں ہم خدمتستان میں سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی کے سیاسی،

عاشی، عاتقی، اخلاقی اور مذہبی حالات کا تفصیل سے جائزہ لے چکے ہیں کہ سلطانی کو کی حالت

کا سامنا تھا۔ اسے حالات میں سلطانی کے بڑھتے ہوئے زوال کو روکنے کے لئے چھوٹی چھوٹی اصلاحی

تشریکی اہرنی اور دم مٹاتی رہیں۔ منطقت سلطانی نے منطقت ظریف سے حالات کو سمجھائے اور سلطانی

کی اصلاح کی کوشش کی۔ اسے ہی حالات میں موٹائی کرام نے بھی اچھا مثبت رول ادا کیا۔ شاہ سلیمان

1- بحوالہ "نافع السالکین" (فارسی) مؤلفہ فقیر امام الدین بن ماں تاج محمود، ص 129، مطبوعہ درویش رضوی دہلی 1310ھ/1892ء

2- بحوالہ (1) مثنیٰ چشت از خلیفہ احمد غلامی، ص 626 (2) خاتم سلطانی، ص 67

توصیہ شدہ سترہویں صدی کے آخر اور اٹھارہویں صدی کے شروع کے زمانے کے مصلحین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے زمانے میں غلبہ مملکت زوال کی زد میں تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا غلبہ اور تسلط بڑھتا جا رہا تھا۔ پندھار پر کبھی کی حکومت تھی۔ ان حالات میں آپ نے مصلحتی کو سنبھالا دینے کی کوشش کی۔ آپ سلسلہ مشائخ چشت سے وابستہ تھے جنھوں نے جہاد اور تیغ و سنان کی بجائے سلطنت میں اسلامی روح اور اسلامی ثقافت کو از سر نو بیدار کرنے کا کام شروع کیا۔ اس لائحہ کے اس زمانے میں هندوستان کے مختلف حصے میں حصول آزادی کی خاطر کئی ایسی تحریکیں شروع کی گئی تھیں کہ جنھوں نے ظوار اور جہاد کا ذریعہ اپنایا لیکن وہ اتنی کامیاب نہ ہوئیں۔ 1831ء کے زمانے میں رائے پوری (اودھ) میں سید احمد شہید نے مصلحتی کی آزادی اور عظمت رائے کے احیاء کے لئے جہاد کیا اور بالآخر شہید ہوئے لیکن یہ تحریک کسی واضح کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکی۔

اس دور میں مصلحتی میں تیزی سے بڑھتے ہوئے تغزل کو روکنے کے لئے کئی ایسی شخصیات بھی سامنے آئی ہیں جنھوں نے کتاب و سنت کے ذریعے لوگوں کی اصلاح کی کوششیں کیں اور اس سلسلے میں خود بھی کتابیں لکھیں۔ شاہ ولی اللہ (متوفی 1176ھ/1762ء) نے اسرار علوم دینی، اصلاح عاشق، تنظیم، معیت و سیاست وغیرہ موضوعات پر کئی کتابیں لکھیں۔ مولا مظہر جان جاناں (متوفی 1195ھ/1780ء) بھی ایک مصلح کے طور پر سامنے آئے۔ پھر خود خواجہ غفرالدین دہلوی (متوفی 1199ھ/1786ء) جو کہ مشائخ چشت میں سے تھے اس فکری جہاد میں شریک ہوئے۔ انھوں نے فکری مصلح پر لوگوں کی اصلاح کا بڑا اصرار کیا کیونکہ مشائخ چشت کا خیال تھا کہ جب تک مصلحتی کی دینی، اخلاقی، روحانی، عاشقانی اصلاح نہ کی جائے اس وقت تک اس کے زوال کو روکا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اس مقصد کے تحت انھوں نے مدارس بھی قائم کئے۔ ڈاکٹر محمد صوفی لکھی کے مطابق

"نئے حالات میں علماء و مشائخ کی دینی شاخیں (سلسلہ چشتیہ نظامیہ، سلسلہ چشتیہ صابریہ) نے اقدام کے بجائے دفاعی پوزیشن اختیار کی۔ انھوں نے امر کی بجائے نہی جذبہ، اسلامی رہنما، اسلامی زندگی کے مظاہر اور تہذیب اسلامی کے جتنے بھی کھمبے آثار باقی رہ گئے ہیں ان کو محفوظ رکھا جائے اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے لئے وقفہ بے دیاں کر لیں جائیں۔"

چنانچہ مذکورہ بالا دونی شاخیں کے بزرگی نے پاک و ہند میں ایک طرف
 حاکم جگہ دینی مدارس قائم کئے جن میں ہزاروں مسلمانوں نے اسلامی علوم
 کی تحصیل کی اور مسلمانوں میں دین کی محبت، شہادت کا احترام اور
 استقامت پیدا کی۔¹

سلیمان توسوی جانتے تھے کہ مسلمانوں کی ہستی اور زوال کا سبب مذہب اور اسلامی شعائر سے ہٹاؤں ہیں
 "نافع السالکین" کے مطابق

"دین زمان جو مسلمانان متابعت میں صاحب صلی اللہ علیہ وسلم گذاشتہ
 اور حق سچاقت تعالیٰ گزار را بہیں سلط کردہ است۔"²

چنانچہ شاہ سلیمان توسوی نے ^{افسوس} حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی
 اصلاح اور ان میں صحیح اسلامی شعائر پیدا کرنے کا فیصلہ کیا اور اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے
 انھیں توسوی کے علاقے کو منتخب کیا۔ جہاں آپ نے سیاسی نظاموں سے کنارہ کش ہو کر صرف درس و تدریس
 اور دین اسلام کی تبلیغ اور طلباء کی علمی تربیت کی طرف توجہ دی۔

خواجہ سلیمان توسوی جانتے تھے کہ مسلمانوں کے صاحبِ خود ان کے پیدا کردہ ہیں اور اس کا
 بڑا سبب مذہب اور اسلامی شعائر سے ہٹاؤں ہیں۔ اس سبب سے ان سے حکومت چھین گئی ہے اور ان پر
 کافر سلط ہو گئے ہیں۔ صاحبِ سلیمان میں داور بخش کے حوالے سے ایک واقعہ درج ہے کہ وہ مولوی خدا
 بخش صاحبِ غلطہ حضرت حافظ جمال طٹانی کے پاس تعلیم حاصل کرتا تھا اور اس وقت بچہ تھا ایک مرتبہ
 مولوی خدا بخش صاحبِ حضرت سلیمان توسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا حضرت اگرچہ
 حضرت مرشدوں حافظ صاحب (حافظ جمال طٹانی مراد ہے) کا سایہ اب ہمارے سر سے اٹھ گیا ہے لیکن
 آپ کا متبرک سایہ تو ہم خاکسار ہر باقی ہے پھر آخر کیوں ہمارے شہر طٹان پر سے دین سکھنے کی
 حکومت ہے، آپ نے فرمایا

"مولوی تم طٹان کی یاد کرتے ہو۔ ڈیرہ نازی خان، ڈیرہ اسماعیل خان اور
 پشاور، سکھڑ وغیرہ پر بھی رنجیت سنگھ کا قبضہ ہے۔ اگر اللہ کی مرضی اور

1- بحوالہ "خواجہ سلیمان توسوی اور ان کے خلفاء" ص 285، 286

2- بحوالہ "نافع السالکین" ص 5

حکم یہی ہے تو پھر اس کے سامنے کیا چارہ ہے۔ " 1

گوا جب کسی ملک کے لوگ بد اعمال اور اپنے دین سے ہٹا کر ہو جائیں تو اللہ کی طرف سے ان کو سزا دینے کے لئے ان پر ظالم حکمران مسلط کیا جاتا ہے۔ یہی اللہ کی مرضی اور یہی اس کا حکم ہے چنانچہ وہ یہ شعر پڑھتے تھے

جو خداوند کے حکمران کے حال سے
خداوند ملک در پیمائش طالب سے
بشورے کہ جسکی ہمدرد خدا ہے
دھند خیر عادل و عیال وائے

آپ کا خیال تھا کہ چونکہ ہم خود بد اعمال ہیں اور غیر مسلم، ظالم حکمران ہمارے کردار کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم پر مقرر کیا گیا ہے اس لئے بچانے اس کے کہ ہم اس کو برا نہ لگا کہیں ہیں چاہتے کہ ہم پہلے اپنے کردار کی خیر پس اور اپنے اعمال کو درست کریں۔ تابع السالکین میں لکھا ہے کہ

"سالك را بايد كه اعمال صالح كه و از خواهي مستيز بوده باشد زيرا كه
بر بلاد صحت كه بر مردمان مقرر شود از جهت مدبر اعمال باشند
باشد۔ چنانچه در حديث شريف واقع آمد اما كه خدا كه يعنى كودار
هائے خدا حاکمان خدا اند۔ اگر اعمال خدا نيك باشند پس حاكم خدا اهل
اسلام و عادل باشند، و اگر بالعكس باشند پس حاكم خدا نيك كار و جابر
باشند " 2

اس کے ساتھ ہی وہ اپنے عہد کی حکومت اور سرکاری معاملات سے لائسٹری اختیار کرنے کا درس بھی دیتے تھے کیونکہ فارسی حاکم کے مطابق

"فہر ملکی حکمرانی سے انھیں شدید غفلت تھی ان کے ہاتھ میں شاہ (شاہ
سلیمان) کا رعب حب الوطنی اور قوم پرستی کے سچے جذبہ پر مبنی تھا وہ
اپنے عہد کی اور دوستی کو دو آبدیاتی عظام کا نمل ہیزہ ہتھ سے منع کرتے تھے۔ " 3

1- بحوالہ "مآثر سلیمان" (فارسی) مولفہ نظام سعد خان، ص 39-40، مطبع احمدی دہلی 1288ھ
2- بحوالہ "تابع السالک" ص 35-36، بحوالہ "پنجاب کے سولہ دانشور" از فارسی جاوید، ص 246-247

چنانچہ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح سے صحیح دینی خدمت انجام نہیں دی جا سکتی۔ سرکاری معاملات میں بڑے تو فرشتے بھی شیطان ہو جاتا ہے جبکہ عہدہ کا کام صرف لٹی کی خدمت کرنا ہے۔ ان کی اخلاقی و روحانی تربیت کرنا ہے۔ نافع السالکین میں ایک جگہ عہدہ کو سرکاری ملازمت سے دور رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

" فیکری و ملازمت نمودن بہ اہل دنیا بد است، و داخل شدن در عالمہ اہل دنیا از بدتر است چنانچہ کسیکہ حاکم شود از جانب اہل دنیا بر مخلوقات چہ بر مخلوقات حکم کہ۔ پاس خاطر اہل دنیا شاید و رہایت امر اللہ و رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم را فراموش کردہ ہو غرض اللہ ظلم و تعدی کہو مال خلق اللہ را بہ ظلم و جبر بگیرد۔ " 1

خواجہ صاحب کی علمی خدمات کا ذکر تو ان کے مدارس کے حوالے سے ہو چکا ہے ان کی دینی خدمات بھی کچھ کم نہیں ہیں آپ کے زمانے میں اشرفیہ کی حکومت کی وجہ سے عیسائی مشنریاں بڑے زور شور سے عیسائیت کی تبلیغ کر رہی تھیں۔ ہادری اس عہد کے لئے مختلف طرح سے استعمال کرتے تھے کسی کو وہ ملازمت کا نالغہ دیتے تھے اور کہیں وہ اپنی تعلیمات کے ذریعے اثر پیدا کرتے پھر انہی نے اشرفیہ تعلیم دہنے کے لئے سکول کھول رکھے تھے جہاں ہندوستانی کے لوگ جدید علوم سے روشناس ہونے اور اعلیٰ سوکاری ملازمت حاصل کرنے کے لئے تنظیم حاصل کرتے تھے۔ وہاں بھی عیسائی ہادری طالب علمی کے ذہنی پر اثر انداز ہوتے۔ سلیمان توسوی ان باتوں سے آزرہ ہوئے، کوشش کرتے کہ مسلمان طلبہ ایسی اثرات سے دور رہیں وہ فرماتے تھے کہ

" بہ گر سخی مردن بہ کہ در صحبت بہ مذہبان حکیم یافتی کہ در چندی صحبت زوال ایمان باشد۔ " 2

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خواجہ سلیمان توسوی تنہا، دثار یا کتھ ملا قسم کے عالم تھے بلکہ وہ دیانت وسیع الشرب، وسیع الخیال اور وسیع النظر بزرگ تھے، جس کے تعطیلات غیر مسلموں سے بھی تھے۔ آپ کے دوستوں میں عہدو بھی شامل تھے، فاضل جاہد کے مطابق

1- بحوالہ " نافع السالکین " ص 73

2- -- ایضاً -- ص 14

”موجودہ کے دو بڑے مذہبی گروہ یعنی مسیحی اور مسلمان کے درمیان
خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کو وہ اپنے روحانی سلسلے کا اہم اصول قرار
دیتے تھے۔“ 1

چنانچہ خواجہ سلیمان ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان اپنے مذہب کے مطابق ہیں اس قدر سخت ہیں
کہ ان کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگوں سے طرد کریں بلکہ آپ کا خیال تھا کہ اپنے مذہب، تمدن، معاشیت
اور شریعت اپنے شایستگی کو قائم رکھتے ہوئے ہم غیر مسلموں سے بھی ملیں ان سے اچھا ہوتاؤ کریں۔ صلح و
محبت رکھیں آپ یہ شعر بہت پڑھا کرتے تھے

حافظا گر وصل خواہی صلح کن یا غار و عام
یا مسلمان اللہ اللہ یا سرہمس رام رام

خواجہ سلیمان توسوی نے مسلمانوں کے علمی، دینی، عاشق، تمدنی ہر طرح کے زوال کو روکنے
کے لئے اقدامات کئے۔ عاشق، صلح پر وہ دیکھتے تھے کہ ان کے افکار و افعال، عادات و اطوار، اخلاق
سب زوال پذیر تھے اور اس کا واحد حل انھیں دین اسلام پر عمل پیرا ہونے میں نظر آتا تھا کیونکہ خواجہ
سلیمان اچھی طرح جانتے تھے کہ دین اسلام ایک فطری مذہب ہے جس میں ہمارے تمام مسائل اور دکھوں
کا حل موجود ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ہم اس کی صحیح روح کو پا لیں۔ اس میں اپنے فائدہ، مقاصد
اور ضروریات کے لئے خود سے کوئی مطلب نہ نکالیں بلکہ اس کی اصل روح تک پہنچیں اور جب کوئی مسلم
حاشیہ اس سے بچھتا ہے تو وہ زوال کی طرف جاتا ہے۔ سلیمان توسوی کا بھی یہی خیال تھا کہ قرآن و
سنت سے ہی صحیح راہنمائی لی جا سکتی ہے۔ دینی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ کی عاشق خدمات بھی
کچھ کم نہیں۔ آپ کا خیال تھا کہ حکومت کے حصول کی بجائے عاشق کو ستارے کی ضرورت ہے کیونکہ جب
تک حاشیہ نہیں سنبھلے گا تب تک حکومت حاصل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور لوگوں کے سنبھالنے سے حکومت
خود بخود حاصل ہو جائے گی۔

سچوادی سلسلے کے برعکس مشائخ چشت کا اصول تھا کہ وہ سلاطین اور امراء کی صحبت سے

پرہیز کرتے تھے۔ سلیمان توسوی بھی اس اصول پر قائم تھے کیونکہ آپ کے نزدیک یہ حکمران طبقے کے لوگ

"سلطہ چشم" اور "بحر وفا" ہوتے ہیں۔ آپ نے صرف خود ان کی صحبت میں دور رہتے بلکہ سرمدی کو بھی بچنے کی تلقین فرماتے تھے آپ امراد اور مقداد طبع کی رعنائی سے بھی غافل نہیں تھے۔ آپ اور ان کے سامنے کلمہ حق کہنے سے نہیں جھجکتے تھے۔ آپ کے حلقہ سرمدی میں کئی امراد اور حکما کے نام شامل ہیں جو آپ کے عقیدت مند تھے۔ کئی ریاستی کے سپہ سالاروں کا ذکر بھی ملتا ہے جنہوں نے آپ سے ملاقات کی اور آپ کے پاس قیام کیا۔ ان میں نواب بہاول خان اول، نواب بہاول خان ثالث، شاہ شجاع امر دوست، سرد خان، نور احمد خاکواں وغیرہ سے آپ کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ نواب بہاول خان ثالث کی دستار بندی کے لئے آپ احمد پور شریف لے گئے تھے یہ لوگ خراج کے طور پر جو کچھ خواجہ صاحب کی خدمت میں پہنچوانے وہ آپ کو "فیوض مدنی" میں تقسیم فرما دیتے۔ ان لوگوں سے تعلقات اس لئے رکھنے کا جب کوئی مائلوم ان میں سے کسی کے ظلم کا شکار ہوتا یا کہیں کوئی غیر مرضی کام ہوتا یا لوگوں کو کوئی سائلہ دینا ہوتا تو آپ ان سے ملاقات کرتے، کبھی کبھی آپ خود بھی کسی مسئلے کے حل کے لئے یہ طس طس چل کر جاتے۔ سکھوں کے حاکم لعل خان نے جب ایک ہلیج لڑائی میں زبردستی قلعہ کو لیا تو لوگ آپ کے پاس فریاد لے کر آئے آپ نے اسے تنبیہ کے لئے لکھ کر بھیجا کہ

"تو پر ملعانوں ظلم کی و از خدا بترس"

لعل خان نے کتنا غصہ جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ

"فلک بہ دست رہی است ہر کر انفراد بدید"

جانبہ سکھوں پر افغانستان کے پٹھانوں نے قبضہ کر لیا اور لعل خان بارہ سال تک ان کی قید میں رہا اور حکمت اند خان کے پاس آئے۔²

امراء و سلاطین کے طاقہ سلیمان تیسویں دے سونہار و طلا کی نیبت پر بھی ڈھک دیا۔ کچھ حاکموں میں ان حضرات کی خاص اہمیت تھی۔ ان پر یہ لوگ اعلیٰ افسان ادارہ اچھے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور باکدوار ہیں تو لوگوں کی بھی صحیح اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ ان کا لڑائی پر خاص اثر ہوتا ہے۔ آپ کے زمانے میں کچھ ایسے نام نہاد مذہبی رجحان پیدا ہو گئے تھے جو لوگوں کی عقیدت کا غلط

1- (1) کتاب المصوب (توضیح) ص 188 b 190 (2) غلام سلیمان، ص 97

2- کتاب المصوب، ص 183 b 191

فائدہ اٹھاتے وہ لوگوں کو قبر پرستی، تعہذ گڈی، توحیات و کرامات کی چٹائی میں بھنسا کر کاہل،
 بے عمل اور ضعیف الاعتقادی بنھا رہے تھے۔ جس سے معاشرہ ستورجی کی بجائے جمود کا شکار تھا۔ دراصل
 اس قسم کے علمائے مو اہل کم علمی اور کج فہمی نے ہفت صوف اور اس کی اصطلاحات کا غلط مفہوم لیتے
 تھے۔ جس سے معاشرے کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ لوگ نام زندگی اور اس کے مسائل سے غریب چڑا کر
 غافلتی میں پناہ لیتے لگے۔

انہی حالات کے پیش نظر آپ نے علماء کی تربیت و اصلاح پر زور دیا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ
 اگر عالم باطل ہو گا اس میں اطاعت حق اور دین کا صحیح جذبہ ہو گا تو اس کا لوگوں پر اچھا اثر
 پڑے گا۔ آپ کے مدرسے میں جو طالب علم زیادہ قابل ہوتا اسے مزید حصول علم کی خاطر توسعے سے باہر
 بھیجا جاتا۔ سیرت سلیمان میں لکھا ہے کہ

"آپ (خواجہ سلیمان خوشو) کی سرپرستی میں، جو سب سے زیادہ مشہور اور
 جو بات سب سے زیادہ ممتاز دلائل آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے جتنے عالم پیدا
 کئے وہ علمی زندگی کا اعلیٰ نمونہ اور روحانیت کا مجسمہ تھے۔" 1

آپ علماء کے لئے فقہ و تفسیر کی تعلیم کو ضروری قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"علم فقہ و تفسیر ضروریہ است کہ مطلقہ راستن قرآن و واجب و سنت و مستحب
 و مکروہ معلوم ہر علم فقہ است و باقی علم علوم سر دروں است۔" 2

اور کہتے ہیں کہ عالم زاہد خشک نہ ہو بلکہ عشق حقیقی کی معنی سے پس پاب ہو کر روحانی منزلیں
 طے کریں اور یہ عشق کیا ہے؟ اس کے متعلق مستحب مملو شہد فارس (قلمی) میں لکھا ہے کہ
 "استقامت عشق شہد است و استقامت شہد خود عشق است ہرگز کہ شہد
 استقامت یا نہ عشق ہو خود کہ۔" 3

آپ نے معاشرے کی اصلاح کے لئے صرف علماء کی اصلاح پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ عام لوگوں کی تربیت کو
 بھی ضروری سمجھا کیونکہ معاشرے کی اصلاح کے لئے فرد کی تربیت ضروری تھی چنانچہ مدارس کے علاوہ آپ

1- بحوالہ "سیرت سلیمان" از مولوی صالح محمد، ص 157، مطبوعہ لاہور 1935ء

2- بحوالہ "نافع السالکین" ص 135

3- بحوالہ "مملو شہد فارس" (قلمی) ص 45

مجلس میں بھی لوگوں کو درس دیا کرتے آپ کے خیال میں لوگ اس لئے راستے سے ہٹک گئے ہیں کہ وہ سب رسول کی پیروی نہیں کر رہے اور یہ آپ کے نزدیک

"مباہت مبارک از دو چیز است آنچه خدا و رسول خدا او امر کرده اند

باید کرد و از آنچه منع فرمودہ اند نہ باید کرد۔" 1

اور اس کے لئے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی ذات پر مکمل یقین رکھیں اور اپنی حاجت اس سے طلب کریں "نافع السالکین" کے مطابق

"سالك را بايد كه سوائى خطاب حق عز وجل نكند كه خود نه بيد و

نمیدشد " 2

اس زوال اور اضطراب کے دور میں لوگوں میں ہر طرح کی اخلاقی و سماجی برائیاں پیدا ہو چکی ہیں۔

ضرورت اس امر کی تھی کہ ان کا سدباب کیا جائے۔ خواجہ سلیمان نے ہر ممکن کوشش کی کہ لوگوں میں ان

برائیوں کا خاتمہ ہو جائے چنانچہ آپ کے ملفوظات میں جاہدا ایسی صحیحیں ملتی ہیں جن میں میدی

اور مجلس میں آنے والے لوگوں کو نیکی کی تلقین اور برائی سے بچنے کی نصیحت کرتے تھے۔ ان میں شریعت

کی پابندی، بری صحبت سے اجتناب، غیبت اور عیب جوئی سے پرہیز، غرور و شہر سے بچنے، حرام خور و

شراب، ذخیرہ اندوزی سے دور رہنے کی تلقین والدین کے ساتھ بیمار صحبت سے بچنے، بڑی کی عزت،

چھوٹی سے ہمار، شک سمیٹنے اور دوستی کے ساتھ باہم ہمار و محبت کے ساتھ رہنے کا درس دیا ہے۔

ہمار یہ بدعت عام ہے کہ ہم بغیر سوچے سمجھے دوستی پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں اب فتویٰ

کی زد سے بڑے علماء، فقہاء، علماء اور اکابر بھی ملفوظ نہ رہ سکے۔ حضرت سلیمان توضیح نے اس بدعت

کے خلاف آواز بلند کی۔ منتخب ملفوظ شہید کے مطابق کسی مسلمان کو کافر کہنا ہرگز جائز نہیں بلکہ مسلمانوں

کو کافر کہنے والا خود کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ 3

چشمہ سلسلے کی روایت کے مطابق حضرت خواجہ سلیمان توضیح علیہ الرحمتہ میسلی (ساح) میں

1- بحوالہ "نافع السالکین" ص 97

2- ... ایضاً " ص 123

3- اصل الفاظ یہ ہیں "مسلمان را کافر دانستن و اطلاق کفر بر مسلمان کردن جائز نیست اگر شخصی

کسی مسلمان را کافر اعتقاد کند، اعتقاد کند خود کافر شود" (بحوالہ منتخب ملفوظ شہید قاسمی) ص 78

بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ سماع کی مجلسوں میں ان پر کئی بار وجہ طاری ہوا۔ کھٹکی سے خوش اور
 یہ خود کی کیفیت میں رہتے۔ مختلف کتابوں میں سماع کی اسی بہت سی مجلسوں کا ذکر ہے جن میں
 حضرت سلیمان تیسوی نے شرکت فرمائی اور ان پر وقت طاری ہوئی۔ خاصی پھر شہر میں حضرت خواجہ
 نور محمد نایاب کے عرس کے موقع پر جب قوالی نے عددی اشعار کا ذکر سنانے کو آپ کی آنکھوں سے آنسو
 پڑاں دو تھے اور آپ بھرے لکڑے۔ اسی طرح ایک بار غلامہ نایابا کے عرس سے واپس تشریف لا رہے
 تھے کہ راستے میں احمد ناس قوال جوان کی ساری میں تھا حافظ کا یہ شعر کشادہ لگا

خست ہر لہجہ دلم جز الدقائق دہشت
 چہ کم حرف دیگر مادہ اسقام

حضرت سلیمان کھولے کی زبان پر تھے شعر سچے میں وجہ طاری ہو گیا اور آنکھوں سے بھی پڑاں ہو گئے۔
 طالع الساکین میں کئی ایسے واقعات دیے ہیں کہ حضرت سلیمان تیسوی سماع اور قوالی میں کبھی دلچسپی
 لیتے تھے۔ چنانچہ اکثر اوقات مختلف قوال احمدی کتابیاں اور سیرت مسائیر۔ طالع الساکین، ص 108 میں درج
 ہے کہ

”وقت قبلہ نماں احمد قوال در چوک اسی کالی شروع کرے

کہیں سائیں دو پھریں
 رنجشای
 س، تا جی ماہی دی ڈکھ ڈھری
 جو کھد کیتا ایہاں اکھیاں و
 رنجشای
 کہیں سائیں دو پھریں
 رنجشای۔“

پھر آگے چل کر لکھا ہے

”وہی در مجلس حضرت قبلہ صاحب قدس سرہ پیر بخش قوال کہ صاحب درو
 ستر بود اور کالی شروع کرے دھڑا
 کہیں سائیں دو پھریں
 رنجشای

خواجہ سلیمان نوسوی کے شاعر یا فنر نگار ہونے کا کہیں ذکر نہیں ملتا لیکن مجمع جناب حبیب فائق کی ذاتی لائبریری میں "تحفہ فقیر" (مصحح بہ ہدیہ فقیر) کتاب ملی ہے جسے فقیر اللہ نامی شخص نے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب اردو شعری کا مجموعہ ہے اس میں دوسری لڑکی کے علاوہ انھیں نے خواجہ سلیمان نوسوی کی فارسی شاعری بھی جمع کی ہے جس کا سانس ہمیں صریح ترجمہ بھی دیا ہوا ہے لیکن اس وقت کا خواجہ صاحب کے کسی تذکرہ نگار نے ذکر نہیں کیا یہ کتاب خواجہ صاحب کی وفات کے تقریباً اڑتیس (38) سال بعد 1886ء میں شائع ہوئی ہے۔ شاعر یہ ہے

از کلام نیر نظام شاہ سلیمان صاحب طوس

ای سرور دو عالم یک خلوت دہ بیا	عیسای طلباک اجلس علیہا
از درج برج مقرب ہوا یک طلوع	حق شراک عینا کا قصہ ہے الضحیٰ
ہزار امیر ملک کہ بدر دراز سو	جبریل یا ملائکہ بہر مجلس التما
درد ہوا حال تو در ماضی اے طبیب	بشی لنا یقائن فی وجہک الشفا
دلالت بہر بہان تو وحی خداست ہی	بہدی لنا الیہ و ما یظن العوی
شد از طہیل ذات تو ایحاد کائنات	بالحطہ آمد بعد کوی احدا
سند تولی کہ ماہ فلک از توشد و ہم	یا مظهر القصاب اجلس قلیہا
بہ صیحت بدین خیال ز خست دموتہ	اژ فی کمال حسرت لم در مصفا
از نو بین و آدم شد حل مشکلات	نار الفلیل ہار کینک سیدا
شامی و فقر یافت سلیمان ز نور تو	سحاب من امزگ یا مظهر الصفا

اس وقت سے یہ شہرت ملتا ہے کہ حضرت سلیمان نوسوی فارسی میں شاعری کرتے تھے۔ آپ کا سرائیکی، اردو کلام موجود نہیں ہے تاہم ملفوظات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ شعر و شاعری کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور اپنی گفتگو کے دوران حافظہ سعدی اور دیگر فارسی شعرا کے اشعار پڑھتے

1۔ بحوالہ تحفہ فقیر (مصحح بہ ہدیہ فقیر) از فقیر اللہ، ص 41، مطبع محدث لاہور، طبع شد۔
اس کتاب میں فقیر اللہ کی اردو شعری شائع ہوئی ہے آخر میں کچھ دوسری لڑکی کی بھی شعری ہیں مثلاً "حافظ محسن مہجور کی اردو لغت، حضرت شاہ سلیمان کی فارسی شاعر، حضرت مولانا عبدالرحمان جامی کی فارسی شاعر، مولانا سلوی غلام رسول مرحوم کی پنجابی شاعر بھی شامل ہیں۔

تھے۔ آپ نے اپنے خیالات و افکار ہمیشہ عام فہم اور سچے سارے انداز میں پیش کیے آپ نے معلومات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سامنے کی زندگی کی مشاقی سے بے حد دلچسپی اور توجہ سے اقوال و افعال کے حوالے سے بات سمجھاتے تھے۔ مثالاً¹ اور حدوں زبان کے بہت سے اقوال جامع السائکس میں ملتے ہیں، مثلاً

عند مر کل جلد تک لکے، پھٹی رہی گھبرا
کھٹکے ہوئے ہیں، جس جن کا کھر کھرا (د۔ 19)

جس بہت چکر، نہ چاندے تھے²
اپنی تو صفائی، اس کی اور جانے (م۔ 19)

بھارا ہارا ہے کم جگہ وا، مکتھاراں وا اتنے کم فی
دیس چکے تھے ڈھکڑے متھ پھیں، طر مار کر لوگ ہموادے فی
تسین پکھان مار دیاں کھا رہے، اوتھے کرکے تے شکر کھاوے فی (م۔ 19)
تر چھڑ کر آس مال دیکھی، اوتھے تھرے وڑ کھاوے دسی

آہ جاہو بیک تھر آہ لسی کڑ
کوہیں کھلی تھیاں، سرور اوکے کھد نہ بچ
سے ہنس سے دیاں، مار پاراہے ہڈ
کھد ہی ہائی دیر کر، کھان کھن رج (م۔ 22)

نوٹ: 1۔ [حد۔ غور] حد پرچھائی تو غور سے سمجھ لیا۔ میں چاہے بہ عیون ہی یا
بظاہر و بجمال میں تھوڑی حد، حد پرچھائی دیکھ کر بحال ہیں، چلنے میں کتنی کمزور یا
دوبلہ پٹی میں تھوڑی دیر دیر کا قابو ہوتے ہیں۔ آج اپنے ب سے بکھڑے ہاں کہہ کر بھر
کر بائیں گھبرا۔

نوٹ: 2۔ 1۔ لڑچکی ہوئی بھال کی عورت 2۔ مارے 3۔ جسم 4۔ لہلہ یا "اٹھ" سے جسم کی
مانٹر کرنا۔

سہے کم چھوڑ کے ڈھونڈ محمودا مہیوال کی (ص 37)

سی چٹے ۳ چڑھی سے چٹے چڑھی ² مول ۳ مڑج (ص 94)

چٹے حاکم آور حسدا

۳ یادہ کنہی تل دا (ص 94)

مڑ ۳ سگیار مڑ لکھیا لن فلم دا (ص 95)

عابد قابد آدم نے جائے آدم کس کا حایا (ص 109)

حیثی تودیں، اتی تودیں، ظاہر تودیں باطن تودیں (ص 110)

ہیکس کس ۴ نہ کھس (ص 116)

مثل عویں عہر تیں آنے

تاں مہاں واقعے کی بڑوانے ⁵

ساحباں کو بڑاٹ آنے ⁶ (ص 117)

برہمن دا مایا ہے

۷ بھڑ ہے بارو کہ کچھ بھڑ ہے

کے اُن سے بھڑا بھڑ ⁸ ہے (ص 124)

کوش مرے کوش جیو ⁹ سہرا محفل پتاسے پتورے (ص 125)

جسے جھڑاں متھا سا متھیرا تارے جوڑ متھے (ص 128)

اس کی تشبیح خود "نایع الساکبہ" سے اس طرح کی گئی ہے کہ "اگر ایک کار کردہ باشد بزانے خود کردہ

و اگر کسی کار بد کند بزانے خود کردہ باشد۔" ¹⁰

نوٹ :- 1- اَلْاَرَبِیَّاس سے ہدایت 2- سیر 3- بفریہ 4- چھینٹا 5- پھاڑا 6- پھینکا 7- پھانسی 8- کلہوڑ 9- بہت زیادہ 10- کھیل کی

دود کا دود، ہاں کا ہاں (ص 129)
 کھرد صبح کی پھوس تاسی

”جی اگر کہے یہ دیواری دغا بازی کھ جائے اور را زبان بند۔“ 1

لاٹیں پٹائی تیرے مال جتیاں لڑو تیرے رال بھی جی وال
 جو کون رہے انہاں تیرے دور جیسی او غول جال سپر (ص 132)

ایسو مثل کھتا، جیتے مال آساں متعا (ص 135)

ترجمہ (عشق ہے تو صیت لکے اب ہمارا واسطہ اس سے بڑا کیا ہے۔)

تاہی وی صیت تیرے پوئے وی صیت (ص 144)

ترجمہ (صیت ہی شہزادی ہے اور صیت ہی شہزادی ہے۔)

خواجہ سلیمان کے ملفوظات ان کے تلی سیدی نے جمع کئے ہیں جن میں کچھ مطبوعہ ہیں اور

کچھ تلی صورت میں ہیں ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

- (1) راحت الفاشقی مرثیہ مولوی محمد
- (2) رسالہ در مسائل مرثیہ مولوی عبدالغفار
- (3) ملفوظات خواجہ سعد سلیمان مرثیہ مولوی غلام حیدر
- (4) مرثیہ شہید مرثیہ حافظ احمد مار پانپتی
- (5) مرثیہ الکاتب مرثیہ یار محمد زوی
- (6) دافع الساکینی مرثیہ مولانا امام الدین

ان تلی ملفوظات کے علاوہ میری دلو سے جو تلی غزلے گزیرے ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے

- (1) منتخب ملفوظ شریف حضرت خواجہ سلیمان کوسو (تلی) مولانا حافظ احمد یار شہید و منتخبہ
 از یار سیدی تاج محمد ہشتی، پاک پتی شہید، کاتب خدا بدلی زوی (یہ نسخہ جناب احمد
 عثمانی چک ص 114/آر۔ 10، چھاپاں سے حاصل ہوا۔)

(۱) کتاب "انتخاب مناقب سلیمانہ" کے عنوان سے حمیدہ اشتم بہرہ لاکھ سے 12 صفحہ 1325ء کو طبع ہوئی۔ یہ کتاب بھی مجمعے جناب ڈاکٹر طاہر توشہی سے حاصل ہوئی جیسا کہ اس کے آخری صفحے پر تصریح کی گئی ہے کہ یہ کتاب دراصل حافظ احمد یار شتونی پاک پٹی کی تالیف ہے۔ مناقب سلیمانہ سے انتخاب کی گئی ہے اور اس کے مرتب مولوی یار محمدین تاج محمد جو حافظ احمد یار کے بھائی تھے۔)

(2) کتاب مناقب سلیمانہ فارسی مرقوم است مرتبہ حضرت میاں دہری توشہی

(یہ کتاب مختلف ملفوظ شریف کے حاشیہ پر لکھی گئی ہے۔)

(3) "المختص" ملفوظ فارسی۔ مرتبہ یار محمدین تاج محمد پاکپش، یہ نسخہ مختص ملفوظ شریف (میرا) ہی کا دوسرا نقلی نسخہ ہے لیکن دوسری کے کاتب الگ الگ ہیں۔ اس نسخے کی کتابت 14 محرم 1316ء کو مکمل ہوئی اور اس کا کاتب احمد الدی ہے۔ اس کتاب کے 471 صفحات ہیں۔ 26x17 سیش میٹر کی تقطیع ہے۔

(4) انوار سلیمانہ (فارسی) مرتبہ یار محمدین تاج محمد۔ یہ نسخہ بھی (1) اور (3) کا دوسرا نقلی نسخہ ہے۔ اس کا کاتب میاں غلام محمد ولد حافظ محمد یختیار ہے۔ یہ نسخہ مجمعے جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق سے دستیاب ہوا۔ 25x16 سیش میٹر کی تقطیع پر ہے۔

خواجہ صاحب نے اپنی تمام سر رشدد و ہدایت میں بکرازی آپ نے تقریباً 68¹ سال توجہ میں رہ کر عوام کی خدمت کی۔ آپ کے حیدری اور غلامی کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ منافع چشت میں ان کی تعداد متعین لکھی ہے۔ حدیثۃ الاولیاء کے مطابق

"تمام سر حضرت نے ہدایت و ارشاد میں گزاری اور ایک لاکھ سے زیادہ

حضرت کے مرید اور سیکڑی گزار و بچار نے تہہ کی۔" 3

ساری عمر لوگوں کی خدمت کرنے کے بعد آخر 84 سال کی عمر میں 1857ء/1850ء میں وفات پائی۔ حدیثۃ الاولیاء کے مطابق

"وفات حضرت نویں ماہ صفر روز پنج شنبہ سنہ ایک ہزار دو سو سرشت

1- بحوالہ "ذائقہ اللہ الماکھی" فارسی، ص 155

2- بحوالہ "منافع چشت" ص 664

3- بحوالہ "حدیثۃ الاولیاء" از غلام سرور لاکھوی، ص 54

(1267ھ) میں واقع ہوئی۔ " 1

مآتب سلیمان (فارسی) میں لکھا ہے کہ

"... سال مبارک حضرت خواجہ کے بتاریخ 7 صفر 1267 ہجری

مطابق آمد۔" 2

گلشن ابرار کے مطابق

"بتاریخ ہفتم ماہ صفر المظفر بہ صبح خمس در سن یکہزار و دویست و

شعب و عتق از ہجرت طائر رخ پر فتح آفتاب از قفس مصری پرواز نمود۔" 3

آپ کی وفات پر کئی شعراء نے قطعات کہے حدیثہ الاولیاء میں یہ قطعہ درج ہے۔

شاہ والا شان سلیمان اہل فیس

شہ جو از دنیا بدرجہ برسی

ای ہو سلطان سلیمان اہل فیس

بر تارینش سرور گشت دل

1267ھ

مولوی حسین علی فتح پوری نے یہ قطعہ لکھا ہے

یکایک در جہاں ظلت بہلرز

سلیمان زمان رحلت جو فرمود

بکشت "او آفتاب چشتیاں بسود۔" 5

پس سال وصالش حالت فہم

مولوی محمد حسین نے تاریخ وصال میں بیان کی

شہ سلیمان رحمتہ اللطیف

خواجہ ما آن امام العارفین

جان بجاں داداں طس طس۔ 6

ہفتم ماہ صفر صبح خمس

خواجہ سلیمان تونسوی کے تین فرزند تھے۔ خواجہ گل محمد، خواجہ درویش محمد اور خواجہ عبداللہ ان میں

سے خواجہ گل محمد جو بڑے صاحبزادے تھے وہ آپ کے خلیفہ مقرر ہوئے۔

1۔ بحوالہ "حدیثہ الاولیاء" از غلام سرور لاہوری، ص 54۔۔ خاتم سلیمانی، ص 148 کے مطابق "وفات بہ

شب جمعرات ہفتم ماہ صفر 1267ھ ہوئی۔" آپ کے ستہ وفات کے بابر میں تمام تذکرہ نگاران متفق ہیں

صرت قافی حاید کی کتاب "پنجاب کے مولوی دانشور" ص 243 کے مطابق انکا وصال 1851ء میں ہوا۔

2۔ بحوالہ مآتب سلیمانی مؤلفہ غلام محمد خان، ص 83

3۔ بحوالہ گلشن ابرار قافی (علی) از مولانا امام بخش، ص 352-353

4۔ بحوالہ "حدیثہ الاولیاء" ص 54

5۔ (1) خاتم سلیمانی، ص 148 (2) مآتب السبھی (ترجمہ) ص 199

6۔ بحوالہ "گلشن ابرار" (علی)، ص 353

خواجہ سلیمان توحید کو ان کے عبادت خانے میں دیا گیا۔ بعد میں خواجہ بہاول خان

ثالث نے جو آپ کے مرید تھے، آپ کی قبر پر سنگ مر مر کا مقبرہ تعمیر کرایا "خاتم سلیمان" کے مطابق

"پہلے چھٹی سا مقبرہ تھا۔ خواجہ صاحب بہاولپور نے لہذا 70 ہزار روپے

خرچ کر کے ایک سنگ مر مر کا عالیشان روضہ تعمیر کرایا ہے اور حضرت

ٹاٹی خواجہ اللہ بخش صاحب کے وقت میں اس روضہ کے اندر دیابت عددہ

قیمت نو سو سنگ مرمر (اہلہ) سے بنایا گیا ہے اور مزار مبارک کے اسی روضہ

شریف کے اندر ایک چھوٹی سی بارہ دہری بنائی گئی ہے جو سنگ مرمر کی

ہے اور قیمت پتھریں ستمیں دسیرہ سے منہ ہے اور اسے سوئے کا نام کیا

گیا ہوا ہے۔" 1

حضرت منشی غلام حسن شہید

مدحتہ الاولیاء ملتان میں تیرھویں صدی عری کے نہایت اہم اور سیر آورہ صلیب میں ایک

نام منشی غلام حسن شہید کا ہے جو حافظ محمد جمال ملتان اور خواجہ خدا بخش کے نامور خلفاء میں

شمار ہوتے ہیں۔ ان کی حیثیت بطور ایک مولیٰ مانی، ایک عاشقِ صادق اور ایک شاعر کے مسلم اور غیر

ہے۔ آپ کا وجود مسعود سوز میں ملتان کے لئے باعثِ برکت اور وجہِ حفظ و امان تھا۔ جب تک آپ زندہ

رہے انگریز ملتان پر قبضہ نہ جما سکے بلکہ ملتان پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے انگریزی نے حضرت غلام حسن

کو شہید کیا۔ آپ ایک ماهرِ خطاط اور خوشنویس تھے۔ کئی مخطوط اور نثری کتابیں کے مصنف تھے۔ عربی،

فارسی، اردو اور ہندی زبانیں پر قدرت حاصل تھی۔ سرائیکی ان کی مادری زبان تھی چنانچہ ان سب

زبانوں میں ان کا کلام موجود ہے۔ یہ کہنا صحیح جا نہ ہو گا کہ سوز میں ملتان سے تعلق رکھنے والے وہ

تین مولیٰ شاعری میں غلام حسن شہید کو اس لحاظ سے فوجیت حاصل ہے کہ انہی نے سب سے پہلے

اردو میں بالادہ شاعری کی۔ ان سے پہلے کے مولیٰ شاعری کے یہاں ہندی، فارسی اور اردو کے مخلوط

صوفیہ قول جاتے ہیں یعنی اردو کا ایک آدھ حصہ، ایک آدھ شعر یا ایک آدھ قول لیکن اردو شاعری

پر بالادہ طور پر طبع آزمائی نہیں ملتی۔ غلام حسن شہید سوز میں ملتان کے وہ پہلے مولیٰ شاعر ہیں،

جن کے یہاں غالباً اردو کا کلام ملتا ہے۔ پھر انہی نے سائل صورت کو نہایت عام نیم اور دلکش انداز

میں پیش کیا اور تشبہ کے ذریعے انکار کی وضاحت کی۔ ان کا تالیاں لیکن عام نیم اسلوب بڑا دلچسپ

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ محض ایک مولیٰ کی حیثیت سے نہیں ایک عالم، ایک شاعر، ایک ادیب، ایک

خوشنویس، ایک شان اور ایک علمِ اخلاق کے بطور زیادہ پہچانے جاتے ہیں۔

غلام حسن شہید 1202ھ/1782ء میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش اس شعر سے

1: (1) "ملتان میں اردو شاعری" از ڈاکٹر طاہرہ تنویر، ص 52 (2) منتخبات از دیوان حضرت حسن (علی)

ص 69 (3) انکی فوجیت میں پاس ہے۔ — البتہ "اولیائی ملتان" از فوجیت ملتان، ص 133 اور "اثر طنات"

از شیخ محمد اکرام، ص 242 میں آپ کا سن پیدائش 1302ھ لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے اس لیے کہ

آپ حافظ محمد جمال کے غلیفہ تھے اور ان سے تعلیم حاصل کی تھی جس کا سن وفات 1226ھ ہے۔

کلتی

سال تولید ر خاصیت طائفہ آمد ست

1202ھ

ہم ہزارہ ماہ طیفہ خلافت عید شد

آپ کے والد کا نام مشی جان محمد اور دادا کا نام مشی فاضل محمد تھا۔ جن کا تعلق ذات پٹھان قوم راجپوت سے تھا۔ مشی غلام حسن شہید جعفری سے تھے تو حافظ محمد جمال آپ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اور آپ نے ان کے مکتب میں تمام علوم متداولہ پر مہر حاصل کیا۔² اور حافظ محمد جمال ان سے بیعت کی۔ مشی غلام حسن و مدت الوجود فلسفے کے فاضل تھے اور اس سلسلے میں مصروف مطالعہ کے فلسفے سے متاثر تھے۔ اس کا اظہار ان کی صلیبہ شاعری میں بھی ہوا ہے۔ آپ ماهر خوشنویس تھے اسی بناء پر لوگ آپ سے ہتکا کتابیں لکھوانے آتے تھے۔ آپ کے والد سلطان کے سیکرٹری دیوان شاہی مل کے مشی تھے۔ آپ کے متعلق بھی یہ روایت مشہور ہے کہ آپ

"دیوان شاہی مل اور اس کے لڑھے دیوان مولراج کے مہر مشی تھے۔"³

اولاد علی گیلانی کے مطابق

"چونکہ آپ کو خوشنویسی میں بہت طویل حاصل تھا اور دور دراز سے لوگ ہتکا آپ سے کتابیں لکھوانے کی خاطر آتے تھے اس لئے مشی صاحب آپ کا لقب ہو گیا۔"

جبکہ عمر کمال خاں لکھتے ہیں کہ

"آپ خواب مظفر خاں کے مشی شاہ میں اپنے والد مزدگار کے ساتھ طائز

تھے اس طائز اور اس پیشہ کی وجہ سے مشی کہلاتے تھے۔"⁵

- 1- ضمیمہ پھول "حضرت مشی غلام حسن شہید رحمۃ اللہ علیہ" از محد اقبال قاسمی، ماہنامہ امروز، 21 اکتوبر 1983
- 2- محد اقبال قاسمی اپنے ضمیمہ "حضرت مشی غلام حسن شہید" میں حافظ محمد جمال سے آپ کے حصول تعلیم کے بارے میں یہ روایت درج کرتے ہیں کہ "مجھ میں جلیل حضرت (غلام حسن شہید) کو تعلیم کی طرف رغبت کم تھی۔ استاد حسیف زحر و تو بیخ فرمایا کرتے تھے ایک دن اسی حالت میں تو بیخ میں آستا تھے سامنے رو رہے تھے کہ حضرت خواجہ حافظ محمد جمال کا گزر ہوا مجھ کی حالت دیکھ کر حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ جاں جس یہ بچہ آپ سے نہیں پڑھتا تو اس کو میں حوائج کر دیں میں اس کی تعلیم و تربیت کرے گا، چنانچہ آپ اس وقت سے حافظ صاحب علیہ الرحمۃ سے وابستہ ہو گئے۔"

3- "ارن سلطان" از شیخ محمد اکرام، ص 242

4- "اولیائے مٹان" از اولاد علی گیلانی، ص 262، صفحہ میل پہلی کثیر ناشر، بار اول، جنوری 1964ء

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کو یہ خطاب آپ کے علم و فضل کی وجہ سے ملا ہوا، بہرحال آپ کے باپ، دادا کے نام کے ساتھ بھی مشی کا لقب شامل تھا۔۔۔

غلام حسن شہید نے نواب مظفر خان شہید کا زمانہ پایا ہے جو کہ اشعار میں مدعی عیسوی کا آخر اور اسیں مدعی عیسوی کا آغاز ہے۔ یہ زمانہ سیاسی اعتبار سے انتشار اور ہدامتی کا دور ہے۔ اس سے پہلے بھی حافظ محمد جمال کے عیس میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس زمانے میں ہرمغیر ہر انگیزی کی حکومت قائم تھی، ملتان میں نواب مظفر خان شہید حکومت کرتے تھے جبکہ پنجاب میں مبارجہ رعیت سٹھ اپنی طاقت کے بل بوتے پر مختلف علاقوں میں قبضے کی خاطر مسلسل فوجی کارروائیاں کر رہا تھا۔ چنانچہ ملتان کا زینت خطہ بھی اس کی دھڑ میں تھا۔ آخر کار 1818ء میں اس نے نواب مظفر خان کی شہادت کے بعد ملتان پر اپنیveldary قائم کر کے دیوان ساہی مل کو ملتان کا گورنر بنایا پھر اس کے بعد اس کے بیٹے دیوان مولراج نے یہاں کی گورنری سنبھالی۔ ملتان پر مکھی کو انگیزی نے آسانی سے حکومت نہ کرنے دی اور اسی نے ملتان فتح کرنے کی کوشش شروع کر دیں۔ اس عہد میں مشی غلام حسن زندہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے انگریز ملتان پر قبضہ نہ جما سکے۔ آخر ایک انگریز سپاہی نے 29 محرم 1265ھ/1845ء میں آپ کو گولی مار کر شہید کر دیا۔ اس وقت آپ کی عمر 63 برس کی تھی۔ آپ کے باپ میں حافظ محمد جمال اور خواجہ عدا بخش ٹاہیالی کی طرح مکھی کے غلات حیات میں عہدہ لکھنے کا ذکر تو کہیں نہیں ملتا البتہ انگریز سپاہی کی گولی سے شہادت کا ذکر تاریخوں میں موجود ہے۔ حکم جہ لکھتے ہیں کہ

”باطنی حاکم ملتان کا جو قصری سے ہوتا رہا وہ میدانِ حضرت سے ہوتا
 ہے۔ ہر وقت تغیر و تبدل سلطنت کی جب وہ باطنی حاکم وصال کرتا تھا
 جب دوسرا حاکم فتحیاب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جب سرکار انگیزی نے ملتان
 فتح کیا جب کہ مشی غلام حسن صاحب نے وصال نہیں پایا۔ ملتان فتح

1۔ (1) ”ملتان میں اردو شاعری“ از ڈاکٹر طاہر قیصر، ص 52 (2) تصنیفات از دیوان حسن ص 69 (قلمی) سے ولادت کی طرح فوجت ملتان اور شیخ محمد اکرام نے آپ کا سن وفات بھی 1365ھ بتایا ہے جبکہ حکم جہ نے ”تواریخ ملتان“ ص 88 میں آپ کا سن وفات 1228ھ اور عمر کمال خان نے ”نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد“ ص 287 پر 1848ھ بتایا ہے جو درست نہیں ہے۔

میں ہوا تھا پھر اگلی کوفہ فتح سرکارد نے مثنیٰ غلام حسن کو گولی سے مار دیا اس پر مثنیٰ فتح ہو گیا۔" 1

اس سلسلہ میں ۲ روایت بھی سامان کی جاتی ہے کہ

"مثنیٰ نے ظاہری مقام کا تسلیم و قبول اس وقت عمل میں نہیں آیا کرتا تھا جب تک باطنی مقام ہو حضرت جمال اللہ کے میدانِ عباس میں سے ہوتا تھا، یہاں تک کہ حاتم اشکریز انواع نے جب شہر پر حملہ کیا تو قلعہ میں کی گولی صورتِ نظر نہ آئی مثنیٰ طریقہ سے بیکہ چلا رہا تھا کہ شہر فتح نہ ہوئے گی وجہ کیا ہے؟ کسی نے بتایا کہ جب تک حضرت غلام حسن زندہ ہیں تب تک ظاہری حکومت کی تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا چنانچہ ایک اشکری نے مثنیٰ صاحب کو اپنی ہدایت کا اشارہ بنا کر شہید کر دیا۔" 2

ان کا یہ لباس جس پر گولی لگی تھی حضرت غلام حسن شہید کے سجادہ نشینوں کے پاس محفوظ ہے۔ آپ کی وفات پر بعد آپ کے بیٹے صاحبزادے خواجہ مقدم غلام حسن غلطہ ہوئے۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ غلام حسن شہید بڑے عالم فاضل، دانشور، ادیب اور شاعر تھے اور انھیں اردو، سرائیکی، فارسی اور عربی زبان پر یکساں مہارت حاصل تھی۔ شیخ انوار الحق نے

"عربی اور فارسی پر عالمانہ عبور تھا۔ آپ نے فارسی، عربی اور سرائیکی زبانوں میں دوا میں جملے لکھے۔" 3

شاعری میں آپ کا سلیقہ بہت بلند ہے۔ فارسی، سرائیکی اور اردو میں یکساں مہارت اور ہنر کی ساتھ شاعرانہ کیف تھی۔ حضرت غلام حسن شہید کا تمام خود ان کی رہائی میں اتنا صرف اور قبول ہوا کہ مختلف مقاموں میں نواں ان کی کامیابی اور عزائم آگیا کرتے تھے۔ چنانچہ جامع السالکین (مطالعہ حضرت سلیمان بنسور مرتبہ امام الدین) ص 112 پر ایک گھڑابی درج ہے جو حضرت غلام حسن شہید

- 1- "توانج مثنیٰ" از حکیم جہا، ص 88
- 2- مرید حوالے مملکت دہلی "اویان مثنیٰ" از اویان علی گان، ص 263
- 3- "اویان مثنیٰ" از پتھر حسن فاطم، ص 113
- 4- "اویان مثنیٰ" ص 142

کی ہے اور " طبع جمال " (غزلیہ عقیدت) میں بھی موجود ہے۔ اسے ماں احمد ذوال نے گایا " طالع
الساکن " میں لکھا ہے

" رفتہ در حضور قبلہ من ابراہیم خان سرود کرد

.... آجہ پہل پہنگھاں ہاں

سماں ول مل جھوش کیاں

جھوشے حیر سال ہی آج ہسی کھر آیا ۔۔۔

آپ کی بہت سی تصانیف ملتی ہیں جو نثر اور شاعری کے مختلف موضوعات پر ہیں ان میں زیاد
تر فارسی زبان میں ہیں۔ ان کتابوں میں کچھ مطبوعہ ہیں اور کچھ قلمی صورت میں ہیں۔ آپ کی تصانیف
کی تفصیل اس طرح ہے

- (1) دیوان حسن (فارسی) مطبوعہ (اس کے قلمی نسخے کی فوٹو کاپی میں پاس موجود ہے۔)
- (2) اشعار گلزار حاض و در اشعار عبارت ماضی (یہ کتاب مائع ہو گئی، کچھ شاہی تصانیف میں)
- (3) رسالہ موج دنیا (فارسی) در باب کشیدہ حقائق و حال دقائل مسئلہ توحید
- (4) بحرالملاح (عربی) (یہ دوہی ناماب ہیں۔)
- (5) حصہ در بیان اصطلاحات صوفیہ (یہ بھی ناماب ہیں۔)
- (6) کلمات الانصاف (عربی) (اس کی نقل موجود ہے۔)
- (7) نور الہدایت (فارسی) یہ 1885ء میں غیسقہ میں ملتان سے شائع ہوئی تھی۔
- (8) رسالہ نور الہدیٰ (فارسی) (ان دوہی قلمی نسخے کی فوٹو کاپی میں پاس ہے۔)
- (9) (یہ دوہی کتابیں آپ نے اپنے بیٹے صاحبزادے مقدم نظام سے لے کر لکھی۔)
- (10) ریح القلندر (یہ ناماب ہیں اور کیا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کے لکھے تھے۔)
- (11) انوار جمالہ (فارسی) (حافظ محمد جمال کی سوانح معروہ ہے جو کہ مطبوعہ ہے لیکن میں پاس
- قلمی نسخے کی فوٹو کاپی میں ہے۔)
- (12) دیوان نظریات (اردو-عربی) قصید اور پنجاس زبان میں مختلف شعری اصناف 69 صفحات
- قلمی نسخے کی فوٹو کاپی میں پاس موجود ہے۔

(12) تذکرہ حضرت محبوب ذوالنہض --- چار اوراق پر مشتمل تذکرہ از بار سجد خلیفہ شاہانہ
حضرت غلام حسن شہید۔ یہ اردو میں لکھا ہوا ہے۔ تاجیک یکم شعبان 1310ھ ہے۔
(فلسی ضلع کی فوٹو سٹوٹ میں پاس موجود ہے۔)

(13) رسائل حصہ از نظام الدین رنگریز (فارسی) فلسی۔ اس رسالے کے اقتباسات کی نقل میں
پاس موجود ہے۔

ذیل میں غلام حسن شہید کی کچھ اہم دستاویز تصانیف کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے۔

(1) نور الہدیٰ (فارسی) --- یہ رسالہ حضرت غلام حسن شہید نے اپنے فرزند غلام حسن کے لئے
لکھا جیسا کہ رسالے کے شروع میں تصریح موجود ہے۔

” اس رسالہ ایسا ہے جو حق مطلق بہ نور الہدیٰ پرائے فرزند ارحمہ سعادت
آئیں غلام حسن ظہر اسم الہادی است صورت تعہد بافت و از خلق گدہ
شعر پر فراز مرصعہ نظیر شگفتہ - مشتمل است بر صالح سود مند کہ
سعادت مندان ازل ہاں در غیورہر جا کہ کہ اعلیٰ ارادت ازاں پہرہ دانی
برہ۔ اللہ تعالیٰ اس درپیش خاز کش و جمیع مسلمین حق اہدیت را توفیق
علم و عمل توفیق بخشد و از علم و عمل بمصوب برآمد و بہ مدار و بحال
گنبدہ “ 1

اس کے بعد اللہ اللہ جی میں عیاض دج ہے۔ ہر عبارت کے آغاز میں ” اس جاں ماما “ کے الفاظ سے
مخاطب کیا گیا ہے اور ہر جگہ میں ایک صیغہ دج کی گئی ہے۔ مثلاً ” سب سے پہلی صیغہ تحصیل علم
کے بارے میں ہے جس میں تفسیر، حدیث، فقہ، کتب تاریخ و تذکرہ وغیرہ پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ
حصولِ مقصد کے لئے تعمیل و توفیق پیدا ہو۔ آداب و معاملات اور خانہ و عادات کے بارے میں اطلاع
حاصل ہو اور ملک کی راہ کے لئے دستوالعمل چتر آئے۔ دوسری عبارت میں مدد و اغلاص اور ارادت و
عقیدت کی صفات پیدا کرنے کی بھیجی صیغہ ہے اور جناب رسالت مآب کی متابعت اختیار کرنے کی تلقین کی
گئی ہے۔ تیسری ذات کے لئے علوم ظاہری میں کافی دھیس علوم باطنی بھی ضروری ہیں۔ تیسری صیغہ حفظ
توحید کے سلسلے میں ہے لکن اس کے لئے عقل سلیم اور طبع مستقیم کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اس سے اگلے
جگہ میں وحدت و کثرت کی تشریح دینا اور موجوں کے حوالے سے کی ہے۔ جس طرح امواج کی کثرت دینا ہی

یکسانی کے مطابق نہیں ہے اس طرح مظاہر کی فراوانی اور کثرت بھی وحدت ذاتِ مقدس کے مطابق نہیں ہے۔ جس طرح دریا موج و حباب، کف و بخار، اور باران اور ہر ذرہ میں ظاہر ہوتا ہے اس طرح وجود مطلق سکرات کی مختلف صورتیں میں ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا جس طرح دریا کو موج یا موج کو دریا نہیں کہہ سکتے اس طرح حق کو عبد اور عبد کو حق بھی نہیں کہتے حالانکہ موج کا وجود دریا سے اور وجود خلق حق تعالیٰ سے ہے تاہم دریا اپنی ذات میں موج کا محتاج نہیں جبکہ موج کا وجود دریا کا سرخی سے ہے۔ اس طرح حق اپنی ذات میں خلق کا محتاج نہیں جبکہ خلق اپنے وجود کے لئے حق کی محتاج ہے۔ جس طرح موج کی نسبت دریا سے قبل از ظہور بھی موصیٰ ہے اور بعد از ظہور بھی قائم رہتی ہے اس طرح خلق کی نسبت حق سے قبل از ظہور بھی تعیٰ ہے اور بعد از ظہور بھی ہے۔ غلام جس شہید دیہات عالمانہ لیکن عام فہم اہل از میں مختلف مثالوں اور حوالوں سے اپنی بات کی وضاحت کرتے چلے جاتے ہیں لیکن تمام مسائل کی تفہیم کے لئے سب سے پہلا مرحلہ معرفت نفس کو قرار دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں

"ترا باید کہ اولاً معرفت نفس پیدا کنی کہ کج و کیستی کہ من عرف، نفس
فقد عرف نفسه" 1

وحدت اور کثرت کے مسئلے کی تشریح کے بعد سلوک کی راہ پر چلنے کے لئے مختلف تقاضوں کا ذکر کیا ہے۔ پھر طہارت کی وضاحت کی ہے۔ اللہ کے دوست کی شانیں یہ بتائی ہیں کہ اس کی سفارت دریا کی سفارت، اس کی شفقت آفتاب کی شفقت اور اس کی تواضع زمیں کی تواضع کی مانند ہے۔ طہارت کی دو قسمیں بتائی ہیں ایک ظاہر طہارت اور دوسری باطنی لیکن دوسری ضروری ہیں پھر ارکان اسلام کی تشریح الگ الگ کی ہے۔ آخری ضلعی میں خدا دوستی، میثاقِ نوازی، خدمتِ خلق، صلہٴ رحمی، بشمول اور سکینہ کی مدد، بیماری کی عیادت، عاز جنازہ میں حاضری، باہمی شفاعت، خاطر تواضع، فروتنی و مروت، ایثار و تحظیم، صلہٴ سواک، طہارت، کتبِ حلال، گمراہی کی اصلاح، بزرگی کی عزت، اہل و عیال کے شان و شکھ کا خیال، ہزاروں ہر حاضری اور نیکی کی طرف رجوع کرنے کی تہ صرف ظہور کی ہے بلکہ دعاوی زہدی میں اس کی اہمیت پر بھی زور دیا ہے۔

اختتام میں حضرت مولوی خدا بخش ملتانی کو اس آخری دور کا شیخ المشائخ ، حجت الاسلام

والصلی ، سید المومنین ، سلطان الفائقین ، شمس الفاروق ، طریق المجاهدہ ، غریق المشاہدہ ، غوث
الائمہ ، قطب الاسلام ، جاش شریعت ، ہادی طریقت ، کشاف اسرار حقیقت ، بحار عرفہ ، صولی صاف شرب ،
وجود مستغرق ، وجود بحر شہود و قدوس علمائے کرام ۔۔۔ مظہر نام جمال اللہ المطلب بہ محبوب اللہ
تسلیم کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان کا تربیت یافتہ اور ان کے غواں سمعت کا خوشہ چس قرار دیا ہے۔

اس رسالے کا کاتب اللہ بخش ہے جس نے 27 ماہ صفر 1330ھ کو اس کی کتابت مکمل کی۔ رسالے

کے کل اوراق نمبر 23 ہیں۔ اسلوب سادہ ، ادب سے اور دلکش ہے۔ منطوق مسائل بصورت کی
تشریح نہایت عام فہم انداز میں کی گئی ہے۔ اور تشبیہ کے ذریعہ وضاحت کی گئی ہے۔ زبان اچھے فارسی
ہے لیکن اردو خواہہ لوگ اس کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

حشی غلام حسن شہید بحیثیت شاعر
=====

جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ حشی غلام حسن شہید صولی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بختہ گو،
قادر الکلام، اور خوش رنگ شاعر بھی تھے۔ ان کا فارسی ، سرائیکی اور اردو کلام دستیاب ہے۔ ہم سب
سے پہلے ان کے فارسی کلام کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس میں ایک تو مثنوی نور ہدایت ہے اور دوسرا دیوان
حسن۔ ہم یہاں دونوں کا جائزہ الگ الگ پیش کرتے ہیں۔

حشی غلام حسن شہید کی منظوم تصنیف ”نور ہدایت“ ایک مثنوی ہے جو فارسی زبان میں
لکھی گئی ہے اس کے قلمی نسخے کی فوٹو سٹیٹ کاہنس میں پاس موجود ہے جو مجھے میں مقالے کے شران اور
رحمنا جناب ڈاکٹر مہر عبدالملق سے دستیاب ہوئی ہے۔ یہ کتاب میان ہلال بخش مبارک خانقاہ حضرت غلام
حسن شہید کے فیروز مار محف نے اپنے ہاتھ سے لکھی اور حوا کے اس کتاب کے ص 85 پر درج ہے کہ
یہ 29 محرم 1304ھ میں مکمل ہوئی۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ سجادہ شہی خانقاہ حضرت شہید، فیض
الحس صاحب کی ملکیت ہے۔ جناب ڈاکٹر مہر عبدالملق نے یکم ستمبر 1974ء کو لفظ بلفظ نقل کی ، انھیں
سے مجھے حاصل ہوئی۔ یہ کتاب 85 صفحات پر مشتمل ہے۔

مثنوی کا گہازِ مناجات ہے ہوتا ہے جس میں نہایت دلکش اور شاعرانہ انداز میں سوزِ عشق،
حرارتِ پرواہ، آتشِ نور اور شرابِ دلنواز کے ساتھ ساتھ ایک ایسے دل کی طلب کی ہے جو معنیِ سر
وِلاحت، طبعِ نورِ ہدایت، غبارِ پیرِ راز اور مدغمِ خلعتِ خاص ہو۔ ایک ایسا دل جو

دلچہ وہ درِ فصلِ پورہٗ عشق
جو سلطانِ شہرِ رحمت خوردہٗ عشق
دلچہ از وادیِ ایمنی رسیدہ
جو موسیٰ شعلہٗ آتشِ خمیدہ

دوسرا عنوان "حد" کا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ثنا کا حق ادا کیا گیا ہے۔ تیسرا حصہ
حضور کی نسبت پر مشتمل ہے۔ حضورؐ سے کس آنرو کا اظہار کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے
بہادرِ حلقہٗ رحمتان گذر کس
خود را رغبت از پیوی در کس
نور کس خرقہٗ زہد رہا را
بگردان دور جامِ کبریا را

گویا غلامِ حسنِ شہید کے نزدیک وہی، زہد رہا سے بہتر ہے اور عشق و سستی کی دنیا میں عقل و خود
کا گزر نہیں۔ اس کے بعد خراج کا ذکر ہے۔ پانچواں عنوان "در مدح پیرِ دستگیرِ روشن ضمیر" — حضرت
محمد جمال اللہؐ ہے جس کے تحت اپنے مرشد اور پیرِ حضرت جمال اللہ ملتانی کی تعریف کی ہے، کچھ
اشعار ہیں جن میں

زہے پیو بہ صفتِ دستگیر	ز نور معرفتِ روشن ضمیر
بظاہرِ وادیِ راہِ طہارت	بیاضیِ واقعہٗ سرِ حقیقت
لقا ہر لحظہٗ حوایانِ رہائش	احابتِ چشمِ ہر راہِ رہائش
رغشِ آنیتِ دارِ دہرِ مطلق	دلشِ گھرِ شمارِ حکمتِ حق
جمالشِ را کمالِ دلشامی	کمالشِ را جمالِ جاودانی
زہے جس وز ہے معیونی او	جیسا ہے مثالیٰ غصی او

مثنوی کے چھٹے عنوان کے تحت "ابجدِ آدم" کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ پھر قولِ سلطانِ عشق ہوا۔۔۔
وہ عشق جو سرِ آرائیِ اظہارِ تقدس اور شمعِ فہماں وہ آفاق و ارضی ہے۔ اس کے شہر میں آنے والی ہی
فرہاد نے پیاز کھجور ڈالا، زلیخا ادب سے اس کے آگے جھک گئی۔ بلبل نے اس کی ثنا خواہی شروع کی۔

قمری شرط تسلیم ہوا لائی۔ پرواہ آہ جگر سے کے ساتھ شمع کا طواف کرنے لگا۔ شبیں نے اپنے شکوہ سے اس کے بھری کو شہت قد پہلایا۔ سو آزاد اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا اور شمشاد نے اس کے سامنے زمیں کو بوسہ دیا۔ ایک طرف خیل خیلان جلوہ لگوا ہوا تو دوسری طرف عاشقان مقام آرا جمع ہو گئے۔ ایک طرف ساقی نے شراب سے جام بھرا اور دوسری طرف ہوش حانا رہا۔ نالہ و فریاد اور آہ و زاری کا بازار گرم ہوا۔ ایک طرف ایک بوسے کے لٹنے پیغام پہنچا تو دوسری طرف ہوشی سے دشنام کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک طرف وصل کی خواہش کا اظہار ہوا تو دوسری طرف احابت نے کانٹے میں روضہ ٹھونس لیا۔ خرد اور حسی کی جھٹ چھڑ گئی۔ خرد نے دامن کے سینکڑی دفتر کھول لئے تو حسی نے اس کا ایک ایک ورد ہرمان کرتا شروع کیا۔ خرد نے چارہ ساری شروع کی تو حسی نے گہیاں چاک کر دیا۔

آنکھیں بند ہیں ایش حواس سے پوری تک کا احوال اور اس منہی کا سبب تصدیق ہوا کیا ہے کہ عہد طفل سے عشق نفسی ساز کا شکار رہے۔ کبھی کبھی سے ہے اور کبھی سے شغف ہے خرابی کی صورت پیدا کی۔ کبھی نالہ و فریاد سے واسطہ رہا اور کبھی گریہ ہائے بزم سے۔ کبھی دل سے صبر و قرار چھوٹ گیا اور کبھی دل کا اسرہ آگے کی ذیبت بہہ گیا۔ کبھی شوق نے دامن کھینچا تو کبھی وحشت کے ہاتھ گہیاں چاک ہوا۔ اللہ سوائے عشق و حسی کے کوئی کام نہ تھا کہ اچانک ایک حسی جہنم نے بجلی گرائی اور کا چہرہ غیرت ماہ تھا کہ سوچ کی آہد نے خواب میں بھی ایسا چہرہ نہ دیکھا ہو گا۔ شمع یہ نکلا کہ

ز عشق آن جمال دل سوزم	حقیقت جلوہ گر شد در مجازم
وہ اندر عالم تجسید بسوزم	مے از غمشاد تومید خوردم
حجاب از بوشے هستی ہر گزرم	حساب زہدی از سر گرفتسم (ص 24)

اس نے اسرہ دلی کو دل گرم حوش بخش مودی کو حیات تازہ دی اس نے ایک ایسا شغف مودی عطا کیا جس نے یہ توفیق کو عوا، گرم راہی کو راہ، بھاری کو شاد اور درد مودی کو دوا دی۔

نہیں یہ میں شیخ مصر حلاج کے حوالے سے حدیث عشق بیان کی ہے۔ دسواں حصہ سرور قمری اور شمع پرواہ کی تشبیہ سے عشق میں صبر و قرار، برداشت اور حوصلہ مودی کی تلقین پر مشتمل ہے۔

گمراہوں بہ۔ میں لیلیٰ معنی کی حکایت بیان کی ہے۔ دونوں کے سوال و جواب بڑے دلچسپ ہیں، مثنوی
ملاحظہ فرمائیں

چمن آئست و در ہم جرائس	بہ زلف گفت دارم آئینہ آئس
بگفتا چو نیائی جابہ بند	بگفتا بیکہ وہ کم کدوم از وجہ
بگفتا از چہ کردی ہمیں جاک	بگفتا از دستہود عشق ہم پاک
بگفتا چو غمیدست پشت زین ساں	بگفتا ای جان من از ہار ہجران
بگفتا از چہ ای زین گوشت بیمار	بگفتا از چشم شمع چو تو دلدار (ص 31)

بارہویں بہ میں ایک نوجوان کی محبت کا حال بیان کیا ہے۔ پھر تیرہویں اور چودھویں بہ میں حکایت
معنی بمطابق مضمون سابق "مظلوم کی ہے۔ پندرہویں بہ میں شیخ جنید، سلوہویں بہ میں زلیخا،
سترہویں حصے میں ابراہیم بن شماس اشعار میں ایک زاہد، انیسویں میں معنی اور چھبیسویں میں
فرہاد کی حکایت کے حوالے سے عشق و جنس کے مختلف مراحل اور صورت کے موضوع مسائل کی وضاحت کی ہے
پچیسویں بہ پھر معنی کی حکایت پر مشتمل ہے۔ چھبیسویں بہ "شاہ شجاع کرمائی کے باختیار دولت
جاودانی ترک سلطنت قادی کردہ ہو" کے عنوان سے حکایت بیان کی ہے۔۔ اگلے سات بہوں میں معنی
ہیں کے حوالے سے دافانی و نادانی، سستی و ہشیاری، طالب و مطلوب، عشق و ہوس، جافشانی و ناخوشی
۔۔۔ وغیرہ کے موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ چوتھیں حصے میں زب مہار کی حکایت بیان کی ہے۔
اگلے تین بہوں میں پھر حکایت معنی کے بہ کھولے ہیں۔ انیسویں بہ میں حضرت خواجہ نصیر نواز
کی حکایت کے حوالے سے سلوک کی راہ میں ترک دنیا و عیشی کا عظمیٰ ہادھا ہے۔ اگلے دو بہ پھر
معنی کے ذکر کے حامل ہیں۔ معنی کا اتمام حیات جاودانی ہے اس لئے کہ اس کا عشق صادق تھا ہی
تو ہر کمال کو زوال ہے لیکن کمال عشق کو زوال نہیں ہوتا۔ غلام حسن شہید فرماتے ہیں

زوالے ہی پذیر ہر کمالے	کمال عشق را صبر زوالے
مگر این مثل آب زندگانی است	کہ تاثیرش حیات جاودانی است
چہ پاک از عاشق از غم جاں سیار	کہ عشقش زندہ جاوید دارد
شہد عشق الحق زندہ جاں است	کہ ترک او حیات جاوداں است (ص 32)

آخری بہ میں اس مجموعہ اسرار کی قبولیت ہی دعا کی ہے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ سحر آفریں کرمائی

نامہ ہے جو بنا آئیں اپنے اندر رکھتا ہے اور تحفہ ملتا ہے۔

نہاں نامہ سحر آئیں است نو آئیں تحفہ ملتاں زمیں است (ص 83)

انہیں یہ پدار بھی ہے کہ

نہاں مد معنی اندر حر عبارت بہ حر معنی بہشت مد اشارت

سودس دادہ از خبر سوشے شاں از زلف حواں بہشتے

سپوش نقشہ از زلف سخیل عروض حلقہ از تار کا کل

اس مثنوی کے اشعار کی کل تعداد 1260 ہے۔ ان اشعار میں مسود اور مشق کے مسائل حکایات اور مثالی

کے حوالے سے زیر بحث لائے گئے ہیں۔ پوری مثنوی کا اسلوب بہ حد سادہ لیکن شاعرانہ ہے۔ تشبیہ و

استعارہ اور ظامتی کے ذریعے مفہمت موضوعات کی وضاحت بڑے دلچسپ انداز میں کی گئی ہے۔ پوری عظم

یوں دیوان، مربوط اور دلکش آہنگ کی حامل ہے۔ یہ کہتا ہے جا کہ ہو گا کہ حضرت غلام حسن شہید

شاعرانہ صلاحیتی سے پوری طرح مصف تھے اور مفہمت (بانیوں میں شعر کہنے کی انہیں پوری قدرت حاصل

تھی۔۔۔

دیوان حسن (فارسی)۔۔۔ یہ دیوان مطبوعہ ہے لیکن میں ہاں دیوان حسن (فارسی) کے قلمی

نسخے کی فوٹو کاپی بھی ہے جو بعضے خطاب استظامی کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوئی ہے۔

صفحات کا یہ دیوان فقیر مار محمد خلعت میاں بلال بخش بنامہ خاتوا حضرت غلام حسن شہید کا

تصویر کردہ ہے۔ اس کے اخیر میں اس کی تاریخ تصدیق 23 شعبان المعظم 1303ھ ہجری جمعہ درج ہے۔ گویا

یہ دیوان مثنوی نور ہدایت سے ایک سال پہلے تصدیق کیا جا چکا تھا، اس دیوان کا آغاز اس وقت سے

ہوا ہے جو مثنوی نور ہدایت میں بھی شامل ہے لیکن مثنوی نور ہدایت اور "دیوان حسن" میں درج

شدہ ایک ہی صحت کے بعض شعر میں تبدیلی کی گئی ہے یہاں ان کی شاہدگی کی جاتی ہے۔ دیوان

حسن میں یہ شعر بھی درج ہے۔

جمالش سخن اسرار معنی جہیز طلع نور تجلی

مثنوی نور ہدایت میں اس شعر میں "نور" تبدیلی کر دی گئی ہے اور اس کی صورت بھی ہو گئی

جمالش سخن اسرار معنی جمالش طلع اسرار معنی

اسی طرح

بہ متنی کرد جی چشم اشارت

ہفتہ ملک دل را کرد غارت (دیوان حسن)

دو چشم صفا او با یک اشارت

متاع کشور دل کرد غارت (مثنوی نور ہدایت)

سزد گر آدم خاکی سرشتے

دعد بر دامن خالص بہشتے (دیوان حسن)

بدالش چونکہ آدم دیدہ بکشاد

بدام عشق او زین دامن افتاد (مثنوی نور ہدایت)

جو ہر کت سافر صہبا رواں کرد

کلم اللہ بد بیضا نہاں کرد (دیوان حسن)

جو دست خود را گھر نشان کرد

کلم اللہ بد بیضا نہاں کرد (مثنوی نور ہدایت)

حیالت را کہ ما شرمندہ اوست

ہزاروں ہم جو بیست بندہ اوست (دیوان حسن)

زہر مہر کہ ما شرمندہ اوست

ہزاروں ہم جو بیست بندہ اوست (مثنوی نور ہدایت)

حیات جان ہر عجبی نبات

خضر لب تشہ آب حیات (دیوان حسن)

دوائے جان و لب عجبی نبات

خضر لب تشہ آب حیات (مثنوی نور ہدایت)

بہر صریحی میں یکسانی اور بعض میں تبدیلی محسوس پہلے ہے۔ اس بعد کے بعد باقی اشعار بالکل مختلف ہیں۔ لغت کے بعد ص 11 سے غزلیات شروع ہوتی ہیں۔

حسن کے یہاں زیادہ تر حقیقت اور حرافت کے شعر ملتے ہیں بظاہر ان کا مفہوم مجازی طبع

ہوتا ہے لیکن ذرا سا غور کریں تو اس کی دوسری سطح ظاہر ہونے لگتی ہے۔ گویا حسن کے یہاں مجاز

اور حقیقت کا امتزاج اور ملا ہے۔ اس میں ایک سطح مجازی اور دوسری سطح حقیقت کی ہے اور دوسری تہہ

حقیقت کی۔ حسن کے یہاں عاشقی موضوعات یا سیاسی مضامین نہیں ہیں۔ یہ مروجہ نظام پر تنقید کا

تبصرہ ہے۔ سامنے کی زندگی کے حوالے بھی بہت کم ہیں۔ یہ شاعری تو سیدھے سادے عشق و محبت کے

مسائل، سوچنا، حقائق، عارفانہ مضامین اور مجاز کے پردے میں حقیقت کے یہاں پر مبنی ہے۔ حسن کی

شاعری کا نقطہٴ ماسک (NUCLEUS) عشق کا توڑا جذبہ ہے جو کائنات اور کائنات کی ہر چیز کا

محور ہے۔ سارا نظام اسی کے گرد گھوم رہا ہے۔ حسن عشق کے حوالے سے عاشق اور اس کی واردات کا اور

عشق کے حوالے سے اس کے سارے متعلقات کا ذکر تفصیل سے کرتے ہیں۔ چنانچہ دیوان حسن کا بیشتر حصہ ان تینوں موضوعات کے گرد گھومتا ہے۔ حدود و ثغائر، مستحکم فزلیات اور اہل بیت کی تعریف میں لکھے گئے اشعار کا محرک بھی یہی جذبہٴ عشق ہے۔

حیثاً کہ ابھی کہا گیا ہے کہ حسن کی شاعری کا مرکز جذبہٴ عشق ہے جو سارے جذبہ کا سرچاچ اور مددگار ہے۔ اس جذبہ کا وہ جس نے پس لیا وہ کیفِ سرمدی کا مالک بن گیا۔ جو شرابِ حقیقت کے مست الصفا ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی بہنواں دیکھ ہوتی ہے وہ بظاہر مٹے ہوئے ہوتے ہیں لیکن زندگی کا حسن انہی کی بدولت قائم ہوتا ہے۔ وہی امکانات کے تجسس اور محرک ہوتے ہیں۔ وہ بظاہر خاک کی پستی میں گمے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کا نظامِ ہمتِ عرض کی رنعتی سے بھی ماورا اور بالا ہوتا ہے۔ دراصل وہ اپنا دل "یار" کی زلفی کے خم و بیج میں اسیر کر کے باقی ساری دنیا سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کی نگاہ میں عام دکھائی دینے والے یہ "وہ" بے پروا "لا مے پروا" کے پلغوش اور عرض نہیں ہوتے ہیں

ماہر ز بادۂ السیم	ہر چہ کہ ہفتہ ہستم ہستم
از عرض ہفتہ تر شمیم	ہر چہ کہ ہیمو خاک ہستم
دل در خم زلف یار ہستم	از ہفتہ زمانہ باز رہستم
ای محنت از حسن چہ خواہی	بگذار کہ رفتہ سے پرستیم (92-93)

اور ان کی اس ہمتِ شبنم، رنعت و عظمت کا باعث وہ عشق ہے جس نے حیات کو بے پروا بنایا۔ زندگی کا سارا حسن، سارے نظامِ عشق کی بدولت ہیں۔ اسی لئے تو حسن فرماتے ہیں کہ ہم نے عبادت اور اطاعت کا مصبِ فرشتی کے ذمے لگا دیا اور اپنے آپ کو عشق کے لئے وقف کر دیا۔ کیونکہ عشق کا گد اگر کوئی کا شہشاہ ہوتا ہے۔ جو عشقِ کام میں لگ گیا اس کے لئے باقی سارے کام بیکار ہو گئے۔ اعلیٰ عشق میں عقل کا بجز دوس ہوتا۔ جو عشق کا راز دار بن جاتا ہے اس کے سامنے سارے اسرار حق کھل جاتے ہیں۔ عشق کی لذت اور خوشگوار شراب دیوانہ و مست کر دیتا ہے۔

ما از دل و جان فدائی عشقم	قیان سر و پائے عشقم
طاقت پریشانی سہرہ دیم	ما سر زدہ از ہوائی عشقم

زین روشی کہ مائداتہ عشقم
شفیول بہ کار عشقم
از ما کہ سخن گذار عشقم
از بادہ خوشگوار عشقم
زین روشی کہ راز دار عشقم (ص 93-94)

شہزادہ کشور دو کونہم
از حرمتہ کارہار ہیکار
ہنگار سخن ز عقل ہما او
دیوانہ و کرد مت سوار
اسرار حقائق از حسن ہوس

حضرت غلام حسن شہید عشق و محبت کے سرور سے سوار ہو چکے تھے اور انہی نے جام محبت منگوا لیا
میں گھمایا اور سب کو صلاح دی کہ کوئی تو "حریف مہ مزد الکن عشق" ثابت ہو۔ خود کو تو انہی
نے عشق نے ساندہ باندھ لیا تھا

کافر عشق ز غم و وابستہ ام
بہر کھیر زہار زلفش بستہ ام (ص 101)

جب عاشق اپنی ذات کو محبوب کی ذات میں فنا کر دیتا ہے یا صوفی فنا فی اللہ کی منزل پر پہنچ جاتا
ہے تو پھر دوش کا تصور مٹ جاتا ہے۔ کثرت وحدت میں گم ہو جاتی ہے۔ پھر ہر صورت زیبا اس کی جو
صورت میں جاتی ہے۔ اشیاء کے ظاہر اور باطن میں وہ سرایت کر جاتا ہے۔ کائنات کے ذوقِ نئی میں اس کا
ظہور ہونے لگتا ہے۔ خوشنہد کی تجلی میں بھی وہی ہوتا ہے۔

معتیٰ ہر صورت زیبا ہضم
کثرت اسما و صفات از محبت
ظاہر میں این شہ آشہاد ہوا
در عہ زرات شہور محبت
چی نگری صورت و معنی ہضم
وحدت موصوف و موصی ہضم
باطن میں این جملہ اشیاء ہضم
کردہ چو خوشنہد تجلی ہضم (ص 102)

عشق کے ہر رنگ جانیں تو پھر لامکان تک رسائی حصولِ بات ہے۔ زمان و مکان کی گرفت سے آزادی مل جاتی
ہے پھر میں غیاب میں حضور اور میں حضور میں غیاب کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ عشق کی بدولت
وہ جمال معنی حاصل ہوتا ہے کہ زمیں و آسمان پر نور ہو جاتے ہیں۔

ما طائر اوج لا نکاسیم
ہوتر ز مکان و در نکاسیم
در میں ہلکی خود نکاسیم
ہمجو حسن از جمال معنی
وارستہ ز بند آشہادیم
بیری ز جہاں درجہادیم
در میں شہور خود نکاسیم
ما نور زمین و آسمانیم (ص 104-105)

یہ عشق ہوا جس کا نہیں حقیقت اور مذاقت کا عشق ہے۔ اس میں عشق میں من و تو کا فرق مٹ جاتا ہے۔ پھر سارا جہاں آئینہ بن جاتا ہے جس میں ایک ہی چہرہ منعکس دکھائی دیتا ہے۔

من ز خود بر خود تجلی می کنم	عشق را بر خود شیدا می کنم
اس جہاں آئینہ روی من است	صوت خود را تماشا می کنم
آن قدر کز عشق بچہاں می شوم	راز خود را آشکارا می کنم
می شوم در پردہ بچہاں ای عجب	ہر قدر بے پردہ خود را می کنم
این ظہور و این بطنی و سیریں شکستہ	مرا خود بر خود مہشدا می کنم
خود منم پس عطا چو حسن	پس چرا خود را تنہا می کنم (م 106)

عشق کا آغاز حلنا اور اس کا انجام موت ہے لیکن یہ موت وال حاکم کی تہید ہے۔ اس کی ابتداء بھی عجیب ہوتی ہے اور اس کی انتہا بھی عجیب ہوتی ہے۔ عشق میں قدم رکھنا آسان بھی نہیں۔ یہ راہ بال سے ہارک اور تلوار سے تیز دھار ہوتی ہے لیکن چلتے والے اس راہ پر چلتے ہیں اور جاں فدا ہوتے ہیں رکھ کر چلتے ہیں اور ہار بھی اٹھتے ہیں۔

دراصل یہ جذبہ کوئی نیا جذبہ نہیں ہے۔ یہ جذبہ انسان کو ازل سے ودھت ہوا تھا شراب

کہنے کی طرح عشق کہنے کی تاثیر بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

ما عاشقم و در ازل از عشق زادہ ایم
 بویے تو دیدہ ایم و دل از دست دادہ ایم
 ما مشکلات عشق سے آسان شعورہ ایم
 سر دادہ ایم تا یہ رہش پانہ سادہ ایم (م 108)

آغاز عشق سوختن اعضاء بدن است
 حار دادہ ایم تاکہ بچاں وسیدہ ایم (م 108)

لیکن عشق کا امتداد ہر ہوا جس کے لئے نہیں ہوتا۔ راز و سن کی آزمائش سے گزرنے والے ہی حیات جاواں کے مالک بنتے ہیں اور ظاہر ہے کہ تو ہر شخص وہ پلادوش ہو سکتا ہے اور یہ راز وہ تصور پیدا ہوتا ہے جو تھکے دار پر کھڑے ہو کر بھی انا الحق کا شعور بلند کرتا ہے۔ جس اس حقیقت کی تہہ تک پہنچ

چمکے ہیں کہ حلاوت لب شہریں۔۔۔ کے ذائقے میں وہی شاد کام اور بہرہ مند ہو سکتا ہے جو فرہاد کی طرح کوہِ بے سنی کا سینہ چیر کر جیلے شہر پہنچتا ہے کہ وہ غسروں پر صیب کہ جو پانے کے لئے نہ تو جستجو کرتے ہیں اور نہ ہی اس جذبے سے آشنا ہوتے ہیں۔

حلاوت لب شہریں بہ ہر اس از فرہاد کہ غسروں جہاں کم چشمہ اہ آں را (ص 18)

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اہل دل اور اہل ذوق ہی قصے کے خریدار ہو سکتے ہیں کہ غم خریدنا طبع کا سودا نہیں لیکن اس گوشت پرکتا کی قدر و قیمت ایک حوشری ہی جان سکتا ہے۔ جنی سے سودا کرنے والے شکست سے دوچار ضرور ہوتے ہیں لیکن اس شکست پر ہزاروں ہی بیج فتوحات فہاں کی جا سکتی ہیں۔

حسن نے تباہل فارغہ سے کام لیتے ہوئے "غم" کے وجود پر اظہارِ حیرت کیا ہے کہ آخر اس کو پیدا کرنے کا سبب کیا تھا لیکن انہیں یہ عرفان حاصل ہے کہ "غم" کے خریدار اہل محبت ہوتے ہیں جو اس متاعِ عزیز کے حصول کے لئے سب کچھ لٹا دیتے ہیں

فسے کہ اہل محبت خریدہ اہ آں را داسم از جد سبب آئیدہ آں را (ص 18)

دورِ جدید کے ایک شاعر نے غم کی اہمیت کو غالباً غلام حسن شہید ایسے سوں سے سمجھا ہوا گاؤں کہتا ہے

مے دل گیا روشن حیات گئی غم کیا ساری کائنات گئی

لیکن جب اہل دل اور اہل ذوق کو ظلمتِ شب میں منزل کا نشان نہیں ملتا تو وہ عکسِ کُذارِ محبوب کے ستارے کی روشنی سے نشانِ راہ پاتا ہے۔ اور جب سالک کو سلوک کی راہ میں نظامِ حیرت سے واسطہ پڑتا ہے جب تجلیات کا سلسلہ مٹل ہو کر اس کی پریشانی اور مایوس کا سبب بنتا ہے تو وہ محبوبِ حقیقی کے حسنِ مطلق کی جوتِ دل میں جا کر استقامت پاتا اور اپنی منزلِ مراد کی طرقتِ یوں دوان رہتا ہے۔

فاشقِ شب رو بہی ظلمتِ شب میں محبوب کے گلِ کُذاروں کے ستارے چمکا کر راہ پاتے ہیں۔

در حلقہ ہائے طرہ ز عکسِ کُذار تو در ظلمتِ شب است صایاں ستارہ ها (ص 20)

مشقِ محرمِ محبوب کا وجود ہے جو حقیقی اور ابدی ہے اور اس کا ہر تو محبوبِ مجازی میں بھی جلوہ فگن ہوتا ہے اس لئے محبوب کے سراپا کی تعریف اردو اور فارسی شاعری میں عام ہے۔ چنانچہ اس طبعی میں حسن اور جدت کا وقت اظہارِ مشکل ہو گیا۔ کیونکہ اکثر صورتوں میں تکرار اور یکسانیت کا بھی

خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے یہاں محبوب کے لئے شعریں دہریں، گلیں، سمیں ذوق، گل پھریں
 مشعل و باغی، جان حسن۔۔۔ جس ترکیب سے صرف بلحاظ قوافی ایک مترن کیفیت پیدا کر دیتی
 ہیں بلکہ ہر قول میں ایک مخصوص صوتی نظام کی فضا ابھار کر جس گل کے تقاضات کے ساتھ سراپا ظاہری
 کے فن کو حسن اور جاذبیت کا رنگ عطا کر دیتی ہیں۔ ایک ہی قول کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔
 حرف دعا کے ساتھ ان حسن ترکیب کا استعمال قول میں ایک کیفیت بنا پیدا کر دیتا ہے۔

شعریں دھنا، طوطی شکر شکنا	شعشاد قدا، سن برا، گلبدنا
جادو گھا، ہری عزاد، قضا	زہں گلہا، دلیر سمیں ذقنا
از قات و زلف عارض چو قریب	عجلت وہ سرو سفید و یاسنا
چی فنجہ بہ موج لب کشایم اکنی	روشک چمنا، شاد گل پھر چمنا
یک شب چہ شوی اگر درانی بہ ہم	چی جان بہ هزار لطف جان حسنا (ص 32)

آخر ایسے شعر کہی کہ میں جب تخلیق محرک اتنا شدید ہو کہ چونکہ محبوب کا سراپا دلہنائی کے اتنے ادا
 رکھتا ہے کہ احسان تو احسان قدسی بھی اس کا شکار ہونے پھر نہیں رہے
 جنہیں کہ زلف و خط و خال و لہریا است ترا
 شکار مرغ دل قدسیاں یہ است ترا (ص 14)

احساس حسن کی وجہ سے محبوب اپنے ادا دلہنائی آزماتا بھی ہے اور فریب حسن اسے رحم اور لطف و کرم
 کا آئنا بھی نہیں دیتا۔ اسی لئے تو عاشق ہمارا اٹھتا ہے
 چہ سخت سنگلی این صفا طاز اللہ کہ ہم خلق نہ ادیشہ خدا است ترا (ص 14)
 محبوب کی رفتار اور وہ بھی قد رستا کے ساتھ عاشق پر قیامت ڈھا دیتی ہے۔ جس نے اس غرام طاری
 قیامتوں کا مشاہدہ بھی کیا ہے اور اسے تخلیقی سطح پر محسوس بھی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محبوب
 کی چال شاعر کے لئے ایک تخلیقی تحیہ بن گئی۔

گاہی ز غرام نہ رنجا صد معشر ساز کردہ ہنجا (ص 12)

غرام کا یہ تازہ کلی اور تقاضات کا محرک بنا۔ محبوب کی چال کے ساتھ ساتھ اس کے رخ و نما کا خیال
 چمکا۔ سنیں دلہنوار اور لب شکر خا کا خندہ یاد آیا پھر کوشہ جادو انگیز اور خیزہ محبوب ابھرا اور یہی

خصوصیت شعر تخلیق ہونے لگے

کہہ در خم طرہ دلآویز

کہہ در خم طرہ دلآویز

کہہ در خم طرہ دلآویز

کہہ در خم طرہ دلآویز

کہہ در خم طرہ دلآویز

کہہ در خم طرہ دلآویز

(ص 13)

محبوب کے قیام سے کتنے پہلو حس کے یہاں سامنے آ جاتے ہیں۔ کبھی حس کے چہرے سے نقاب ہٹ جاتا ہے

تو کلیسا بھی کعبہ کا سا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے اور کبھی اس بات پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ

محبوب جو پردے میں ہے اور پھر بھی اس کے حس پر شور قیامت برپا ہے اگر وہ نقاب الٹ دے تو کیا کیا

قیامتیں برپا ہوں جو جائیں گی۔ کبھی اس سافر مادہ کی خاطر جو ساقی ازل کا عطا کردہ ہے۔ غرقہ زہد

گروی رکھ دیا جاتا ہے اور کبھی عشق کی پردہ داری کے باوجود محبوب کی بدگمانی کا یقین ہنکے صورت

اختیار کر لیتا ہے۔ کبھی حس محبوب کا چرما ہے جو کتابی کے حس سے کہیں حسوں تر ہے

اگر تو اے حس از رخ نقاب برداری

حس بہ پردہ شور قیامت شکستہ است

بہ پردہ حس تو حس در جہاں اشکستہ

غرقہ زہد دیا دم بگرو

عشق ہر جہد نہاں داشتہ از بار طرے

ان مخفی ترہیں ہمہ انتخاب

عشق محبوب کے حوالے سے عاشق پر ظلم و ستم کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ نا متناہی ہے۔ عشق کی

کلفتیں کے جادوی عاشق کا خاتمہ ہی غراب نہیں ہوتا اشک بہیم کی روانی کتنی میدانیں بھی لاتی ہے

جناحیہ گریہ عشق کی تباہ کاریاں دیکھنے کے دل حسد و غراب کو بھا کر لے جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح

جیسے سدا رواں حباب کو غامد بدوش کر دیتا ہے۔ ایسا خصوصیت طبعی بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

اس طبعی سے جدت بھی ہے اور حس و اضدادیت بھی۔ بالکل نیا خیال ہے اور دیانت دلکش ادا ہے

1۔ دہی کے ساتھ ہمیشہ شہس کا ذکر آیا ہے یعنی شہس دہی وغیرہ۔ لیکن غلام حسن شہید کی

جوت طبع سے دہی سے شک شکا ہے کہ شہس کے ذائقے میں جلد ہزاروں ہے جبکہ شک کے ذائقے میں

پائیدار ہے۔

بادِ حاکم کیا ہے، شعر دیکھیں

کہ شوق میں ہر دہانہ خستہ را نچا

خانہ بدوش میں کد سہل رواں حباب را (ص 14)

عاشق، محبوب اور صحبت کے ساتھ مے و سفہ کا ذکر لازمی ہے۔ شراب و سفہ اہل صفت کے لئے تحرک کا باعث بھی ہے اور آرام و سکون کا موجب بھی لیکن اہل صفا۔ سفہ سردی اور بے عرفان سے "خیر صفا" اور "بیر خدا" حاصل کرتے ہیں چنانچہ حسن زاہد خشک کو یہ شعر دیتے ہیں کہ وہ میٹھے میں جا کر پادہٴ معرفت سے اپنے باطن کو پاکیزہ کریں اور اس بھیا ربانی کو طاققت کی ہو دے رہا ہے اس شراب سے دھو ڈالیں۔

ساقی ز پادہٴ نور صفا میدہد سرا مطرب خیر ز بیر خدا می دہد سرا
زاہد ہر وہ سیکہ و ز پادہٴ پال کی اہر ہیرا کہ ہوئی رہا میدہد سرا (ص 30)

ہوں تو "دیوان حسن" کے بیشتر اشعار حقیقت اور معرفت کے مضامین کے حامل ہیں لیکن بہت سی غزلیں ایسی ہیں جو خالصتاً محبت ہیں اور حضور سے حسن کی عقیدت اور صحبت کا ثبوت ہیں۔ اس طرح "دیوان حسن" میں اہل بیت اور واقعہ کربلا کے بارے میں بھی اشعار کا اچھا خاصا خزانہ موجود ہے۔ حضرت حسن کی شہادت پر یہ اشعار اپنی مثال آپ ہیں

در ماتم حسین کہ ارض و سما گریست ماہی بآب مرغ باوج حسرت گریست
تنہا نہ است از ہم آل صبا گریست ہم حزقیلہاں فقہ ہم حزقیلہاں گریست
میدان خال تیرہ شد و آسمان سیاہ آن دور آہ ابر شد و جاہجا گریست
ادیشہ کی کہ شور قیامت شو بہا ہنر رسول چونکہ ہیز جزا گریست (ص 35 تا 39)

حسن کو اپنے مرشد (حافظ جمال اللہ) سے جو عقیدت اور محبت تھی اس کا اظہار انھی نے نہ صرف سرائیکی شاعروں میں کیا جس کا ذکر بعد میں آئے گا بلکہ فارسی غزلیں کے اشعار میں بھی کیا ہے۔ دیوان حسن، ص 80 پر ایک فزل ہے جس کا مطلع ہے

تا کہاں بوجس تعلق کرد عشق شو معشر تازہ بہیا کرد عشق

اسی فزل کا مطلع حضرت جمال اللہ کے بارے میں ہے۔

جز جمال اللہ ندیدم اح حسن تا کہ چشم باطنم وا کرد عشق (ص 81)

اس کے فوراً بعد والی غزل میں جو اسی بحر میں ہے اور جس کا مطلع پہلی غزل کے مطلع سے ملتا جلتا ہے یعنی

حلوۂ از نا گہاں چو کرد عشق صد دل و صد دہدہ پرخی کرد عشق (ص 81)

مقطع دیکھئے

چو معنی صد عاشق شہیدہ را ہر جمال اللہ مستوی کرد عشق

حسن کی شاعری پاکیزہ مضامین تک ہی محدود نہیں ہے۔ اس میں ان کی پاکیزگی اور حسن بھی موجود ہے۔ شاعرانہ حسن معنی کی عظمت اور بلندی کے ساتھ ساتھ لفظی کے ہر عمل استعمال، تشبیہ و استعارہ اور طعنی کے موزوں اور مناسب ہونا، صنائع لفظی کے حسن کا بروہی معہ بھی ہوتا ہے کیونکہ بھادی طبع ہر شاعری کا تعلق لفظی کے ان تاراج استعمال پر منحصر ہوتا ہے۔ حسن کے بھادی فنی لطافتیں بدوجہ اتم موجود ہیں۔ نغمی، تکرار لفظی، صوتی حسن، مترنم پڑھی، رواں دواں، دلکش اور خوبصورت قوافی اور قہجہ الفاظ، تشبیہ و استعارات کا استعمال ظاہر حسن شہید کے کلام میں عام ہے۔ ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں یہ ساری فنی خوبیاں اس میں نظر آ جائیں گی۔

قطرہ قطرہ اگر سر لاشکم شدہ دریا دریا دایہ دایہم حمت گز گز شدہ صحرا صحرا

دی و امیر بہ امید و حالت ہفتشت بعد ازین صحت مرا طاقت فورا فورا

دل جدا، عقل جدا، ہوش جدا ایہ ظالم گشتہ آوارہ بکشت حمت تنہا تنہا

دل چرا شجرہ بازار ملامت شد کردہ یہ سود بہت عشق این جگہ سودا سودا

جز تو ہر حاشیہ دل گشتیم عشق دگر من و وابستگی فیر تو حاشا حاشا (ص 27)

اس طرح غزل کے یہ اشعار دیکھئے

ترک خونخوار من این است این است آتش او ریزن دہن است این است

آتش چو سردمک اندر چشم روز و شب پردہ شمع است این است

آتش چو زلف خود از روی قصاب بہ حسن چس بہ چس است این است (ص 46-47)

صفحہ تیار کی مثال دیکھئے

تا مشکلات عشق نہ آسان شجرہ ایم

سر دادہ ایم تابہ ریزن باغبارہ ایم (ص 108)

ما ظاہر من این همه اشہاد بود

باطن این حلقہ اشہاد نمود

کثرت اسما و صفات از مدحت

وحدت معرفت و سعی مضم (م 102)

لف و شکر کی مثال طاحظہ لیوائی

از قات و زلفِ علویں جو فریب

عجالت دہ سرو سبیل و با سب (م 32)

ای لب و چشم و دھانت شکوہ بادام قد

وای رخ و قد ہر دو دشت گل سر و سفید

خیز مشکین و رخ زیبا و زلف دل کشت

تافتہ چمن آفتابِ خاور مشکینِ خستہ (م 118)

رخس از روضہٴ رضویں بہاری

قدش در باغ جان سرو رواں است

حسن را زلف او عمر دراز است

لب لعلش حیات جاوداں است (م 35)

تنبیہ
کشمکش کی مثال دیکھئے

قد رضائی آن سرو دل آرا

قیامت بود قات نام کردہ (م 57)

ایک شعر میں دیدہ کو حباب کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو مادر ہے۔ آئندہ کے ساتھ رونق کا تصور یا دریا

کا تنازعہ عام ہے لیکن آئندہ کو حباب کہہ کر دریا کو اس میں اسیر کرنے کا خیال بالکل نیا ہے۔ شعر

طاحظہ لیوائی

حسن ز دیدہ گہاں غصہ سر ادم

کہ در حباب فیماں کردہ اندر دریا را (م 23)

ہلالبہ بکیت چشم کو شراب کی تاثیر کے ساتھ مشابہت دینا کوئی نئی بات نہیں لیکن اس عام ضمیمہ کو

حسن نے جس خصوصیت امداد میں باندھا ہے وہ ان کی جدت فکر اور جودت طبع کا یہی ثبوت ہے فرماتے

ہیں

بکھٹے کہ در شگہ چشم ساقی است

ہرگز عیافت ہادہ فروش از شراب ہا (م 26)

اس گفتگو کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہے کہ حضرت نظام حسن شہید فارسی زبان پر

کامل دسترس رکھتے تھے اسی نے مخصوص ضمیمہ کو فارسی شعر میں اہل زبان کی سی مہارت اور بھنگی

کے ساتھ ادا کیا۔

مختصات دیوان حضرت مثنیٰ نظام حسن شہید

مجموع مثنیٰ نظام حسن شہید کا ایک ایسا قطر دیوان جناب ڈاکٹر میر عبدالحق کی ہریت دستیاب ہوا ہے۔ جس میں مختصات شامل ہیں مثنیٰ اس میں اردو، پنجابی، سرائیکی اور ہندو زبان کے شعراء جمع ہوئے ہیں۔ ان میں غالباً سرائیکی کی حصہ بھی ہیں اور غالباً اردو کی بھی لیکن سرائیکی، پنجابی، ہندو اور اردو کے مخلوط صوبہ جامدا میں پیدا ہوئے ہیں۔ مثلاً پہلی ہی غزل، جو اس دیوان میں درج ہے اس مخلوط زبان کا صوبہ ہے جس میں پنجابی، سرائیکی، ہندو اور اردو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں لیکن اردو کا رنگ غالب ہے۔ طالعہ فہرستیں

حضرت مثنیٰ دا کو خطا ہر ہر شاہ میں یوں شعرا
سارے ملک کا یوں سوارا ہم مثنیٰ وہ سارے شعرا
جس کو کہتے ہیں ذات الہی وہ انسان تمام کتا
میں اس بار ہے مثنیٰ کو اس احمد ہو کر کیا ہمارا
احمد ہو ہراج مہ دایا جہانگیر ہمسرا لہجہ
آپ کو دیکھا آپ کو ہاما آپ سے آپ حساب اشارا
کدی گستا کدی شاہ کیا کدی اسیر سیاہ کیا
کدی جمال اللہ کیا کاسمی کا وہ سیت پسینا (م-3)

اس طرح کی کئی مثالیں ہیں جو شاعری کے جاتی کے دیوان روح کی جاتی ہیں۔

اس دیوان مثنیٰ نظام حسن شہید میں جو حصے شامل ہیں ان کا ایک اعلیٰ جائزہ درج کیا جاتا ہے

تاکہ ایک نظر میں مدحیات کی تفصیل سامنے آ جائے

انتسابہ - (مختصات از دیوان نظام حسن شہید)

- 1- م-3 ہر ہر شاہ میں یوں شعرا (اردو غزل لیکن مخلوط ڈکشن) و اشعار (مدحت الہیہ)
- 2- م-3 کیا کیا کرتے ہیں روح ادا سرائیکی، ہندو الفاظ و لہجہ غزل اردو ایک صوبہ (غالب ہے) مزاج
- 3- م-3 ہر ہر شاہ ہمارا وہ وہ صبا شادا (کبت ظفرت علیہ ص- اردو سرائیکی اشعار) - اسے

ترجمہ سے کلمہ کی ضرورت ہے۔ اس کی غلط فہمی انداز میں تبار کی گئی ہے، مضمون کو گامٹ کر دیا گیا ہے۔)

- 4- ص 6 پر "ایسا" غلط لکھا گیا ہے۔ یہ سرائیکی غزل ہے جس میں مدح، پنجابی اور اردو دیکھ کر تا امتزاج ہے۔ ہائے اشعار ہیں۔ وحدت الوجود کا فلسفہ، شعری روایت کا اثر
- 5- ص 7 "جوگی" نظم سرائیکی - اشعار آٹھ
- 6- ص 6 "جوگی" نظم سرائیکی - اشعار گیارہ
- 7- ص 3 نصت اردو، صدی شمراری کی نصت کا تتبع، اردو نصت گوئی میں شاہ تہجد، سرائیکی حوالہ مع اشعار سب سوچیں لکھی نصت جمع خیالہ - ایک مصرع اردو اور دوسرا گڑا صدی کی نصت کا ہے یا اس کا اردو ترجمہ ہے (اشعار گیارہ)
- 8- ص 11 غزل این ستم کسے حیرت نہ بیاہا ہے تمہے (اردو) ہائے اشعار، تنزل کا رقبہ، عشق سبزی کے مقامیں۔
- 9- ص 12 غزل - اردو مدھر جا کے دیکھا اندھ تو میں تو ہے (ہائے اشعار) وحدت الوجود کا فلسفہ، تصور، میر درد کا رقبہ
- 10- ص 13 کچھ ترجمے درد میں دل کی خبر ہے کہ نہیں - غزل اردو (اشعار ہائے) میر درد کا اشارہ
- 11- ص 14 مرثیہ (بدلی بجناب امام حسن علیہ السلام بطور مرثیہ) (اردو) گیارہ اشعار مع میری بدلی اسے جا کہو جس پہ شامی نے ستم کیا سرائیکی الفاظ، میں، تائیں، تئیں اویس کا استعمال ملتا ہے۔
- 12- ص 16 تا ص 20، مرثیہ - اردو، سرائیکی الفاظ کا استعمال موجود ہے (تین اشعار)
- 13- ص 21 واضحے دا حسن کمال ہی آماں و گھٹ سرائیکی
- 14- ص 22 کافی (سرائیکی) دس اشعار
- 15- ص 23+24 گھٹلی (سرائیکی)
- 16- ص 25+26 جوگی (سرائیکی) گیارہ اشعار واضحے سارے جگہ دا ساجھا مقامی (Colloquial) رقبہ وحدت الوجود کا فلسفہ رامبھا مہربان حقیقی کا استعارہ ہے۔
- 17- ص 27 تا 30 ڈھولا (سرائیکی) اکس اشعار

- 18- ص 31 تا 32 ایسا لکھا ہوا لیکن یہ ڈھولا نہیں بلکہ مستزاد ہے سرائیکی میں ہے (چھ اشعار)
- 19- ص 33 تا 38 سی حرلی (سرائیکی) الف سے ط تک ہے اگلے صفحات خالی ہیں۔
- 20- ص 43 بھگت (سرائیکی)
- 21- ص 44 مہدی (سرائیکی) نظامی اشعار
- 22- ص 45 تا 50 نظم مرزا صاحبان (سرائیکی) مرزا صاحبان کا عشقیہ قصہ مفلوم کیا ہے اور توجہ خیال کی کیفیت پر دی ہے۔ سلطانہ علامتیں اور رنیں موجود ہیں۔ جوتیس (34) اشعار ہیں۔
- 23- ص 51 چھوٹی سی سرائیکی نظم ہے۔ (حضرت جمال اللہ کے لٹیرے)
- 24- ص 52 خیال --- سرائیکی نظم ہے۔
- 25- ص 53 تا 54 دو کاغیاں - سرائیکی
- 26- ص 54 صغرا اردو سرائیکی مفلوط (تین سطریں)
- 27- ص 55 دوہڑے (ملتان) --- حرکت کا رنگ
- 28- ص 56 خیال حوک، خیال راگنی پہلو
- 29- ص 57 تا 65 - اشعار دوہڑے ملتان زبان میں
- 30- ص 66 تا 68 کافی (راگنی حوک)

اس ساری تصنیف کا خلاصہ بنایا جائے تو اردو کی یہ چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

اردو غزلیں	ہانچ	جوتیس اشعار
اردو سرشیں	دو	اکتالیس اشعار
اردو بھگت	ایک	گیارہ اشعار

باقی چیزیں میں کاغیاں، گیت، ڈھولہ، مستزاد، سی حرلی، حوگی، گھڑولی نظمیں وغیرہ شامل ہیں اور ان تمام اصناف میں "ملتان میں اردو" کے اولین اجزاء کا یہ ملتا ہے۔

اردو شاعری

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ غلام حسن شہید عرصہ، فارسی، ہندی، سرائیکی اور اردو کے ہفتہ گو شاعر تھے۔ ان کی فارسی شاعری کا جائزہ تفصیل کے ساتھ پیش کیا جا چکا ہے فارسی زبان اور اصناف کا عمل دخل جتنا اردو پر رہا ہے وہ سب پر مہیاں ہے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ غلطی کی آمد سے بھی پہلے عرصہ فارسی کا اثر ہوصفیر کی مقامی بولی پر پڑنا شروع ہو گیا تھا لیکن غلطی کے حادثے غیر منظم مہدوستان کی تسخیر نے زبانوں کے اختلاط کے عمل کو تیز کر دیا چنانچہ سب سے پہلے زیادہ "حسن زبان" کا اثر اردو پر مرتب ہوا وہ غلطی کی زبان فارسی تھی۔ فارسی الفاظ، بے تراکیب، غلامتیں، اصناف شعر اردو زبان و ادب میں اس قدر دخول ہوئیں کہ اردو زبان و ادب نے ایک مختصر وقت اختیار کر لیا اور اس وقت کو "عصری لہ" کا نام دیا جانے لگا۔ اردو کے بے شمار نامور شعراء کے یہاں اس عصری لہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے ان شعراء میں سدا، غالب، ذوق، داغ اور پھر دور جدید میں اقبال، غالب، نذیر ہیں۔ عرصہ بات یہ ہے کہ سوزمین ملتان کے بیشتر مولیٰ شعراء کے یہاں فارسی کلام موجود ہے ان کے ملفوظات فارسی میں ہیں لیکن جب وہ اردو میں شعر کہتے ہیں تو ان کے کلام میں "عصری لہ" کم سے کم ہوتی ہے۔ اس میں ہندی یا مقامی زبانوں کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ حضرت بابا فرید گنج شکر، شمس تبریزی، امیر خسرو، حسن بھٹوی، حافظ جمال اللہ وغیرہ کی شاعری کے صریح گذشتہ صفحات میں درج کر کے چکے ہیں۔ ان سے اس موقع کی تائید ہو جاتی ہے۔ حضرت غلام حسن شہید کے یہاں بھی یہی صورت ہے کہ ان کے فارسی کلام سے قطع نظر کر لیا جائے اور صرف اردو کلام سامنے رکھا جائے تو اس میں "عصری لہ" کی بجائے مقامی رنگ زیادہ ہے۔ زیادہ تر ڈکشن ہندی، سرائیکی، پنجابی اور دیگر مقامی زبانوں سے ماخوذ ہے۔ اس کی مثالیں آگے چل کر نظر آئیں گی۔

مثنوی غلام حسن شہید اردو اور فارسی کلام میں حسن تخلیق کرتے ہیں اور سرائیکی اور اردو شاعری میں خاص۔ ان کا یہ تخلیق افلا مقبول اور مشہور ہوا کہ کچھ عرصے بعد اس کے مثنوی ایک خاص صفت سفر کے ہو گئے۔ جہاں کہیں دو چار دوست مل سلطنتی تو فرمائیں ہی جاتی کہ "گامی سناؤ" مثنوی دہیے سناتے جاتے، اشعار ملتان، مظفر ٹرہد اور ڈیرہ غازی خان کے مقامی ادب کے مجموعے جب اشعار

نے گزشتہ کی صورت میں جمع کئے تو انہیں نے ان دوشی کو " گاس " کہہ کر پکارا۔ سرائیکی اور اردو شاعری کے موضوعات بھی کم و بیش وہی ہیں جو فارس کلام کے ہیں۔ یعنی ہزرت، حقیقت، عشق اور طامات عشق، وحدت الوجود، حریت نظریہ، حسن محبوب کی تعریف و توصیف وغیرہ۔ مثنی صاحب کا خیال ہے کہ کائنات کے ذریعے میں محبوب حقیقی کا جلوہ موجود ہے۔ اس کا روپ رنگ فطرت کے مظاہر میں دیا ہوا ہے۔ فطرت کا حسن و راصل محبوب کے حسن کا پرتو ہے۔ ساری دنیا میں اس کا روپ عیاں ہے۔ انسان کا رشتہ باپ بیٹے کا رشتہ ہے۔ اس کے وجود نے جس جنم دیا لیکن تمام کائنات کا حاصل حضورؐ کی ذات اقدس تھی جس کو خدا نے اپنے واس پالایا۔ ان کو ہراج کی رفعت صیب دی۔ حضرت جبرائیلؑ ہر ان کو لے کر گئے۔ حضور نے خدا کو دیکھا اس کی ذات کا عرقاں حاصل کیا۔ سب حجاب اتر گئے گویا حضور نے گدائی میں زندگی کی ہراج پائی ان کا ارشاد " القر ففی " اصابت کو دہشی اور قلہری کا درس تھا۔ فریاد میں حضور امیر سپاہ بھی رہے یعنی ایک طرف دہشی ہے تو دوسری طرف سروری، حقیقت میں وہ خدا کے حسن کا مظہر ہیں۔ غلام حسین شہید گاس ان حقائق کو ان اشعار میں پیش کرتے ہیں۔

حضرت عشق دا کرو مظاہرہ ہر ہر شان میں روپ تہارا
سایہ جگت کا روپ حضورا ہم بیٹے وہ باپ شمارا
احمد ہو معراج مدھایا جبرائیل ہراق لبھایا
آپ کو دیکھا آپ کو پہنچا آپ سے آپ حجاب اتارا
مندی گدا مندی شاہ کھایا مندی امیر سپاہ کھایا
مندی حال اللہ کھایا گاس کا وہ صیبت پھارا ۱۔

جب ہزرت حق دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور چشم بٹھا سباز کے پردے میں بھی محبوب حقیقی کا جلوہ دیکھنے کے لائق ہو جاتی ہے تو پھر کثرت وحدت میں سمٹ جاتی ہے اور شش جہت میں اس کا جلوہ منھکی نظر آئے لگتا ہے۔ خواجہ میر درد نے اس ضمنی کو اس طرح با دھا تھا کہ

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

۱۔ بحوالہ مستفیبات از دیوان حضرت مثنی غلام حسین شہید (غزلیات منطرقات ہزبان ہندی و ہزبان پنجابی و ملتانی)

حسن نے بھی یہی کیفیت محسوس کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں

تجلی تیری ذات کا سو بہو ہے

جدھر جا کر دیکھا ادھر تو ہی تو ہے (ص 12)

اور جب وحدت کا جلوہ ہر طرف بکھرا ہوا ہو۔ تو پھر نہ تو دہر و حرم کی تفریق باقی رہتی ہے اور

نہ شمع و برہمن کا اضطراب۔۔۔ اس وقت سالک کا ایک ہی معبود اور ایک ہی صوبہ العین ہوتا ہے اور

وہ ہے محبوب حقیقی کہ دیدار کی آرزو بقول حسن

نہیں کہہ کر فرس مجھ کو دہر و حرم سے

فقط تیری دیدار کی آرزو ہے (ص 12)

اب گمانی کو ایک ہی آواز کی لگ ہے اور آنکھی کو اضطراب اور جستجو ہے تو وہ بھی اسی ذات پر

وہی مثال کی

جہاں سچے ہیں اور تنہا دیکھتے ہیں تیری گشتگو ہے تیری جستجو ہے

لیکن مشکل یہ ہے کہ اس ذات لطیف کو کس نے دیکھا ہے اور پھر ظاہری آنکھ کے حوالے سے۔۔۔ اب

"حمال خدا" کا مشاہدہ کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے اس کے مظہر کو دیکھنا جو حضور کی

ذات اقدس کے حوالے سے سامنے آتا ہے۔ بعض صوفیاء اور متفکرین نے انسان کو خدا کا خارجی مظہر قرار

دیا ہے اور ظاہر ہے کہ حضور کی ذات اس مظہر کا کامل ترین نمونہ ہے۔ اس لیے حسب بھی تعلق کے

ساتھ فرماتے ہیں

حمال خدا گر نہیں تم نے دیکھا

معد کو دیکھو وہی ہو بہو ہے (ص 12)

سلوک کی راہ پر چلنے والی کو انہیں کھٹکی اور مشکلی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ایک عاشق زار کو آٹھ

حوالہ بار میں پہنچاتی ہیں۔ اس لیے کہ اگرچہ محبوب حقیقی شے رک کے بھی قریب ہے اور ہم خود اپنے

دل میں اس کا جلوہ دیکھ سکتے ہیں لیکن اس کی وسعتی اور پہچانی کا یہ عالم ہے کہ مددِ العتبا کے

کے آگے تو فرشتی کے بھی ہر چلنے لگنے میں چٹابہ وہاں تک رسائی تو کیا پیغام کا پہنچنا بھی مشکل

ہے۔ عام طور پر عاشق کو صبا کے ہاتھ اپنا حال دل محبوب کو بھجوانا پڑتا ہے خواجہ میر درد نے کہا

گر صبا کوئی مار سے گزیرے

یہی پیغام درد کا دیکھا

دن بہت اضطراب میں گزیرے

کوی سے راہ آہ طلع کا

لیکن یہ ایک خواہش کا اظہار ہے ضروری نہیں کہ ہر آنے۔ جس کی تمنا تو ہے کہ محبوب کو ان کے درد کی خبر ہو جائے

کچھ تجھے درد میں دل کی خبر ہے کہ نہیں
آہ و مد آہ محبت کا اظہار ہے کہ نہیں (ص 13)

لیکن انہیں اپنی ناروازی اور محبوب کا احساس بھی ہے اس لئے وہ پکار اٹھتے ہیں
کوئی ایسا بھی نہیں تجھ کو خبر پہنچا دے
تصیر کھسے میں صبا کا ہانی گزر ہے کہ نہیں (ص 13)

چونکہ محبوب کو یہ حال دل کا ہوتا ہے کہ نہیں اس لئے وہ اس کے علاج سے بھی غافل ہے دل کی شاخ تو
محبوب کی توجہ سے ہری ہوئی ہے جب اس پر کوئی توجہ نہیں دیتی اور نہ سیرابی ہوتی ہے تو وہ
پھل کھسے لا سکتی ہے چنانچہ موسم کے تغیر سے ہر ایک دیوال ہار آ رہا ہے لیکن شاخ دل کسی
موسم میں بھی شرم نہیں لاتی۔

ہار ور ہوتا ہے موسم سے تو ہر ایک دیوال
شاخ دل کا بھی خدا جانے شرم ہے کہ نہیں (ص 13)

جس کے یہاں محبت کے جو مسائل ادا ہوئے ہیں ان میں وحدت الوجود کا تصور ہی زیادہ نمایاں ہے
جیسا کہ ان کے حالات زندگی میں لکھا جا چکا ہے کہ حضرت غلام حسن شہید وحدت الوجود کے طریق
سے بے حد متاثر تھے۔ " نور الہدیٰ " میں زیادہ تر اس مسئلے کو زیر بحث لائے ہیں اور مختلف مقامات
سے اس کی وضاحت کی ہے اس کی تفصیل سابقہ صفحات میں درج کی جا چکی ہے۔ وحدت الوجود کا مسئلہ
بنیادی طور پر محبت اور عشق کا مسئلہ ہے۔ سب کچھ ایک ہی وجود ہے۔ دوسرے کو تخلیق دینا خود کو
غدا میں ڈالنا ہے اور دوسرے سے محبت خود اپنے آپ سے محبت ہے۔ اس لئے وحدت الوجود کے مسئلے
میں محبت اور اخلاص ہی سب سے اہمیت رکھتا ہے اور نمایاں جذبہ ہے۔ محبوب کے ناز و ادا ہی یا حسن و
جمال وہ سب وجود واحد کا ہوتے ہیں اس کو دلہائی کے انداز میں نہ سکتا ہے اس میں وہی ذات
ہے جیسا ہے۔ اس لئے جب حسن محبوب کے حسن کی تعریف کرتے ہیں تو دراصل اس تصور کو خراج تحسین
ادا کر رہے ہوتے ہیں جس نے اس تصور کا خاکہ تیار کیا، اس میں رک بھی اور نقش و نگار بھی چنانچہ

حسن نرمانتے ہیں

اے مخم کہے جس نے ہٹا ہا ہے تجھے
شیوہ ناز و ادا کس نے سکھایا ہے تجھے
جان و دل تیرے معلّم پہ کرے قربان میں
دلربائی کا سبق کیا پڑھایا ہے تجھے (ص 11)

جہاں عاشق صادق کے پاس سب سے بڑی متاع اس کا صحبت بھرا دل ہے وہاں معیوب کے پیکر جمال میں
حسن نہیں چیز اس کی آنکھیں ہیں اور عشق کا مرکز یہی دو ریشم الاضداد ہیں کس شاعر نے کہا
میں واسطۂ گوش و لب از راہ چشم و دل
بہار سخن ہو کہ گفتم و شنیدم

حضرت حسن کی فارس شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے نگاہی کے حسن کا بیان کیا گیا ہے۔ اردو فزل میں
بھی ادھی نے اس جادو کا تذکرہ ڈوب کر کیا ہے بلکہ ایک پوری فزل حسن کو فزل مریوط کہا چاہئیں
"شعری" کی تعریف میں کہی ہے اور ان شعری کے مختلف اثرات اور اوصاف کی تشریح کی ہے۔ اس فزل
میں اردو قصی کا مفاد ڈکشن عرب لطف پیدا کرتا ہے۔

عن میں جب میں ملے بہار کیا کرتے ہیں رنج ادا
عن کی گت میں پچھانیں ہیں میں نے کہہ دیا جا
میں بہار میں میان رنگ بھی اور روئے سدا
ہتھیں سارے سدا کے کسا کہے کچھ کہا نہ جا
میں سوائی میں حواں میں گلابی میں شرابی
میں جگت میں کون غرابی بہرے کا بھیں ہدا
میں فرنگی میں ہلنگی میں دو رنگی میں توکی
گاہیں میں بہادر جنگی میں کولہیں رنج رجا (ص 4)

اس دیوان متعلق میں دو مرتبے بھی شامل ہیں، جن میں سے ایک نمبرہ اشعار پر مشتمل ہے اور دوسرا
تیس اشعار پر۔ نمبرہ اشعار پر مشتمل پہلا مرتبہ جو ص 14 اور 15 پر درج ہے۔ فزل کی شئت میں ہے۔
جس میں ستم، ظم، مضم، شکم، حرم، حرم، قدم، خم، الم، کرم، رقم، وغیرہ کا قافیہ استعمال کیا گیا

ہے۔ مرثیہ عبارتِ رواں، سادہ لیکن تمام فنی معانی کا حامل ہے۔ اگرچہ اس کی کلیت مرثیہ جیسی نہیں ہے کہ جس میں چہرہ، رخصتی، رجز، شہید، شہادت اور ہیں وغیرہ کا التزام کیا جاتا ہے لیکن اس فزل نما مرثیہ میں ہلا کی تاثیر موجود ہے۔ شدت جذبات، مرقع نگار اور الفاظ کے انتخاب کی داد دینی پڑتی ہے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں

بہی ہدیٰ اسے جا کہو جس پہ شامی نے متم کیا
 ظلم تھا کوئی پہہ کسی سے دین کے سر کو قلم کیا
 کہیں آہ سرد کا زور ہے کہیں دالے گرم کا شور ہے
 صبرِ دل سے ایسی اگنی اٹھی کہ جلا جلا کے بھسم کیا
 دیکھو کیسی اہل بے وفا کہ جو شاہزادے حسیں کو
 کیا اس طرح سے جلا وطن کہ عرب سے رو بہ محرم کیا
 کہیں خمیرہ چنی ہے دیکھو کہ مفرشتہ دہی کے تئیں
 دیا جو قطرہ آب کا کہ تو ایک ذرہ جسم کیا
 حسی شکستہ وجود کو نہیں کہہ تھما دل درد کا
 بوجی دل کی بے صبری سے یہ دو سے حرفِ فہم کا رقم کیا (ص 14-15)

دوسرا مرثیہ ترجیح بہت کی کلیت میں ہے جس ہر ہمت میں چار مصرعے ہیں پہلے ہمت کے چار مصرعے ہم قافیہ ہم ردیف ہیں۔ قافیہ ہلا، عبا، ہلا، روا کا ہے جبکہ ردیف خائے ہا ہے اس کے بعد ہر ہمت کے پہلے تین مصرعے مختلف قافیہ کے حامل ہیں اور آخری مصرعہ شہد کا ہے جس میں ردیف خائے ہا اور قافیہ اسی طرح ہیں جلا، عدا، ہلا، دغا، ہلا، بے وفا، جدا، ہٹا، ماجرہ وغیرہ آیا ہے۔ اس طرح بھی مرثیہ کے پہلے چار مصرعوں کی ہمدردی میں ہیں اور ہمدردی میں تین اشعار ہیں پہلے مرثیہ کی نسبت یہ مرثیہ فنی لحاظ سے زیادہ ہلکا اور عبارت کا صوف ہے۔ اس میں خالصتاً اردو لہجے کا استعمال ہے۔ سادگی کے ساتھ حسی بھی ہے چھوٹی بحر ہے لیکن ہر اثر اور شدت احساس کی حامل۔ مرثیہ میں اہل بیت پر کوئی اور شامی کے ظلم و ستم پر اظہارِ افسوس ہے اور مظلوم کرب و ہلا کی بے بسی اور بے چارگی کا بیان جذبات کی شدت کے ساتھ کیا ہے۔ یہ واقعہ تاریخ اسلام میں نہیں تاریخ عالم میں بھی ایک

ایسے عظیم المیہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کی مثال ایثار و قربانی اور خیر و شر کی کسی آویزش کی کسی داستان میں نہیں ملتی اسی لئے حسن فرماتے ہیں

ہیں اسی صبر میں سب جن و ملک
آدم و حوا سے لیکر اب قسطنطین
ہے ستم کس نے کیا ہے اے قسطنطین

کہہ دیجئے توں خدا ہے ہائے ہا (ص 16)

حضرت حسین کی پیاس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت اکرم سے ان کی مدد کے لئے التماس کیا ہے

یا رسول اللہ قدم رجلا کرو
حال لرزدہی کا دیکھو رو برو
ہاتھ سے اپنی ذرا پیاسی دلو

شاہ بہت پیاسا ہوا ہے ہائے ہا (ص 17)

شامی کی سنگلی اور یہ مریض کا پیاس کس سادہ لیکن ہر اثر ادا کر گیا ہے۔

شامی کا دل نہیں ہوتا ہے شرم
دل سے رحمت اللہ لگی آکھیں سے شرم
صوت کا بازار ہے اب سخت گرم

قتل کا معشر پیاسا ہے ہائے ہا (ص 17)

حضرت حسین کے مریض کا احساس کرتے ہوئے ان کی شہادت کا ذکر کس قسم اشہر ادا کر گیا ہے۔

دودھ سے پالا جسے غمیر الفصاد
جسکی زلفی کو علی شامہ کیا
جس کو پھنسر جگر گوشہ کیا

آج پیاس میں ہوا ہے ہائے ہا (ص 18)

اس طرح

جس کے تئیں کہتے ہیں سب اہل صفا
تروہ العین علی المرتضیٰ
اب تو جا کر دیکھو یہ نہیں ہٹا

شامی نے سر رکھا ہے ہائے ہا (ص 19)

آخری ہفت میں حسن اس حادثہ عظیم پر اپنے دکھ کا اظہار بھی کرتے ہیں

اے حسن اس درد کا میں کیا کر رہی
دل پگھلتا ہے جگر ہوتا ہے غمی
نہیں مجھے کہنے کی طاقت کیا کہی

سخت غم میں ماجرا ہے ہائے ما (ص 20)

جیسا کہ پہلے درج کیا جا چکا ہے کہ اس دیوان متفرقات میں ایک اردو قصت بھی ہے جس میں ایک عا
تجربہ کیا گیا ہے بعض حضرت سعدی کی مشہور زمانہ قصت "بلخ الفلی بکالہ" کی قصہ کی بنی ہے۔
ایک صوفیہ اردو کا اپنا اور دوسرا صوفیہ شیخ سعدی کا لکھا ہے۔ یا آدھا صوفیہ اپنا اور آدھا شیخ
سعدی کا استعمال کیا ہے جسے

صوفی ڈھلک میں یار کی بلخ الفلی بکالہ
جگمگ چمک رخسار کی کشت الدجی بکالہ
صاحب منزہ پاک ہے از عیب و در نقہاں نیز
افعال سب سوڑ میں لگی حسرت جمیع خمالہ
صورت سعی وقت میں والیل و صد مشک زلف
حیران یوسف از حسن عیسیٰ غجل از تاجہ
حسن الفعی بدر الدجی لولاک و صد زات او

یا نور و ثوری سر سبز صغیر است از حالہ (ص 9-10)

جس طرح اردو اشعار میں سرائیکی و ہندی اور پنجابی الفاظ کا استعمال عام ہے اسی طرح
سرائیکی شعری میں اردو الفاظ و تراکیب بھی شامل ہیں۔ زبان کا یہ مخلوط تجربہ بڑے دور اثرات کا
حامل ہوتا ہے۔ آج پھر اس قسم کے تجربے کئے جا رہے ہیں۔ حضرت شاعر شیر افضل جعفری کے یہاں
اس قسم کی مثالیں عام ہیں۔ غلام حسن شہید کے یہاں اردو کا رنگ سرائیکی اشعار میں بھی موجود ہے
بلکہ کہیں کہیں غالب ہے کچھ مثالیں دیکھیں

اماں تو میرا دلیر راجھا
راجھا سار جگ دا ساچھا
راجھے دا مینو وطن بیمار
و مدت جس دی تخت ہزارا

راجھا ناھیں مقید کس دا حتی ڈیکھاں تنھی ڈسدا
 عرش اتے حق ہاک سدا گھر چو چک دی جاک سدا
 راجھا میرا لا مکانی ناں کوئی اس دا نام شانی
 راجا مکان اسے دا ہر ہر نام شان اسے دا (ص 25)

ت شہاد قدم دا کہیں عشق قطارا مارا اے
 کھلے دیاں نیٹیاں بند کئے تیاں ناز دا لشکر چاڑھیا اے
 اماں تہی بیا کیا گھدیں ظالم مہاں کئی کیں مارا اے
 گامڑاں جاہ صدقے دینے ایماں ای واپسا اے (ص 34)

لہ ترائی ڈس کے حافی لگ چھپ جھانسیاں پامے ہو
 جس جمال دکھا کر ماضی گامڑاں کئی تیرا بندے ہو (ص 54)

خادی پیر جمال حیرا خادی پیر جمال حیرا لہجو
 فوٹ حافی ^{نہیں} رہاںسی گنج شکر دے لال حیرا لہجو (ص 54)
 مطلق ذات رنجھٹے والی مہکے چھپ کے روپ دکھایا
 بالیاں تھیں والا حسرتیں بہن کسے آہیا
 سر سواہ نے گل جنپ مالا رنگ بھجوت ویاہیا
 گامڑاں بند پئے کھمبے بیٹھے مہکے راجھڑ رب ملایا (ص 59)

دسور مقدس اوس دھپا وچ لہاس پسر دے
 جانی مڈیے پورے لکھا جس حافی دے پورے
 مڈی صوت ڈیکھ کے پورے لوک زبانت کر دے
 گامڑاں نام دھرا کے ہونا ظاہر ہے نظر دے (ص 62)

لوٹاں کہتے جاگ مہیں دا
 میں لکھے حق ہاگ فی اماں
 جاگ میں کوئی شعر حقیقی
 صورت شمس افلاک فی اماں
 گل گلزار تے ہماغ بہشتی
 جاگ ہٹاں خاشاک میں اماں

(67)

ان مثالیں میں اردو ذخیرہ الفاظ کی نشان دہی کرنے کی ضرورت نہیں اس میں جا بجا اردو ڈکشن
 ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اس ساری گفتگو کے بعد یہ کہا مناسب ہو گا کہ سر زمیں سلطان کے مرقعہ میں
 سب سے پہلے حضرت غلام حسن شہید نے اردو زبان میں باقاعدہ طور پر شاعری کی اور شعری سطح پر
 اردو اور مقامی زبانوں کے ذخیرہ الفاظ کو مخلوط کر کے اردو زبان کی وسعت کا باعث بنے اس طرح وہ روایت
 قائم ہوئی جس نے آگے چل کر اردو زبان کے دامن کو دیگر پاکستانی زبانوں کے الفاظ سے بڑھوت اور وسیع کیا
 مثنوی غلام حسن شہید کے اردو شعر گوئی کے اس پہلے لیکن کامیاب تجربے سے یہ بھی ظاہر
 ہوتا ہے کہ لسانی، ادبی، مذہبی روایات اور سچ کے مشترکہ سمجھنے نے ایسی ہم آہنگی پیدا کر
 دی تھی کہ "اردو" زبان نے یہاں پہنچتے ہی عوام الناس کے دلوں میں گھر کر لیا اور مقبولیت کا تاج
 سر پر رکھ لیا۔ چنانچہ غلام حسن شہید کے ابتدائی کارناموں کے چند ہی سال بعد اردو کی ترویج میں
 کوئی وقفہ نہیں آئی اور یہ درس و تدریس کے ذریعے کے طور پر مدارس میں رائج ہو گئی اور ادب و
 شعری زبان بن گئی۔

خواجہ غلام فرید

سرائیکی شاعری میں خواجہ غلام فرید کو وہی درجہ اور مرتبہ حاصل ہے جو عربی میں امراؤ القیس، فارسی میں حافظ اور روس، انگریزی میں ورڈز ورثہ، کشمیری اور شیلی، اردو میں خواجہ میر درد، غالب، اقبال، بگڑہ میں خذرا السلام، پنجابی میں شاہ حسن اور وارث شاہ، پشتو میں رحمان بابا اور خوشحال خان خٹک اور سندی میں سچل سرمست اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کو حاصل ہے۔ جس طرح سرائیکی شعر و ادب کی تاریخ خواجہ فرید کے ذکر کے بغیر ادھوری رہ جاتی ہے۔ اسی طرح صوفیہ شاعری کی تاریخ بھی ان کے ذکر کے بغیر نامکمل رہتی ہے۔ سرائیکی کے یہ عظیم المرتبت شاعر ہر صنف پر ہر صنف و صنف کی ایک نہایت اہم روحانی شخصیت بھی ہیں جن کے سرمایہ علم و ادب میں سرائیکی کے علاوہ پنجابی، اردو شاعری، اخلاقی، مذہبی، رشد و ہدایت اور صوفیانہ مسلک کے اہلکاروں میں ملفوظات کا قابل قدر خزانہ موجود ہے۔

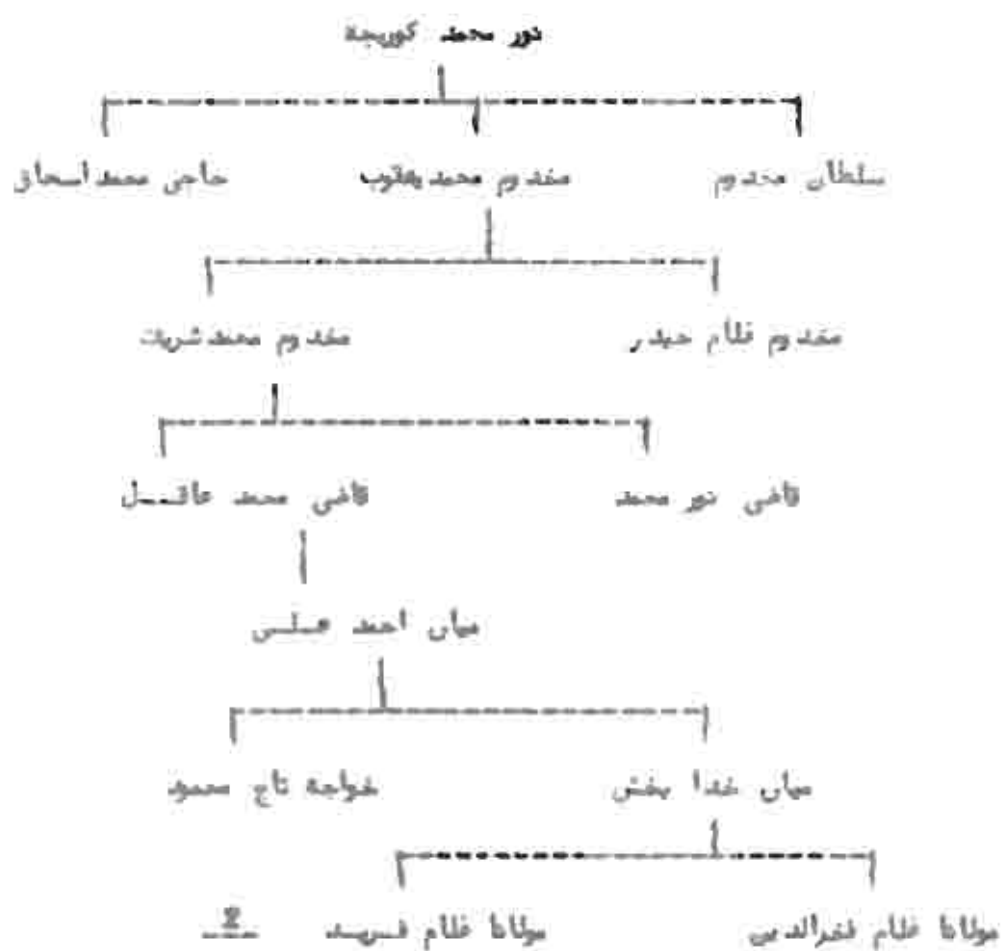
سرائیکی اور اردو کے اس مشہور صوفی شاعر کے آہاؤ اعداد کئی سو سال پہلے عرب سے آئے تھے مالک بن یحییٰ اس شاہان کے وہ بزرگ تھے جو سب سے پہلے سندھ میں آئے اور پھر آہاؤ ہوئے۔ مقامیں المجالس کے مطابق مالک بن یحییٰ کا نسب حضرت عمر فاروق سے ملتا ہے۔¹ لیکن "مقابہ سمیعیہ" میں لکھا ہے کہ

"محبوب الہی قدس سرہ کا نام مبارک خواجہ خدا بخش ہے بن حضرت خواجہ احمد علی بن فوک الفیوٹ شیخ حضرت خواجہ عارف محدث بن حضرت خواجہ مقدم شریف محدث بن حضرت مقدم محدث و نقیب بن حضرت مقدم نور محدث بن مقدم ذکریا قوم قنیش از اولاد سید الکمل بعد الانبیاء حضرت ابا یکریم الصدیق عروت پوری کوریجہ ہیں۔" 2

- 1۔ کہانیاں واحد بخش سال "مقدم" میں مالک بن یحییٰ کا سلسلہ نسب دیا ہے وہ اس طرح ہے "مالک بن یحییٰ بن محمد بن سلیمان بن ناصر بن عبداللہ بن امیر المومنین حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ" بحوالہ "مقابہ المجالس" مترجم کہانیاں واحد بخش سال 40، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور 1979ء
- 2۔ بحوالہ "مقابہ سمیعیہ" تصنیف حضرت خواجہ غلام فرید مترجم شیخ احمد سعید چشتی، ص 19، طبع 1983ء

دریں زمانہ فرمان سعادت شاہ فریختہ عنوان پفرر ایکہ جوازی پنج ہزار
 ایکہ زمین قابل زراعت از پرگنہ مغلوت سرکار صوبہ دار الامان ملتان در وجہ
 مدد و عاشر بنام خادماں کرامت شاہ پیر و مرشد طریقت ہادی راہ حقیقت
 راہبر راہ شریعت و معرفت، قواس بحر عرفان، زبدۂ خدا پرستان حضرت قبلہ
 صاحب مخدوم نور محمد کوہجہ دام اللہ ذلک و شرفہ مدد فرزدان از
 ابتدائے فصل خریف بازگشت اوی بہشت 999 فصلی مقرر است۔ " 1

شاہ نور محمد کوہجہ سے شجرہ نسب آگے بڑھتا ہوا خواجہ فرید تک پہنچتا ہے نقشے کے ذریعے اس کو بھی
 ظاہر کیا جا سکتا ہے۔



جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ خواجہ فرید کے خدامند ہمیں بن مالک عرب لشکر کے ساتھ آئے اور
 پھر سندھ میں آباد ہو گئے ان کی اولاد کئی سالوں تک سندھ میں رہی بعد میں انہوں نے ایک بزرگ

1- بحوالہ "مآقب فریدی" ص 47

2- یہ شجرہ میں مختلف کتابوں کے حوالے سے خود تیار کیا ہے۔

مقدم زکریا سعد سے ملتان کے نزدیک ہستی ' منگلوٹ " آئے۔ کہان واحد بخش سوال کے مطابق

" شیخ کوہا کے بیٹے شیخ حسن سعد کے ملاقاتی تھے۔ ان کی حکومت وقت کی طرف سے اعلیٰ صوبے پر فائز تھے لیکن انہی نے آخر عمر میں ملازمت ترک کر کے درویشی اختیار کی۔ ان کی بہت سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں تھی۔ شیخ حسن نے بیٹے مقدم زکریا سعد سے ترک حکومت کر کے ملتان کے قریب ہستی منگلوٹ میں قیام پذیر ہوئے۔ " 1

انہیں مقدم زکریا کے بیٹے اور سجادہ نشین مقدم نور محمد کوہجہ بڑے صاحب کمال صوبی بزرگ تھے۔

آپ نے ہونے مقدم معتمد شریف منگلوٹ سے سب سے پہلی ہستی ماریوالی میں قیام پذیر ہوئے۔ جہاں آپ کے ایک مرید نے آپ کے کہنے پر ایک شہر کوٹ مٹھن آباد کیا " شائع چشت " میں لکھا ہے کہ

" مقدم معتمد شریف صاحبہ وارا والی میں آ کر آباد ہوئے تو مٹھن خان بلوچ رئیس مارا والی آپ کا مرید و معتقد ہو گیا۔ ایک دن آپ کا گھر اس جگہ سے ہوا جہاں اب کوٹ مٹھن آباد ہے۔ رہا کے کنارہ پر یہ ہر قضا مقام دیکھ کر آپ نے خان حوض سے کہا کہ اس جگہ ایک شہر آباد کیا جائے اور وہ اللہ والی کا مکان ہو۔ خان نے اس جگہ شہر بنانا قبول کر لیا اور مقدم سے گزارش کی کہ وہ خود اس مقام کو اپنا مقدر بنائیں اس طرح " کوٹ مٹھن " وجود میں آیا۔ " 2

کوٹ مٹھن شریف میں مقدم معتمد شریف اور ان کی اولاد بہت عرصہ تک قیام پذیر رہی۔ یہ لوگ اپنے فیوض و برکات اور علم و عمل سے کافی عرصہ تک لوگوں کو توازن رہے۔ مقدم معتمد شریف سے آگے ان کی اولاد میں سعد خلافت کا سلسلہ چلتا رہا اور وہ لوگوں کی قیاد و رہبری کا کام انجام دیتے رہے۔ مقدم معتمد شریف کے بعد ان کے فرزند تاج محمد خان سعد خلافت پر متمکن ہوئے وہ ایک بہت بڑے صوبی بزرگ تھے آپ کی تعلیم و تربیت پر آپ کے والد نے خصوصی توجہ دی۔ آپ نے اپنے والد کے علاوہ شاہ فقیر اور خواجہ نور محمد مبارک سے بھی پڑھا۔ شاہ فقیر سے آپ نے شرح عبدالحق اور سوانح السیوط کا درس لیا تھا۔ آخری مرتبہ جب آپ کی ملاقات خواجہ فقیر الدین سے ہوئی تو انہی نے آپ کو چار کتابیں عنایت فرمائیں جن میں

(1) مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی (2) کتاب مطلوب (3) سوانح السبیل

(4) ایک مجموعہ جس میں لواحق جامی اور اس کی شرح، قصیدہ فہرۃ اور شرح ریاضات مولانا جامی اور لواحق وغیرہ شامل تھیں۔¹

خواجہ نور محمد مہاروی سے آپ اچ میں بیعت ہوئے۔² اور ان سے آپ نے حدیث کی سنت لی شروع میں آپ لوگوں کو بیعت نہیں کرتے تھے لیکن بعد میں خواجہ مہاروی نے کہنے پر آپ نے لوگوں کو بیعت کرنا شروع کیا۔ تو ہزاری عقیدت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔³

خواجہ محمد عاقل نے علم حاصل کرنے کے بعد کوٹ مٹھی شریف میں مدرسہ قائم کیا جہاں بڑے عالم درس و تدریس کا اہم کام انجام دیتے تھے۔ خود خواجہ صاحب بھی سو سے زیادہ طلباء کو درس دیا کرتے۔ صاحب مکملہ سیرالاولیاء کے مطابق

"درس و تدریس سے آپ کو (خواجہ محمد عاقل) خاص دلچسپی تھی تدریس کے لیے آپ نے متبحر عالم مقرر کر رکھے تھے جو طلباء تعلیم پاتے تھے ان کا وظیفہ مقرر تھا۔ اور انہیں کھانا لنگر سے دیا جاتا تھا۔ جب آپ کوٹ مٹھی سے شیدائی منتقل ہوئے تو دونی جگہ علیحدہ علیحدہ مدرسے قائم رہے اور لنگر بھی دونی جگہ جاری رکھا۔ طلباء کو ایک دوسرے کے ساتھ بھی پڑھاتے تھے۔ جن کتابوں میں سے آپ کا درس سطح کا اتفاق قائم کو ہوا ان میں شرح ہدایہ، حکمت میر ہاشم، شرح مظاہد، خیالی مولوی بر خیالی، مطلوب و تلخیص و توضیح، شیخ الاسلام و نور محمد مدق پر مقدمات اربع و شرح و قایہ مع حواشی و ہدایہ و شرح مواقف جہ مولوی وز واحد ثلاثہ۔ حدیث شریف میں مشکوٰۃ و احیاء العلوم و بعض صحیح بخاری اور تصوف میں لواحق و شرح قصیدہ فارسیہ حمزہ و سوانح السبیل و نسیم و قصوں المحکم۔ مکتب حدیث اور تصوف میں راقم یا توسیع ہونا یا قاری۔"⁴

1- بحوالہ "مآتب المصوبی" ص 129

2- تحصیل کمال طاعتہ فوائد "مآتب جنت" از خلیق احمد ظامی، ص 582

3- - - - - ایضاً - - - - - ص 588

4- بحوالہ "مکملہ سیرالاولیاء" از خواجہ گل محمد احمادی، مقوم سعید حسن شیب، ص 162

آپ نے 5 شعب 1229ھ کو وفات پائی۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے سید احمد علی سجادہ نشین ہوئے جو بڑے عالم و فاضل تھے اور علم حشر میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔ آپ بھی خواجہ غلام محمد مباروی سے بہت تھے۔ سید احمد علی بہت سادہ طبیعت کے مالک تھے اور ہر عام خاص کے ساتھ اچھی طرح پہن آتے آپ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے اور والد کی وفات کے ایک سال ایک ماہ اور چند دن کے بعد یعنی 9 شعبان 1231ھ کو وفات پا گئے۔

خواجہ احمد علی کی وفات کے بعد ان کے بیٹے خواجہ خدا بخش صدیقی ہوئے آپ نے اپنے دادا خواجہ محمد عاقل سے خلافت حاصل کی تھی۔ آپ نے اپنے باپ دادا کے مشن کو اسی طرح جاری رکھا۔ مدرسہ ام لکھو سے ہی جاری رہا۔ بلکہ آپ نے ایک دوا خانے کا بھی افتتاح کر رکھا تھا۔ مشائخ چشت میں لکھا ہے کہ

"بیماری کی دیکھ بھال کے لئے ایک طبیب طائر تھا۔ دوا خانہ کا پورا
انتظام تھا، خود مریضوں کی دیکھ بھال اور عبادت فرمایا کرتے تھے۔" 1

آپ کے آستانہ پر لوگوں کا ہر وقت حضور رہتا تھا آپ کے لکھنے والے میں کہا جاتا ہے کہ
"ان کا لکھنا اتنا وسیع تھا کہ صرف مہمانوں کے گھوڑوں کے لئے بارہ سو
قلہ رونا آتا تھا۔" 2

خواجہ خدا بخش کافی عرصہ تک کوٹ شریف میں قیام پذیر رہے۔ بعد ازاں سکھوں کے مظالم سے تنگ آکر سابق ریاست بہاولپور کی تحصیل خان پور میں چاچڑاں کی طرف ہجرت کر گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کی۔ چاچڑاں کی طرف ہجرت اور وہاں قیام کے سلسلے میں نواب بہاولپور صادق محمد خان کی خواہش بھی شامل تھی۔

چاچڑاں شریف میں ہی مخدوم خدا بخش کے ہاں اس صوفی شاعر نے مظل 26 ذی الحجہ

1261ھ (1845ء) کو جنم لیا۔ خواجہ غلام فرید سے کس نے آپ کی تالیف ولادت پور ریاست کی تو
آپ نے فرمایا

1- بحوالہ "مشائخ چشت" از خلیف احمد نظامی، ص 593

2- بحوالہ "خواجہ غلام فرید - حیات و شاعری" از سعید حسن شہاب، ص 32

" سری ولادت روز سے شعبہ ماہ ذی الحجہ کے آخری عشرہ اور ماہ ہجری پہلے عشرہ میں ساعت مشتری میں قبل طلوع آفتاب ہوگی۔ " 1

آپ کا تالیفی نام خورشید عالم رکھا گیا۔ لیکن بعد میں فرید الدین گنج شکر کے نام پر آپ کا نام غلام فرید رکھا گیا۔ خود خواجہ فرید فرماتے ہیں کہ

" جب میں پیدا ہوا تو حضرت محبوب الہی نے مشورہ کیا کہ اس بچے کا نام کیا رکھا جائے اس پر ماں حضو خادم نے دست بستہ عرض کی کہ حضور حضرت شیخ الفالم گنج شکر بھی سے شعبہ کے دن پیدا ہوئے تھے پس ان کا نام " غلام فرید " رکھا جائے تو بہتر ہو گا اس سے حضرت محبوب الہی بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ اچھا نام ہے اس کے بعد فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ بھی سے شعبہ کے دن پیدا ہوئے تھے۔ " 2

خواجہ فرید کی ولادت پر مختلف شعراء نے قصائد لکھ کر آپ کے والد گرامی کو پیش کئے صدیق طاہر نے

خان بیلہ کے مولانا محمد عثمان کے تین اشعار ہفت اقطاب کے حوالے سے لکھے ہیں

شکر للّٰہ کہ گوہر والا

از خدا بخش شد غلام فرید

دوش برگوش من سروس خروش

مہظم داد عقد مراد رہد

طول اللہ عمرہ، طسراً

سعد اللہ کالفرید عقد 3۔

- 1۔ بحوالہ " مقامیں المجالس " حصہ چہارم ص 704 مترجم کہتاں و محدثین سال تالیف ولادت کے سامنے میں مزید حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) مقدمہ " دیوان فرید " از علامہ نسیم طالب مرتبہ مولانا عزیز الرحمن ص 20 (2) سرائیکی شاعری از کبلی جامہوی ص 265 مطبوعہ سید الکشرک پریس ملتان 1969ء (3) " دیوان غلام فرید " مرتبہ نور احمد فہدی ص 23 ان سب نے " مقامیں المجالس " کے حوالے سے اس تاریخ پیدائش کو مستند مانا ہے کیونکہ مولانا رکی الدین مرتب " مقامیں المجالس " کا خواجہ غلام فرید کے حوالے سے اس تاریخ پیدائش کو مستند خواجہ فرید کے کئی سوانح نگاروں نے 26 ذی الحجہ کی بجائے 26 ذی قعدہ 1261ھ خواجہ صاحب کی تاریخ ولادت لکھی ہے ان میں (1) دیوان خواجہ غلام فرید (اردو) مرتبہ صدیق طاہر ص 18 (2) پنجابی ادب دی کہانی از عبدالغفور قریشی ص 386 (3) پنجابی کے باغ و بہار شاعر از شفیق عظیم ص 156 مطبوعہ انجمن ادبی اردو کراچی، اشاعت اول 1970ء (4) گوہر شب چراغ از محدثانور فرید ص 3 مطبوعہ کیمور آرٹ پرنٹنگ پریس لاہور، بار اول 1910ء (5) پنجابی ادب کی مختصر تاریخ از احمد حسین قریشی ص 100 قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے خواجہ فرید کی تاریخ پیدائش 1846ء لکھی ہے (ملاحظہ فرمائیے " بہت مبار " ص 28)

چند افعال فرق میں نمود۔ اول در وظیفہ درس طلبا کہ حضرت قبلہ محبوب
 آلہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمع کتب متداولہ در سبہ را درس میداد و
 درس گمشان کتب فوائد در سبہ کم و کتب احادیث شریف مثل صحیح بخاری
 و مشکوٰۃ و غیرہما و کتب فقه و تفسیر بکثرت متداول بود و سبق حدیث
 شریف فربز بود۔ " 1

اشارات لہدیٰ میں لکھا ہے کہ حضرت فخرالدین شامی بھی کرتے تھے لیکن والد محترم کے خوف سے
 چھپاتے تھے چنانچہ انہی نے ان شاہیر شعراء کے تخلص پر اپنا تخلص رکھا جس کے نام تو بہت شریف
 تھے لیکن ان کے دیوان یہاں ناپید تھے۔ حضرت فخرالدین نے شیخ اومدی اصفہانی کے تخلص پر اپنا تخلص
 اومدی رکھا۔ ایک روز جبکہ درس کی ایک مجلس میں قوال فخرالدین کی یہ قول کا رہے تھے

شعلہ عشقت چو از آتش دل ما مویختہ
 زد علم ہست ز دل کسی و نگاردا سوختہ

تو آپ کے والد حضرت قبلہ محبوب آلہی خواجہ خدا بخش نے ان سے دریافت کیا کہ یہ قول کس کی ہے۔
 چونکہ حضرت فخرالدین نے قوالی کو نام بتانے سے منع کر رکھا تھا اس لئے انہی نے اومدی اصفہانی کا
 نام بتایا اس پر حضرت نے فرمایا

" بیشک کلام شیخ کامل است و من در حق خود دعائے برکت دارم " 2

ظاہر ہے کہ اس خراج تحسین کے سزاوار دراصل حضرت فخرالدین تھے کیونکہ یہ قول شیخ اومدی اصفہانی
 کی نہیں فخرالدین اومدی کی تھی۔ اومدی کا دیوان بہت عرصے تک لوگوں کی غلطی سے اوجھل رہا۔
 اس لئے ان کے بہت سے تذکرہ نگاروں نے ان کے کلام کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نایاب ہے۔³ لیکن اس
 نظامی نے مکتبہ الحال جہانیاں مدنی کے زیر اہتمام اسے " دیوان اومدی " کے نام سے شائع کیا ہے۔ یہ
 دیوان فارسی میں ہے اور کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت فخرالدین اومدی کو شعر گوئی پر دسترس

1- بحوالہ " اشارات لہدیٰ " حصہ دوم، ص 72

2- بحوالہ " -- ایضاً " -- ص 75

3- (1) " مناقب الصالحین " ص 72 کے مطابق آپ کا دیوان موجود ہے لیکن ملتا نہیں (2) " قدر لہدیٰ " از محمد بشیر احمد، ص 46، مطبوعہ طوس پریس لاہور میں لکھا ہے کہ ان کا مجموعہ کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس لئے اس میں صوفیہ کے طور پر ایک شعر دیا گیا ہے۔

حاصل تھی۔ حقیقت اور معیار دونوں قسم کے موضوعات ان کے کلام میں موجود ہیں فارسی زبان و بیان پر انہیں قدرت حاصل تھی مثلاً یہ اشعار دیکھئے، جملہ محاسن شعری ان میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں

ای حس جہانگر تو فانیگر جاہانگر
از درگس ستاھکن تو در شور و فغان است
حیران جمال تو ہمہ بہر و جوان است (دیوان اودی ص 28)
گر ساقی و گر سافر و گر پھرغان است

نقاب زلف جو از رخ کشود عالم سوخت
نظار ز درگس سمیر و فتنہ انگیزت
جو شعلہ جمال تو در بہشت افتاد
جو بوق عشق درغشید جان آدم سوخت
کہ یک گوشہ اورغبت شادی و فم سوخت
گل و سنہر و سنبھل میان شہنم سوخت (ص 32)

ز سودائی سے زلف تو من دیوانہ خواہم شد
نقاب زلف گر (ز روش آتشکاک بکشائی
جو زاہد دید چشم ست تو کفتا کہ من آنر
ز انصو دو چشم ست تو امانت خواہم شد
ز دیدارت ز خود و ز دو جہاں بیگاہ خواہم شد
خراب از بادہ آن درگس ستانہ خواہم شد (ص 56)

ہمہ عالم شدہ حیران و مدھوش
جمال شائد و ماقبست آفت
جو فیر حس خود را عام کردہ
بستی مادہ را بدنام کردہ (ص 57)

نہ سروں جو قد رشاقہ در بوستان خیزد
نقاب زلف را واکن کہ از شوق جمال تدو
نہ ماہی جو رخ زیبائی بر آسان خیزد
لفان و نائے در در لعلہ از بہر جوان خیزد (ص 58)

ماہ تاز دلبرم جو بچس خرام کرد
ای بت سرو تاز من کافر چشم ست تو
سیو بہان سجدہ ہا از پیش احترام کرد
جو جفا بستان از چہ طی الدوام کرد (ص 67)

ز رخسار ہر مکن زلف دو تارا
کنی امن پردہ پوشیدن جہ مانند
ز مشتاقان شا حس دل آرا
لفان زین تر گس جاد و لہریت
ز حسرت ہر طرف افتاد فوفا
پردہ دل ز مشتاقان بہ بفا (ص 5)

جہ تاثیر ست یارب آن جمال دلبر ما
لفان زہر درگس سمیر و خواب آلودہ ادحا ما
میکن پردہ زلف کنی ہر عارض رنگی
جو افتاد است از حسرت نگارا ہر طرف فوفا (ص 14)
ہر آنکو بکفر بکشد شود آفتاب و شیدا
میکن تازہ گداز در صفا بحر خدا (ص 15)

عسیم زلف او لعل و حد سداقت چیں / کھ ما غمزہ چشتن غارت ملک دل و دوسرا
بہر کس بر ماہد جھوٹا زبانی خود چیں گل / دھام از چہا پوشتہ از من آنکوش و شکسرا

السید عالم آفریند شہنشاہ و شہر لیک

بہتر شہید سازد اوچے آفران و عسیم ایسرا (ص ۱۸)

ہیا کہ آتش تو سو سوخت جان مرا / خراب کرد غبار تو خاصاں مرا
شد درالہ من کج خسو سیم طے / ہو شد کہ صحت اثر ^{دیکھ} لکھ نظر مرا
گرفت شمع تری تر در انصاف از من / جو دید کہ چشمان غولشٹاں مرا (ص ۲۰)

مشق ہر دم در دلم تار دگر بیدا کہ / تاکہ لہر خود سبز خود در آما جا کہ
درد مشق آن بہر جا بہام میں خوش است / ز اہل ہر دم لذت دیگر بدل بیدا کہ
اوند و آن عریس بخت ساقی ہر زماں / از برائے عاشقانہ حد فتنہ را بیا کہند (ص ۷۴)

حضرت خواجہ نیر کو اپنے بھائی کے ساتھ سے حد عظمت و اثر اور محبت تھی۔ خاصاں السالی

میں جا بجا بھائی کا ذکر ملتا ہے اور کہ شاید ان کے کلام سے بھی نیرالدین اوندی سے عظمت و محبت
کا اظہار ہوتا ہے اور دیکھا کہ ^{نیرالدین} سے چھ مثنوی دیکھیں

میں بھی ملک آستانہ نیر جہاں کا / شہری سے لعل عینہ ہے حد شانہ کا (ص ۳۰)
جاں کس طرح ہوگا سعد سے شان نیر عالم کا / کہ بہار اعیانہ وہ فخر ہے ایلار آدم کا (ص ۶۴)
فخر یہ کہ میں نیر دو جہاں کا بھی قلام / اور وہ ملک سے حلقہ ہے حوس نام سے نام (ص ۵۲)

نیرالدین سے عظمت و محبت کا اظہار صرف اردو کلام میں ہی نہیں ہے بلکہ سرائیکی شاعری میں بھی
جا بجا ملتا ہے چھ مثنوی یہ ہیں

نیر جہاں لعل لکھو سے / واقعہ کز اسرار نعلیو سے
ہر عامر جمال ڈھلے سے / مقلی راز تھلے اظہار

نیر جہاں کہ رت سوغاتی / اویں تکیا کہ بار سمانی

فلت ہتی لکھی صبر و صبر

چهار فخرالدین شعل دیاں
گھول گھٹاں ^{میں} فخر جہاں کی

فخرالدین شعل در شوقی
در دم شکم در
عمر پرستی گھات اسادی
راز حقائق بات اسادی
فخر جہاں ایسا رت سکھائی
پر حقیقی گھات اسادی

اپنی ایک شہر کالی

مٹی دلیر شکل جہاں آما
در صورت حسن عیاں آما

میں خواجہ فرید نے اشیاء اور شہدا کا ذکر بڑی لطافت سے کیا وہاں بھی خواجہ فرید اپنے مرشد فخر
الدین کا ذکر اس انداز میں کرتے ہیں

کشمے حسن حسن شہید بنے
کشمے مسند فخر جہاں آما

جب خواجہ فرید کی عمر ساڑھے تین سال کی ہوئی تو آپ کے والد نے خواجہ تاج مسعود کو
کہ آپ کے چچا تھے آپ کی پڑوسم بسم اللہ خوانی کرائی۔ 1۔ خواجہ غلام فرید بچپن سے ہی ذہنی تھے
چنانچہ آٹھ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ ملازمین الصالحین کے مطابق

"محکم قرآن حکیم عیاں جس صدرالدین نے شروع کرایا لیکن ان کی وفات کے

بچہ سال جس مصدقہ نے ختم کرایا۔" 2

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد عریس اور فارس تعلیم کے علاوہ درس نظامی کی تکمیل بھی کی۔ 3۔ اسی
دوران والی "راست بہاولپور خواب ساری مصدقہ آپ کے بھائی سے آپ کو لے کر تعلیم و تربیت کی غرض
سے شاہی محل احمدپور شیکھ لے گئے آپ کے ساتھ آپ کے مامی ملک غلام محمد اور استاد مولانا قائم الدین
بھی گئے۔ شیکھ نے ان کی مختلف علوم کی تحصیل کے متعلق بھی لکھا ہے

1۔ آپ کی رسم بسم اللہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب آپ کے چچا خواجہ تاج مسعود نے رسم ادا کرتے
ہوئے کہا "آگد فرید الف" آپ نے اسی طرح یہ الفاظ دہرائے کہ "آگد فرید الف" چچا نے پھر وہی الفاظ
دہرائے آپ نے جب دوسری مرتبہ فرید الف وہی الفاظ دہرائے تو خواجہ تاج مسعود پر وحشت طاری ہو گیا
اور وہ زانو پر ہاتھ مار کر خود بھی وہی فقرہ دہرائے لگے۔ خواجہ خدا بخش کے کہنے پر قوالی نے یہ
صرع قوالی کی صورت میں پڑھ کرنا شروع کر دیا۔ حاضرین محفل پر کافی دیر رکت طاری رہی۔

"He received his formal education from several teachers in the Holy Quran from Miyan Badr-ud-Din and Miyan Muhammad Rakhsh Khoja, in works of poetry from Maulavi Khwaja Hafiz, Miyan Ahmad Yar Khoja, and Miyan Bakhurdar Mattaqui and in Arabic instructional books from Maulavi Qaim-ud-Din." 1

سولہ سال کی عمر تک آپ تحصیل علوم میں مصروف رہے۔ علامہ نسیم خاں کا بیان ہے کہ

"تعلیمی عمر تیرہ میں علوم دینیہ سے فارغ ہو گئے تھے۔ پھر ہی سے مجاہدات و ریاضات میں لگا دیے گئے تھے۔ طلب علم اور مطالعہ کتب بھی اکرہ ایک بہت بڑی ریاضت تھی مگر اس نے سادہ سادہ اوزار و وظائف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔" 2

خلاہ: فرید نے تیرہ برس کی عمر میں اپنے مرنے والے خیر خواہ فیوالدین کے حاتمہ پر بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ بعد میں انگریز لکھتے ہیں

"حضرت فرید رحمۃ اللہ علیہ جب علم ظاہری کی جستجو سے مالا مال ہو گئے تو روحانیت کا وہ مادہ جو چھپ ہی سے آپ کے دل و دماغ میں سرایت کر چکا تھا، ایک دم ابھرا اور آپ کو حضرت فخر سہاں علیہ رحمۃ جو آپ کے برادر کفار بھی تھے سے بیعت کرنے کا شوق غالب ہوا۔ اس شوق نے بیٹائی و بھکاری کی صورت اختیار کر لی۔ یہاں صبر یعنی مہاروی و سدا ر امام یعنی صاحب مہر والہ کے ذریعے استقامتی بیعت کرائی گئی تو حضرت فخر سہاں علیہ رحمۃ نے شوق قبولیت فرما کر حضرت فرید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دست حق پخت پر بیعت فرما لیا۔" 3

اس طرح آپ نے تمام ظاہری و باطنی علوم اور سے حاصل کئے علامہ خاں کی مطابق

"بیعت کی گود میں آپ نے آئندہ کھڑی اور بیعت کی گئی تھیں جس پر ہوش

1-"The Teachings of Khwaja Farid" by C. Shackie, P-6,7 published by Basmu Saqafat, Multan, in 1978.

2- دیوان فرید مرتبہ عزیز الرحمن، ص 20

3- فقیر فرید، ص 42

پائی۔ بارہ مرزا آپ کا میوٹ مال تھا اور حقیقت و ایمان شاہد حال۔
ابھی آپ سولہ سترہ سال ہی کے تھے کہ علوم ظاہریہ و باطنیہ میں کمال
حاصل ہو گیا۔ " 1

بعثت ہونے کے بعد آپ نے مرشد سے تعلق کو عشق و محبت کی وارفتگی میں بدل دیا چنانچہ خود خواجہ
صاحب کے کلام سے اس والہانہ عقیدت و محبت کے جذبات کی عکاسی ہوتی رہی۔ حب خواجہ صاحب نے
تسلیم مکمل کر لی تو خواجہ فخرالدین کے ساتھ مل کر علوم ظاہری و باطنی کی تدریس شروع کر دی۔
چنانچہ آپ کے یہاں علوم دینیہ کے شائقین کا دن رات جمجمہ رہتا۔ آپ انہیں کتب حدیث، فقہ اور تصوف
کا درس دیتے۔ آپ کو ہر موضوع اور ہر مسئلے پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ کسی بھی موضوع پر گفتگو
بغیر کسی تیار کی ہوئی فصیح و بلیغ گفتگو فرماتے " فکر فرید " کے مطابق

" عوارف الطرار، اعیان العلوم، کیمائے سعادت، سے مراد، تحفہ مرسلہ،
لواع شریفہ، فصوص الحکم، حواہر حلالی، جامع العلوم، کنکول حکمی جیسی
اونیس کتابیں آپ کے مطالعہ میں رہتی اور ان کے فوائد بیان کرتے وقت
علمائے عصر کو دنگ کر دیتے۔ " 2

خواجہ فرید تقریباً دس سال تک اپنے بھائی کی زندگی میں درس دیتے رہے جب آپ ستائیس سال کے ہوئے
تو 5 جمادی الاول 1288ھ میں آپ کے بھائی کا انتقال ہو گیا چنانچہ مرشد کے انتقال کے بعد آپ مسجد
شمس ہوئے اس موقع پر دیوبند صادی محدثان عباس نے آپ کی دستاویزی کی رسم ادا کی۔ مسجد شمس سے
پہلے ہی آپ اپنے تبحر علمی اور درس و تدریس کے باعث اس قدر شہرت حاصل کر چکے تھے کہ لوگ دھڑا
دھڑا آکر بیعت کرنے لگے اور آپ کی درسگاہ میں شائقین علوم کا ہر وقت ٹافٹا بٹافٹا رہنے لگا۔ علماء طالبان
کے مطابق

" آپ کا آستانہ عالیہ جہاں ایک طرف طالبان علوم دینی کا مرجع تھا وہاں
دوسری طرف تشکلات طریقت کے لئے سچشمہ فیوض و برکات تھا۔ یہ شمار مغلوں
آپ کی ذات مقدس آیات سے اقتباس انوار کرتی رہی اور عوام و خواص آپ کی

1۔ مقدمہ " دیوان فرید " مرتبہ عزیز الیچاں، ص 22

2۔ بحوالہ " فکر فرید " از محبت بنیر اختر، ص 48، غلوں پہیں، ناظم

فطر شفقت اثر سے عشق و محبت حقیقی کے درس لیتے رہے۔ ہزاروں نہیں
 لاکھوں بندگان خدا حلقہ ارادت میں داخل ہو ہو کر آپ کے دست
 مبارک پر بہت ہوتے رہے اور عفو و سہولت کے عامۃ الناس کا رجوع آپ کے
 کے عتبہ عالیہ کی طرف ہو گیا۔ " 1

دور احمد فرید خواجہ غلام فرید کے وقت میں مذہبی حوش و غشوش کے پائے میں لکھتے ہیں کہ
 " حضرت خواجہ غافل محمد صاحب نے کوٹ شریف میں جس دارالعلوم کی بنیاد
 رکھی تھی اس وقت یہ پورے بہار پر تھا چاچڑاں افواہ و انقلاب کا شہر
 تھا۔ اس کے ہر محل کے کوئٹے اور ہر کونے کے سب پر کوئی نہ کوئی مسجد
 ضرور تھی۔ جس میں باجماعت نماز ادا ہوتی تھی۔ فرید محل کی مسجد
 میں علماء اور طلباء مل کر نماز پڑھتے تھے۔ جامع مسجد محبوبیہ، فقیریہ
 مسجد، ناز کی مسجد اور فریدیہ مسجد پانچویں وقت نمازی سے بھر جاتی
 تھیں۔ ان کے علاوہ ایک اور مسجد حضرت مولانا قاضی غاں محمد صاحب کی
 تھی۔ دوسری پورے حسن شاہ سائیں کی تھی ان میں نماز کے وقت اتنی
 بھیڑ ہوتی تھی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی ہر مسجد میں طلباء درس
 نظامی کے مطابق تعلیم پاتے تھے۔ ان میں کو فریدی لشکر سے دینی وقت کا
 کھانا ملتا تھا۔ جامع مسجد کے ساتھ مدرسے کی عمارت تھی جس میں مولانا
 اللہ رکھا صاحب پڑھاتے تھے۔ " 2

خواجہ صاحب کی خدمت میں لوگ دور دور سے بہت کرتے آئے جہاں دہار عرب اور دیگر ممالک
 بھی شامل ہیں اس طرح آپ کے سلسلہ نظامہ چشتیہ میں غیر معمولی وسعت پیدا ہو گئی۔ آپ خاص طور
 پر قریب لوگوں کو جلدی بہت سے سرفراز فرماتے جبکہ امیر لوگوں کو بہت کرتے سے پہلے اچھی طرح پرکھتے
 تھے۔ " پھر فرید " میں لکھا ہے

" نواب قیصر خاں مکی والی علاقہ جہل اسی زمانہ میں بابا خدمت ہو کر
 استدعائے بہت کرتا ہے مگر حضور انکار فرما دیتے ہیں آخر چند بار اصرار کے
 بعد وہ طے کرتا ہے کہ اگر حضور نے مجھے شرف بہت نہ بخشا تو میں خودکشی

کر لی گا جب اس کی عہدیت اس حد کو پہنچ گئی تو پھر کہیں جا کر
حضرت نے اسے بھٹ سے سرفراز کیا۔ اس کے برعکس حضرت فرید علیہ رحمۃ
غریبا طبقہ کو فوراً اپنے سلسلہ ارادت میں قبول فرما لینے تھے۔" 1

سٹیشن شوخ کے چار سال بعد (1292ھ میں) آپ نے زیارت بیت اللہ شریف کا ارادہ کیا
جامعہ آپ 21 شوال 1292ھ کو جاجڑاں سے سو افراد کے ہمراہ حج کی نیت سے بمبئی کے راستے روانہ
ہوئے۔ آپ کے سفر حج کی تفصیل جو شیخ عبدالرحمان نے نور احمد فریدی کو فراہم کی ہیں وہ تاریخ دار
اس طرح ہیں۔

- (1) 21 شوال 1292ھ • حضرت 80 رفیقوں کے ہمراہ جاجڑاں شریف سے روانہ ہوئے (2) 23+24 شوال
دو ہوم ملتان میں قیام رہا اور تمام اکابر اولیاء اللہ کے مزارات پر رفیقی سہیت حاضری دی (3) 27 شوال
لاہور پہنچے۔ بازار حنفیہ داتا صاحب کی مسجد شریف میں ادا فرمائی (4) یکم ذیقعدہ دہلی پہنچے۔
جامع مسجد میں قیام فرمایا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی • حضرت محبوب الہی نظام الدین
اولیاء اور دوسری اولیاء اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے کے لئے مہربوں کی جانب تشریف لے گئے (5) 4 ذیقعدہ
مہربوں سے دہلی واپس آ گئے (6) 5 ذیقعدہ جے پور پہنچے۔ وہاں سے احمد تشریف لے گئے (7) 14 ذیقعدہ
بمبئی پہنچے (8) 21 ذیقعدہ جہاز پر سوار ہوئے (9) یکم ذی الحجہ جدہ پہنچے اور پھر مکہ مکرمہ
تشریف لے گئے (10) 21 ذی الحجہ تک قیام مکہ مکرمہ اور منی و عرفات میں مشاک حج کی ادائیگی (10)
22 ذی الحجہ مدینہ شریف کو روانہ ہوئے (11) 5 محرم الحرام 1293ھ کو مدینہ طیبہ پہنچ کر
حضرت دس آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ مبارکہ پر حاضری کا شرف حاصل کیا۔ (12) 19 صفر
المنظر جدہ سے وطن کو روانگی عمل میں آئی۔ (13) 14 ربیع الاول کو جاجڑاں شریف واپس تشریف لے
آئے۔ 2

حج کے موقع پر عام طور سے لوگ درید و سلام اور عبادات میں اس قدر مشغول ہوتے ہیں کہ بہت
سے چیزیں ان کے مشاہدے سے نہیں آتیں لیکن خواجہ صاحب کی حس شامعہ اس قدر تیز تھی کہ انہی

1- بحوالہ "قد فرید" ص 52

2- ملاحظہ فرمائیے "دیوان فرید" مترجم و شارح نور احمد فریدی ص 37، 38، مطبوعہ "کسر الادب" ملتان۔

نے اس موقع پر بھی اس سے بھرپور کام لیا اور کتبہ شہید کے اطراف و جواب اور دیگر تفصیلات و جزئیات کا مشاہدہ بخیر منظر کیا۔ حناجہ حرم کتبہ کے اکتالیس روزانی کا مشاہدہ کرکے یہ انکشاف کیا کہ ہر روزانہ کس بھی شمع اور سونے کا سکن رہا ہے۔ "مناہیس المعالی" میں لکھا ہے

"... فرمودہ کہ ہر ایک مشائخ عظام را یک یک باب و سکن دران مقرر است و ہر اسطوانات نام آن مشائخ مگرام کہ آمیا سکنی ہوہ اعد نوشتہ شدہ پائے است۔" 1

خواجہ فرید سیر و سیاحت کے بھی بے حد شوقین تھے۔ آپ نے کئی شہریں میں اولیاء اللہ کے

مزارات پر حاضری دی اور کئی بزرگان دین سے ملاقات کی۔ محد انور فرید کے مطابق

"آپ نے سات بار زیارتِ روضہ طہی حضرت خواجہ بزرگ کا شرف حاصل کیا۔ تین بار میاں محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ احمد آبادی سے ملاقات کی۔ جو بڑی عمر کے دہشت تھے اور خواجہ کمال الدین صاحب طامہ قدس اللہ سرہ العزیز کی اولاد سے تھے۔ علاوہ انہیں حدیثستان کے تمام بڑے بڑے شہریں کی سیر کی اور ہر ایک حکم کے بزرگان دین سے ملے۔ جملہ مزارات اولیاء اللہ کی زیارت سے شرف ہوئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین مختار کاکے و حضرت سلطان المشائخ عظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی سیاحت سے اصر طور پر فیضان حاصل کیا۔ سو آدمی کے ہمراہ حج بیت اللہ و زیارتِ روضہ رسول اللہ سے شرف ہوئے۔" 2

خواجہ غلام فرید لکھنؤ بھی تشریف لے گئے تھے اور وہاں آپ نے مولوی عبدالحمید اور مسعود احمد خان دہلوی کو دیکھا تھا۔ "مناہیس المعالی" میں اس کا ذکر اس طرح ملتا ہے۔

"جب ہم (خواجہ فرید) لکھنؤ گئے تو دل میں خیال آیا کہ مولوی عبدالحمید کو جو بڑے متبحر عالم تھے دیکھنا چاہئیں جب ہم محلہ فرنگی محل پہنچے تو دیکھا کہ اپنے مکان میں سوئے ہیں۔ ہم نے بیدار کرنا مطلب نہ سمجھا اور اسی طرح دیکھ کر واپس آ گئے۔ تیس چالیس سال عمر کے جوان عظیم ہونے لگے۔"

داڑھی سیاہ تھی اور قد کوتاه۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے سید احمد خاں
 بیچری کو دیکھا ہے لیکن ان دونوں آدمیوں کو ہم نے بطور اجنبی اور
 غیر متعارف ہو کر دیکھا ہے اس کے بعد راقم نے عرض کیا کہ حضور مولوی
 عبدالحمید اور سید احمد خاں بیچری کے رتبہ علمی میں کیا فرق ہے آپ نے
 فرمایا سید احمد خاں صرف ایک دانہ اور عقلمند آدمی ہے اور مولوی عبدالحمید
 صاحب عالم متبحر اور فاضل جلیل تھے جو تمام علوم غزاة صرف ہو یا نحو۔
 بدیع ہو یا بیان، منطق ہو یا ماثول۔ تفسیر ہو یا حدیث، تمام میں ماهر
 تھے۔۔۔ !

یہاں تو خواجہ فرید نے سید احمد خاں کو دیکھنے بات کی ہے لیکن بعد میں ایک اور محفل میں آپ نے
 سید احمد خاں سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ آپ کی محفل میں نواب قیصر خاں مگسی نے سید احمد خاں
 کے بار میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ

" نہایت ہی اچھے آدمی تھے اور ان کے چہرے سے بڑی شہادت تھی۔ ان کا
 اسلام کے کسی فرقے سے اختلاف نہیں تھا اور ہر فرقے کو اچھا کہتے تھے ان
 کے والد شاہ ابوسعید دہلوی کے مرید و خلیفہ تھے۔ شاہ ابوسعید شاہ غلام
 علی دہلوی کے مرید و خلیفہ تھے۔ وہ مزا ظہر جان جاناں کے مرید و
 خلیفہ تھے۔ میں نے سید احمد خاں سے پوچھا کہ آپ نے بھی کسی بزرگ کے
 ساتھ بیعت کی ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے کسی شخص کے ساتھ
 بیعت نہیں کی اگر کسی سے بیعت کی ہے تو ان کے ساتھ کی ہے یعنی ابو
 سعید کے ساتھ جس کی شکل و صورت فراموش نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد
 فرمایا کہ جب میں نے ان سے ملاقات کی تو انھوں نے مجھے کرسی پر بٹھایا
 اور خود بھی کرسی پر بیٹھ گئے اس اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کا ذکر غیر اور اصحاب کرام کی صحبت کا ذکر ہوا تو بات کرتے ہوئے
 وہ رو رہے تھے اور آنکھوں سے اس قدر آنسو جاری تھے کہ ہاتھ تر ہو گئی
 تھی اور قطرے نیچے ٹپک رہے تھے اور کمال شوق اور جوش سے ہاتھ زین پر
 اس طرح مارتے تھے کہ جسمے کوئی دھن کے وقت مارتا ہے رسول خدا صلی اللہ
 علیہ وسلم کی صحبت ان کی رگ رگ میں سرایت کر چکی تھی اس کے بعد فرمایا

کہ سید احمد کا 1315ھ ہی میں انتقال ہوا۔" 1

نور احمد فریدی کے مطابق خواجہ فرید ہر سال بہار کے موسم میں اپنے خاص خاص احباب کے ساتھ چاجڑاں شریف سے ملتان بڑی شان کے ساتھ آیا کرتے۔ خواجہ فرید 1314ھ میں ربیع الثانی کے مہینے میں بھی ملتان تشریف لائے تھے اور 17 ربیع الثانی کو اپنے خادموں اور متعلقین کے ہمراہ تین بگھیوں پر سوار ہو کر شاہ رکن عالم کے مزار پر حاضری دی اور 23 ربیع الثانی کو بھی اپنے متعلقین اور خدام کے ہمراہ تین بگھیوں پر سوار ہو کر حرم دروازہ، ہاک دروازہ، دھلی دروازہ اور باغ عام و خاص سے ہوتے ہوئے بہاد الدین زکریا کے مزار پر حاضری دی اس کے بعد ہاک اور دروازے جا کر موسیٰ ہاک شہید کے مزار پر حاضری دی اور وہاں کے سجادہ شمس مقدم صدرالدین سے ملاقات کی۔ 2۔

بہت سی کتابوں کے مطالعہ، هندوستان کے مختلف شہروں کی سیاحت اور سفر حج کی بدولت آپ کی معلومات میں بھی کافی اضافہ ہوا تھا۔ مطابق المصالح سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کی معلومات خاص وسیع تھیں مثلاً "ایک دفعہ قدیم شہری کا ذکر ہو رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ

"شہر 3 دہر زماہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تعمیر ہوا۔ شہر جیملمیر (جو اب بھارت میں ہے) بھی عرصہ آٹھ سو سال ہوئے تعمیر ہوا تھا۔ پگڈ بھی قدیم شہر ہے۔" 5

خواجہ صاحب کی تاریخیں اور جغرافیائی معلومات اتنی وسیع تھیں کہ اکثر موقعوں پر فی البدیہہ گفتگو کرتے تھے کہ دوسرے علماء و مشائخ حیران رہ جاتے۔ پھر موقع بہ موقع دنیا کی مختلف اقوام، مذاہب اور جنگوں کے بارے میں تفصیل سے بتاتے۔ اس سے آپ کی ذہانت اور وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ

"ہل بھی ترک ہیں اور چنگیز خاں کی اولاد ہیں پھر فرمایا کہ چنگیز خاں

اور ہلاکو خاں بڑے ظالم بادشاہ تھے۔ انہی نے ماوراء النہر، سمرقند، بھخارا،

1- بحوالہ "مطابیع المصالح" حصہ چہارم، متوجم کپتان واحد بخش سیال، ص 795

2- تفصیل کیلئے مطالعہ فرمائیے "مطابیع المصالح" حصہ دوم، متوجم واحد بخش سیال، ص 424، 428 تا 430

3- یہ دونوں شہر بہاولپور کے علاقہ ریگستان میں واقع ہیں۔

5- بحوالہ "مطابیع المصالح" حصہ دوم، متوجم واحد بخش سیال، ص 312، 313

غزق، بغداد وغیرہ کو ظلم و ستم سے نازع کیا اور لوگوں پر مٹی مٹا کر
 ڈھائے اس کے بعد سلطان احمد سلطان علاء اس کے بعد فرمایا کہ ساری
 دنیا میں ترک صوبے سے زیادہ کثیر تعداد میں ہیں۔ مشرقی ممالک میں
 جس اور صومالیہ تہائی اور حدود تاتار اور دیار طغاج میں صوبے میں
 لوگ ہیں اور وہیں طوطے رکھتے ہیں۔ یہ صوبے کافر ہیں۔ حلال و حرام
 میں تمیز نہیں رکھتے جو کچھ ہاتھ لگا کھا جاتے ہیں۔ حاجی حاجی
 بھی ان میں سے ہیں۔ سلطان سکھ رہے ان کے خلاف دیوار بنائی تھی
 یہ ممالک عرب سے مشرق کی جانب ہیں وہاں سے کھن کر اسی نے اسلامی
 ممالک پر قبضہ کر لیا۔ 1

آپ کی مثال کے بارے میں محدثانہ لکھتے ہیں کہ

”آپ کا مکتبہ کتب ایسا تھا کہ جس میں خبر مذاق کے آدمی اپنی روحانی
 غذا موجود پاتے تھے۔ ایک وقت اس میں اکثر وصال و صحبت کے دفتر کھلے ہوئے
 ہوتے تھے تو دوسرے وقت شریعت دینے والے علوم۔ پھر رانکھیاں بھی پڑی ہوئی
 دینی تھیں۔“ 2

خواجہ امجد کی اس قدر معلومات کا سبب وسعت مطالعہ ہے اسی نے دنیا کے بڑے بڑے علماء کرام
 اور مختلف مذاہب کی کتابیں کو پڑھ رکھا تھا وہ صرف پڑھا تھا بلکہ انہیں حافظے میں محفوظ بھی رکھا
 تھا اس لئے موقع بہ موقع جہاں کہیں جس قسم کی بات ہو رہی تھی خواجہ امجد اس مناسبت سے کتب
 کا حوالہ دے کر بات کو چھوڑ اور حوالہ امداد میں پیش کرتے۔ آپ کی مثالیں میں یہ شمار مسائل زیر بحث
 رہتے اور معرفت خواجہ نظام امجد اس موضوعات پر مباحث قابلیت سے لکھو فرماتے۔ آپ کی مجلسوں میں دینی
 و دنیوی، شریعت، تاریخ، علم و ادب کے مسائل زیر بحث آتے اور آپ اپنی علم و فضل کی بدولت کسی موضوع
 کو تشبیہ نہ رہتے رہتے۔ آپ کی مثال میں کا ذکر ملوای دین الدین سے ”طائیں المعانی“ کی صورت میں
 محفوظ کیا ہے، اس بات کا خوب ہے کہ آپ کتنے وسیع مطالعہ شخص تھے۔ طائیں المعانی کا ذکر ہے۔ خواجہ
 امجد ان کی کتابیں اور ان کے نظریات کے حوالے سے بات کرتے۔ میں علماء، حوفاہ اور متکلمین کا ذکر ان
 کے جہاں ملتا ہے ان میں حضور طاع، ابن العربی، عبدالکریم الہندی، بوعلی فلسوف، افلاطون، ارسطو،

1۔ بحوالہ ”طائیں المعانی“ صفحہ ہفتم، مکتوبہ جامعہ مدرسہ عالیہ، ص 345

2۔ بحوالہ ”تجربہ شب و روز“ ص 29

امام فزالی، عبدالرحمان حاضی، حبیب الدین احصیوی، قطب الدین بختیار کاکڑ، اور فرید الدین گنج شکر وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی مجلسی کے حوالے سے بہت سی کتابیں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جنہیں پڑھ کر آپ ٹوکیں کو مسائل بتاتے یا انہیں ان کتابیں کے متعلق بتایا کرتے۔ یہ کتابیں زیادہ تر تصوف کے موضوع پر ہیں جن میں سے چند کتابیں کے نام یہ ہیں۔۔۔ دلیل الفارسی، خزینۃ الاصفاء، مرآۃ السراۃ، اخبار الاخیار، اقتباس الادوار، صفحات الدار، سواد السیاح، شجہ گلشن راز (مثنوی)، کلمۃ الحق، صباح البہدایہ، کتاب لغزینۃ النظام، مرآۃ الفارسی، کتاب ہدایہ، سراجی، فتح القیام، کشف المحجوب انسان کامل، اخبار الرحمان، کتاب مطلع العلوم وغیرہ۔

آپ صرف کتابیں پڑھتے ہی نہیں تھے بلکہ انہیں جمع بھی کرتے تھے۔ آپ کے پاس ایک ذاتی کتب خانہ تھا جو صدیوں پہلے آپ کے آباؤ اجداد نے قائم کیا تھا اور اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ اس میں مطبوعہ اور قلمی نسخے بہت زیادہ تھے۔ خواجہ فرید نے ان کی حفاظت کے لئے خصوصی احکامات کو رکھے تھے۔ نور احمد فرید نے، خواجہ فرید کے کتب خانے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"حضور کو کتابیں دنیا کی ہر چیز سے محبوب تر تھیں اس لئے جب فرید محل میں کر غار "وا نو بالائی منزل کو کتب خانے کے لئے وقف کر دیا گیا۔ ایک عالم دین لائبریری اور ایک عاصی جلد ساز تھے جو مستقل طور پر کتابیں کی جلدیں بناتے اور انہیں عزت کرتے تھے۔ کتب خانے سے متصل حجاب فروغ و صبح و صہی برآمدہ تھا جس میں حضور قرآن و حدیث کا درس دیتے تھے۔ یہ کتب خانہ حضرت خواجہ قطب الدین تک بھی مروج رہا اور اس میں برصغیر اور ہر موضوع کی ہزاروں کتابیں تھیں لیکن الموس اب کتب خانہ تو بھانے خود رہا، لوگ فرید محل کے دروازے اور کھڑکیاں تک جڑا لے گئے ہیں۔۔۔" 1

کتابیں جمع کرنے کے شغف کے ساتھ ان کے مطالعے کا بھی یہ حد شوق تھا۔ ان کا حافظہ اتنا اچھا تھا کہ انہیں ہمیشہ یاد رہتا تھا کہ کونسا مسئلہ کس کتاب میں بیان ہوا ہے یا کہاں سے مستند حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ کچھ کتاب کا صفحہ دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ یہ کونسی کتاب ہے اور اس کا صنف کی ہے

مثلاً علماء نے ایک کلم کتاب کا قلمی نسخہ پیش کیا جس کے ابتدائی اور آخری صفحات فائب تھے اس نسخے پر چلتا تھا کہ یہ کون سی کتاب ہے۔ آپ نے ادرونی صفحات کو دیکھ کر فرمایا کہ

" یہ مولانا حمالی کی سمرالغرائب ہے۔ " 1

کثرت مطالعہ کے باعث نہ صرف کتاب کو پہچان لیتے بلکہ اس غویں نے آپ میں محققانہ صلاحیت بھی پیدا کر دی جو کہ ایک نئے عالم کی خصوصیت ہے۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہرگز نہیں ہوگا جو کسی بات یا کسی قول کو کتاب سے پڑھ کر اذھی عقیدت کی وجہ سے جی کا تئیں قبول کر لیتے ہیں اگر آپ کو اس بار میں ذرا بھی شک ہو جاتا تو آپ اصل کے کھوج میں لگ جاتے، علامہ شمع طالع کے مطابق

" حضور رحمتہ اللہ کو تحقیق و تضحی کا اس قدر شغف تھا کہ اگر کوئی ایسی

بات سامنے آ جاتی جس کے متعلق مزید سند یا ثبوت کی ضرورت ہوتی تو

جب تک حل طلب معاملہ پوری طرح حل نہ ہو جاتا حضور کی طبیعت سکون

پذیر نہ ہوتی تھی۔ " 2

ایک بار مطلق الطیر ملاحظہ فرما رہے تھے، مخدوم فرید شاہ صاحب نے ایک جگہ کے متعلق فرمایا کہ یہ اشعار طبعیات ریاضی میں سے ہیں۔ جس طرح اذھی نے مولانا ریاض کی مثنویوں میں کچھ بڑے اشعار شامل کر دیے تھے۔ اس طرح مطلق الطیر میں بھی چالاک کی کی ہے۔ خواجہ غلام فرید کو غلطی پیدا ہوئی کہ اس کی اصل تلاش کی جائے تاکہ صحیح چیز سامنے آئے۔ آخر کار ڈیڑھ سو سال پہلا ایک قلمی نسخہ تلاش کر لائے۔ اس قلمی نسخے میں وہ اشعار موجود تھے جن کے بارے میں خواجہ فرید کو شک تھا اور وہ مطبوعہ نسخے میں پائے جاتے تھے۔ 3۔ اس طرح کی اور کئی مثالیں اشارات فرید کے حوالے سے ملتی ہیں کہ خواجہ غلام فرید اگر کسی بات یا شعر کے بارے میں مشکوک ہوتے تو اصل کے کھوج میں لگ جاتے اور آخر کار اسے تلاش کر کے چھوڑتے۔

خواجہ فرید کا شمار با اصل مؤلفوں میں ہوتا ہے آپ لوگوں کو جو صحبت فرمانے تھے خود بھی

اس پر عمل پیرا ہوتے۔ آپ ہمیشہ اخلاق و عادات کے مالک تھے۔ سخت دبی پر چلتا آپ کا شمار تھا۔

1۔ مطالعہ فرامی " مقامیں المعانی "

2۔ " دیوار فرید " مرتبہ عزیز الرحمن، ص 33

3۔ تفصیل کیلئے مطالعہ فرامی " مقامیں المعانی "

فہرشی اور فضول رسمیں اور توجہات سے آپ غفلت کرتے تھے۔ نہ صرف خود ان سے دور رہتے بلکہ دوسرے کو بھی ایسی باتیں سے بچنے کی تلقین کرتے۔ آپ اہل ظاہر کی طرح شہرت کے ہامہ بھی تھے اور اہل باطن کی طرح خود پر ہامہاں بھی لگا رکھی تھیں۔ آپ شہرت و طرفت دونوں کے قائل تھے خواجہ غلام فرید کے ہاں میں ملازمہ نسیم طالبوت کا کہنا ہے کہ

"وہ آج کل کے صوفیہ کی طرح صرف قوال نہیں تھے بلکہ فعال بھی تھے

صرف گفتار کے غازی نہیں تھے بلکہ کردار کے غازی بھی تھے۔" 1

آپ ہر طبع و نقصان کو خدا کی طرف سے منسوب کرتے تھے خواجہ صاحب کی اسی عادت نے ان میں دعاوی لذتوں سے بے نیازی پیدا کر دی تھی۔ اس لئے آپ دولت اور دشاوی آسائشی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ آپ کے پاس جو کچھ آتا آپ اسے جمع کرنے کی بجائے فوراً مستحقین میں تقسیم فرما دیتے۔ سفاقت کا مادہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ کبھی دولت جمع کرنے کو اہمیت نہ دی۔ ساری عمر دیوبند بہاولپور سے ایک رومیہ تک نہ لیا نہ ہی کسی قسم کی زمین اور جائیداد قبول کی۔ آپ کے بڑے بھائی خواجہ نصر الدین نے دیوبند بہاولپور کی طرف سے جائیداد قبول کی تھی لیکن ان کی وفات کے بعد آپ نے اس زمین میں سے کچھ نہ لیا بلکہ جو کچھ جمع تھا وہ سارا مستحقین میں تقسیم فرما دیا۔ آپ گھر میں کچھ رکھنا گناہ سمجھتے تھے جو کچھ لوگ خزانے کے طور پر لاتے آپ اسے لوگ ہی من بات دیتے۔ آپ نے طاعن کے لئے ماہوار تنخواہ مقرر کر رکھی تھی اور ان کی شادی کے موقع پر انہیں ایک سوڑا اور طلائی تھنہ عطا فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے لشکر قائم رکھا تھا آپ کے ہاں ہر وقت دس پندرہ اسیر اور حاضر اشخاص ہوتے اور ان کے علاوہ سنگڑی مرید اور طالب علم جمع رہتے جو آپ کے لشکر سے کھانا کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں آپ کے لشکر کے متعلق گفتگو شروع ہوئی تو آپ نے فرمایا

"کہ دو ہزار رومیہ لشکر کے قیدی داری کی تنخواہ کی حد سے میرے پاس داخل

ہے۔ اب میں نے سوچا ہے کہ یہ قیدیہ کیسے میں تقسیم کر دیا جائے۔ لشکر

میں مہمانی اور مسافری کی ذات شکی کے علاوہ صرف لشکر کے خدام کو وظیفہ

دیتے ہر ایک مافی (24 من) گندم تیس دن خرچ ہو جاتی ہے اور شالی

(چاول) دوسرے روز ایک مافی ختم ہوتی ہے۔ حضرت قبلہ سلطان الاولیاء

قدس سرہ، کے زمانے میں اس درغلہ صرف مہمانوں اور مسافروں کے گھڑوں پر خچر آتا تھا۔" 1

"مقاب فریدی" کے صحت میزا احتداختر آپ کے لنگر خاص کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"ایک مدرسہ دینی اور لنگر خانہ کوٹ شریف میں تھا اور دوسرا لنگر اہل مدرسہ چاچڑاں شریف میں جس میں سائمن ہارے میں غلہ روات صرف ہوتا۔ تیسرا لنگر ہمرامی وہ تھا جو کہ حضور کے ہمرامی قراہ و خدام و سائمن کو ملتا۔ چوری عدم موجودگی میں اس کا خچر سو روپے بڑ کا تھا۔" 2

خواجہ فرید سلسلہ چشتیہ سے منسلک ہونے کی وجہ سے سماع اور موسیقی کے دلدادہ تھے۔ ان کے مفلوٹات میں حاجبا سماع کے بارے میں اظہار خیال ملتا ہے۔ اسی نے سماع کو ہر لحاظ سے بڑا اور جائز تصور کیا ہے۔ البتہ سماع کے لئے مخصوص ماحول، مخصوص آداب اور چند ایک شرائط کی پابندی ضروری قرار دی ہے۔ سماع کے جواز اور آداب وغیرہ کے سلسلے میں یہاں ہم چند باتوں کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں، مثلاً "نوائد فریدی" کے مطابق سلسلہ چشتیہ میں سماع پوری طرح منعوار ہے اور تمام مشائخ عظام سماع سنتے رہے۔ کسی کو اس سے انکار کی توفیق نہیں ہوتی۔ سماع اللہ کی عظیم دعت ہے بلکہ بعض اولیائے اکرام نے سماع سنتے سنتے اپنی جان دی دی۔ جس میں حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابوالحسن غوری ابوالحسن دراج، حضرت ذوالنونی صری، حضرت ابوبکر شبلی، حضرت قطب الدین بختیار اوشی اور شیخ عبدالعزیز ناگوری قابل ذکر ہیں۔ اصل عبارت یوں ہے

"در سلسلہ عالیہ چشتیہ سماع تمام متعارف است و جمہ مشائخ عظام نے شوق کے راجہ توفیق کہ حرف انکار ہر زبان راہ نہی واللہ تعالیٰ اگر کسی داند سماع نسبت عالی است از اسامی حق جل جلالہ، کہ چہ اولیا اللہ رضی اللہ عنہم بشعید سماع جان بدست تسلیم کردہ اند چنانچہ حضرت ابو سعید خدری و حضرت ابوالحسن غوری و حضرت ابوالحسن دراج و حضرت ذوالنونی صری و حضرت ابوبکر شبلی و شیخا حضرت قطب الدین بختیار اوشی و شیخ عبدالعزیز ناگوری چشتی و شیخ ابوالقاسم و شیخ ایوب خمار وغیرہم رضی اللہ عنہم" 3

1۔ بحوالہ "مقابہ المبالس" حصہ پنجم، مترجم کپتان واحد بخش سال 1332ھ

2۔ بحوالہ "مقاب فریدی" از میزا احتداختر، ص 104، مطبوعہ احمدی، دہلی

3۔ بحوالہ "نوائد فریدیہ" (فارسی) از خواجہ غلام فرید، ص 28، مطبوعہ کوہ مطہر، "معدی مہتابی" لاہور

لیکن اس کتاب میں آگے چل کر سماع کے جواز کی مزید تشریح کی گئی ہے کہ سماع کا تو پوری طرح حرام ہے نہ حلال بلکہ اس کی حرمت کا دارو مدار عشق پر ہے۔ یعنی اگر عشق سما ہے اور خدا اس کے رسول یا شیخ کے ساتھ ہے تو پھر حلال بلکہ واجب ہے بھی صورتی میں یہ حرام ہے جبکہ ہر حالتی میں سماع۔۔۔ اصل عبارت میں ہے۔

”سماع ہدائتہ سماع نہ مطلق حرام است و نہ حلال و حرمت اور موقوف پر عشق است اگر عشق حق است جلا جلالہ یا عشق خفرد محض صطفی صلی اللہ علیہ وسلم یا شیخ حلال است بالاعتقاد بلکہ مستحب است و اگر عشق بطوریکہ شریعہ خود است او نیز جائز است و اگر عشق غیر بطوریکہ کہ شریعہ است پس اگر وقت سماع خیال شہوت مرتفع است او نیز سماع است۔ اگر خیال شہوت پیدا گردد حرام است و اگر برائے تدریج قلب شہوتہ شود ہم درست است ہدائتہ ہر اقسام سرور و چٹائیہ و و جلا جلا و طہل و شامین و غیر ہم حائزاتہ سوائے مزاج و اوزار و طہلک۔“ 1

اس سلسلے میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ

”جہاں تک سماع کا متعلق ہے فی حد ذاتہ یعنی اپنی ذات سے پاک و حلال ہے جس سماع کو حرام کہا گیا ہے وہ حرام جہزی کے شامل ہونے سے حرام ہوا ہے۔ مثلاً جب دولت سے لوگ سماع مسمیٰ ہیں تو شراب کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ اور عیسٰی مذاق اور یہ خود باتیں سے پرہیز نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ مجلس سماع میں عورتی اور یہ بھی لڑکی کے شامل ہونے سے بھی سماع ناجائز ہو جاتا ہے اگر غیر شرع جہزی نہ ہوتا تو یہ سماع حلال ہے چونکہ مضاف مقام اپنی مجالس میں ان جہزی کو شامل نہیں ہونے دیتے لہذا اس کا سماع اپنی اصل حالت پر آ جاتا ہے یعنی جائز ہو جاتا ہے۔“

”مقاصد العبادات“ جلد پنجم میں سماع کے حلال ہونے کا جواز بھی کرتے فرماتے ہیں کہ

”سماع حلال ہے کچھ سماع بالما حالۃ (بذات خود) حرام ہونے کے متعلق

1۔ بحوالہ ”تراجم فریدیہ“ از خواجہ غلام احمد، ص 37

2۔ بحوالہ ”مقاصد العبادات“ از مولانا رحمٰن الدین شمیم کمپنی، واحد پیش سال 380-400

کوئی قطعی یا ظنی دلیل قائم نہیں ہوئی جس احادیث میں سماع کے حرام ہونے کا حکم وارد ہوا ہے وہ بالقرن ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ میں و مشرت کی مجلس مشفق کرتے تھے جس میں شراب اور لہو و لعب ^{مباشرت} شامل کرتے تھے چنانچہ جب قرآن سید میں شراب حرام ہونے کے احکام وارد ہوئے تو ان مجالس میں سماع سمیت تمام چیزیں کی بالقرن صورت وارد ہو گئی۔ لہذا سماع کی صورت کا انحصار اس کی وضع و ہیئت پر ہے۔ جس کا اہر ذکر ہوا۔ اگر مجلس سماع میں شراب، لہو و لعب وغیرہ ہو تو بیشک یہ سماع حرام ہے۔ بذات خود نہیں بلکہ بالقرن حرام ہے لہٰذا اگر مجلس سماع حرام چیزیں سے خالی ہے پھر جبکہ صوفیاء کرام کی مجالس سماع ہیں تو اس قسم کا سماع حلال ہے۔ قطعاً حرام نہیں کہ بالاصل ^{بالقرن}۔ " 1

• مقامیں المدائس " حصہ پنجم (فارسی و علمی) کی یہ عبارت بھی قابل ذکر ہے۔

" حشر فرمودہ اکبری در زمانہ در درجا ادب سماع مشوک مگر در وقت شدید مضائق مالی و ثابت است بعد فرمودہ کہ وقتی حضرت سلطان الاولیاء بر عرس حضرت شیخ الشیوخ العالم فتح شکر در مال پیش تشرف فرمودہ چو آنجا مراقبات آداب سماع جوگز ہی باشد تا آتشہ کجہ کمان و زبان و ہواں خیز در مجلس سماع حاضر و داخل ہی باشد پس حضرت ایشان مولوی گل محمد احمد پور را کہ ہمراہ حشر فرمودہ فرمودہ کہ آداب سماع این جا مشوک است در مجلس سماع داخل نہ شوی " 2

" خواہ فریدیہ " میں آداب سماع کے عنوان سے تین آداب بطور تفصیل لکھے ہیں۔ پہلا یہ کہ کھانے پہنچے اور عاز کے وقت سماع نہیں ہونا چاہئے دوسرے جب کوئی جگہ ٹاپاک ہو یا وہاں ایسی چیز موجود ہو جس کی طرف دل متوجہ ہو جائے تبصرا اور آخری یہ کہ جہاں کوئی مشر سماع موجود ہو۔ " خواہ فریدیہ " ہی میں ان تین آداب کے علاوہ سات دیگر آداب کا بھی ذکر موجود ہے۔ ان میں اہم یہ ہیں کہ

1۔ بحوالہ " مقامیں المدائس " از مولانا رحیم الدین مرحوم کبھی و اسد پش سہالہ ص 1037 و 1038

2۔ بحوالہ " مقامیں المدائس " حصہ پنجم (فارسی و علمی) ص 203 (کتاب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری میں حاصل ہوئی)

3۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے " خواہ فریدیہ " ص 28

سماع کے شروع میں کبھی سورتی کا ورد کیا جائے سماع کے شرکا با وضو ہیں۔ نشت کا اہلکار ~~بہار~~ صلوٰۃ کے قاعدے جیسا کہ توجہ اشعار پر مبنی چاہئے۔ طریقہ ان کو کوئی لالچ نہ ہو جس بہت پر وجد آئے اس کا تکرار کیا جائے اور سماع کے خاتمے کے وقت پھر اس طرح سورتی کا ورد کیا جائے۔¹

خواجہ غلام فرید عرس کے دنوں کے علاوہ بھی قوالی سنتے تھے۔ خصوصاً چاشت کے وقت کبھی کبھی عشاء کے وقت بھی شوق فرماتے تھے۔ ہرگز نام خاص قوال تھا جس سے آپ قوالی سنتے تھے وہ آپ کی کافیوں کو بھی قوالی کی صورت میں گاتا۔ خواجہ فرید کے ملفوظات میں اکثر جگہ اس کا ذکر ملتا ہے۔ بحیثیت مولوی خواجہ صاحب سماع میں دلچسپی لیتے تھے لیکن انکے ساتھ ساتھ بحیثیت ایک شاعر ایک عاشق صادق اور ایک ذوق جمال رکھنے والے فرد کی حیثیت سے موسیقی اور رقص میں بھی گہری دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ ان کے ملفوظات سے ایسے بہت سے شواہد ملتے ہیں کہ وہ موسیقی اور رقص سے نہ صرف واقف تھے بلکہ ان کے اسرار و رموز سے بھی بھری طرح آگاہ تھے۔ رقص آپ کے نزدیک وجد میں آ جاتے کے بعد کی کیفیت ہے۔ جب دل پر قابو نہیں رہتا مظاہر المجالس میں لکھا ہے کہ

"کس نے عرس کیا کہ حضور یہ وجد و رقص اور جشنیں کیا چیز ہے اور کس چیز سے پیدا ہوتی ہے فرمایا پہلے جنس دل کو عروج ہے اس کے بعد بدن کو عروج ہے۔ اگر دل کو جنس کم ہے تو اس کا ضبط کرا آسان ہوتا ہے اس وقت پھر کی نوبت نہیں آتی جب جنس کا دل پر غلبہ ہو جاتا ہے تو اس کا رکنا ناممکن ہو جاتا ہے اس سے رقص و ہنر میں آتا ہے۔" 2

اسی طرح موسیقی اور رال و صفت کے اثر اور اسرار و رموز سے بھی آپ بھری طرح واقف تھے رال کے موثر ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"رال کی طرح دنیا میں کوئی چیز موثر نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ پیر کی ذات مبارک موجود ہو۔" 3

رال کی مختلف قسمیں کے بارے میں آپ کی ملفوظات خاصی وسیع تھیں مظاہر المجالس کے مطابق

- 1۔ بحوالہ "نواہ فریدیہ" ص 29-30
- 2۔ بحوالہ "مظاہر المجالس" حصہ چہارم از مولانا رکن الدین، مترجم کبھی واحد ہفت سالہ ص 725
- 3۔ بحوالہ "مظاہر المجالس" مترجم کبھی واحد ہفت سالہ ص 1035

"آپ نے سید اور رائی کی تعریف کی اور فرمایا کہ اصول راک جو
 ہندوستان میں مرج میں چھ ہیں اول بھیر، دوم سوری، سوم
 میگھ، چہارم ہٹول، پنجم مال کور، ششم دیپک، چنانچہ تمام راکھاں
 ان چھ راکھی سے نکلی ہیں۔۔۔ فرمایا کہ اہل ہند کے یہ راک نازل
 (نازل شدہ) ہیں یہ راک تمام رشیوں اور اوتاریں پر جو بھیر ہیں
 حق پھیلے سچائے، تعالیٰ کی طرف نازل ہوئے ہیں چنانچہ وہ ہیں
 جو ایک نازل شدہ اور آسمانی کتاب ہے راک اور راک کے نزل کا ذکر
 آیا ہے۔۔۔" 1

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ کتاب "مطلع العلوم" میں تمام راکھی کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے اور
 فرمایا کہ ہرکے نوال، جو کہ آپ کا خاص نوال تھا، کو چار سو راکھاں مار دیں۔ صرف موسیقی میں ہی
 نہیں بلکہ شاعر ہونے کی حیثیت سے آپ کی شاعری کے اقوال و بحور میں بھی یہی مبارک رکھتے تھے۔
 علامہ نسیم طالب کے مطابق

"آپ نے اپنی زبان میں شے شے اقوال اور شے شے جہیں ایجاد فرمائیں
 جو قبل انہیں رائج نہیں تھے اور ان کو رواج دیا۔ سہی اور ہندی
 بحر و اقوال کو بھی حضور نے ایجاد کی کوشش فرمائی اور اس میں بہت
 حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ غرض علم عرب سے بھی وقت ہی نہیں تھے بلکہ
 اس کا علم میں اضافہ و ایجاد کا باعث ہوئے۔" 2

راق و موسیقی اور فن شاعری کے علاوہ خواجہ غلام فرید، علم حفر، علم رمل اور علم نجوم اور تاریخ
 کائنات کے فن سے بھی بھروسہ رکھتے تھے۔ تاریخ کائنات کے فن کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ میں نے جتنی
 تاریخیں لکھی ہیں ان میں سے کچھ الہامی ہیں اور کچھ طبعی ہیں۔ 3

خواجہ غلام فرید کئی زبانیں جانتے تھے جن میں اردو، سرائیکی، فارسی، سندھی، ہندی اور
 پوربی زبانیں میں تو آپ کی شاعری ملتی ہے۔ ان زبانوں کے علاوہ خواجہ غلام فرید کی اردو اور سرائیکی

1- بحوالہ "مطالع المعانی" مجموعہ کتبات واحد بخش سیال، ص 491-492

2- بحوالہ "قدحہ" دیبا، فرید "مرتبہ مطابقت عزیز الیمان"، ص 37

3- تفصیل کیلئے مطالعہ فرمائیے "مطالع المعانی" مجموعہ کتبات واحد بخش سیال، ص

شاعری میں عریسی تراکیب و الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے۔ اس طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ فرید کو ان زبانوں پر عبور حاصل تھا، اسی بناء پر علامہ نسیم طالب نے آپ کو "ہفت زبان" کہا ہے علامہ نسیم طالب کے مطابق

"ان سات زبانوں میں فکر، مہارت تامہ رکھتے تھے اور اس لحاظ سے آپ کو ہفت زبان کہا کہ یہ جا نہیں۔" 1

ان سات زبانوں کے علاوہ خواجہ فرید نے 1857ء کے زمانے میں انگریزی اہل اور رس لکھنا سیکھی۔ خواجہ فرید کی انگریزی زبان سے واقفیت کے بارے میں رکن الدین ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ

"و اہرین اثنا عشر ماں صاحب ماں فضل حق صاحب مگرے روضہ آورده فرمودہ کہ تو جگوتہ خط و کتابت انگریزی قلم نوشتن آموختی و چنانچہ آموختہ بود عرض کرد آنگاہ ارشاد فرمودہ کہ اکئی غم بتویس پس در چند سطر بحرف انگریزی نوشتہ ہیں حضور کرد حضور آئرا خواجہ فرمودہ کہ اس بہت نوشتی

مخ آرزو دارم کہ خاک آن قدم تو توائے چشم سازم دم بدم بعد ازاں حضور خواجہ ابقاء اللہ تعالیٰ بہلالتہ سیمہ مبارک را نہادہ خود بدولت نوشتہ ماں صاحب موصوف را دادہ در ہر خواجہ و عرض کرد کہ لیلہ اس بہت نوشتہ اید

مخ آتا کہ خاک را بظہر کیمیا کنند

سک راویں کنند و مگر را ہما کنند

حضور خواجہ ابقاء اللہ تعالیٰ مسرور شدہ

بعد ازاں ماں صاحب موصوف چند سطر بقلم انگریزی نوشتہ ہیں کرد حضور خواجہ ابقاء اللہ تعالیٰ آئرا ہر خواجہ در فرمودہ کہ اس صبر نوشتہ ع شاہان جہ صوب کر ہوازد گدا را گاہے ہکاھے " 2

ان کے علاوہ خواجہ فرید شاعری، گویکھی زبان بھی جانتے تھے۔ آپ کی مجالس سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ "مقابیس المجالس" میں لکھا ہے کہ

1۔ بحوالہ "دیوان فرید" مرتبہ عزیز الرحمان، ص 38

2۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" حصہ سوم، ص 172

" اس وقت آپ شاستریزبان گوشتی اور اشوری کے فرائض خود لکھ کر
خدا م خاص کو پڑھا رہے تھے کیونکہ آپ کو علم لدنی حاصل ہے اور آپ
تمام علوم و لغوی اور عقائد و عارف کے سرچشمہ ہیں اس کے بعد آپ نے
اللہ کے ناز سے ادا کی۔ " 1

خواجہ غلام فرید نے تین شادیاں کی تھیں نور احمد فریدی کے الفاظ میں

" حضور نے ایک شادی چاہڑاں میں کی تھی جس سے آپ کے فرزند اوجھ
خواجہ محمد بخش صاحب الحروف نازک کہم اللہ سرہ تولد ہوئے اور ایک
صاحبزادی بھی تھیں جو حضرت خواجہ فیض احمد صاحب کی والدہ محترمہ
تھیں۔ ایک شادی حضرت نے ملتان میں کی تھی اور تیسری شادی روہی
میں لکھنؤ صوبہ کے قریب لاڑ شاہان میں ہوئی۔ " 2

خواجہ فرید کی تین بیویاں میں سے صرف ایک بیوی سے اولاد ہوئی جس میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہیں
خواجہ فرید نے اپنی اولاد کی پرورش و تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی محمود حسن شہاب لکھتے
ہیں کہ

" خواجہ صاحب نے ایک شہک و ہلک کردار خواجہ کے طوارق ایک مشرق باب کے
بھی فراہم ادا کئے۔ اولاد کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ صرف کی اور
ان کی شادی بھاء کی خدمت داریوں سے اسی طریق پر عہدہ برآ ہوئے۔ ان
فرزند خواجہ محمد بخش نازک جو بعد میں خواجہ صاحب کے حاشیہ ہوئے
انہیں کے تربیت یافتہ تھے۔ انہیں نے اپنے بچے کو روحانی تعلیم ہی نہیں
دینی و دنیوی تعلیم بھی خود دی تھی۔ " 3

خواجہ فرید کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں سے پہلے تو آپ کے فرزند خواجہ
محمد بخش نازک کا نام آتا ہے۔ ان کے طوارق آپ کے چھ شہر خلفاء کے نام یہ ہیں۔ حضرت دیوان ولایت
شاہ (اچ بناری) حضرت خواجہ فضل حق میاوی، حضرت حافظ احمد، حضرت مولیٰ احمد بخش، مولیٰ
خان محمد، میاں فیض میاں والا، میاں جن محمد بخش، میاں سید یعقوب، میاں ہلک شان ناگوری،

1۔ بحوالہ "مناہیس العالیہ" حصہ دوم، (اردو ترجمہ) ص 405

2۔ بحوالہ "دیوان فریدی" مرتبہ نور احمد فریدی، ص 39

3۔ "خواجہ غلام فرید۔ حیات و شاعری" از محمود حسن شہاب، ص 78

سید عبدالرحمان الہ آبادی، مولانا رکن الدین، مولانا ابو محمد ابراہیم زرگونی وغیرہ مشہور ہیں۔ ان سب کا تعلق مختلف علاقوں سے تھا۔ نزدیک و دور سے لوگ بڑے ذوق و شوق سے انہیں ملنے آتے تھے۔ انہیں لوگوں میں ایک فقیر معذرات ولد قاضی معذعشان سکنہ بھونگا معذرحطان (لال موہارا کے قریب واقع ہے) بھی تھے، جو حضرت سلیمان توسوی کے مرید ہیں۔ انہیں نے سرائیکی اور اردو

زبان میں دو منظوم سفرنامے 1301ھ میں لکھے، جن کو ڈاکٹر مہر عبدالعزیز سرائیکی اور اردو دونوں زبانوں کے حج کے بارے میں سب سے پہلے سفرنامے قرار دیتے ہیں۔¹ یہ دونوں سفرنامے معذعارت نے اپنے خاندانی سے لکھے اور یہ قاضی شمس جناب حبیب فائق کے پاس موجود ہیں اور میں نے ان کی لائبریری سے استفادہ کیا ہے۔ سرائیکی سفرنامے میں، جس کا نام "کوہ غم"² ہے فقیر معذعارت نے خواجہ فرید کے ساتھ اپنی حقیقت اور طاقات کا حال بھی بیان کیا ہے۔

ترجما ماہ صرم کی جاں ہوا فضل الہی	چھڑ بہاولپور کی شرم تیں خفتی سوانی
در رسیدہ سنگھڑ آہم ہام رنج تیلہی	اندھی طرف سٹھر دے کھم مرشد چوک لانی
حک مہینے تھوے رہم سوزی خبر کا	آہم پھر بہاولپور چ واکاں وطن وانی
آخر عشق بہاولپور چ دھری بھا بھرائی	شور قلام فرید صاحب سے چاچڑاں ضرور وانی
دیکھ صورت میں بھائی صورت شکل ضرور دکھائی	تکے جہانی چاچڑاں اہر بہہ اوقات بھائی
جو طرفی حڑ بھا لکر گیا دن میں بھیرطانی	بحر صحت دس چوڑھائی شعاقد فسان چڑھائی
چ اخلاس احد کی بڑھیم ہام مدرطانی	عارف بڑھ شکرانہ ہر دم ہمار آ رمز لگانی

خواجہ فرید اردو سرائیکی کے بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ اچھے لکھنے اور قلم کار بھی تھے۔ چنانچہ

آپ کے ملفوظات بھی نمایاں سامنے آتے ہیں۔ شاعر ہونے کی حیثیت سے آپ کا مجموعہ کلام "دیوان فرید" کے نام سے موسوم ہے جس میں اردو کلام بھی شامل ہے جو غزلیں، رباعیات اور مثنوی پر مشتمل ہے۔³

1۔ مطالعہ فریاد "مذہبانی تحقیقات" از ڈاکٹر مہر عبدالعزیز، 383، مطبوعہ سرائیکی ادبی بورڈ طاق، باراول جی 1985ء

2۔ بحوالہ سال 1298 ہجری ہے "کوہ غم" ص 5

3۔ "کوہ غم" در بیان سفر بیت اللہ شہید و مدینہ، ص 7 تا 9 (قاضی شمس) از فقیر معذعارت (73 اوراق اور 146 صفحات) اشعار کی تعداد 680، 1301ھ کا تصحیح کردہ (جناب حبیب فائق

کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوا۔)

آپ کا دوسرا دیوان سرائیکی زبان میں ہے اور کاشی کی صورت میں ہے۔ آپ کے اردو دیوان کی نسبت سرائیکی کلام کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ نثر میں آپ کا ایک رسالہ "خواجہ فرید" (فارسی) ہے جو سلوک و ولایت سے متعلق آپ کے افادات کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب جناب اند نظامی کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوئی جو کہ مطبع محدثی محتبائی لاہور سے 1312ھ میں شائع ہوئی۔ آپ کی ایک اور کتاب "مناقب فرید" ہے جو کہ دستیاب نہیں ہے۔ یہ آپ کی زندگی میں چھپ گئی تھی۔ آپ کی ایک کتاب "مناقب محبوبہ" (فارسی) ہے جو آپ کے والد خواجہ خدا بخش کے احوال پر مشتمل ہے۔ اس کا اردو ترجمہ احمد سعید جشتی نے کیا اور اسے انجمن فکر فرید کوٹ مٹھی نے "روحانی آرٹ ہوس" سے شائع کروایا ہے۔

دوہرہ جات کا ایک مجموعہ بھی خواجہ فرید سے منسوب کیا جاتا ہے جس کا عنوان "دوہرہ جات فریدی" ہے لیکن اس باب میں محققین کا فیصلہ ہے کہ آپ نے دوہرے نہیں کہے چونکہ یہ طاعی اور سوز و گداز کے لحاظ سے آپ کی شاعری کے پانے کا ہے اس لئے اکثر اس کو خواجہ فرید سے منسوب کیا جاتا ہے۔

خواجہ فرید کے وہ ملفوظات جو آپ مجلسی میں مریدی کے سوال و جواب کی صورت میں فرماتے تھے اسے ان کے مرید اور خلیفہ مولانا رکن الدینؒ اشارات فریدی کی صورت میں فارسی زبان میں پانچ حصوں میں مرتب کیا ہے۔ اس کے پہلے چار حصے تو شائع ہو چکے ہیں لیکن پانچواں حصہ ابھی نہیں چھپا۔ مجھے اس کا پانچواں حصہ جناب اند نظامی کی ذاتی لائبریری سے ملی صورت میں دستیاب ہوا۔ رکن الدین نے خواجہ فرید کے ملفوظات "اشارات فریدی" الطرود "مناہیس المعانی" کے نام سے فارسی میں مرتب کئے۔ انہی نے موضوعات کے حوالے سے ترتیب قائم نہیں کی بلکہ جیسے جیسے انہی نے بذات خود سنا انہیں مواقع کے مطابق ، درس کے عنوان کے تحت مرتب کر دیا۔ یہ عنوان ہے "مقبول" "ھر" "مقبول" کے شروع میں وقت، دن، مہینے کو ظاہر کیا گیا ہے۔ "اشارات فریدی" کے آخری چار حصوں کا اردو ترجمہ کہتاں واحد بخش سال نے "مناہیس المعانی" کے نام سے کیا ہے۔ جسے اسلامک بک فاؤنڈیشن نے شائع کیا ہے اور انگریزی ترجمہ ڈاکٹر سی شکیل نے کیا ہے جسے بزم ثقافت، ملتان نے شائع کیا ہے۔

خواجہ غلام فرید نے تمام عمر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کے دیہان سے منظر ہونے

کے لئے دور دور سے لوگ جاجڑاں شریف آتے اور ہامراد لوثتے۔ آخری عمر میں آپ کو پلو ذیابیطس ہوا اور

کچھ عرصے میں گھٹنے پر دھل کا پتھر مارا بھی لاق ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اس مرض نے شدت اختیار کر

لی۔ ربیع الثانی کے مہینے میں اس مرض میں اور زیادہ اضافہ ہوا۔ علامہ نسیم طالبوت : آپ کی زندگی کے

آخری دن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"حضرت فرید بوقت سحر چار شعبہ 5 ربیع الثانی 1319ھ ہلکے پر سونے

ہوئے تھے۔ دایاں ماتہ سینے پر تھا۔ کمال استفراغ کی حالت تھی اور

شغل اسم ذات میں مصروف تھے۔ ضربات پی در پی جاری تھیں اس حالت

سجست تپن کا احساس کر کے حاضریں اور رکن الدین بھی بڑھا رہا۔ صبح

کی نماز کے وقت دلاور خاں خادم خاص نے دوائی پہنچنے کے لئے عرض کیا۔ آپ

نے اس کی طرف دیکھ کر اشارہ فرمایا اس دوائی ہلائی۔ اشراق کے وقت

برکت علی ریاسی نے کچھ شعر پڑھنے کی اجازت چاہی تو اس وقت آپ نے

افکار فرما دیا پھر عرض کیا پھر بھی منع فرمایا۔ شعل کمال تھا جو بہت

جلد جلد پڑھنے لگا حتیٰ کہ دھیر کے وقت مایوسی کے آثار پیدا ہوئے اور

غرب کے وقت رحلت ہوئی۔" 1

خواجہ غلام فرید نے 6 ربیع الثانی 1319ھ / 24 جولائی 1901ء میں وفات پائی۔ آپ کا

مزار کوٹ مٹھی میں ہے۔

خواجہ غلام فرید بحیثیت شاعر

حضرت خواجہ غلام فرید بھادی طور پر سرائیکی زبان کے شاعر ہیں لیکن جیسا کہ ان

کے سوانح حالات میں صراحت کی جا چکی ہے کہ وہ ہفت زبان تھے اور بہت سی ملکی اور غیر ملکی زبانیں

جانتے تھے۔ اپنی مادری زبان سرائیکی کے علاوہ فارسی، عربی، سندھی، ہندی، اردو، پنجابی اور

انگریزی وغیرہ سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ سرائیکی کلام کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں اردو کلام بھی ملتا ہے۔

1- مقدمہ دیوان فرید از علامہ نسیم طالبوت ، ص 108

2- تاریخ وفات کے بارے میں تمام مذکورہ نگار متفق ہیں۔

سجھ ہی اشعار اور ہمدی گیت کے موضوع بھی پاتے جاتے ہیں۔ خواجہ صاحب ایک جمالی صوفی تھے۔ اس لئے ذوق و وجدان کی دولت سے پوری طرح مالا مال تھے۔ عشق حقیقی کی تمام منزلوں سے آشنا اور سلوک کی راہیں سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ عشق مجازی کی لذتیں سے بھی ناواقف نہ تھے۔ بلکہ جیسا کہ ان کی زندگی کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک دوشیزہ کی محبت میں سرشار رہے¹۔ اس لئے وہ ان تمام لطیف جذبوں سے پوری طرح واقف تھے۔ جو ایک عاشق کو عشق و محبت کی کشمکش میں بہش آتے ہیں۔ جہاں ان کے کلام میں عشق مجازی کی گھٹائیں، لمحات وصال کی کیفیات، ہجر و فراق کی کٹھنیں، محبوب کے غار و ادا، ظلم و ستم اور تیر نکاح کے لگائے ہوئے زخموں کی ٹھہریں طعن ہیں وہاں عشق حقیقی اور سلوک کی ماضی کے تمام حوالے بھی پاتے جاتے ہیں۔ یہ دونوں پہلو اور ان کی جزئیات محض سرائیکی شاعری تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان کی اردو شاعری میں بھی جیسے کارفرما دکھائی دیتے ہیں۔ ہم یہاں خواجہ صاحب کی سرائیکی شاعری کا محض اجمالی جائزہ پیش کرتے ہیں اس لئے کہ ان کی سرائیکی شاعری پر یہ شمار کتابیں اور مضامین موجود ہیں جس میں نہ صرف ان کے سرائیکی کلام کی وضاحت اور شرح کی گئی ہے بلکہ اس شاعری کے مختلف موضوعات اور مضامین پر بھی بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے۔

سـرـاـئـیـکـی شـاعـری

=====

خواجہ فہد کی شاعری کے کئی رنگ ہیں۔ ایک رنگ وہ ہے جس میں تصوف، صلیک، طریقت، رشد و ہدایت، انسان دوستی اور اخلاق کا اصول خزانہ موجود ہے اس کو حقیقت کا رنگ بھی کہا جا سکتا ہے اور اسی کی بنا پر خواجہ صاحب کو "صوفی شاعر" تسلیم کیا گیا لیکن اس شاعری میں خواجہ صاحب کا رعبہ تک نظر ملتا ہے خشک زاہد کا نہیں بلکہ ایک وسیع الشرب، انسان دوست اور قول و فعل میں یک رنگ انسان کا ہے۔ انہی نے شریعت، طریقت اور روحانیت کو سماجی زندگی سے ماورا نہ نہیں کیا بلکہ ان کو ہم رنگ بنا دیا۔ پھر تصوف کے مابعد الطبیعی مسائل، معجزات اور ماورائے عقل موضوعات کو اپنی شاعری کا عنوان نہیں بنایا بلکہ تصوف کے اس صحیح مفہوم کو موضوع شعر بنایا جس نے صوفیائے کرام کو

1۔ تفصیل کیلئے مطالعہ فرمائیے (1) روح فہد از رفیق غاثر جسٹائی
(2) خواجہ غلام فہد (حیات و شاعری) از سعید حسن شہاب

انسان دوستی، محبت، اخلاص، شرافت، خدمت اور راحت کے عظیم جذبہ سے آشنا اور حکمتار کیا۔ صوفیوں میں بلاشبہ یہ ثباتی کائنات، جبر و حتمیت، احساس فنا، علی ذات اور آرزوی نبی بالمالی جیسے سلسلے اور منفی روی کو تنقید ملے۔ ضرورت کے مقابلے میں داخلیت کا رجحان عام ہوا لیکن اس میں شک نہیں کہ ان رویوں کے پیچھے ملوکیت اور آمریت کے نظامی کے تحت مظالم، سیاسی خلفشار، سماجی بدعقلی، انسانی حقوق کی آزادی، فکری انتشار اور عدل و انصاف کے فقدان جیسے اسباب و عوامل کارفرما تھے۔ تاہم کسی بھی صورت میں محسوس کو قرار، مردم بیزاری اور رعایت کے مترادف قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ صوفیاء کی انسانی دوستی، حلم و شرافت، مروت و اخوت، انصاری، خدمت نزاری اور وسیع الصبہ کو بہر طور زندگی کے مثبت روی اور شہد جذبہ میں شمار کیا جانا چاہیے۔ خواجہ فرید کے یہاں بھی جذبہ اور یہی روی عام ہیں اور ان کے کلام کا ضامن رکھ ہے۔

بہی خوب بتاواں ہاتھان گھڑے راز انکھیاں گھاتاں
گم تھیاں کوٹیاں ذات عفاں لَیْسَ اَنْطَکَ دَا دَوْرَہ آہَا

ترجمہ - پھر و مرشد نے مجھے محبت و غریب ہاتھ بتائی ہیں جس سے پوشیدہ راز اور منفی مقامات شامل ہیں۔ دنیا کے بھارت بھارت کے فرقے اور گروہ مت کٹے اور عالم الفیظ عالم شہود میں تبدیل ہو گیا۔ یعنی ہر وقت حضور حاصل ہے۔²

خمر طہری ہی پیمانے تھیو سے عاشق مت یگانے
بھل گئے صوم علوہ دو گانے رندی مشرب سادگ وایا (کافی صبر 159)

ترجمہ - پاکیزہ محبت کی شراب ہی کو ایک بے مثال عاشق سے کئے اور مشاہدہ جمال بے مثال سے اس قدر مدھوش، بے خودی اور مصیبت طاری ہوئی ہے کہ غار بھر کا ہوش تک نہیں رہا اور رندی سلک کا سواک رہا لیا ہے۔

حب تک رمز ملن توحیدی دل آزاد ڈھم تعلقیدی
تھی کر فرد فرید، فریدی ستی روی وعظ سحایا (کافی صبر 20، ص 160)

ترجمہ - جب مسئلہ توحید کا ایک راز مسجد میں آگیا تو میرا دل دوسری کے مقام اور پیری سے آزاد ہو گیا (قلام) فرید سے جب، فرید فرد (فانی اللہ) ہو گیا تو وہ بھی ستی روی کا وعظ سحایا لگ گیا

1- "دیوان فرید" جلد اول مرتبہ نور احمد فریدی، کافی صبر 2، ص 159، مطبوعہ قمر الدار، جگوالہ، ملتان۔

2- ان کا فیض کا ترجمہ نور احمد فریدی کے ترجمہ شدہ "دیوان فرید" سے لیا گیا ہے۔

سٹی مسجد پر زائد جاعد تھی ہن عشق دیے اے کلمات حبیب (کافی صبر 23ء صفحہ 266)

ترجمہ = اے زائد جاعد افسار! سن اور مسجد کہ یہ عشق کی باتیں حبیب ہیں۔

عجب فقہ اصول عقائد دیں رکھ ملت ابن الفریس دی (کافی صبر 23ء صفحہ 275)

ترجمہ = فقہ، اصول اور عقائد کی کتابیں کو پتہ کر کے رکھ دیے اور ابن الفریس کا صلہ توحید و وحدی اختیار کرا

اودام عجب، ایہام عجب، اظلام عجب، الہام عجب (کافی صبر 23ء صفحہ 284)

ترجمہ = اودام، ایہام، اظلام اور الہام یہ تمام کیفیات عجب ہیں۔

مٹ خرقہ پوش گفت سجادہ حامہ جہاں شو پاک پہ بادہ

گر دم پیر مفاں شکستہ (کافی صبر 33ء صفحہ 354)

ترجمہ = مجھے مرشد کریم نے تاکید فرمایا ہے کہ درپیش کے لباس کو اتار کر پھینک دیے اور سجادہ (حلقی) کو آگ میں ڈال دیے۔ دل کے لباس کو شراب محبت سے دھو کر پاک و صاف کر۔

مٹاں مایں سخت ستاں گھنٹے راز دا بھیت تہ پای

پس چوہل شجرے ہن مہذور (کافی صبر 37ء صفحہ 383)

ترجمہ = مٹاؤ علمائے ظواہر سخت تک کرتے ہیں، پوشیدہ اسرار و رموز کو مسجد نہیں سکتے۔ پس چاہے

ظواہر دیے وسط تہ پھاشے پس شک ساڈا دیں ایماشے

ابن الفریس دی دستور (کافی صبر 37ء صفحہ 383)

ترجمہ = مٹاؤں کے وسط پست نہیں آتے، پس شک عمارا دیں و ایماں ابن الفریس کا توحید و وحدی ہے۔ ہم انہی کا مشرب رکھتے ہیں اگرچہ ایہاب ظواہر کم لہو کی سبب اس حقیقت کو مسجد نہیں سکتے۔

حاجت تہ صوم صلوٰۃ دی خواہش تہ حج زکوٰۃ دی

جاہت تہ ذات عطا دیں ہک شان وحدت جی مرک (کافی صبر 64ء صفحہ 527)

ترجمہ = اندیش تہ عازا رہی کی حاجت ہے اور تہ حج اور زکوٰۃ کی خواہش ہے بلکہ وہ ایسے مقام رفیع پر فائز ہیں جہاں انہی بوجہ مشاہدہ انوار جمال الہی اپنے ہی بدن کا ہوش تک نہیں ا

تھی رند صفت مدام تھی

پس گر فریدی جام تھی

واہ واہ کسی ساری مخلوق (کافی صبر 64ء ص 537)

ڈھبہ ڈھبہ دھما رگھ گام تھی

ترجمہ = فرید کا کہتے آہ ہالہ پس کر تو صفت الٹ رہے ہیں جا۔ اور روز بروز قدم آگے کو بڑھا۔ تاکہ ساری مخلوق میں اختیار واہ واہ کر اٹھے

ٹھپ رگھ لکھ، اصول مسائل (کافی صبر 72ء ص 575)

ابن العریسی دی رگھ ملت

ترجمہ = اے سالک! لکھ اور اصول کی کتابیں بند کر کے رگھ دے۔ صرف ابن العریسی کا مسلک اختیار کر سب سے فخر خدا دی

سب شے وہم خیال (کافی صبر 73ء ص 576)

ترجمہ = اللہ جل جلالہ کے سوا سب کچھ بھول جا کیونکہ ان تمام چیزوں کی حقیقت وہم و خیال کے سوا کچھ نہیں اور ان کا وجود غیر اعتباری ہے۔

خواجہ فرید کی شاعری کا دوسرا رُفِ عشق و محبت کا ہے آپ عشق و محبت کے جذبی کو عام کرنے والے شاعر ہیں اور کائنات میں ہر طرف عشق کا ظہور دیکھتے ہیں۔ علامہ اقبال اور خواجہ فرید کے خیالات میں بہت سی اقدار مشترک موجود ہیں۔ مثلاً: دہنی شاعر عقل پر عشق کو فضیلت دیتے ہیں۔ دہنی رجائی اور امید بہشت شاعر ہیں۔ دہنی کے یہاں حرکت و عمل کی تلقین ہے۔ دہنی کثرتِ ملائحت کے خلاف ہیں۔ دہنی سماج اور عاشق کی اصلاح کا نظریہ رکھتے ہیں۔ دہنی توفیقات دہیوں، طاقت اور آگاہی سے پاک عاشق کا خواب دیکھتے ہیں۔ دہنی کے یہاں انسان دوستی اور دردمندی کے جذبے فراوان ہیں۔ ان مثالی میں بھی خاص ملاحظہ فرمائیے

عشق ہے رہبرِ مرشد ہادی

عشق ہے ڈکھڑ دل دی شادی

عشق ہے سادا بہرِ محبت کل راز سجایا (کافی صبر 8ء ص 187)

ترجمہ = عشق دکھ دل کی خوشی ہے اور عشق ہی شمارا بہر و مرشد ہے جس نے ہمیں تمام اسرار و رموز سے آگاہ کر دیا ہے۔

زر و سہری و سہریا (کافی صبر 13ء ص 207)

عشق لگا گھر و سہریا

ترجمہ = عشق نے وہ محبت طاری کر دی ہے کہ گھر، زر اور سب بھلا چکی ہیں۔

صمد، صبر و سہریا (کافی صبر 13ء ص 209)

دیر، کشت، دروازہ، سدر

ترجمہ = دیر و کلیسا اور صمد سدر، بلکہ صبر تک سب بھول گئے۔

دل پریم کر ڈی تانگے

حق تعالیٰ بیٹھے سخت اڑانگے

ظان راہ فرید نہ لادگے

ہر پردہ بھی مشکل دا (کافی صبر 15، ص 216)

ترجمہ = دل محبت کے شہر کی طرف کھینچا جا رہا ہے جس کا سفر بے حد دشوار گزار ہے۔ اے فرید!

اس گرو کی طرف جانے کے لئے نہ راستے ہیں، نہ گزرگاہ اور سفر بھی انتہائی کٹھن ہے۔

پریم بسم اللہ معلوم ہو کر ہی

چا تم غفلت اجسارا (کافی صبر 18، ص 232)

ترجمہ = میں نے بسم اللہ پریم کو اپنے سر کو مار کر ہر رسم بھدق کر دیا اور عشق کا شعلہ لے لیا۔

ہے ہے ظالم صفت مرادی

تعلو کھوٹ کما (کافی صبر 19، ص 238)

ترجمہ = ہے ہے ظالم! جیسی نیت صی مراد۔ میں ساتھ دھوکہ فریب نہ کرا

جالس بیچ فریبس والی

ڈھولیں ریت وٹا (کافی صبر 19، ص 238)

ترجمہ = اے محبوب! یہ پیچیدہ، پرکار راہ و رسم محبت تبدیل کر دے۔ (اس سے بہت دھوکہ ہوتا ہے۔)

میں تھا ہی گزراں نہ بھلی

بٹھ بٹھا کوڑ بٹھا (کافی صبر 19، ص 245)

ترجمہ = نا اتفاقی اور مخالفت کی گزراں اجس نہیں۔ جھوٹے عہد کو تو بھاڑ میں ڈال دینا چاہئے۔

چاڑھیں تو نہ راہ چ رو لیں

رکھنا یاد وٹا! (کافی صبر 19، ص 246)

ترجمہ = اے محبوب! آخر منزل تک میرا ساتھ دینا، راستے میں جھوٹ نہ دینا، اور میری یاد رکھنا۔

مٹاں مان سخت ستاویں

گھمڑ راز دا بھیت نہ پاویں

میں وہ شوجے ہی مٹاویں (کافی صبر 37، ص 383)

ترجمہ = مٹاویں ظواہر محبت تک کہتے ہیں، پوشیدہ اسرار و رموز کو سمجھ نہیں سکتے ہیں چاہے میں اس

ہندو ہوں۔

مٹاویں دے وٹا نہ بھاڑے

میں شک ساڈا دین ایساخانے

ابن العریسی دی دستور (کافی صبر 37، ص 383)

ترجمہ = عیس ملائی کے جلا پست نہیں آتے۔ یہ شک ہمارا دین و ایمان ابن العریس کا توحید و مودی
 ہے۔ ہم انہیں کا مشروب رکھتے ہیں۔ اگرچہ ارباب ظواہر کم نہیں کے سبب اس حقیقت کو سمجھ
 نہیں سکتے۔

خواجہ صاحب عشق کو رہبر ~~میر~~ ماضی ہیں۔ عقل کی حمت بازو، لعل و لعل، خود پرستی
 اور خود فرض سے یہ نیاز عشق کی سر مشی اور یہ خودی میں ڈوب جاتے ہیں۔

پیش کہتا جس فہم فکر کسی لبت لعل دی ار گھر کئی
 کر کر شکرتہ ڈ شریں سر کئی عشق دی وہ چچ نہیں پیا (کافی صبرہ ص 196)

ترجمہ = جس نے (عشق الہی میں) عقل کی تومہات اور فلسفیات علم سے کام لیا۔ شبہات کی اگر مگر میں
 بڑ گیا۔ اس کی عطا کردہ زندگی پر شکریہ ادا کرتے ہوئے خوش خوش اپنا سر راہ حق میں پیش
 نہ کیا تو ایسا شخص راستے میں سے ہٹ کر بیٹھ جائے گا، عشق کی منزل مقصود تک نہیں
 پہنچ سکتا۔

عشق ہے ڈکھئے دل دی شادی عشق ہے رہبر مرشد ہادی
 عشق ہے ساڈا پھر، میں کل راز سمجھایا (کافی صبرہ ص 87)

ترجمہ = عشق دیکھی دل کی خوشی ہے اور عشق ہی ہمارا رہبر مرشد ہے جس نے ہمیں تمام اسرار و
 رموز سے آگاہ کر دیا ہے۔

عشق لگا گھر ویرا زر ویرا و ویرا (کافی صبرہ ص 207)

ترجمہ = عشق نے وہ محبت طاری کر دی ہے کہ گھر، زر اور ویرا سب بھلا چکی ہیں۔

دیر، گشت، آوارہ، مہر مسجد، مہر ویرا (کافی صبرہ ص 209)

ترجمہ = دیر و کلیسا اور مسجد مہر، بلکہ مشرک سب بھول گئے۔

عشق نہیں ہے تیر ہلا دا ظلمیں چوٹ چلیںدا (کافی صبرہ ص 211)

ترجمہ = یہ عشق نہیں ہے بلکہ کوئی ہلا کا تیر ہے جو ظالمانہ چوٹ لگاتا ہے۔

نار آرا کھد کرے نہ ٹالا حکمیں پرہی پیچیددا (کافی صبرہ ص 211)

ترجمہ = مہیو کے نار و آرا بالکل باز نہیں رکھتے۔ حکماء عشق کو ہمارے تعاقب میں لگاتے ہیں۔

سز و فرال نہ درد ادریش۔ تی میں پھوگ چلیںدا (کافی صبرہ ص 212)

ترجمہ = سطر و قرائ اور دردِ ابدیشے تن بدن اور دل کو بھونک کر چلا دیتے ہیں۔

حضر لہذا کہیں دل زخمی دوست سے مرہم لیکھا (کافی صبرہ 14، ص 212)

ترجمہ = اے لہذا! حشر نے دل کو زخمی کر دیا ہے اور دوست کی سرد مہری کا یہ عالم ہے کہ مرہم کا نہیں لگاتا۔

قسم خدا دی، قسم جی دی عشق ہے چیز لذتِ محبت (کافی صبرہ 24، ص 308)

ترجمہ = فرمایا! معنی خدا اور رسول کی قسم ہے کہ عشقِ محبت اور لذتِ چیز ہے۔

خواجہ صاحب کا عشقِ معرِ لذتِ جمال کا طالب نہیں رہتا بلکہ اس میں ذوقِ طبع کی

آرزو اور طلب کا جذبہ زیادہ نمایاں ہے۔ روہی کی طاعت ان کے یہاں صفتِ طلبی، دقتِ طلبی، شوق

سفر اور امکانات کا شکستہ کونہ کا وسیلہ ہے۔ چنانچہ تعقل اور روہی کا یہ سفری تجربہ ان کے یہاں تخلیقی

تجربہ بھی بنتا ہے۔ اور ان کے حوصلے کو استقامت اور جذبہ کو عزائم آشنا بھی کرتا ہے۔

تعل مارو دا بیٹا مارا تھیںم ہک بلیاگ (کافی صبرہ 68، ص 548)

ترجمہ = مگر اے دل! تو گھبرا نہیں، اگر جذبہ عشق صادق ہے تو اس خوبیِ صحرا کی مسافت ایک قدم سے زیادہ نہیں ہے۔

تقی تھی جوں چوہار پھراں ہم سعد، پنجاب نے مار پھراں

سجج ہرتے شہر بازار پھسراں مٹاں مار مل کہیں سانگ سبب (کافی صبرہ 22، ص 262)

ترجمہ = میں سوختہ جگر، مصیبت کی ظلمات میں ہر طرف ماری ماری پھر رہی ہوں۔ کہیں ہم سعد،

پنجاب اور مار مار کے جنگل جھانسی ہیں اور کہیں شہری کے پانی میں ڈھونڈھتی ہیں کہ

شاید کسی پہاڑی محبوب کا کسی لباس میں دیدار ہو جائے۔

سنوڑی سی کی خلیں رلایا ہے ہے پٹ پٹ پھرا ۵ پانا (کافی صبرہ 16، ص 221)

ترجمہ = نامراد سی کو پہاڑی میں آوارہ پھرایا اور افسوس کہ پٹ پٹ خاں نے پھر ادھر کا رخ بھی نہ کیا۔

اور ڈنکر نے جنگ بٹا روہیوم شوق آوارا (کافی صبرہ 16، ص 231)

ترجمہ = مصیبت کی ظلمات نے معنی پہاڑی، دشوار گزار راستی اور جنگلی میں آوارہ بھٹکانے رکھا ہے۔

پٹ تعمی پاندھی مارا چھل کے کھلڑی ہر وچ

ہر دم وٹاں درماہی مارا سر سے روک ادر وچ (کافی صبرہ 27، ص 327)

خواجہ فرید کی شاعری کا تصور رنگ فطرت اور وسیع کے مناظر کی تصویر کشی اور ان سے حس اور روحان کی کشید کا ہے۔ خواجہ صاحب نے جس ماحول میں پرورش پائی وہ ماحول روہی کا ہے جہاں پہلی، کیکر، شہ میٹھ، درخت، سائے، سکوت، برسرے، مائیں سائیں کرتی ہوائیں، دھ تک پہلے ہوتے کھیت، رت بدلتے موسم، مناظر اور کیفیات کا تغیر موجود ہے۔ فطرت کا یہ ظہر انسانی مزاج اور جذبی کو براہ راست متاثر کرتا ہے۔ انسان کی داخلی کیفیت کے آثار چہرہ اور حوالے سے مناظر کا رنگ بھی بدلتا رہتا ہے اور اس میں بھی شک دہیں کہ مناظر کے ظہر سے خود انسانی مزاج بھی متاثر ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب کی شاعری میں یہ روہی — ایک ایسا صحرا ہے جو عاشقانہ شاعری کے لئے زیورست محرک رہا ہے عشق و حسی اور صحرا کا تعلق آج کا دہس مدہی کا ہے۔ خواجہ فرید کی شاعری میں روہی کا حوالہ ہوش و حشر اور دیوانگی سے بڑھ کر حس اور دلکشی کا حوالہ ہوتا ہے اس لئے کہ خواجہ فرید روہی کے حسین مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ایک مصوم بچے کی طرح مہل اٹھتے ہیں۔ یہ مناظر ان کے لئے زیورست تخلیقی تجربہ بن جاتے ہیں۔

نثر چمکے گئے گھونکے جبرکھاں ترکھاں لوہیڑ کوئی
گوہیں شوکے سامنے پھونکے ناگہن دی شی شی ہے ہار (کافی صبر 42ء ص 410)

ترجمہ = اے دوست! روہی کی بےطالت ہے کہ ہر طرف جھینگر کی سیٹیاں سٹائی رہتی ہیں۔ ناگہانی کی گھو گھو، لگڑ بگڑ اور لوڑی کا شور وغل - گوہ ساڈی کی مخصوص آوازیں سامنے کا پھکارا اور شی شی کرنا۔ انسانی طبیعت پر خوف و ہراس طاری کر دیتا ہے۔ اس بھیاک صراخ میں سوائے عاشقان صادق کے اور کئی رہ سکتا ہے۔

سوہیاں شہریاں شہر شہری بازو والے کٹے وشر
باہیں ٹھہرے ہائے گلف شہر ٹٹھریں ڈیکھراہی ہے ہار (کافی صبر 42ء ص 411)

ترجمہ = اے محبوبہ! اس صحرائی ماحول میں خوشیا کھڈارے شہرے اور لسی چوٹیاں، کتنی باطلت اور برقرار ظہر ہوتے ہیں۔ غم و غارک شہری بہت، زرد رنگ کے روئے کٹاؤ اور صدف شکاف، کٹا خوشیا مثالی ہیں کرتے ہیں۔ جس کے دیکھنے سے تمام کلفتیں دھ ہو جاتی ہیں۔

روہی محسوس بشارت در مہی مہی، مہیسی مول کا ڈر مہی
بیدرداں دی دلہری توی دہیچہ راتیں گھبی مہی ہے ہار (کافی صبر 42ء ص 412)

کئی سکون مسافر پہانتے چڑ کپتوجے تڑپاں

(دیوان فرید (جلد دوم) کافی نمبر 136، ص 139)

آجی رن مار پہلی پکاں سی ہے

کئی ہڈیاں، کئی ساہاں پہلاں کئی پھوپاں کئی پھٹیاں پہلاں

کئی اودیاں گٹار کٹو ماں رتیاں سی ہے (دیوان فرید (جلد دوم) کافی نمبر 167، ص 270)

ایہ روٹی مار ملاؤی ہے شالا عہ ہر دم ساؤی ہے

وج پھی لڑی گاؤی ہے گھس اپنے سوچنے میں کی

(کافی نمبر 82، ص 672، جلد اول)

وادی ایسی تھل دے چاہے جتھاں ہو چل کرھی قطاہے

کٹڑ شہرے ہن کوہ طور (کافی 37، ص 382، جلد اول)

گزی ڈکھ ڈھال دی واری روٹی گل پھل نال سحرگاری

ہ ستاسی ڈیہہ ملہاری باد شمالی لڑکے ہو

(کافی 149، ص 185، جلد دوم)

جان ڈیکھاں جھڑ ستہ کئی مٹی کی پلو روڈاں کر کر باد سخن کی

اکھیاں بلکے ستہ ڈیکھتی کھسی گل لائی کی پھٹی ماہیسی

(کافی نمبر 89، ص 653، جلد اول)

خواجہ فرید کا چھٹا رک روایتی رقص کا اظہار ہے یعنی ایک نئی دنیا کی تلاش و رواج سے

بھاگ، دلجو جذبات، فکر و خیال کی آزادی، مقررہ رقص کا جذبہ اور حسن سے لطف اندوز اور متع

روض کی آرزو ہے۔ اس کا خواب ایک ایسی بستی ہے جو سوسیز و شاداب ہے اس میں سیکھی سڑی بوٹیاں

اور غار خلیاں نہیں ہیں بلکہ نئے شجرے اور نئی کوئلیاں ہیں۔

تدیاں سوسیز فرید دیاں جھڑاں سبھی عشق جانی سواں

نہ شامی کھیر، موٹی ماڑیاں (کافی ص 190)

توجہ د فرید کے شکرانے آباد و شاداب ہو گئے۔ سونے سڑی پودی میں پھر زندگی کے آثار نظر آئے لگے

کوئلیاں پھونکنے لگیں۔ گھاس کی فراوانی سے شہر دار موشی کے بعض میں دودھ نہیں سٹاتا۔

شکر ہے کہ مولا کریم نے اپنے فضل و کرم سے ملک ماڑ (پاکستان) کو آباد کر دیا ہے۔

سو مو چھاگلن لکھ لکھ چھوڑو
وٹھڑی دی وہ ڈھوی پھوڑو

روہی تھلی آباد جدید (کافی صبر 31، ص 352)

ترجمہ = ساہی کے ذریعے ہتہ چلا ہے کہ روہی میں خوب بارش ہوئی ہے اور وہ اس قدر سوسیز و شاداب ہے کہ ہر طرف ہریاں ہی ہریاں نظر آتی ہے اور جگہ جگہ سینکڑی مینٹری کے درخت اور لاکھوں جڑواں خوش و خرم نظر آ رہے ہیں۔

سانول آہی ناں ترسانہیں
موسم چیتر بہاری و ہار

گھر گھر تھلی گلزاری و ہار (کافی صبر 48، ص 428)

ترجمہ = اے طبع محبوب! اب مجھے زیادہ ترسا اور آ کر گلے لگ جا کیونکہ اب تو بہار کا مہینہ چیت شروع ہو چکا ہے اور ہر گھر میں گل و گلزار نے رنگ جما رکھا ہے۔

سانلی ڈھپہ سہال دے
ہر دم سینکھ ملھار (کافی صبر 55، ص 474)

ترجمہ = ساہی کے دن صحت و صبر کے دن ہیں آسمان ہر وقت ابر آلود رہتا ہے۔

پہر پاشی پشی
تھلی تھلی ہسار

ترجمہ = ہاراں صحت نے روہی کو باغ و بہار بنا دیا ہے آؤ چل کر جوڑی سے ہسات کا باغ پش۔

تھیاں سوسیز سرید دیا جھوگاں
پشی سوسیز تھیاں و مسکاں

پشتی واک وائی و ہار (کافی صبر 44، ص 426)

ترجمہ = سرید کی جھوکیں سوسیز ہو گئیں اور خداوند عالم کے فضل و کرم سے سوکھے اور جلے سڑے پودے میں پھر جان پڑ گئی۔ قسمت نے ساند دیا اور بخت بابر ہوئے۔

ساہی آہا، روہی وٹھڑی، ہار تھلی گلزار (کافی صبر 61، ص 513)

ترجمہ = ساہی آہا، روہی شاداب ہو گئی اور جنگل و بہاؤں پر پھولوں کی کثرت سے بہشت ہیں کا دھوکہ ہونے لگا۔

خواجہ فرید نے اس خواب نے انہیں ایک نئے دور کی تصویر دکھائی ہے اور اسی نئے دور

کے لامحدود معنی، جوش و خروش اور پھر زمین کی یہ آباد بستیوں کو دیکھ کر بھی وہ امید

کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور یہ کثرت گھٹانے صحرائے غیر مستقیم سفر پر رواں دواں رہتے ہیں

ہیں تہیں دیہا شاد ول
 دیوگیاں کی تہ کر یاد ول
 جھوٹاں تھیں آباد ول
 ایسا تہ تہ دھس دھس

اردو شاعری

مدین طاہر نے 1972ء میں خواجہ غلام فرید کا اردو کلام "دیوان خواجہ غلام فرید (اردو)"

کے نام سے مرتب کیا اور اردو اکادمی بہاولپور نے اسے شائع کیا، مرتب لکھتے ہیں

ناصح بہاولپور کی عرصے کے سلسلہ میں بہاولپور و ملتان کے متعدد و ممتاز
 علم گھرانے کے ذخیرہ مانع کتب سے استفادہ کی سعادت حاصل ہوئی تو
 ساتھ ساتھ یہ دیرینہ خواہش بھی بیدار رہی کہ کسی طرح حضرت خواجہ
 کے اردو کلام کا مکمل ایڈیشن تیار کیا جائے کیونکہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ
 قبل شائع ہونے والی کتب اب بالکل شایب ہیں۔ اس سلسلہ میں ملتان سے
 ہمارے ادیب دوست صاحب طاہر نے ایک بار پھر کمر بستہ کارمل سکول ملتان کی

- 1- سرائیکی شاعری کی تشریحات اور تنقیدات کے سلسلے میں مقدمہ ذیل کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔
- (1) "ہیت مہار" مرتبہ کہیم تبسبی، اردو ملتان، ریاست انور، مطبوعہ بزم ثقافت ملتان، ہاراول 1961ء
- (2) "پیر فرید" از محمد اللہ عاشق، مطبوعہ ناچ پٹ ڈیو، لاہور ہاراول
- (3) "پنجابی کے پانچ قدیم شاعر (خواجہ غلام فرید، حبیب نوری اور درد و الم کا شاعر) از شفیع عقیل،
 مطبوعہ انجمن شرقی اردو، کراچی اشاعت اول 1970ء
- (4) "خواجہ غلام فرید (حیات و شاعری)" از سعید حسن شہاب، مطبوعہ اردو اکادمی بہاولپور، مار دہم
 1973ء
- (5) "پیام فرید" مرتب و ترجمہ ڈاکٹر سہر عبد الحق (فیر مطبوعہ)
- (6) "گھر لب چراغ" از ابو سعید صدائیر فرید، مطبوعہ گھر آرٹ پبلیشنگ، پریس برکس لاہور، ہار اول
 1919ء
- (7) "فتر فرید" از مسند بشیر اختر، مطبوعہ غوث پریس لاہور
- (8) "دیوان فرید" مرتبہ عزیزالحسین
- (9) "دیوان فرید" مرتبہ نور احمد فریدی
- (10) Kafes Translated by Gilani Kamran and Aslam Anvari
 Published by Saqafat, Multan, 1st edition, June 1969.
- (11) "رج فرید" از رفیع خاور جسکانی، مطبوعہ بزم ثقافت ملتان ہار اول 1977ء

ذاتی توجہ سے حضرت خواجہ فرید کے اردو دیوان کا وہ مکمل نسخہ ملا جو مدرسہ اہلسہ حادآباد بہاولپور کا شائع کردہ ہے۔ اس سے پہلے میں پاس بھی نسخہ موجود تھا۔ لیکن اس کے ابتدائی اور آخری کئی صفحات طائع ہو چکے تھے اور صرف 60 فزلیں باقی تھیں۔ مستقیم حاجی طاہر غنی نے جو نسخہ میہا کیا وہ کل 48 صفحات پر محیط ہے اور مولوی فیض احمد اس مہتمم مدرسہ کے زیر اہتمام ہائیکلرک پریس ملتان میں چھپا ہے۔ اس میں مجموعی طور پر خواجہ صاحب کی 104 مطبوعات شامل ہیں اس پر مطلع کا پتہ مدرسہ قریبہ حادآباد ڈاکخانہ پکا لاڑاں لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ نسخہ قیام دن بیوت کے سال 1955ء کے بعد چھپا ہے صحت الفاظ کا اہتمام نہیں کیا گیا اور متن افراط سے بھر ہے۔

دوسرا اور زیادہ مکمل نسخہ وہ ہے جو شمس الدین منیر الدین تاجران کتب ملتان نے پیش و صیم پرنس کے زیر اہتمام لاہور پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر شائع کیا ہے۔ سال اشاعت 1343ھ درج ہے گویا خواجہ فرید کی وفات کے 23 سال بعد چھپا ہے البتہ اس پر " بحسن صحت تمام صحت شیوہ کلام " تحریر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اشاعت کے لئے حضرت خواجہ فرید کا ایسا نسخہ حاصل کیا گیا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بدقسمت سے کتابت کے بعد کے ہر صفحہ میں دیکھے گئے کیونکہ دوسری افراط کے علاوہ کئی جگہ حروف میں الفاظ کی جگہیں خالی چھوڑی ہوئی ہیں غالباً ابتدائی طبعی تحریر کو کاتب حشرات نہیں پڑھ سکے۔ علامہ طالبوت مرحوم کے مضامین سے بھی بعض اشعار کی صحت/صحفے بہت حد میں۔ اس طرح باقی موازہ اور مقابلہ کے بعد حضرت خواجہ غلام فرید کا یہ گلدستہ کلام فاضلین کے سامنے میں ہے۔ میں نے انتہائی کوشش کی ہے کہ صاحب کلام کے الفاظ پوری صحت کے ساتھ قارئین تک پہنچائے جائیں اور ان کے اشعار بدش الفاظ کی اس چاشنی کے ساتھ شائع ہیں جو حضرت خواجہ کے عہد میں اچھی زبان کا ہمار تھا۔ " 1

اس اقتباس سے جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ یہ ہیں

(1)

مرتب کے دل میں حضرت خواجہ کے اردو کلام کا مکمل ایڈیشن شائع کرنے کی خواہش تھی جس کی

1۔ " ہر عنصر " از سعید طاہر (دیوان خواجہ غلام فرید اردو) - 12، 13، مطبوعہ اردو انکوائی بہاولپور

تشکیل اس دیوان کو مرتب کر کے ہوئی۔

(2) صد صدی سے زیادہ عرصہ قبل شائع ہونے والی کتب (غلام فرید) اب بالکل نایاب ہیں۔

(3) اس سے پہلے مرتب ہونے والے کم و بیش تمام نسخے نامکمل، متن کی افراط سے پر، اور صحت الفاظ سے خالی ہیں۔

(4) مرتب کا دھویا ہے کہ موجودہ نسخے میں صاحب کلام کے الفاظ پوری صحت کے ساتھ طبع ہوئے ہیں۔

مرتب کی کچھ باتیں درست ہیں۔ جہاں تک ان کی پہلی خواہش کا تعلق ہے وہ یقیناً شک

خواہش تھی۔ جس کی تشکیل کر کے اسی نے ایک علمی خدمت انجام دی ہے۔ ان کی تیسری بات بھی

بالکل درست ہے کیونکہ صدی نظر سے بھی جتنے نسخے گزرے ہیں وہ سب کے سب ناقص اور ناتمام بھی ہیں

اور ان خاصی سے پر ہیں جس کا ذکر مرتب نے کیا ہے لیکن جہاں تک دوسرے اور چوتھے دھویا کا تعلق

ہے وہ صحیح نہیں ہیں یعنی ایک تو یہ کہ

”صد صدی سے زیادہ عرصہ قبل شائع ہونے والی کتب اب بالکل نایاب ہیں۔“

کیونکہ مجھے خوش قسمتی سے تین نسخے تو ایسے دستیاب ہوئے ہیں جو خود خواجہ فرید کی زندگی میں

شائع ہوئے اور ان کو چھ سو سال سے زیادہ ہوئے ہیں، ان کے علاوہ کئی دیگر نسخے بھی ملے

ہیں، رہا یہ دھویا کہ موجودہ نسخے میں صاحب کلام کے الفاظ پوری صحت کے ساتھ طبع ہوئے ہیں۔ یہ

دھویا بھی درست نہیں ہے، اس لئے کہ موجودہ دیوان بھی متن کے افراط سے پر ہے۔ الفاظ کی املا تک

درست نہیں ہے۔ انتہائی اڑاں لفظ ہیں۔ کتابت کی یہ شمار خاصاں اور کوتاہیاں ہیں۔ ان سب کی

تفصیل آگے آئے گی۔ مختصر یہ کہ یہ نسخہ کسی لحاظ سے بھی قابل رشک نہیں ہے البتہ اس میں شک نہیں

کہ موجودہ دیوان میں شدید ظاہر نے وہ سارا کلام یکجا کر دیا ہے جو مختلف دواہوں میں پکھرا ہوا اور

مختصر صورت میں تھا اور ان کا یہ کارنامہ قابل داد ہے۔

مجھے جو نسخے دستیاب ہوئے ہیں، ان میں سے پہلا دیوان وہ ہے جو 1299/1882ء میں

مطبع قادری لاہور سے شائع ہوا۔ یاسین فرید نے اپنے تحقیقی مطالعے میں اکتشاف کیا ہے کہ ”دیوان (دیوان)

فرید (مراد) کا قدیم تہذیب شیفہ 1884ء میں چھپا تھا۔¹ ظاہر ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔

پہلا مطبوعہ دیوان 1882ء کا ہے جو میرے پاس موجود ہے، 36 صفحات کے اس دیوان میں کل گیارہ اردو غزلیات شامل ہیں، باقی سرائیکی کلام ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ 1884ء والا دیوان خالصتاً اردو کلام پر مشتمل ہے جبکہ 1882ء اور اس کے فوراً بعد والا دیوان مغلوں کے یعنی اردو اور سرائیکی۔۔۔ دوسرا دیوان جو 1882ء والا دیوان کی نقل ہے جسے اسلامیہ سٹیم پریس لاہور نے شائع کیا۔ اس میں بھی وہی گیارہ غزلیں شامل ہیں۔ البتہ تیسری غزل کا مقطع چھپنے سے رہ گیا ہے، باقی تمام غزلیں جی کی تہذیب میں، مقطع یہ ہے

نہ آج کا کہ ناصح کی ہمت سے بدلے

کہ ہے ازل سے دلآرام کا غلام فرید

اس پر میں اشاعت درج نہیں ہے لیکن قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ 1882ء اور 1884ء کے درمیان میرے

میں شائع ہوا کیونکہ 1884ء/1301ھ میں جو دیوان مطبع روپن آگس گلزار محمدی سے شائع ہوا وہ 1882ء اور اس کے بعد سٹیم پریس سے چھپنے والا دیوان ہے بالکل مختلف ہے اس میں صرف اردو کلام ہے۔ 2 قطع 4 رباعیاں، ایک مغلوں نظم اور 98 اردو غزلیں ہیں۔

مجھے دیوان فرید اردو کا یہ نسخہ بھی ملا ہے جو مکتبہ اصبہ، رشید الکواکب پریس ملتان کا

شائع کردہ ہے اور جس کا ذکر صدیق طاہر نے اپنے مضمون تصدیق میں کیا ہے۔² اس پر بھی میں اشاعت درج نہیں ہے لیکن صدیق طاہر نے اس کا سال اشاعت 1955ء قرار دیا ہے۔³ اس میں 93 اردو غزلیں •

7 رباعیات ایک سرائیکی اور مغلوں نظم شامل ہیں۔ ان صفحہ کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ

خواجہ غلام فرید کے اردو کلام کی اشاعت کا سلسلہ 1882ء سے شروع ہوا۔ اس کلام کی اشاعت کے بعد خواجہ

صاحب کم و بیش 20 سال تک زندہ رہے۔ (وفات 1901ء) اور ظاہر ہے اسی نے سرائیکی شاعری کے ساتھ

ساتھ اردو شاعری بھی کی ہوگی۔ اس لیے 1882ء میں طبع ہونے والی اردو غزلیات کی تعداد صرف

گیارہ ہے جبکہ صرف دو سال بعد یعنی 1884ء میں چھپنے والے اردو دیوان کی غزلیں کی تعداد 98 ہے۔

1۔ بحوالہ مقالہ برائے ایضاً اردو 1984ء بعنوان "خواجہ غلام فرید کی اردو شاعری" از یاسین قریشی، ص 116 (فرید)

2۔ دیوان خواجہ غلام فرید (اردو) مکتبہ صدیق طاہر، ص 12

3۔ ایضاً - - - ص 13

صدیق طاہر کے مرتبہ اردو دیوان میں بھی 98 غزلیں، 9 رباعیات، 2 قطع اور ایک سرائیکی اردو مفلوط نظم ہے۔ کیا 1884ء میں چمپے والے دیوان اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سوالیہ اس کے کہ اس دیوان میں 7 رباعیات کا اضافہ ہے چنانچہ اس سے یہ حتمہ الخ ہوتا ہے کہ 1884ء کے بعد غالباً خواجہ صاحب نے اردو میں کچھ نہ کیا کیونکہ صدیق طاہر کا مرتب کردہ دیوان بنامی طور پر وہی ہے جو 1884ء میں شائع ہوا تھا اور اس میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہے۔

کیا خواجہ غلام فہید کے اردو کلام کا زمانہ 1880ء سے 1901ء تک کا ہے اس لحاظ سے خواجہ صاحب دماغ (1831-1905ء) ، حلال اور امیر کے معاصر رہے۔ غالب کی وفات 1867ء کے وقت ان کی عمر 22 سال (پیدائش 1843ء) تھی۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ صاحب کے زمانے تک اردو غزل کی روایت نہایت پختہ اور مضبوط ہو چکی تھی، دلی اور لکھنؤ دیستان شاعری اپنے اپنے صوبے کا زمانہ دیکھ چکے تھے۔ غزل کا قدیم رنگ تھا مگر وقت ہو رہا تھا اور غزل کی اصلاح اور تبدیلی کے لئے حالی (1837-1914ء) کی تعاضد سامنے آ چکی تھی لیکن ایسا حلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب ۵ صورت ان تبدیلیوں سے غافل نہ رہے بلکہ اردو غزل کے رنگ قدیم سے بھی نئی طرح آگاہ نہ تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے کلام میں سوا، ظفر اور طبع کے حوالے موجود ہیں، مثلاً

اس ملک میں میر کسی کے نظم اپنی کو سمجھے
طبع کو بھی یہ درد کا صدمہ نہیں آتا (۳۶)

سوا کہے ہی دیکھے غزل شہدائے غیب
سو رمز ہے مہیاں کسی آگ آگ صفوں کے ہے (۵۰)

میں طبع مہیاں کے ہیں سوا سے یہ اشعار
میر طبع و سوا سے دیوان بہت کچھ ہیں (۷۲)

جہ جاتا آگ شک سے طبع بھی آگ نہہد
مٹتا جس سے کسی جو شعر آہدار کسو (۸۴)

ظہر معنی کا تیرا دہکتے کے اجزار ظہر

آفسر کیلئے دھلی سے ظہر آتا ہے (ص 92)

ان اشعار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اردو غزل کے اضافہ کا کلام ان کے مطالعے میں آیا تھا بلکہ سدرہ پانا اشعار میں سے پہلے شعر کو پڑھ کر تو محسوس ہوا ہے کہ خواجہ نیر نے ناسخ کا مطالعہ گہرائی میں جا کر کیا کیونکہ ناسخ کی شاعری واقعی درد سے خالی ہے۔ پھر لکھنؤ، دھلی اور علی گڑھ تک ان کے سفر کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی تفصیل نذر شاہ صاحب میں آ چکی ہے۔ اگر وہ سید جیسی اہم شخصیت سے ملے تو دوسرے کئی ایک جھڑپیں بھی ان کی طاقات ہوں مگر ان اور وہاں انہی نے اردو زبان و ادب کا صحیح معاویہ اور بزمہ سنا ہو گا لیکن نظام اساتذہ کے مطالعے اور زبان اردو کے مرکزی مقامات تک رسائی کے باوجود ان کے یہاں اردو زبان کا وہ ترشا عربی لب و لہجہ اور منجھا ہوا انداز موجود نہیں ہے جو معنی اساتذہ قدیم کے یہاں ملتا ہے بلکہ ان کے ایک حصہ پر ہم زبان شمس الدین گیلانی کے کلام میں خواجہ صاحب کے کلام کی نسبت کہیں زیادہ ترقی یافتہ لب و لہجہ اور ایسا اسلوب ظہر آتا ہے جو اہل زبان کا حصہ تھا مثلاً

یہ تیرے چلنے کی تاثیر ہے اللہ اللہ

رات پھر ڈالے تیرے ہے اللہ اللہ

جان بہ لب آئی میر آج کا نہیں اس کو خیال

مستعد وہ بت سے میر ہے اللہ اللہ 2

میر رکھتا نہیں کچھ وہ سے تاساں میرا

وشت دل سے کہا حال پیشاں میرا

چشم صفت دکھا کر کیا جب وہ سے

و ا سدا رہتا ہے یہ دہدہ گریباں میرا 3

1- شمس الدین گیلانی کا دیوان 1964ء میں شکیل پا چکا تھا البتہ جمعہ کی صحت 1966ء میں آئی۔

(تفصیل کیلئے مطالعہ فرمائیے "ارفاں ایچہ" ص 13 اور "میاظہر میں اردو" از سعید حسن شہاب، ص 68)

2- "ارفاں ایچہ" ص 68 سید ظہر علی شاہ، ص 33، مطبوعہ سرائیکی ادبی مجلس میاظہر 1966ء

3- "ایچہ" ص 34

ما یاد آتی ہے جب تیری گفتار سر ہے اور سنگ ما در و دیوار
تیری لڑکت میں اچ گڈ خداں شور و فریاد ہے پرنگ ہزار
زہر و زلر کچھ دیہیں حورو آہ صد دل تھا سو کر چکے ہیں کنار ۱۔

لیکن خواجہ صاحب کے یہاں اردو غزل کا شمار زیادہ بلند دیہیں ہے۔ چاہے زبان و بیان، لب و لہجے
و قمر اور معاصر کی غلطیاں دکھائی دیتی ہیں۔ بہت سے مصرعے اور اشعار وزن سے خالی ہیں۔ فنی
کوتاہیاں اور خامیاں بھی موجود ہیں اس میں شک دیہیں کہ کچھ کتابت اور طباعت کی کمزوریاں اور کوتاہیاں
بھی ہیں لیکن کلام کے سقم بھی کچھ کم دیہیں۔ اس میں شک دیہیں کہ بھر فزلی کے کچھ اشعار ضیاری
ہیں اور ان میں ایک مضمعا ہوا انداز موجود ہے لیکن ہمیشہ معمولی بھی لگتا ہے کہ خواجہ صاحب
ظن طبع کے لئے اردو شاعری کرتے تھے۔ اپنے سچے اور کھلے حوصلے جذبی کو سرائیکی زبان ہی کے حوالے
سے ادا کرتے تھے۔ اس کی تفصیل سابقہ صفحات میں آ چکی ہے۔ یہاں اردو دیوان سے چند ایک غلطیوں
کی نشان دہی کی جاتی ہے۔

فرد اب المقتضی دفتر دیوان کی کچھ

کہ تا دیوانے میں خاص ہزاروں تیرے دیوان سے (ص 27)

مقطع میں "دفتر دیوان" کی ترکیب غلط ہے یہاں تو اس کا اطلاق جائز دیہیں ہے البتہ شعر وزن میں ہے۔

اب زاهد تو صحت سازاں ہو اپنے زہد لاشع پر

مباداتی سے ہے فائق بنی کا پوجنا سرا (ص 28)

شعر میں مبادات یا مبادات کی جمع "مباداتی" غلط ہے۔

میں ہی سہل آستانہ فخر جہاں کا

شعری سے لفظ مرتبہ ہے میری شان کا (ص 30)

پہلے مصرعے میں "سہل آستانہ" (امانات کے ساتھ) کی ترکیب سے پہلے شعر میں وزن ہو گیا ہے اگر "سہل

آستانہ" (بغیر امانات کی) استعمال ہو تو یہ وزن میں ہو سکتا ہے اس طرح آستانہ کی الٹ کو حل کیا

حائے کا جو حائر ہے اس مصرعے میں "فخر جہاں" کی ترکیب بھی غلط ہے، یہی کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔

میں نے بیٹاپس "دل اپنی" ششہ سجھا

آسمان پر کبھی حب گرد و ہگولا دکھا (ص 36)

شعر کے دوسرے مصرعے میں "گرد و ہگولا" کی ترکیب غلط ہے۔

اتنی کسی پیر کی درگاہ پہ نہیں ہوتی ہے خلق

اپنے ہی پیر کے گھر پر جو میں میلہ دکھا (ص 37)

پہلے مصرعے میں "کس" کی بجائے "کس" پڑھا جائے تو مصرعہ وزن میں ہو گا، ورنہ یہ وزن ہے۔

جس کو ہر دم وقت آزادی میں کہتے تھے نیرد

آپ اسیر بیچش زلف دشا کہنوشکر ہوا (ص 40)

اس مقطع کا دوسرا مصرعہ یہ وزن ہے۔

حدر کے آسام میں جہیں جگر جاتا رہا

گلشن آرام دل کا سرگ و ہر جاتا رہا (ص 41)

پہلے مصرعے میں "جہیں جگر" کی ترکیب غلط ہے۔

پھر مری آکھی ہے اب غصہ جگر پیدا ہوا

بار دگر درد کا دل میں شجر پیدا ہوا (ص 45)

اس مطلع کا دوسرا مصرعہ یہ وزن ہے۔

رنگ لہ دلدار سے شمعینی ہوئی تلخ

اور دیکھ کے حال اس کا فرہاد بہت رہا (ص 46)

شعر کا دوسرا مصرعہ یہ وزن ہے۔

احوال مرا دیکھ کے جو اس نے کیا صدمہ پر

ظلم و ستم و جور اور بے داد بہت رہا (ص 46)

اس شعر کا بھی دوسرا مصرعہ یہ وزن ہے۔

جس کی نظر ہے صبر لکھی غصہ بہا مرا

آکھی چھپا کے غصہ بہا کے چلا گیا (ص 47)

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں کتابت کی غلطی کی وجہ سے "غصہ" لکھا گیا ہے حالانکہ "غصہ" ہونا

چاہتے تھا کیونکہ دون کے اعلان میں سے صوفیہ فن میں ہوتا۔

گر عشق نہ ہوتا وہم عشق نہ ہوتا
ہر مردہ یہ اتنا دل غمگین نہ ہوتا (ص 48)

دوسرے مصرعے میں "دل غمگین" کی ترکیب غلط ہے۔ یہاں دون کا اعلان جائز نہیں۔

کبھی نزع میں بھی پیاس گلو کو ہے اس کی
گر آب تری تیغ کا شہر میں دمہ ہوتا (ص 48)

اس شعر میں "شہر میں" فن میں نہیں البتہ تلفظ سے درست ہے۔ اثر "شہر" ہوتا تو صوفیہ فن میں ہوتا۔۔۔

ہر دہی جب اس نور دطرغ کو نکالا
سب کہنے لگے سلوک اللہ تعالیٰ (ص 49)

اس شعر میں سلوک کو سل نکا پڑھنا پڑتا ہے۔

ہیبت وہ کرتا نہیں عاشق کا سنبھالا
المس کہ لیتا نہیں عاشق کا سنبھالا (ص 49)

اس شعر میں "شکست" سے پہلے "ہر" کی بجائے "یہ" ہونا چاہئے۔

آوارہ میں وحشت کے باباں کا ہی اتنا
اک دوقی مہدی سے ہمارے ہے عزالہ (ص 49)

اس شعر میں "شتر گھٹی" ہے پہلے مصرعے میں "میں" ہے جبکہ دوسرے مصرعے میں "ہمارے" اس طرح
ازالہ کو عزالہ لکھا گیا ہے۔

بتی کو دیکھ کر بھولا ہے کلمہ اسلام
یہ ابدانے صالحے میں کی ہے تمہید (ص 51)

دوسرے مصرعے میں "تمہید" ہے "ابدانے صالحے" کی بجائے "ابدانے رسالہ" ہونا چاہئے اسی طرح
تمہید کی بجائے "تمہید" کتابت کی غلطی ہے۔

جو آستان جناب بتی کے ہیں ساجد
نہیں ہے رحمت حق ایک آن سے بعد (ص 51)

اس شعر میں "آستان" کی اضافت درست نہیں بلکہ غالباً "شاعر" "آستان" لکھا چاہتا ہے۔

گھنگھٹ نہیں کوئی رخ دلدار کو سرگز
ہیں پردہ فریاد آپ صاف سے تو ہوغیر (ص 53)

مقطع کا پہلا مصرعہ یہ فن ہے۔

صفحہ نمبر 55 پر جو فزل ہے۔ اس میں سوائے دو قافیہ کے باقی تمام زہر کے قافیہ ہیں یعنی
کامل، حاصل، ساحل شامل وغیرہ۔ شاعر نے ان میں ہارل اور لاجپال کے زہر کے قافیہ بھی شامل کر دیے
ہیں۔ آزاد قافیہ کا اعلان مطلع میں ہونا چاہئے تھا۔

دھن میں آہ جگر میں شرار دل میں آگ
جھم سے میں بہتر مجھ پہ جگر کے امام (ص 56)

شعر کا دوسرا مصرعہ یہ فن ہے

فرید اپنے عقیدے کو میں نے کیا ہے بیان
جو معتقد ہو اسی کا اسی کو مجھ سے سلام (ص 56)

مقطع کا پہلا مصرعہ یہ فن ہے۔

صفحہ نمبر 63 پر فزل میں حال پھیان، غصی فشان، خاتمان، تہیوں میں "ن" کا اعلان

کیا ہے جو غلط ہے۔

دو چند اوس سے ہوتا ہے جو اس کا بیشتر
سو مار جان و دل ہے اگر ہم ولہا کسری (ص 64)

پہلے مصرعے میں "اس" کی بجائے "اوس" کا استعمال کیا گیا ہے۔ "اس" ہی سے مصرعے فن میں پڑھے
جائیں گے دوسرے مصرعے میں ہم و را کی بجائے "میں و را" درست ہو گا

جاناں تمہے سنگرت کہی تو کیا کہی
تیری شک کو خدیر نہ کہی تو کیا کہی (ص 70)

اس ساری فزل میں دوسرے شعر کا پہلا، تیسرے شعر کا پہلا، چوتھے شعر کا پہلا، پانچویں شعر کا پہلا
اور چھٹے شعر کا پہلا مصرعہ فن میں ہے۔ ان کے علاوہ یہ فن مصرعے یہ ہیں

ع تجھ کو خدا کا مظہر نہ کہی تو کیا کہی

ع حلوہ کو تیرے مستر نہ کہی تو کیا کہی

ع ساحل کے دل کو پتھر نہ کہی تو کیا کہی

ع ان کو جہاں کا سرور نہ کہی تو کیا کہی

ع میں آپ کو سمندر نہ کہی تو کیا کہی

ع مشکل کشا فرید دہی دہی غیر اوستا کوئی

ان مشکلی میں حیدر نہ کہی تو کیا کہی

ہر لحاظ سے حسن کے سامان یہ قواں

اے حان، مری حان ہے تری حان یہ قسریاں (م 71)

اس مطلع والی فزل میں دوسرے تیسرے شعر کے پہلے، اور دوسرے اور تیسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں تمام

تراکیب میں نہی کا اعلان وزن کو پورا کرنے کیلئے کیا گیا ہے حالانکہ درست و جائز نہیں ہے۔

بندۂ زلف ہشی کا میں دل و جان سے ہی

لوک میں کفر سے آزاد میں ایمان سے ہی (م 72)

اس فزل میں چوتھے، آٹھویں اور دسویں مصرعے میں تراکیب کے ساتھ "نہی" کا اعلان وزن کو پورا کرنے کے لئے

کیا گیا ہے۔

کوہ طور اور وادی امس کے سر میں

موش میں مار میں بدبشا میں ہے عیاں (م 78)

اس شعر کے پہلے مصرعے میں "کوہ طور" کی بجائے "کوہ طور" وزن میں درست آتا ہے "ا" لگانے سے

مصرعے میں وزن ہو گیا ہے۔

کہیں ہی زیت صحرا کہیں ہی زہب خاموشکا

کہیں خاشاک کوہستان کہیں نیلے سیاہاں ہی (م 80)

دوسرے مصرعے میں کوہستان کی نہی وزن میں نہیں آتی۔

خمال زلف و دندان و لب لعلیاں عالم میں

سیاہاں خشن بحر میں کوہ بدبشاں ہی (م 80)

اس شعر کا پہلا مصرعہ میں وزن ہے۔

عقب اپنا لہاں ہے چتر سر پر درد آہیں کا

ہکڑے نامان کیا قہ سلطان حرمِ لہی (م۔ 80)

دوسری صورت میں "سلطان حرم" ہے اگر سلطان حرم کو لیا جائے تو صورتِ زن میں ہو جاتا ہے۔

حالِ دوست میں جاہیں میں دے گا گزر تارہ

خمالِ صورتِ دلدار کو میں شہ-کاتارہ (م۔ 81)

فراموش ہا کے سب افسانہ دہا و دیں سے

مخم کے خم کے ہوشے نوادی دل میں جھٹا رہ (م۔ 82)

دوسری صورت میں بھی ہیں۔

جماعت کہتی ہے جو عملِ صالح تیرے سے سوزِ حرم

عمیتہ چشم و کوشِ افسار سے اس کو چھوٹا رہ (م۔ 83)

پہلے صورت میں فعل کو وقت پورا کرنے کے لئے فعلِ ماضی لیا گیا ہے۔

دردی کا گر شکار کسریٰ رہِ حشر میں

لہزہ ہائے کا خوف سے روزِ شمسار کو (م۔ 84)

پہلے صورت میں "دردی" درد کی جمع کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

جل جاتا آگِ رشک سے فاح بھی اے فرید

مقتا کسی سے نہیں جو شعرِ آہدار کو (م۔ 84)

اس قطع میں "آگِ رشک" کی ترکیبِ فلفلی ہے۔

اے دلِ تصورِ ان کا ہے ان کی جا بجا

گر خسرو نہیں ماہ ہے کافی لہالِ کسو (م۔ 85)

اس شعر کے دوسری صورت میں ہے۔

صفحہ نمبر 90 پر یہی قول میں مجھ، حتیٰ، مکی اور موزی کے الفاظ میں کے اعلان کے سامنے

آئے ہیں جو جاتر نہیں ہی قہ پورا کیا گیا ہے۔

جی خوش ہے بکری کسی طرح سے جب

ہکڑے صبا کے اہل صبا سے ہکڑے گئے (م۔ 86)

اس شخص "بھاگ بھاگ" اور "اھل سب" کی ترکیب ناقابل فہم ہیں۔

بہر کرم وہ آنے مگر میں ستم شعار
لاشے میں کو خاک میں خون میں رولا چلے (ص 94)

دوسرے مصرعے میں "خس" میں بھی کا اعلان پہلے ہی غلط ہے، "فہ" میں "خس" آتا ہے اس طرح رلا
کی بجائے "رلا" ہے فہ میں "رلا" ہے آتا ہے۔

آوارہ اک حدی کے جنگل کا بھی شریک
جس جا میں آئے اس سے مشال بھا چلے (ص 94)

مقطع میں "مندی" میں بھی کا اعلان فہ میں مندی کے ہاتھ کیا گیا ہے۔
اس کو کیا اطمینان اور اطمینان سے لذت ہو
جو کہ درد و غم و حسرت کی غذا کھاتا ہے (ص 96)

دوسرا حصہ فہ سے خارج ہے۔

زمانے میں یہ دیکھا غیر ماتم
میری دل ہے شاہدہ کریلا گئے (ص 100)

اس شعر میں دل کو موت اور رہن کو ہرور کی غلطی کے ہاتھ "کی" کے بجائے "کے" کر دیا گیا ہے۔
تصور بتی کا جب آیا غصی
رہ دیں بھی سہ پہلا ما غصی (ص 101)

اس شعر میں "رہ دیں" کی ترکیب درست ہے مگر فہ کے اعتبار سے "رہ دیں" آتا چاہیے۔
میں مر مائی اس بت کے ہائی کے بچ
بہسی آڑو ہے خدا بیا غصی (ص 101)

اس شعر میں شعر گوئی ہے پہلے مصرعے میں ہیں اور دوسرے میں غصی ہے۔
ہم کو پسند ہار کی ہاشکس ادا لگی
دل میں لگی، جگر میں لگی، جان پہ لگی (ص 103)

دوسرے مصرعے میں قافیہ نہیں ہے۔

و کس طرح سے پائے مژہ زندگانی کا
جس کو ازل سے عشق دل میں ملا لگی

(ص 103)

دوسری مصرع میں "عشق کے بند" کی "کا لفظ آنے سے صریح ظن میں ہو گا۔

وہ دل کہ جسکو خانہ حق کہتی ہے خلق
وہ ازل سے ہو چکی غبارِ بستی کی ہے

(ص 109)

پہلا مصرعہ میں ظن ہے اگر "خلق" سے پہلے "کہ" یا "یہ" لگا دیا جائے تو صریح ظن میں ہو گا۔

کہ ہے خواہشِ بہشتی کی نہ ہے انہاسِ دوزخ سے
جہاں اپنا لگا دیتی وہاں مجھ کو مگانِ دیر

(ص 112)

اس شعر میں انہاس کی جگہ فزع ہونا چاہئے تھا اور اس فزل کے مقطع میں لفظ "سلک" کی بجائے "سلح" درج ہے۔

ان کے علاوہ کتابت کی یہ شمار غلطیاں موجود ہیں لگتا ہے کہ اس دیوان کے مرتب نے جنہیں تو جمع کر دی ہیں لیکن ان کی سحت کا خیال نہیں رکھا اور محض اور توجہ سے کام نہیں لیا۔۔۔ لیکن اگر ان فقر خاصہ اور شعری محاسن کی کس سے صرف نظر کر کے ان کے کلام کے موضوعات پر نظر ڈالیں تو ان میں مرکزی موضوع تو عشق و محبت کا ہے۔ عشق و محبت کا یہ موضوع مسلک تصوف کا بھی مرکزی موضوع ہے۔ اس لئے اسے اشعار کوہ حق کا موضوع عشق ہے، سار اور حقیقت دونوں پر مطبق کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح خواجہ حافظ، ام خواجہ میر درد کے کلام میں مہم کی دو تہیں موجود ہیں ایک حقیقی اور ایک مجازی۔۔۔ اسی طرح خواجہ فرید کے کلام میں بھی دو جہتیں پائی جاتی ہیں ان کی ایک پہچان تو مجازی مہم کی ہے اور دوسری حقیقی مہم کی۔ مثلاً

کیا کہی بار کا کیا کیا میں سراپا دیکھا
اک صیغہ دیر الہی کا تصانیف دیکھا
دل ہر دل میں تیرے شہر کا قونیا دیکھا
سر ہر سر میں تمہارا سر سیدا دیکھا
آج دل ایک صیغہ چاند کا مکھڑا دیکھا
جس کے آگے مہ و خورشید مسوڑہ دیکھا

(ص 35)

کا تجھے دیکھا ہے میں نا تیرے گھنے کو گھنی

لوگ بیٹ کو جس نقشے کا خاکا دیکھا (ص 37)

میں ہیں غلام اس کا ازل سے ابد تلک

کما میں الخیر اس نے جیسا پہر چٹا کیا (ص 43)

بعد مدت کے ہوا دیدار جاں کا صیب

بعد للہ فعل معیت کا شر پیدا ہوا (ص 45)

صری صباڑ ہے ان سے اسی لئے دو جھ

کہ اس نے ساز کو ہر لفظ کمال جدید (ص 51)

ساحل میں خاک کچھ جاں کو بھ و شب

میرل گھس گھس کہیں اہر اولیاء کہیں (ص 61)

میں ہیں اس کا وہ کس کا ہے اے دل

جا کے اس کا بھی اصحاب کری (ص 63)

حب مجھے یاد دل آرام کا گھر آتا ہے

صفت آنکھیں میں جہنم سے بہتر آتا ہے (ص 92)

خواجہ لرد کے یہاں صوت کے مولوبات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ وحدت الوجود، وحدت الشہود، جزو ک

ذات اور صفات، توحید، برہد و سرہد، حرف حق، شریعت و طریقت جیسے مضامین شامل ہیں۔ خواجہ فرید

کے اردو کلام میں یہ تمام مضامین کسی نہ کسی صورت میں نمود ہیں۔ عام طور پر چشتیہ صلیک سے تعلق

رکھنے والے مولیاء کے یہاں شریعت کی سخت طریقت کی طرف زیادہ جھکاؤ ہے ان کے نزدیک عبادات کی

ظاہری باتوں سے زیادہ دل و ظاہر کی پاکیزگی کو اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے زہد خشک پر تازہ سے ناکہ

ہے۔ اس سے کہ تو قلب کو روشن ملتی ہے کہ روح کو سیر، ظاہر اور کی عبادت سے بڑی کی وہ بیجا

زیادہ بہتر ہے جو غلوں دل سے کی جائے۔ اصل مسئلہ عبادت کا ہے۔ خواجہ فرید اسی لئے زہد لائے ہر

مقام کی بیجا کو لائق دہتے ہیں۔

عبادتوں سے ہے فانی بستی کا بیٹا سرا

سرا دل پا چکا ہے جیسے ال مہتاب کی منزل (ص 28)

جناب حضرت عیسا کا عیسیٰ مرید ظالم
 نہیں ہے مجھ کو شیخ اور برہمنی سے کام (ص 56)

بتوں نے جس کے دل و دس کو کر لیا غارت
 خدا نے اس کو کیا شاہ ملک دیس اسلام (ص 56)

سبیل زاہد کی سنت کبھ بھی نہیں
 لیسک رندی کی خاکبسا میں ہم
 دیر و کعبہ سے دل نہیں لگتا
 یار کے در کے چنبہ سا میں ہم (ص 58)

زہد سے تقویٰ سے دین سے دور رہتا ہی طے
 طالب فقر و غنا ہی فیر سے مطلب نہیں (ص 79)

تو اپنے زہد سے حاصل پہ مت تازاں ہو اے زاہد
 کہ تیرے رشتہ تسبیح سے زہد سار بہتہ سر ہے (ص 104)

خواجه صاحب پہ بھی جاتے ہیں کہ ذات عطلق کو دیر و حرم یا مسجد و مدر تک محدود نہیں کیا جا
 سکتا اس کا جلوہ جہاں تہاں ہے اس لئے خواجه صاحب کا مسجدہ دیر اور کعبہ کی طلب کے لئے نہیں
 ہوتا۔ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہوتا ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔

۵۰ دیر کی طلب ہے ۵۰ کعبہ سے التفات
 ساجد ہی پنج وقت میں پیر خان کا (ص 30)

یہاں تک کہ طواف احرام و مناسک حج کے وقت بھی اگر وہ بہت ایمان شکی یاد آ جاتا ہے تو ایک ایسا
 سودی کھد طاری ہو جاتا ہے کہ ظاہر کے ذکر و فکر سے یہ نیاز ہو کر باطن کی منازل طے دیتی ہے

طواف احرام و مناسک حج کے سب بھولے لیرید
 کعبے میں جب وہ بہت ایمان شکی یاد آ گیا (ص 31)

۵۰ غریب کعبے کی ہے جھک ۵۰ احرام سے کام
 لیک ہے اس بہت کالرو ویش و خول کام سے کام (ص 57)

کس طرح اس پر نہ ہو کھسے کا احرام حرام
ہو گا جو ہادہ بہت اور گہے غصہ بہت (م 59)

خار یہ ہے کہ وہی پنج وقتہ ساجد بہت
صیام یہ ہے کہ وہی صبح و شام ہم لب جام
ہزار سالہ عبادت بھی نہ لوش ہے
مرد طرف سے کہو جا کے واعظی کو بہام (م 60)

نہ میں وہی نہ مشرک وہی مرا مشرب ہے ارادہ
مرا مسجد ہے پھر مفساں کعبہ ہے مسجد (م 69)

اس باطن اور روحانی تصویر کے بعد اس بات کا تصور بھی اتنا مزہ دیتا ہے کہ خواب میں بھی کھسے کا ارادہ
بہتا نہیں ہوتا۔

کما بہت کے تصور نے مزہ خوب دکھایا
رہا میں بھی کھسے کا ارادہ نہیں آتا (م 33)

نہ غرض کھسے کی ہے مجھکو نہ احرام سے کام
لیک ہے اس بات کا فروغ و غور کام سے کام
ساجد بار وہی میں رہے و حرم سے آزاد
مہل کچھ کفر سے رکھتا وہی نہ اسلام سے کام (م 53)

جس نے عشق کی لذت چکھ لی ہے اس کے لئے ہالی عرشے بیکار ہے۔
زادہ نہیں خواہش مجھے فردوس میں کسی
داع فم عشق اپنے لئے باغ حسان ہے (م 134)

صوفیہ تعلیمات میں ایک طرف تو انسان کو عاجز ذرّہ تصور کیا گیا ہے۔ جس کو اپنی حیثیت
ختم کر کے وجود مطلق میں غم ہو جانا چاہئے مادی وجود ایک گناہ ہے۔ ایک بوجھ ہے، جو کثافت کو
لطافت سے ہم آہک نہیں ہونے دیتا۔ انسان ایک قطرہٴ عاجز ہے جو اپنے سفر سے جدا ہو کر حجر و
فراں میں ٹپتا ہے اور ہمیشہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ اپنے وجود کو مٹا کر وجود بسیط کا دائمی حصہ
بن جائے لیکن دوسری طرف اس ظہیر میں انسان کو وہ عظمت بھی حاصل ہے کہ جہاں وہ "الکبر" اور

”ابا الحق“ کا شعرہ ملت کرتا ہے اور اپنے وجود کو وجود حقیقی سمجھ کر لکھتا ہے۔ کما اعمان یہک

وقت اسفل بھی ہے اور افضل بھی۔ نظریہ بھی ہے اور دریا بھی، جزو بھی ہے اور کل بھی۔ لیکن
سلسلہ چشتیہ سے متعلق مضافہ کا صوبی تصور انسانی وہ صرف مستقبل کی ابدیت کا ہلکے اس دنیائے فانی
میں بھی اس کے مرتبے کی ارفعیت کا قائل ہے۔ بابا فرید گنج شکر بھی یا حضرت عیسیٰ الدیں چشتی۔۔۔
پختیار اوش بھی یا حضرت امیر خسرو، حافظ جمال اللہ بھی یا حضرت سلیمان توسوی۔ سب کے سب
صوبی وہ صرف انسانی کی صفت کو عبادت کا درجہ دیتے ہیں ہلکے انساں کو دنیا کا محور اور مرکز سمجھتے
ہیں کہ اس کے لئے یہ دنیا تخلیق کی گئی ہے تاکہ وہ اپنے حسن عمل سے اس دنیا میں سوخو ہو کر
ابدیت کی زندگی کا مستحق بنے۔ خواجہ فرید کے یہاں انسانی عظمت کا یہ تصور اشعار میں موجود ہے۔

سوائے حضرت امان نہیں ہے مظہر کامل
اسی ہے قرینہ حق اب مجھے ہے ہر زمان حاصل (ص 55)

جو دھور لم ہنزل ہے سہی تجھ میں ہے مہار
(۷۰) تجھ کو خدا کا مظہرہ نہ کہی تمو کیا کہی

وحدت الوجود کا سلسلہ صوفیاء کا دین و ایمان ہے۔ وہ ساری کائنات اور اس کی کثرت کو ایک ہی وجود مطلق کا برہمن سمجھتے ہیں اور انسان کو اس وجود بسط کا ایک ذرہ اور اس بحر حقیقت کا ایک قطرہ تصور کرتے ہیں۔ اس فہمی کے تحت نگہ اثرات ملتان کے صوفیاء پر مرتب ہوئے اور اس کا سبب فصوص الحکم کا تعارف ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن طارق ملتان کے ذکر میں بیان کیا جا چکا ہے کہ عراقی نے قزوین سے فصوص الحکم کا نسخہ اپنے سبق بھائی کو روانہ کیا تھا۔ اس زمانے میں مدرسہ بہائیہ میں بھی اسی کتاب کو درس میں شامل کیا گیا اور اس کے نسخے دوسری شہریت میں بھی پہنچوائے گئے۔ فصوص الحکم کے اثر سے صوفیاء میں وحدت الوجود کا تصور ان کے ذوق و وجدان کا ناگزیر حصہ بن گیا اور حسن بن منصور حلاج کے اثرات بھی صوفیاء پر کچھ کم نہ تھے۔ خواجہ فرید ابن العربی اور ابن مصر حلاج کے خیالات اور نظریات کے پیروکار دکھائی دیتے ہیں۔ وحدت الوجود کا موضوع ان کی سرائیکی شاعری کا بھی سب سے بڑا موضوع ہے اور اردو شاعری میں بھی اس ضمن کو چاہے ادا کیا ہے۔ خواجہ فرید محض نظری اور علمی سطح پر ہی اس نظریے کے قائل نہ تھے بلکہ وہ اس نظریے کو جذباتی اور روحانی سطح پر تسلیم

کرتے تھے۔ یہ نظریہ ان کے لئے ایک زبردست شعری اور تخلیقی محرک ہے کیونکہ وحدت الوجود کا نظریہ
 بشادی طور پر محبت کا نظریہ ہے۔ تمام نوع انسان ایک ہی وجود واحد کا حلقہ ہے۔ چنانچہ اس نظریے
 نے ان کو وہ عرفان اور وہ کشف عطا کیا جس کی بدولت انہی نے دنیا کے ذریعے ذریعے میں محبوب حقیقی کا
 مظہر دیکھا۔ منجہ تو گل میں یا سرو و لاله، سنبھل ہو یا ترگن شہلا، خیاں ماہ رخ میں یا طوسی
 قد طوسی، وادی ایمں کا نور ہو یا بدیعہ موسیٰ، کعبہ ہو یا دیر و کفح۔۔۔ ہر جا اور ہر شے میں
 وہ عیاں ہے۔

کعبے میں مسندوں میں کشتوں میں دیرو میں
 موسیٰ میں شرکوں میں تازی میں ہے عیاں
 ہے کوہ طور اور وادی ایمں کے منور میں
 موسیٰ میں مار میں بدیعہ میں ہے عیاں
 فنجے میں گل میں سرو و لاله میں داغ میں
 سنبھل میں اور ترگن شہلا میں ہے عیاں
 ڈھولک میں سر میں ٹال میں تانبے میں راز میں
 خیاں ماہ رخ قد طوسی میں ہے عیاں
 صبا ہات کر شہد کہ یہ شرک ہے خطی
 حاصل کلام کہہ کہ سبھی جا میں ہے عیاں

(ص 78)

اس نظریے کے تحت کثرت اور روش کا تصور مٹ جاتا ہے۔ کثرت وحدت میں سمٹ جاتی ہے۔ پھر سالک راہ
 خدا وحدت کا عرفان حاصل کرتا، وحدت کا عیاں پکھیرتا، وحدت کا طلب خواں ہوتا اور وحدت کا
 اعلان کرتا نظر آتا ہے ماسوا سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔

یہ پردہ نور دوست کا جز کل نہیں ہے عیاں
 فنجے میں گل میں سرو میں سنبھل میں ہے عیاں

(ص 62)

ہت خانے میں کشت میں کعبہ میں دیرو میں
 دلدار کے سوا تو کوئی روکھا نہیں

(ص 67)

عاشق روئے خدا ہی غیر سے مطلب نہیں
 سالک راہِ ہدٰی ہی غیر سے مطلب نہیں
 ایک دان ہی ایک خواں ہی ایک جو ہی ایک گو
 سب میں اسکو دیکھتا ہی غیر سے مطلب نہیں
 طوف کرتا ہی میں اپنے کعبہٴ دل کا مقام
 اپنا خود غائب ہوا ہی غیر سے مطلب نہیں (ص 79)
 تم اپنی چشمِ دل سے سچ کر دیکھو یہ اے لوگو
 کہ ہر ہر جا میں میرے بارِ حق ڈیرہ جمایا ہے
 ہر رنگہ میں ظہور ہے یہ رنگِ ہمار کا
 ہر تہ ہے گر خزاں کا تو جلوہ ہمار کا (ص 137)

خواجہ فرید کی وسیع الشہری اور انساں دوستی خوب المثل ہے۔ وہ زہد کی خشکی ملا کی

تفہ نظروں اور سالک کی تطہیق سے کوئی دور تھے۔

تہ موی ہی تہ شرک ہی مرا مشرب ہے رداۃ
 مرا معبود ہے پھر مغان کعبہ ہے میخانہ (ص 89)

محبوب کے ظلم و ستم کا مضمون اردو اور فارسی شاعروں میں ایک روایت مضمون کی حیثیت رکھتا

ہے لیکن محبوب کی حقا کا یہ بھی تجربہ محض دعاوی یا معازی نہیں ہے۔ ملوک کے سفر میں بھی سالک
 کو اس کا تجربہ کرنا پڑتا ہے اور خواجہ صاحب کو چونکہ دینی تعجبات حاصل رہے ہ اس لئے محبوب کے
 جور و حقا اور ظلم و ستم کا ذکر اس کی غزلیں میں مجاز اور حقیقت دونوں پہلو لیکر آتا ہے۔ خواجہ
 صاحب اپنے ستم گار محبوب کی شوخی و بدستی پر اپنا دل اور اپنا دین دونوں قیام کرنے کو تیار نظر
 آتے ہیں کیونکہ اسے ستم گار اور شوح و بدستف محبوب کا نام لینے میں بھی وہ تڑپا ہے جو قہر و شکر
 میں نہیں اور اس کے ظلم و ستم میں بھی دلدار کا پہلو نکلتا ہے۔

یارِ حصار کوئی دلدار نہ دیکھا تہ سنا
 ایسا بھی ظالم و خوفناک نہ دیکھا تہ سنا

ہوا بیدار سراپا دل و دین کا دشمنی

شیخ و بدستور ستمگاردہ دیکھا ہے سنا

نام تیرا جو مزا دیتا ہے رک رک میں مجھے

قند اور شکر میں آج بارگاہ دیکھا ہے سنا (ص 29)

دراصل سلوک کی راہ میں بھی/عشق طہارتی کی راہ میں بھی صیب کے مزاج کا تلیوں کوئی عجیب حادثہ

نہیں ہے۔ سالک یا عاشق کے امتحان کے لئے ہو یا سلوک اور عشق کی کیفیات میں تلیوں کو کھپ پھدا کرنے

کی خاطر --- بہر حال محبوب کے ہنراج میں کچھ متنازع شہدائے مودود ہوتے ہیں۔ کبھی وہ عیب و ثا

دکھائی دیتا ہے تو کبھی بے وثا، کبھی وہ مہیاں دکھائی دیتا ہے تو کبھی نا مہیاں۔ کبھی وہ متوجہ

دکھائی دیتا ہے تو کبھی بے پروا۔ اس کا یہ تلیوں عشق میں شکنجے کا زائقہ بھی پیدا کرتا ہے اور کشش

بھی بڑھاتا ہے۔

وہ بت عیب و ثا پھر سوتا کیونکر ہوا

لطف و احسان و کرم حور و حفا کیونکر ہوا

وہ بھی دن بھر جب نہوتے تھے کبھی اک ہل جدا

اب رہی سی سے وہ جا کر آتشا کیونکر ہوا (ص 40)

ثقل ہوا نگار رقصی کے بیمار میں

موم خزاں کے آگے لعل بیمار میں (ص 76)

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ بیمار صحت کا مسحا کبھی کبھی اتنا کھنور اور سگدل بن جاتا ہے کہ

عاشق کے دم واپس پر بھی وہ آنے کا نام نہیں لیتا۔

دم ضعف سے صراہیں جاتا نہیں آتا

اس حال پہ بھی (شک مسحا نہیں آتا (ص 33)

چنانچہ حشر میں محبوب کی یاد عاشق کے لئے ہوا ہی تجربہ بن جاتی ہے جسے ہلیل کا دور خزاں میں

بہاری کی یاد کا اور اب بادی میں تلیوں اور شدت اس لئے بھی ہے کہ دوتی نے میں وصال کے لمحات

تکڑے ہیں اور اس کے لئے ستر بھی کیا ہے۔ ہلیل نے اپنے آستانے سے جس تک کا اور عاشق نے اپنے گھر

سے کھنہ دلداز تک کا۔ اب دوتی اپنے شعلانی پر ہیں لیکن دوتی مضطرب اور بے قرار ہیں۔ ایک خزاں

کے دور میں سکار زہر پر کئے آئینے میں اداس ہے اور دوسرا گھر کے بی زار کن ماحول میں محو ہے۔
 دہلی کو اظہارِ حق کے لئے موسمِ گل کے ساتھ ساتھ محبوب کا وطن اور پہلوئی کا جس میں جاہلیہ۔

اپنے گھر میں اب مجھے اس کا وطن یاد آ گیا

گیا ہلیل کو خزاں میں گل چسپ یاد آ گیا (ہ 31)

لوگ آخر دہلی گھر سے کل کھٹے ہوتے ہیں، سالک کو سلوک کی راہ میں اور عاشق کو عشق کی مسافت
 محبوب کے نقوش پا کی جستجو رہتی ہے۔ تاکہ وہ اپنی منزلِ مقصد کو پا لے مگر اس کی یہ آرزو، آرزو
 ناقص رہتی ہے کیونکہ منزل کا ملکا خواہشی کے زوال کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے عاشق اور سالک کی حیات
 طلب میں ہے، پانے میں نہیں۔ حصولِ منزل کے لئے عشقِ کثرت پا کی تلاش میں رواں دواں رہتا ہی عاشق
 کا مقدر ہے اور غالباً اس کی وجہ حیات بھی۔ اقبال کا تو سارا فلسفہ اس سے ہی ہم ہم کی بدولت ہمیشہ
 ہمیشہ کے لئے عمل پیرا رہنے کا ہے۔ خواجہ فرید اس معبود کے آرزو مع تو ہمیں لیکن اس حقیقت تک بھی
 پہنچ چکے ہیں کہ محبوب کا عشق کثرت پا ہاتھ آتا بڑا مشکل ہے۔

تا کہہ مسجد کر اسے مسجد بنائی

کبھی ہاتھ تیرا عشق کثرت پا نہیں آتا (ہ 32)

چونکہ دل کا مطالعہ عشق کے تقاضی کا ساتھ نہیں دیتا اس لئے اس "سفرِ ناتمام" میں دل کی شکایتیں
 شروع ہو جاتی ہیں۔ وہ حصول کا متقاضی ہے۔ جبکہ عشقِ امتحان کے مراحل کا متقاضی ہے۔ اس کو وصال
 میں مزہ ملتا ہے جبکہ عشقِ حذر و فراق کی لذت جو ہے۔ خواجہ فرید عاشق کے صبرِ طلب تقاضی کو پورا
 کرنے کے قابل ہیں اس لئے اپنے دل کو مشورہ دیتے ہیں

رکھتے ہی قدم وادیِ غم میں ہوا شاکی

کچھ عشق کا گدھب اور دل شیدا نہیں آتا (ہ 33)

اور جب منزلِ مراد کے خار زاری سے گزر کر سالک کو محبوب کے عشق پا کی جھلک دکھائی دیتی ہے تو
 اس حال پا کے ذہنِ لہریں میں اسے اکائات کی ایک وسیع کائنات چھپی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہیں اس کا
 کعبہ بھی پوشیدہ ہے اور اقصیٰ کا نقشہ بھی۔ اس کی کلفتی کا صلہ اسے اس جلیقہ کی صورت میں دکھائی
 دیتا ہے۔

ہنس یا من نیس میں ششہ اقصیٰ دیکھا
کچھ کی گرد کے ہر ذرہ میں کعبہ دیکھا (ص 35)

اس منزل پر وحدت و کثرت اور جزو کل کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔

ذوق وحدت سے ہر اک چیز کو اعلیٰ سمجھا
چند کو مثل تمام، زاغ کو مشکلا سمجھا
میں نے ہر قطرہ کو دریا سے زیادہ سمجھا
ذرہ کے نور کو خورشید سے بالا سمجھا (ص 38)

یہ ہوتے تھے، ششہ کا جزو کل میں ہے جہاں
فہم سے گل میں سرو میں سفید میں ہے جہاں (ص 62)
ہت خانہ میں کشت میں کعبہ میں دیر میں
دلدار کے سوا تو کوئی روضہ نہیں
واللہ میرزا چشم خدا میں کسی دیر میں
کوئی نہیں ہے ہت کا وہ عین خدا نہیں (ص 67)

اور مالک یا عاشق کو ایک ایسا پتھر بھی صیقل ہو جاتا ہے کہ وہ بجا طور پر یہ دعویٰ کرنے لگتا ہے کہ

میں ہستی میں میرے دل کی تسلی دیکھو
خیم گردوں کو اک اقصیٰ کا پہاڑ سمجھا (ص 38)
بقی ہے جس کے ہے رہبر خدام غصی کے
فریاد ان کے لئے راہ فکر ہے اک کام (ص 60)

خواجہ صاحب کے یہاں محبوب کے حوالے سے کبھی کبھی ایسے خوبصورت شعر بھی مل جاتے ہیں جن میں
سمجھا ہوا اور بہتہ غزلہ اسلوب اور نگاشت رکھتے تغزل پایا جاتا ہے۔ یہ ایک نئی طویل غزل کے چھ
شعر ہیں جن میں غزلہ شاعری کے تمام معانی موجود ہیں۔

کہا کبھی بار کا کیا کیا میں سراپا دیکھا
اک صیقل نور الہی کا تصانیف دیکھا
آج دل ایک صیقل چاند کا مکتوب دیکھا
جس کے آگے سورج خورشید کو ذرہ دیکھا

- دیکھ کے خلد میں دل کو یہ محسوس ہوا
 اس کے گھر کا یہ اک ادنیٰ سا شجرہ دیکھا (ص 35)
- ستم و جبر و جفا کیونکہ وہ ہو اس پہ تمام
 جس کے قامت کو قیامت سے بھی بالا دیکھا (ص 36)
- کیوں کہ جو خلق خدا کو وہ دل و جان سے عزیز
 جس کے آگے وہ کھٹاں کو زلیخا دیکھا
 تجھ پہ ہے رشتہ کا انتہام مجھے راج کا ختم
 باغ میں تجھ سا نہ گل مدھ سا نہ لالہ دیکھا (ص 37)

اور اس قسم کے شعر ایک منزل تک محدود نہیں ہیں بلکہ دیوان کی دوسری غزلیں میں بھی مل جاتے ہیں

مثلاً

- وہ بھی دن تھے جب پہونے تھے کبھی اک پہ جدا
 لبِ رقیب سے وہ جا کر آشنا کیونکر ہوا (ص 40)
- اس کا دل آخر تلک میری ہاروں مائل نہیں
 شاید اس طرح میں آہی کا اثر جاتا رہا
 مے نہیں، ساقی نہیں، شاید نہیں ہے اے سرمد
 کیا غزاں آئی گل و ہرل و شمر جاتا رہا (ص 41)
- جو تلک کی کیا میں شکایت کرے سرمد
 بدنام ہو گل میں مجھے ہوتا کیسا (ص 42)
- گلزار و لالہ زار میں لگتا نہیں ہے دل
 صبار نے قطر سے مجھے جب رہا کیا (ص 43)
- خیمِ خاتہ میں وہ صبح کو بٹھا کر چلا گیا
 آشکدہ میں جاں کو چلا کر چلا گیا
 لطف و عذیب کا خاتمہ دیکھو اے دوستو
 دل میں حشر میں جاں میں سا کر چلا گیا
 سب ہے مجھے قبول و ایکس سرمد وہ
 پھر آہِ حوکہ دل کو پھٹا کر چلا گیا (ص 47)

ہمیں وہ کرتا نہیں مشتاق ہر شفق
 انصاف کہ لیتا نہیں عاشق کا سنبھالا
 لاشے کو میرے دیکھ کر کہنے لگا جس کو
 کیا مگر کا ڈھک اس نے کالا ہے اک اعلیٰ (ص 49)

ہم تو صیاد کا رچ دیکھ قفس میں دھلی
 نہ تھی دائرہ کی طلب اور نہ تھا دام سے کام
 بلبل و قہر بھی مشتاق بنے ہیں سہرے
 جب پڑا ہے جھپٹے اس سر و گل ادا سے کام (ص 57)

جس پر اتنا نہ کھینچے ہم پر
 اے بتو بندہ خدا ہیں ہم
 خواب میں جس میں نہیں ہے دل صیب
 بے صبری کے پشوا ہیں ہم (ص 58)

تیرے سے طرز دیکھے نہ الٹی ادا کہیں
 آفت کہیں غضب کہیں ہو و بلا کہیں
 آوازہ حشو میں سراج نگار میں
 عطا کہیں ہما کہیں ماد صبا کہیں
 اللہ نے فرط حسد کہ اس کی نگاہ ساز
 حاد و کہیں ہے سحر کہیں معجزا کہیں
 میں صحت اک نگاہ سے اس کے فریادوں
 زائد کہیں، قہقہہ کہیں ہاربا کہیں (ص 61)

جس و فرہاد صحت کے لئے آئے ہیں
 عجب آشفہ میں وحشت کے پامان ہیں (ص 73)

آرام صریح میں کو شام و سحر ہیں
 جس دن سے میں پاس وہ آرام ہر نہیں

سوا نہیں ہے جس میں سرا، ہے وہ سر کہاں
اور دل کہاں ہے جس میں ترا شور و شر آہیں

مذہب کر اٹھیں تو فریبد ایسی ہے کسی
شکوہ بیت ہے ان کی توجہ ادھر نہیں (ص 75)

لاٹا ہے جنگ کے کھیلے سامان شے شے
کوتا ہے قتل گیسو سلطان شے شے

کہ سوز کے گداز، کہے درد و گاہ غم
آتے ہیں دل کے خانہ میں مہماں شے شے

سلطان عشق سے مجھے انعام میں ملا
مہرا شے شے ہیں ہمایاں شے شے

اتنے نہیں فلک پہ ستارے زمیں پہ جس
جتنے ہوئے ہیں عاشق جاں شے شے (ص 105)

اپنی محفل سے اثنا نہ پار اپنے ہاتھ سے
مگر اس شہزادہ سر کو غوار اپنے ہاتھ سے

ہاتھ کیا رسم مستم ہے ہاتھ کیا طرز جفا
اپنا کر کے پھر دیا آزار اپنے ہاتھ سے (ص 133)

خواجہ صاحب کی اردو شاعری کا مجموعی تاثر فنی لحاظ سے نہیں موضوع کے اعتبار سے متعین

ہوتا ہے۔ جس فنی محاسب سے زیادہ آپ کے موضوع کی طرف دھیان دیا ہے تاہم ایک شاعر کی حیثیت سے
وہ شاعری کے فنی خوبی سے بے غار نہیں رہ سکتے تھے، اس لہجے کہیں کہیں ان فنی محاسب کا احساس
بھی ہوتا ہے، مثلاً اکثر اشعار میں روایت لفظی کا خیال رکھا ہے۔

فرقت میں پار کے درد دلخداں کی یاد میں
انکس سے چشم عالم گھوڑ بڑا دیا (ص 32)

میں مگر میں اشعار کہ ہیں مادہ وحشت
کبھی سر میں نہ سوا ترا سوا نہیں آتیا (ص 34)

طہر کے شور کی اور وادی اہلی کی قسم

(م 39) تیری مہدی میں بھی صبح بدھیا سجھا

رنگ لب دلدار سے شریفی ہوئی تلخی

(م 46) اور دیکھ کے حال اس کا فرہاد بہت روا

شکار الفاظ سے حسن پیدا کرنے کی کوشش بھی دکھائی دیتی ہے۔

ہر لحظہ تیری حسن کی سماں پہ قریاں

(م 71) اے جان مری جاں ہے تری جاں یہ قریاں

تشبیہ و استعارہ کا استعمال شہری تمیزات کے لئے فاکٹر عصر کی حیثیت رکھتا ہے زمانہ قدیم میں تشبیہ

کا زیادہ استعمال ہوتا تھا۔ زمانہ مابعد میں استعارہ کو اہمیت حاصل ہوئی اور آج استعارے کی ترقی

پافتہ صورت یعنی علامت کا استعمال عام ہے۔ خواجہ صاحب نے یہاں زیادہ تر تشبیہات کا استعمال ملتا ہے

اپنے گھر میں اب مجھے اس کا وطن یاد آ گیا

(م 31) گھا ہلکا ہو خزاں میں گل چمن یاد آ گیا

اس زلف مضطرب کی تاثیر دیکھیو

(م 32) اپنی مثال مجھ کو بھی مضطرب یاد آیا

تجد یہ ہے رنگ کا انعام مجھے داغ کا ختم

(س 37) باغ میں تجد سا نہ گل مجد سا نہ لالہ دیکھا

طہر کے شور کی اور وادی اہلی کی قسم

(م 39) تیری مہدی میں بھی صبح بدھیا ^{سجھا}

ودیت کا جسے ملاحظہ فرمائیے

لانا ہے جنگ کے کھلنے سماں کے شرے

کرتا ہے قتل گہرہ سلطان کے شرے

گد گد گدازہ کہے درد و گاہ قسم

آتے ہیں دل کے خاندہ میں مہیاں طرے شرے

سلطان عشق سے مجھے انعام میں ملا

عمر آدھے شرے میں بیاباں طرے شرے

اتنے نہیں فلک پہ ستارے زمیں پہ جس

(ص 105)

حتے ہوئے ہیں عاشق حاکم کے جس

بہن جگہ ظہیرات کا استعمال بھی ملتا ہے۔

حدا کے رنگ تیری نے کیا آتش بہت اپنا

(ص 81)

بدیہا کو شمع طور کو غورید تاپا کو

اور مغلوق ہے کیا بلکہ سلطان ہے مطلع

(ص 37)

میں نے شاید کد کہیں مار کا جھٹکا دیکھا

(حضرت سلطان کی انگشتی کی طرف اشارہ ہے۔)

لشک لب دلدار سے شہرہی ہوئے ظنی

(ص 46)

اور دیکھ کے حال اس کا فرہاد بہت رخصا

کھودا ہے اس کوہ کو میں نے تو خودی کے

(ص 34)

شاپاس مجھے بھی جو ہے فرہاد کو شاپاس

ہے کوہ طور اور وادی ایمن کے نور میں

(ص 78)

موسٰی میں مار میں بدیہا میں ہے عیاں

فرض خواجہ فرید کی اردو شاعری کے بارے میں یہ کلام کہتا ہے جا کہ ہو گا کہ اس میں مخطوطات کی کمی

نہیں۔ عقل و محبت اور اس کے مخطوطات، تصویق اور اس کے مسائل، حجاز اور حقیقت کا امتزاج اور زہدی

کے متنوع تجربات ان کے مخطوطات کا عیار قائم کرتے ہیں۔ البتہ ان کا اسلوب اور رنگ تغزل بہت عساری

نہیں ہے اور اس کے اسباب بالکل ظاہر ہیں کہ ایک تو اردو خواجہ صاحب کی مادری زبان نہ تھی پھر

بقول تاج الدوری

"ان کے دور میں لکھنؤ اور دہلی کے دیہات شاعری کے لیے اجالے بہاؤ پر

کے دور افتادہ صحرائے ادب تک اپنی پوری تازہ دہلی کے ساتھ نہیں پہنچ

سکے تھے۔"

اس لیے اگر اس کی اردو شاعری کا عیار بہت بلند نہیں ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

تاج الدوری نے درست لکھا ہے کہ

" اگر ہم تجزیہ و غنی مرکز سے دور، پہاڑیہ کی ادبی سنگلاخ اور علاقائی سطح پر اردو ادب کے ارتقائی عمل کی سست رفتاری کے حقائق کو سامنے رکھ کر قریب کی شاعری کا تجزیہ کریں تو ہمیں اس میں بھی ان کی انفرادیت و صلت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ " 1

منصوبہ کہ خواجہ فرید کی اردو شاعری کا شمار زیادہ بلند سطح پر ہوتا ہے۔۔۔ سر زمینِ ملتان اور اس کے گرد و نواح کے علاقے میں اردو زبان و ادب کی ترویج اور تدریجی ارتقاء میں اس کے تاریخی کردار سے انکار ممکن نہیں۔۔۔

بہایت اہم صوفیانہ کرام کے طائرہ جس کا تفصیلی ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے، مولوی محمد موسیٰ ہاک صدیقی، سلطان احمد خاں، سلطان عبدالحمید، شاہ علی مردان وغیرہ بھی سرزمینِ ملتان کے قابلِ ذکر صوفیاء میں سے ہیں۔ مولوی محمد موسیٰ ہاک صدیقی کا شمار حافظ محمد جمال کے غلام میں ہوتا ہے۔ طامع طالب نے مطابق " آپ کی بیعت حضرت خواجہ فرید دوازہ حادثہ محمد جمال اللہ ملتان سے ہوئی۔ " 2 آپ ایسے قابل، مشہور عالم تھے کہ جب آپ نے حضرت حافظ جمال سے بیعت کی تو وہ اس قدر خوش ہوئے کہ فرمایا

" میں مبارک باد کا قطعہ ہی کہ میرا مشکل ایک ہرگزیدہ و کامل انسان ہوا ہے۔ بقول دیگر فرمایا " میرے چنگ میں ایک شاہیں آ گیا ہے۔ " 3

حافظ جمال کے یہ شاہیں حافظ محمد حیات کے بیٹے اور شیخ عبداللہ نراقی کی اولاد میں سے تھے جو کہ خراسان سے ملتان آئے تھے اور بہاء الدین زکریا کی دامادی کا شرف حاصل کیا تھا۔ موسیٰ ہاک صدیقی 1196ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ علم و فضل میں بے مثال تھے۔ اس دور کی بیشتر علمی کتابیں آپ کو یاد

1- " مدد " دیوان خواجہ غلام فرید، ص 24

2- بحوالہ مضمون " حضرت عروائی کی اولاد " مطبوعہ تنویر، سالنامہ اگست ستمبر 1957ء، ص 78

3- بحوالہ " اویانِ ملتان " از بشیر حسین ناظم، ص 110

4- بحوالہ " اویانِ ملتان " از فرحت ملتان، ص 160

تھیں۔ علامہ طالق کے مطابق "مطابق"

"مطابق محمد موسیٰ ہاک حافظ کلام اللہ اور علم و فضل میں بیگانہ روزگار

تھے۔ نام و مقام کی مناسبت سے کلمہ اللہ لقب پایا۔" 1

حضرت موسیٰ ہاک نے حصول علم کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ آپ نے ملتان میں ایک

مسجد تعمیر کرائی جہاں سو کے قریب طلباء و علماء ہر وقت موجود رہتے تھے جنہیں یہاں کے لکڑ سے

ایک وقت کا کھانا بھی ملتا تھا۔ خواجہ موسیٰ ہاک پہلے نماز فجر کے بعد تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک خود ذکر

الہی میں مصروف رہتے اور اس کے بعد طلباء کو درس دیتے۔ جن میں مختلف کتب صوت اور تصویر شامل

ہوتیں۔ درس دیتے ہوئے خود آپ ہر بھی کیفیت و وسوسہ کی کیفیت ظاہری ہو جاتی۔ اس کے بعد رات تک

آپ کے معمول کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرحت ملتان لکھتے ہیں کہ

"آپ دھیر کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت کے مطابق

قیلولہ فرماتے اور نماز ظہر کے بعد ذکر الہی میں مشغول ہو جاتے۔ تلاوت

قرآن کریم، دلائل شریف، ختم خواجگان اور ولادت ما ثورہ آپ کے مصوات

میں شامل تھے۔ چھ فطرب کی نماز سے عشاء کی نماز تک آپ نوافل کے ذریعے

قرب الہی میں رہتے۔

عشاء کی نماز آدھی رات کے بعد ادا فرماتے اور گھر تشریف لے جاتے۔ معمولی

دیر کے لئے آرام فرماتے تہجد کے وقت دوبارہ مسجد میں آ جاتے اور نماز

تہجد ادا فرما کر ذکر الہی میں مشغول ہو جاتے۔" 2

دوسرے مولفہ کی طرح خواجہ موسیٰ ہاک بھی اپنے تمام کام اپنے ہاتھوں سے کرنے میں فخر

محسوس کرتے اور اس سلسلے میں ہزاروں شاگرد رکھتے ہوئے بھی آپ کسی کو تکلیف نہ دیتے۔ آپ کی درس

گاہ میں عام لوگوں سے لے کر امراء اور یہاں تک حاکم ملتان نواب مظفر خان شہید تک سبق پڑھتے آتے،

صر کمال خاں کے مطابق

"لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے علوم ظاہری کی تحصیل کی، آپ کے

درس میں جواب، شہزادے، امیر اور غریب طلباء سب شامل ہوتے تھے اور برابر

لیکن باب ہوتے تھے اور آپ کسی سے کوئی امتیاز رؤا نہ رکھتے تھے۔ علوم
ظاہری کے علاوہ آپ علوم باطنی سے بھی بے نیاز مالا مال تھے۔" 1

اولاد علی گیلانی لکھتے ہیں

"حضرت موسیٰ پاک صاحب کا علمی مشغلہ ابتداً تھا کہ ہمیشہ آپ کی خدمت
میں ستر آسے طلباء موجود رکھتے تھے۔ بسا اوقات تفسیر پڑھاتے وقت آپ ہر
وجد طاری ہو جاتا تھا۔" 2

نواب مظفر خاں شہید عقیدت کے طور پر آپ کو تعالٰف پہچوانا لیکن آپ خود انہیں کبھی اتصال نہ
کرتے بلکہ اگر کوئی میں تقسیم کر دیتے۔ آپ لوگوں کے مسائل سنتے اور شریعت معنوی کی روشنی میں ان کا
حل فرماتے کبھی خلاف شرع بات پر آپ نے غور نہیں فرمایا
خواجہ موسیٰ پاک صدیقی کو تصنیف و تالیف کے کامی سے بھی بہت دلچسپی تھی کہا جاتا
ہے کہ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں جنہیں ملتان پر سکھائی کے عہد میں حلا دیا گیا، اب
آپ کی کوئی کتاب دستیاب نہیں ہے۔

موسیٰ پاک صدیقی نے پچھتر (65) برس کی عمر میں 11 رجب المرجب 1261ھ میں وفات پائی
اور ملتان میں حسن آگاہی کے اندر محلہ کھانگراں میں آپ کا مزار ہے۔ قطعہ تاج وفات اس طرح ہے۔

جی شمع نامور ہر مویں موسیٰ	کہ فدۃ الطماہ پور صاحب عشق
ہوئے باز دہم پچھتر سے ز وجہ	ز شوق شاعر عشق ہرقت از دنیا
ہرور قرب خدا یافت حا کلیم صفت	دہم شاہ رسول شدہ بہ حق العادی
سرتو فیہ بہ سکسے ہوائے تافہش	ہرقت مویں آمد بطور قرب خدا

1- بحوالہ "نواب مظفر خاں شہید اور اس کا عہد" از سر کمال خاں، ص 284

2- بحوالہ "مربع ملتان" از سید اولاد علی گیلانی، ص 503

3- آپ کے سے وفات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سلطان احمد قتال بھی اہم بزرگ گزرے ہیں، جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اچے اہل علم و عرفان کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں دنیائے اسلام کی اہم شخصیات نے جنم لیا، خدمات انجام دیں اور پھر یہیں دفن ہوئے۔ اچے میں یہ سلسلہ سید جلال الدین سراج بخاری سے چلتا ہے جو 542ھ میں بخارا سے ملتان آئے۔ اور پھر اچے میں مستقل رہائش اختیار کر لی ان کے بعد ان کی اولاد نے علم و ہدایت کا یہ فیضان جاری رکھا اور یہاں سے نامور صوفیاء نے جنم لیا۔ جن کی خدمات کا اعتراف آج تک زمانہ گزرنے کے باوجود کیا جاتا ہے۔ انہیں صوفیاء میں دسویں صدی ہجری کے وسط میں ایک اور عظیم ہستی کا اضافہ ہوا ہے اور یہ شخصیت سلطان احمد قتال کی ہے۔ آپ سید جلال علی حسینی اویسی کی اولاد میں سے ہیں آپ نے اچے میں 948ھ میں سید علم الدین کے گھر میں جنم لیا۔ حکم جہد لکھتے ہیں

”بہر سلطان احمد معروف بہر قتال مہرقت اعلیٰ اس خاندان کا قوم سید حسینی

اولاد سید جلال اچے والے سے ہے۔“ 2

بہر سلطان احمد مادر زاد وطن تھے۔ آپ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جو کچھ متہ سے نکالتے تو برا ہو جاتا تھا۔ 3۔

آپ جوان ہوئے تو آپ کا زیادہ تر وقت قزاق کی صحبت میں بسر ہوئے لگا۔ 4۔ جہاں آپ ریاضت و مجاہدہ کرتے۔ انہیں سال کی عمر میں 970ھ میں آپ نے کپڑے میں بہر علی سرور سے بیعت کی۔ 5۔ اور آپ کا زیادہ تر وقت ان کی صحبت میں گزرنے لگا۔ بہر علی سرور نے آپ کی کرامت کے باعث آپ کو قتال کا لقب عطا کیا روایت بھی یہاں کی جاتی ہے کہ

”ایک دفعہ آپ کے پیروں پر سو رہے تھے کہ چڑھی نے جمع ہو کر غل مچا کر شروع

1۔ آپ کے من بعد ائمتہ میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

2۔ ”تواضع ملتان“ از لالہ حکم جہد، 1880ء، ص 92

3۔ اس بارے میں کئی روایات مشہور ہیں ملاحظہ فرمائیے (1) اوس ملتان از اکرام الحق، ص 68

(2) تواضع ملتان از حکم جہد، ص 92 (3) موقع مولتان، از اولاد علی گہاوی، ص 223-224 (4) اولیائے ملتان

از بشیر حسین ناظم، ص 101 (5) اولیائے ملتان از فروخت ملتان، ص 199-200

4۔ آپ کی ابتدائی تعظیم کا ذکر یہیں ملتا۔

5۔ (1) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، ص 100 (2) تواضع ملتان از حکم جہد، ص 92

کر دیا آپ نے یہ سجدہ کر کے چٹھوں کی جوں جوں آپ کے مرشد کے آرام میں مبتلا ہے حکم دیا کہ چٹھوا مر جاؤ۔ پھر وہ اس ارشاد کے سب چٹھاں مر گئیں۔ جب حضرت پیر صاحب بیدار ہوئے تو آپ نے یہ ماجرا دیکھ کر فرمایا کہ تم قتال ہو۔ اس دن سے آپ کا لقب قتال مشہور ہوا۔ " 1

آپ اپنے مرشد کے ہمراہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے اور واپس ہر بغداد، کربلائے معلیٰ اور بخارا سے ہوتے ہوئے ملتان آئے، حکم چھ کے مطابق

" ہمراہ مقدیم علی سرور حج کیا اور بعد زیارت بغداد شریف و کربلا و

مدینہ بخارا شریف کے ہنگام ملتان مزار شاہ رکن عالم میں جملہ کنی کری۔ " 2

پھر آپ اپنے مرشد کے حکم سے علی ہار کے منگ تشریف لے گئے اور وہاں کی دو اقوام لکھنویہ اور سلطانیہ آپ کے ہاتھوں بڑے مسلمان ہوئیں۔ 990ھ میں آپ ملتان کے نزدیک جلال پور میں مستقل رہائش اختیار کر لی اور وفات تک وہیں رہے۔ آپ نے 1041ھ میں بائیس (92) سال کی عمر میں وفات پائی۔ 3۔ وہیں جلال پور پیروالہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ پہلے آپ کا مزار کچا تھا پھر آپ کی اولاد نے آپ کا بختہ مزار بنوایا۔

آپ نے چچا کے گھر شادی کی جو سیت پور رہتے تھے۔ آپ کے دو بیٹے عالم پور اور شاہ اسماعیل تھے۔ —

سلطان عبدالحمید کا تعلق تحصیل کیروالہ کے صوفیاء میں ہوتا ہے۔ آپ کے والد شیخ غلام علی دہانی راجہ کے کتابے طبعہ کے نزدیک بستی لہوں میں رہتے تھے اور لوگوں کے کھڑے دھوئے اور رکنے کا کام کرتے تھے۔ عبدالحمید کو شروع ہی سے عبادت و ریاضت سے لگاؤ تھا اس لیے آپ اپنے والد کے کام میں مدد کرنے کی بجائے سارا وقت عبادت و ریاضت میں گزار دیتے تھے۔ آپ سے بھی کئی کرامات منسوب ہیں۔ کچھ مرحلہ آپ بستی لہوں میں رہے پھر موضع ملکا میں آ گئے پھر چک راجہ میں منتقل ہوئے وہاں مسجد اور

1۔ بحوالہ "موقع ملتان" از اولاد علی گیلانی، ص 223

2۔ بحوالہ "تاریخ ملتان" ص 92

3۔ آپ کے سے ولادت کی طرح سے وفات میں بھی کوئی اغلاط نہیں ہے۔

مکان تسمہ کلیہ۔ اور وہاں اپنے نام سے سنی آباد کی جو آج بھی تحصیل کبیروالہ میں واقع ہے۔ اکرام الحد نے آپ کے ایک لکھی نسخے کا ذکر کیا جو انہیں کہیں سے دستیاب ہوا ہے یہ آپ کے مرید صالح کا لکھا ہوا ہے فایس زبان کی مشق ہے جس میں تقریباً پندرہ سو اشعار ہیں اور آپ کے حالات زندگی درج ہیں۔ آپ کی والدہ مائی سپہراں ہیں جنہوں نے آپ کی تربیت کی۔ ان کے مطابق "سلطان عبدالحمید کو شروع سے ہی قرآن پڑھنے کا شوق تھا، کھیل کود کی طرف رغبت کم تھی جو ان ہوئے تو شریعت کے باوجود بھی یہ بھی رنگ بازی کا کام کرتے تھے۔ ایک روز ایک شخص گزری جو صاحب کشت علوم ہوئے تھے، انہوں نے اپنا نام جمال اللہ بتایا اور سلطان ابوبازار از اولاد مخدوم عبدالرشید سے رجوع کرنے کو کہا" 1

آپ کا سن سال 1145ھ بیان کیا جاتا ہے، آپ کے ملفوظات کو مولوی شاہ اللہ نے * ملفوظات حضرت سلطان عبدالحمید کے عنوان سے پنجاب میں منظر کیا ہے۔

اس طرح بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری کے بزرگی میں ایک اہم نام شاہ علی مردان کا بھی آتا ہے آپ کا تعلق مولانا کے سلسلہ اہلبیت سے تھا جو کہ حضرت اویس قرنی سے منسوب ہے۔ دراصل آپ کے مرشد خواجہ محمد مراد اویس کا شمار محکم الدین سیوانی کے خلفاء میں ہوتا ہے جن کا تعلق بہت سلسلہ اہلبیت سے تھا۔

مخدوم شاہ علی مردان 1196ھ میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مولانا حافظ علی مدد تھا جن کے جد ابا (دادا) فقیر عبدالقادر عراقی عرب سے مدد ملتان تشریف لائے تھے اور یہیں

- 1- بحوالہ "آرٹھ ملتان" ص 244
- 2- مطالعہ فوائد سلطان عبدالحمید "از مولوی شاہ اللہ مطبوعہ مظہر العلوم السلطانی عبدالحمید من اشاعت درج نہیں ہے۔
- 3- فرحت ملتان "اولیائے ملتان" ص 144 پر لکھتے ہیں کہ شاہ علی مردان نے محکم الدین سیوانی سے بہت حاصل کی تھی جو درجت نہیں ہے اسلئے کہ محکم الدین سیوانی کی وفات 6 ربیع الآخر 1188ھ میں ہوئی جبکہ آپ کا سن ولادت 1196ھ ہے۔ دراصل آپ کے مرشد خواجہ محمد مراد اویس نے محکم الدین سیوانی سے بہت کی تھی۔
- 4- بحوالہ "آرٹھ ملتان" از اکرام الحد ص 151 جبکہ فرحت ملتان "اولیائے ملتان" ص 143 میں آپ کا سن ولادت 1188ھ لکھتے ہیں اور سن وفات 1282ھ لکھتے ہوئے عمر 86 سال لکھتے ہیں، یہاں فرحت

رہائش اختیار کر لی تھی۔ مولانا حافظ علی مدد اندرون بھڑ گٹھ میں بازار کتب فروشان میں رہتے تھے۔ اور درس و تدریس سے وابستہ تھے۔ حافظ علی مدد نے اپنے بیٹے شاہ علی مردان کو خود تعلیم دی۔ ابتدا قرآن مجید سے کی اس کے بعد اعلیٰ دینی تعلیم دی۔ علم حاصل کرنے کے بعد شاہ علی مردان نے اپنے والد کی طرح درس و تدریس کا سلسلہ اپنایا اور بڑے بڑے خاندانوں کے لوگ آپ سے درس لیتے رہے ہیں۔ ان میں گیلانی، قزلباشی، پشاور اور گوردیازی خاندان کے لوگ شامل ہیں۔

شاہ علی مردان درس و تدریس کے سلسلے میں کچھ عرصہ کے لئے بہاولپور بھی تشریف لے گئے اور وہاں جامع مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر آپ دوبارہ ملتان تشریف لائے اور پھر سے درس دینا شروع کر دیا۔ آپ کے زمانے میں نواب مظفر خان شہید حاکم ملتان تھا جو خود بھی آپ کا ہمدردان تھا لیکن آپ امرام کی صحبت سے پرہیز کرتے تھے اس لئے آپ نے اس کے ساتھ بھی کوئی تعلق نہ رکھا اولاد علی گیلانی لکھتے ہیں کہ

"آپ مظفر خان عہد کے ایک بے نظیر عالم تھے۔ طالبان علم و ادب اکثاف عالم سے کشاں کشاں یہاں پہنچتے اور آپ سے تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس لیتے۔ ریاضت و معاهدات میں بھی آپ بے مثال تھے۔ آپ ہمتی اور بڑائی کی امداد کیا کرتے تھے۔"

اکرام الحق لکھتے ہیں کہ

"علیہ میں مشہور فقہ، حدیث و تفسیر کے مدرس تھے، ریاضت کے طور پر ہائی بھرتے اور بے غار رہتے۔ امرام سے اجتناب اور فرما سے صحبت کرتے تھے۔"

شاہ علی مردان نے 25 رجب المرجب 1282ھ میں وفات پائی آپ کا مزار چوک شہداء اور حرم گٹھ کے درمیان والی سڑک پر ہے۔

اولاد علی گیلانی اور اکرام الحق نے آپ سے ایک کتاب "لطائف سنیہ" منسوب کی ہے جو کہ غلط ہے

"لطائف سنیہ" محدثوں داحلی کی تصنیف ہے۔ شاہ علی مردان نے اس کی تصنیف کی ہے۔

- 1- "اولیائے ملتان" ص 229، سلف میل پبلی کیشنز، لاہور، طبع اول جنوری 1964ء
- 2- "ارس ملتان" ص 152، 3- آپ کے سر وفات میں کوئی عجیب غریب اغظاف نہیں ہے۔
- 4- "مدیختہ الاولیاء" از غلام سرور لاہوری، ص 208، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور

یہاں تک کہ صولہ کا ذکر کیا گیا ہے ان کی بدولت ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی

میں کیا اثرات مرتب ہوئے ان کا جائزہ ہم اگلے باب میں لیں گے۔۔۔

کتابیات (چوتھا باب)

نمبر شمار	محققین	کتاب	نیا شعرو سن اشاعت
۱	ارشاد طنائی	پریت مہار	ہوم ثقافت ملتان
۱	اکرام الحق شہج	ارشاد ملتان	تصنیف شعرو اشاعت الاکرام ملتان
۲	اللہ بخش خاں بلوچ ، مولوی	خاتم سلیمان	اسلم پریس لاہور ، ۱۳۲۵ھ
۱	امام الدین ، فقیر	نافع السالکین (فارسی)	مطبع مرتضوی دہلی ، ۱۳۱۰ھ / ۱۹۱۲ء
۵	امام بخش خواجہ ، مترجم صالح حبیب	گلشن اہرار اردو ترجمہ حدیقہ الاسرار	صدیقیہ پریس ، ملتان
۶	ایچ ۔ ایف ۔ فاروقی	فیصلہ مقدمہ دیوانی ، مقدمہ تہر ۱۰۶ ، ۱۹۱۱ء (خواجہ حامد و محمود)	یونین پرنٹنگ ورکس لدھیانہ ۱۹۱۳ء
۷	ایم سعید اللہ شاہ	بیر فرید	ناج بک ڈپو لاہور ، بار اول
۸	بدایونس عبد القادر	مختب انوار بیخ (جلد سوم)	ایشیا فک سوسائٹی کلکتہ
۹	پروہاروی ، عبد العزیز ، مترجم ناضی محمد بوخوردار	گلزار جمالیہ ، اردو ترجمہ انوار جمالیہ	اوا لفسانہ آگرہ ۱۳۲۵ھ
۱۰	پروہاروی ، عبد العزیز ، مترجم محمد اعظم سعیدی	انوار جمالیہ	سرائیکی اردو رائیٹرز گلڈ آف پاکستان کراچی
۱۱	جسکائی رنہی خاں	روح فرید	ہوم ثقافت ملتان بار اول ۱۹۷۷ء
۱۲	حنیف انور حق مولوی	ذکر کریم	مطبوعہ دہلی رجب المرجب ۱۳۵۲ھ
۱۳	حکم چند	نوار بیخ ملتان	اس کتاب کا ٹائٹل صفحہ غائب ہے اسلئے مطبع کا پتہ نہیں چلتا
۱۴	ثناء اللہ ، مولوی	ملفوظات حضرت سلطان عبد الحکیم	مطبع الفضلوم الہلانی عبد الحکیم
۱۵	رکن الدین	اشارات فریدی (فارسی) (پہلی جلد تا چوتھی جلد)	غید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ
۱۶	رکن الدین ، مترجم کیپٹن واحد بخش سیال	ظاہر العجالی	اسلامک بک ٹاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۹ء
۱۷	ساک عبد المجید	سلم ثقافت ہندوستان میں	ادارہ ثقافت اسلامہ ، لاہور طبع ۱۹۷۹ء
۱۸	سرور لاہوری غلام	حدیقہ الاولیاء	اسلامک بک ٹاؤنڈیشن ، لاہور

۱۹	سلیمان نجم الدین	مناقب الصوبین	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۹ء
۲۰	سلیمانی، نجم الدین	ایضاً	مطبع محمدی لاہور
۲۱	سیالوی، حسن الحق	مراثہ العاشقین (فارسی)	مصطفائی لاہور ۱۴۰۲ھ/۱۸۸۵ء
۲۲	سیالوی، حسن الحق	مراثہ العاشقین (اردو ترجمہ)	اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور
۲۳	شفیع عقیل	پنجابی کے پانچ قدیم شاعر	انجمن ترقی اردو کراچی، ہمارا اول ۱۹۷۰ء
۲۴	شہاب، منصور حسن	خطہ پاک اوچ	اردو اکیڈمی، ہاولپور طبع اول ۱۹۷۷ء
۲۵	شہاب، منصور حسن	اولیائے ہاولپور	اردو اکیڈمی، ہاولپور بار دوم
۲۶	شہاب، منصور حسن	خواجہ غلام فرید حیات و شاعری	جدیدہ پریس لاہور
۲۷	شہزادہ محمد اختر	مناقب فریدی	مطبع احمد دہلی
۲۸	سالح محمد، مولوی	سیرت سلیمان	مطبوعہ لاہور ۱۹۴۵ء
۲۹	سالح محمد، مولوی	حیات سلیمان تونسوی	پشتہ کینا ب گھر لاہور ۱۹۵۲ء (حصہ اول)
۳۰	صدیق طاہر (مرتب)	دیوان فرید (اردو)	اردو اکیڈمی، ہاولپور
۳۱	طاہر تونسوی ڈاکٹر	ملتان میں اردو شاعری	سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۸۵ء
۳۲	عبد الجبار (مرتب)	انتخاب مناقب سلیمانیہ	حیدرہ شمیم پریس لاہور ۱۴۲۵ھ
۳۳	عبد الحق میر ڈاکٹر	فرید لسانی تحقیقات	سراشیکی ادبی بورڈ ملتان ہمارا اول ۱۹۸۵ء
۳۴	عبد الحق میر، ڈاکٹر	نور جمال	سراشیکی ادبی بورڈ ملتان ۱۹۷۲ء
۳۵	عبد اللہ ملتانی، مولانا	سیر دلیران (فارسی)	نہیں عام پریس لاہور، ماہ صفحہ ۱۳۲۲ھ
۳۶	ایضاً (مترجم واحد علی سیال)	سر دلیران (اردو ترجمہ)	سونی فاؤنڈیشن، ہاولپور طبع اول ۱۴۰۰ھ
۳۷	عبد الحق ندوی، سید	نرمختہ الخواطر جلد ششم	دائرہ المعارف حیدر آباد دکن
۳۸	صغیر الرحمن، مولوی (مرتب)	"دیوان فرید" (مقدمہ)	مقدمہ از علامہ نسیم طالب
۳۹	سر کمال خان	نواب مظفر خان شہید اور فاروق کتب خانہ ملتان	اس کا عہد

۲۰	غلام محمد خان	ضابطہ سلیمانی (فارسی)	در مطبع احمدی دہلی ۱۲۸۸ھ
۲۱	غلام فرید • خواجہ	ضابطہ محبوبیہ	انجمن فکر فرید کوٹ مٹھن • اول مار ۱۹۸۳ھ
۲۲	غلام فرید • خواجہ	خواند فریدیہ (فارسی)	مطبع محمدی مجتہاں لاہور ۱۳۱۲ھ
۲۳	ایضاً	دیوان فرید (اردو) ۱۸۸۲ھ	در مطبع قادری لاہور
۲۴	ایضاً	ایضاً ۱۸۸۳ھ	اسلامیہ سٹیم پریس لاہور
۲۵	ایضاً	ایضاً ۱۸۸۴ھ	مطبع گلزار الہی گلزار محمد
۲۶	ایضاً	ایضاً	مکتبہ اویسیہ • بہاولپور
۲۷	غلام نثار الہ بن خواجہ	دیوان احمدی	مکتبہ الجمال • جہانیاں منڈی خانیوال
۲۸	فرحت ملتان	اولیاء ملتان	مکتبہ تنویر ادب • ملتان مارس ۱۹۸۲ھ
۲۹	فریدی نور احمد •	"دیوان فریدی" (حصہ اول و دوم)	قصر الادب ملتان
۵۰	فقیر اللہ	تحفہ فقیر (مسمیٰ بہ ہمد یہ فقیر)	مطبع محمد • لاہور
۵۱	فیض اللہ خان قصوری	مقدمہ تونسہ شریف	ایضاً
۵۲	فاضل جاوید	پیرا پیرا کہ سنو رینڈم	شیخ غلام علی ایڈمنسٹریٹو • طبع اول ۱۹۷۹ھ
۵۳	ایضاً	برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء	بک ٹریڈرز • لاہور • طبع اول ۱۹۷۷ھ
۵۴	فریش عبد الغفور	پنجابیں ادب دی کہانی	لاہور ۱۹۵۶ھ
۵۵	گیلیں جلم پوری	سرائیکی عناصری	سید الہی ٹرک پریس ملتان ۱۹۶۹ھ
۵۶	کشیہ لعلی	ناریس پنجاب	سنگ میل پبلی کیشنز • لاہور
۵۷	گر محمد احمد پوری خواجہ	تکلم سیر الاولیاء (فارسی)	نولکشمور کانپور
۵۸	گر محمد احمد پوری خواجہ	تکلم سیر الاولیاء	مکتبہ الہام • بہاولپور
	مترجم مسعود حسن شہاب		
۵۹	گیلانی • اولاد علی	اولیاء ملتان	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۶۳ھ
۶۰	ایضاً	مرقع مولانا	سیکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان - ۱۹۳۸ھ میں شائع ہوئی -
۶۱	گیلانی • سرالدین	ارمغان اویسہ	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور ۱۹۶۶ھ

۶۷ گیلانی، موسیٰ پاک نجیبہ تہسیر النافطین مطبع فیروز پور ۱۳۰۶ء

۶۸ لنگر، اہل ولیم انسانیٹکو پیٹہ یا تاریخ عالم لاہور ۱۹۶۱ء
ترجمہ (اسلام رسالہ)

۶۹ محدث دہلوی، عبدالحق اخبار النافطین اسرار الابرار در مطبع مجتبائی دہلی

۷۰ مفتی علی الدین خٹک مفتی قصور عارفان (فارسی) جلد دوم پنجابیں اکیڈمی لاہور
غیر الدین

۷۱ محمد اکرم، مسیح رود کوثر ادارہ ثقافت اسلامیہ، ستویں بار
۱۹۷۱ء

۷۲ محمد الیاس نیسر غیر الیاد قصور الادب غیر پور خامیوالی (پہلا بار)

۷۳ محمد الدین ذکر حبیب مطبوعہ لاہور ۱۳۲۲ء

۷۴ محمد انور فیروز گوہر تب چراغ کبوتر آرت پرنٹنگ ورکس لاہور،
بار اول ۱۹۱۱ء

۷۵ محمد بشیر اختر نذر فرید نقوش پریس لاہور

۷۶ محمد حسین للمی ڈاکٹر خواجہ محمد سلیمان تونسوی اسلامک بک ٹاؤنڈیشن، لاہور
یورپان کے خلفاء

۷۷ ایضاً تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان شجاع ادب لاہور بار اول
تونسوی اردو ترجمہ نافع السالکین

۷۸ محمد سلیم جمالی، مشہور زادہ ظہور جمال جمال ٹائمیری، ملتان

۷۹ محمد شفیع، مولوی مقالات دینی و ملی (جلد اول) فردوز پرنٹنگ پریس لاہور

۸۰ محمد عبدالحکیم شری قادیانی تذکرہ اکابر اہل سنت مکتبہ قادیانیہ لاہور

۸۱ ناظم بشیر حسین اولیا نے ملتان سنک میل پبلیکیشنز، لاہور

۸۲ نظامی، غلیق احمد تاریخ مشائخ چشت دارالمصنفین اسلام آباد

۸۳ تحفۃ الابرار (جدول خاص) مطبع رضوی دہلی

اخیر

۸۴ عبدالحق میر، ڈاکٹر ملتان کے اسلام دور حکومت

کے انحصار میں چار عظیم شخصیتیں

۸۵ امیر ملتان میر جون ۱۹۷۸ء

۸۰	محمد انبال حامی	حضرت مفتی غلام حسن شہید رحمۃ اللہ علیہ	امروز ۲ اکتوبر ۱۹۸۲ء
۸۱	نور احمد نریدی	حافظ محمد جمال الدین موس ہار شہید	امروز (غیر ایڈیشن) ۲ جون ۱۹۸۲ء

رسالہ

۸۲	نسیم طالبوٹ طلسمہ	"حضرت مرانی کی اولاد"	"تتویر" ملتان سالنامہ البت سنہ ۱۹۵۷ء
----	-------------------	-----------------------	---

غیر مطبوعہ

۸۳	سید الحق ، ڈاکٹر	پیام نریدہ
۸۴	یاسین قریشی	خواجہ غلام نریدہ کی اردو شاعری

قلمی نسخہ (چونہا باب)

۸۵	امام الدین ، مولانا (موتب)	فاتح السالکین (فارسی) ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی -
۸۶	احمد ہار ، حافظ (مولفہ)	مضرب ملفوظ شریف حضرت خواجہ سلیمان تونسوی (فارسی)
۸۷	یار محمد بن تاج چشتی (موتب)	گلشن ابرار (فارسی)
۸۸	امام بخش ، خواجہ	
۸۹	درویش تونسوی ، میاں	مضرب سلیمان (فارسی) یہ کتاب مضرب ملفوظ شریف کر حاشیہ پر لکھی گئی ہے
۹۰	رکن الدین ، مولوی	اشارات نریدی (حصہ پنجم) فارسی ، ملفوظات خواجہ غلام نریدہ
۹۱	زاہد شاہ شہش مخدوم (سید)	اسرار الکمالیہ (فارسی) ، ملفوظات حافظ محمد جمال ملتان
۹۲	سید القرضاوی (سید) خلیفہ محمد امین (کاتب)	بحر المرکز (فارسی)

در تصرف خواجه خدا بخش (سرائیکی منظوم)

انوار جمالیہ (فارسی) سوانح عصری حافظ
محمد بیار ملتان

دیوان حسن (فارسی)

نور الہدایت (شعری فارسی)

رسالہ نور الہدیٰ (فارسی)

کلیات الانصاف (عربی)

دیوان مرقعات (اردو، سرائیکی، ہندی اور
پنجابی زبان میں مختلف عصری اصناف)

خلاصہ الفوائد مختلف بر حالات خواجه نور محمد
مباروی ۲ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ

تذکرہ حضرت محبوب ذوالفقار ۱۳۱۰ھ

نورہ قسم، در بیان سقر بیت اللہ شریف و مدینہ
(سرائیکی) ۱۳۰۱ھ

مقابہ نغمہ مختلف بر حالات خواجه نور الدین
دہلی ۱۲۹۳ھ

المنشعب مملووظ فارسی کتابت ۱۲ مجرم ۱۳۱۶ھ

انوار سلیمانہ (فارسی) (یہ دونوں "منتخب
مملووظ شریف" کے قلمی نسخے ہیں صرف کتاب
مختلف ہیں)

عبد الفتوح انصاری، مولوی
المنظر عبد اللہ

غلام حسن شہید، ضعی

ایضاً

ایضاً

ایضاً

ایضاً

ایضاً

غلام نور الدین تونسوی
مولانا حکیم محمد میر بخش (مترجم)

یار محمد خلیفہ غلام حسن شہید

نصیر محمد عارف

نظم الطک

یار محمد بن ناچ محمد (مترجم)
احمد الدین (کاتب)

یار محمد بن ناچ محمد (کاتب)

بیان غلام محمد ولد حافظ محمد بخاری

B I B L I O G R A P H Y .

- 1- C. Shackel "Nure-Jamal"
Baz-me-Saqafat, Multan.
- 2- C. Shackel "The Legend of Shwaja Farid"
Baz-me-Saqafat, Multan.
- 3- Translated by Aslam Ansari/Gilani Kamran "Kafees"
Baz-me-Saqafat Multan --- First Edition: 1969.
- 4- Nazir Ali Shah "Farid"
Urdu Academy Bahawalpur.

باب پنجم

ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں سو فیاد کا حصہ (مجموعی جائزہ)

- (الف) ملتان کے فنون لطیفہ و مطبوعات پر سو فیاد کے اثرات
- (ب) ملتان کی تنظیمیں • تدریس اور علمی زندگی پر سو فیاد کے اثرات
- (ج) ملتان کی ادبی اور تہذیبی زندگی پر سو فیاد کے اثرات کا مجموعی جائزہ

ملتان کی ادبی اور تہذیبی زندگی میں صوفیانے کرام کا حصہ
.....

(الف) ملتان کے فنی لطیفہ و طہدہ ہر صوفیاد کے اثرات کا جائزہ
.....

سر زمین ملتان کو قرن ہا قرن سے اصالی تہذیب و طاشرت کے حامل قدیم ترین شہری اور
خطی ہر جو فطرت حاصل رہی ہے۔ اس کا سبب محض اس کی قدامت یا باہلہ، ٹینا اور موعودہ ڈارو
کی ہم عصری یا عصری نہیں بلکہ اس کا یہ شرف ان صوفیاد اور اولیائے کرام کی بدولت قائم ہوا جسکی
نے اس سرزمین کو اپنا مستقل ستر بنایا اور یہاں رشد و ہدایت، علم و عرفان، تعلیم و تحکم اور فلسفہ
و تصوف کے بیج پونے بلکہ تہذیب و ثقافت اور ادب و شعر میں مثبت اور تعمیری رقی کو بھی عام کیا۔
اور ملتان کے کاج و کوہ، قلعہ کہنہ (موجودہ قاسم باغ) اور قدیم اسلوب تعمیر کی حامل عمارتوں، خانقاہوں
اور مسجدوں کے نیچے مدینہ اور قریوں کی تہذیبیں چٹا ہیاں دیسی ہوئی ہیں۔ جملہ فنی لطیفہ و طہدہ
کی نشو و نما اور ملتان میں از سہ قدیم سے تہذیب و ثقافت کے ارتقاء کا حصہ رہی ہے۔ فن تعمیر،
شاعری، موسیقی، ادب، مصوری، سٹک تراشی، کاشی کاری، خطاطی، جلد سازی، طب و حکمت، قالین بافی
طیوت سازی، ٹٹائی اور دیگر فنی کے لحاظ سے ملتان دنیا کے کسی بھی شہر سے پیچھے نہیں رہا۔
ارتقاء کا صل کسی انتظامی یا لمحات حادثے کا مرہون مت نہیں ہوتا بلکہ اس میں مدینہ کے اصالی
تجربات شامل ہوتے ہیں۔ اصالی سچ، اصالی صحت اور اصالی ساس کا ثمرہ جہاں روایات کو جنم دینا
ہے جہاں امکانات کو بھی مشتق کرتا ہے۔ ابتدائی اصالیوں نے جو ورثہ آئندہ صل کو منتقل کیا آنے والی
نے اس سے استفادے کے بعد اس میں اضافہ کیا۔ نئے آفاق طاقان کے اور پھر اس روایت میں نئی روایت کو تخلیق
کرنے کے عظیم مستعد کی طرح ڈالو۔

فنی لطیفہ ہی یا مفیدہ — اس کی ابتداء افراد و سطح پر ہوئی کسی ایک اہل نے ایک

چند ایہاد ہی لیکن اس کی اختراع نے انسانی زندگی کو نئے امکانات سے روشناس کرایا اور پھر احتیاطی

سطح کی صحت و ریاضت نہ اسے ایک ایسے ورثے میں تبدیل کر دیا جس نے اجتماعی زندگی کی ہر قسم سے

اضافہ کیا۔ سلطان میں تہذیب و ثقافت اور ادب و فن کی ترویج کا سہرا زیادہ تر صوفیائے کرام اور اولیائے

مظاہر کے سر جاتا ہے کہ کہیں کوئی نہ شامکے اور شمس کے اصنام ہی جو بنیاد ڈالی وہ ان کے

ادراک جمال اور تشکیل جمال کے سلسلے کی کاروشی کا تصور تھا۔ ان شعبوں کے پیچھے صوفیاء کے عقائد و

محرمات اور اظہارات کی توانائیاں بھی موجود تھیں اور ان کے تہذیبی مزاج اور داخلی واردات کی قوت

بھی۔۔۔ لفظی لطیفہ ہی یا مفید۔۔۔ ان میں افراد اور اقوام کے تھذیبی رویے، مذہبی عقائد،

زہنی و قلبی واردات اور نسلی خصائص کی جھلک موجود ہوتی ہے۔ سلطان میں فنون لطیفہ و سفید مچے

ارتقاء پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فنون کو تہذیبی اور ثقافتی ورثہ بنانے میں ان موزکوں

کا بڑا شائق ہے۔ جس کے احاطہ عرفاں سے لوگوں کے قلب و ضمیر ^{پر} ہونے اور پھر انہی نے بھی عقیدت

و محبت کے پھول بچھا کر مرنے کے لئے اظہار کے طے طے وسیعے اختیار کئے۔ کہیں شعر و ادب کو وسیلہ بنایا

کبھی صارتی کی تصویر میں عقیدت کا اظہار کیا کبھی خطابی اور کاشی مری کے ذریعے ان کی ترقیوں اور

آرائش کی۔ کبھی صوفیاء کے ملفوظات کو محفوظ رکھنے کی خاطر خطاطی کے جوہر دکھائے ، پھر ان مقدس

صلوات کو مقصد و مقور کیا۔ کہیں سماج کی وحد اور مجلس سجاوین کہیں ان مویاد کی تعلیمات کو فام

کرنے کے لئے مدد سے اور مطلب قائم کئے۔۔۔ اور یہی ہمارے بیشتر ادبی، تہذیبی اور ثقافتی ورثے کا

محرم صوفیائے کرام کا وجود معبود ہی بنا۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ سب سے پہلے ہم فن تعمیر کا

تاہم، جائزہ لیتے ہیں۔

1- في قاعة

کسی بھی قوم کا یہ تصور اس کی ہاشور، ثقافتی اور مذہبی ضرورتی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

مذہب نے ہی تصور کو بہت متاثر کیا ہے۔ مذہب نے عبادت کا تصور دیا جس سے عبادت خانہ وجود میں

آج جو اس مذہب کے عقائد کے مطابق تصویر کئے گئے - فن تصویر پر اسلام کی گہری چھاپ ہے۔ مساجد اور خانقاہیں مسلم فن تصویر کے عظیم مظاہر ہیں۔ مسلم فن تصویر کے بارے میں ڈاکٹر سید احمد علی لکھتے ہیں

"رومانی اعتبار سے اسلامی تہذیب و تمدن کی نشو و نما اپنے علاقوں میں ہوئی تھی جہاں بڑے اور گہنے جنگل نام کو بھی نہ تھے وہاں وسیع و عریض ریگستانی اور صاف پتھر زمین کے ہوتے ہوئے بھی ہر چیز بڑی صاف اور واضح دکھائی پڑتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم فن تصویر میں صفائی، مستحرائی، جمع گہریت، اخلاق کی عمدگی اور ساخت کی عظمت صاف دکھائی پڑتی ہے۔ اسلامی سالک میں بہت مضبوط عمارتی لکڑی بھی زیادہ حاصل نہیں ہو پاتی تھی اور کئی علاقوں میں تو بڑے بڑے پتھر بھی حاصل نہیں ہو پاتے تھے۔ ان تمام خامیوں کے باوجود اسلام کی اجتماعی عمارت، مساوات جیسی صفات کی وجہ سے عمارت کافی وسیع رہی جو تصویر کے لئے منتخب کرتے تھے جن میں بڑے بڑے صحن، معراب، دالان، گول گنبد وغیرہ بظاہر پڑتے ہیں۔

عرب کے مسلمان ہو جانے کے بعد وہاں کی تمام ثقافتی چیزیں کو قرآن کی روشنی میں اسلامی رنگ میں رنگ لیا گیا۔ اس کے بعد اسلام کی اشاعت جہاں جہاں ہوئی، وہاں وہاں رسوم کو اسلامی آدرشی کے مطابق ڈھال کر مسلم ثقافت کو ترقی دی گئی۔ مسلم فن تصویر/کھس تو فرطاطہ کے قصر الزہراء اور قصر احمد، کہیں بغداد کے قصر آمین اور قصر زبیدہ کے طرز تصویر کو اسلامی آدرشی پر ڈھال کر اختیار کیا، کہیں ایرانی ہشت پہلو طرز تصویر کو اپنایا، کہیں سارسک، سریانی اثرات کو قبول کیا۔ اس طرح اسپرٹا، ہلوتیا، مصر، یونان، روم، باطین، بغداد، ایران وغیرہ جہاں جہاں بھی اسلام کی روحانیت کی اشاعت ہوئی، مسلمانوں نے اسلامی روشنی میں ڈھال کر وہاں کی ثقافت اور فن کو اختیار کر لیا۔" 1

محولہ بابا اقتباس میں مسلم فن تصویر کی چند مجموعی اور امتیازی خصوصیات کا تذکرہ ہے جن میں صفائی، جمع گہریت، ساخت کی عظمت، صحن کی فراخی، دالان، گول گنبد وغیرہ نمایاں ہیں۔ اس اقتباس

1۔ "عصر ادب کے بھگتی کال پر مسلم ثقافت کے اثرات" صفحہ ڈاکٹر سید احمد علی ترجمہ ڈاکٹر ماجدہ احمد، ص 239 تا 240، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، پہلا ایڈیشن، 1979ء

سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم کی تصویر نے دیگر تہذیبی کے کی تصویر سے بھی اثر قبول کیا ہے۔
جب مسلمان برصغیر ہندو پاک میں آئے تو اپنا کی تصویر بھی ساتھ لائے۔ انہی نے مقام کی
تصویر سے بھی استفادہ کیا لیکن اسلامی خصوصیات کو برقرار رکھا۔ دونی طرز ہائے تصویر میں واضح
فرق موجود ہے، اکثر اشتباہ حسن قریبی لکھتے ہیں

”اسلامی اور ہندو کی تصویر میں یہ صرف صورت اعتبار سے فرق ہے بلکہ
مقنوں اعتبار سے بھی اختلافات ہیں اور دونی میں تصویر کے طبعہ طبعہ
طریقے بھی پہنچ گئے ہیں..... مسلمانوں اور ہندو کی مختلف مذہبی
و معاشرتی رسوم، عادات ان حالات کے مطالعہ سے جن کے ماتحت وہ زندگی بسر
کرتے تھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونی کے طرز تصویر کا ایک دوسرے سے
مختلف ہونا لازمی تھا۔ مسلمان جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے ان کا
طریقہ عبارت بالکل سادہ تھا وہ خدا کو ہستی کے سوا کچھ نہیں دیکھنے کے
قائل نہ تھے۔ پادری اور پڑوسی کی طرح ان کے کوئی بیٹہ و مذہبی
پیشوا نہ تھے اور نہ وہ پراسرار تھا جن جو ایسے مذہبی لوگوں کے گرد
بہدا ہو جاتی تھے۔ مسلمان مردوں کو دفن کرنے کے عہدہ تھے ان میں قریبی
پر بااقتدار مقرر بطور مادگار تصویر کرنے کا رواج قائم ہو چکا تھا.....
طریقہ تصویر میں ایک اور فرق یہ تھا کہ ہندو عمارت کو جوڑنے والے مصالح
مثلاً چونے کا استعمال نہیں کرتے تھے اس کے برخلاف مسلمانوں کی عمارتوں
میں جوٹا بکثرت استعمال ہوتا..... مسلمانوں کی مسجد کھلی اور وسیع
اور نماز باجماعت کے لئے بڑے بڑے دالانوں پر مشتمل ہوتی تھی اس کے برعکس
ہندو کی عمارتوں میں صرف دیوتا کی صورت کے لئے ایک چھوٹا کمرہ ہوتا تھا
جس تک پہنچنے کے لئے ایک طویل تک و تاریک گزرگاہ ہوتی تھی.....
ہندو اپنی عمارتوں کو سانپوں میں ڈھلی ہوئی موتی وغیرہ سے آراستہ
کیا کرتے تھے اور مسلمانوں کے خطوط، ابھرواتی ظاہر اور خطاطی سے آرائش
زیادہ طبیعتی اور ہرکار ہوتی تھیں لیکن مسلمان اپنی آرائشی میں بہت
اعتدال سے کام لیتے تھے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں نے بعض فنی شے چیزیں بھی داخل کیں مثلاً

مینار اور منار، گنبد کا کروی مشن، ڈاٹ دار محرابیں، آئینے، مرقع اور

صف گنبد والے دوہیں پھاٹک وغیرہ ہیں اوقات وہ اپنی صارتی پرھائی اور
 طلاکاری بھی کرنے لگے اور کبھی بڑھتی دھکی سے پیدا کرنے اور تصویر
 خصوصیات کو نمایاں کرنے کے مختلف دھکی کے پتھر بھی کام میں لاتے تھے۔
 ہند میں انھی نے پتھر کاری کا استعمال کیا جس نے ترقی کر کے شکستہ کاری کی
 شکل اختیار کی۔ سلطان کاشی کار ایشیہ ہند اور ہند کاری کی صنعتیں
 بھی اپنے ساتھ لائے تھے لیکن انھی نے خاکہ کی شان و شوکت، عظمت کی
 دلچسپی اور خط شکنی پر زور دیا۔ جو ان تمام لوازمات سے زیادہ موثر ثابت
 ہوا۔ انھی نے غلطی کے بھی دغم کھانے مڑھلی کی مسحور کی خصوصیت
 سے فن تصویر کو چار چاند لگا دیے۔ " ؟

مذکورہ اقتباسات میں حصہ اور اسلامی طرز تصویر میں واضح فرق بیان کیا گیا ہے۔ یہ فرق اس لئے بھی
 ناگزیر تھا کہ دونی قومی کی طرز مٹاشوں اور مقامات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ البتہ مسلمانوں نے
 جہاں مقامی طرز تصویر سے فائدہ اٹھایا وہاں برعکس کے فن تصویر پر گہرا اثر بھی چھڑا۔ فن تصویر
 کی بیشتر مروجہ اصطلاحات کا عربی اور فارسی سے تعلق ہے جو یہاں کی زبانوں میں کھپ گئی ہیں۔
 مثلاً "راج" "نقش" "ستری" "بارہ" "دوری" "دالان" "خلعہ" "بالخاند" "دیوان خانہ" "قلعہ" "مقبرہ" "مصل" وغیرہ مسجد
 اور خانقاہ مسلم فن تصویر کے دو بڑے مظاہر ہیں۔ ملتان کی سر زمین میں ان دونوں میں فن تصویر کے
 نامور صحنہ موجود ہیں۔ ملتان میں فن تصویر میں جدت اور اختراع کا آثار بھی مولیاء کی آمد کے بعد
 ہوا۔ لوگوں نے از راہ عقیدت مقبری اور مزاروں کی تصویر میں خوبی فکر کی نمود پیدا کی۔ خانقاہی اور
 ساجد و مدارس کی تصویر نے سلسلے میں کاشی کاری کا فن چمکا دیکر اور دلچسپ نقش و نگار سے مٹیں
 کاشی سلسلے میں دور میں خصوصاً مقبول ہوئیں۔ کاشی کاری کے خانقاہی ملتان میں اب بھی موجود ہیں۔
 اور انھیں یہ فن ورثے میں ملتا ہے اب ہم ذیل میں فن تصویر کے کچھ نمونوں کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

مسجد ساجد

مسجد مسلم فن تصویر کی آئینہ دار ہے۔ یہ گنبد، محراب، دالان اور عیناری پر مشتمل صحن

ہے جسے آیات کی خطاطی، نقاشی، کاشی کاری سے مزین کیا جاتا ہے۔ قدیم ساجد میں چھوٹی ایشیہ

۱۔ بحوالہ سیدیں پاکستانی ادب چوتھی جلد، فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج راولپنڈی، فروری 1982ء، ص 290

استعمال کی گئی ہیں۔ چھبیس سال سے جوڑا گیا ہے۔ پتھر کی سلیں بھی استعمال کی گئی ہیں۔
مسجد کا طرز تعمیر پرشکوہ اور مقدس ہوتا ہے۔

- (1) ملتان میں سب سے پہلے حمید محمد بن قاسم نے دو مسجدیں تعمیر کرائیں۔ ایک قلعہ کبھہ پر جسے جلم بن شہاں جو اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ بنو امیہ کی یادگار مسجد کو ہٹ کر ڈالا۔
ہند میں محمود غزنوی نے جلم بن شہاں کی بنوائی ہوئی مسجد کو ہٹ کر قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو دوبارہ آباد کیا۔ آخر کار اسماعیلی نے اسے منہدم کرا دیا۔ دوسری مسجد ادریس/ملتان بنوائی جو آج بھی جوڑی سرائے میں غصتہ حالت میں موجود ہے۔
(2) مسجد بنی محمد خان --- یہ مسجد شہر کے وسط میں بنی چوک بازار میں واقع ہے اسے

1758ء میں ملتان کے والی علی محمد خان نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ ایک اونچے چبوترے پر واقع ہے اور اس کے پیچھے چاروں طرف دکانیں ہیں جن کا محول گزایہ وصول ہوتا ہے۔ اس کی دیواریں ہر وقت و نگار بنائے گئے ہیں اور قرآنی آیات اور اساتذہ تعالیٰ لکھے گئے ہیں۔ چھت لکڑی کی ہے۔ جس پر نقاشی کا کام کیا گیا ہے۔ منبر و محراب سنگ مرمر کے ہیں۔ صحن کے وسط میں بڑا سا تالاب ہے جو وضو کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اس کا "دالان صارت ادریس 17 فٹ چوڑا اور 44 فٹ لمبا ہے۔" 2 یہ صارت بقول سید اولاد علی گیلانی "اس علاقہ کی صنعت کاشی کڑی کا بہت سی صورت ہے۔" 3 مسجد کے دیوانے پر یہ اشعار درج ہیں

بفضل ایزد و لطف فی آخر زمان	یہ ہیں حضرت جیلانی وفات میر دو جہاں
یہ حائے شہقت بازار ہجر ہزم و فساد	کہ بد چبوترہ دار حرم و ظلم صباں
بنائے مسجد و حمام جاء ^{حسن} صعب	ساعت ہجر بازار شاطم ملتان
ہوائے بنائے زخیم ہائے گفت	مسجد عالی علی محمد خان

مدرجہ ذیل اشعار بھی مسجد میں درج ہیں

زہے صارت عالی مسجد ملتان	کہ کردہ بود بنائے علی محمد خان
کشید ہجر بازار یا دوسرے اقبال	لواہ دیں نہیں ہم جو آفتاب صباں

- 1- تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "تاریخ سندھ" از اصحاب الحق قادیانہ
2- بحوالہ "ارن ملتان" از شیخ اکرام الحق ص 171، مطبوعہ از شعبہ شہو اشاعت "الاکرام" ملتان
3- بحوالہ "موقع ملتان" ص 230

بہارِ درختِ سنگھان بہ سالِ سی و چہار
ظہورِ نورِ جہیں رہا ہندازِ ہندش
اسیر و بہد کہ عی کرد ماہ و سالِ فغان
کہ گشتہ است ظہورِ ز نورِ کون و مکان
بہ ریتہ عا دستی ہارِ شکستہ دالان
پس از شکستِ سنگھان تیار شد از نو
تیاقتِ ہمہ ستارہ ز ظلمتِ سنگھان
چو کرد نورِ محمد کشادہ از ہندش

ان اشعار میں محمد کی تاریخِ تعمیر بھی درج ہے۔ مگر یہی کی شکست کے بعد اسے دوبارہ آراستہ کیا گیا تھا۔

(3) ماری/سبز صمد --- رضی امینی سے نسخہ کردہ یہ عبارت کوئلہ تولیہ خان (تخلیق خان) میں واقع ہے۔ عبارت خاصی بلند ہے اندر دیواری پر یہ اشعار لکھے گئے ہیں۔

حجرِ خوار از مے گیار بہ است
کہ غم دیدہ را آہ و زاری بہ است
ہما طربا از طرب بگذریم
ز چنگِ طرب تیار ہماست گنجیت
ز چنگِ اجل جی شاید گنجیت
ز چنگِ طرب ط رہا ہر قدم
شہد جی احوال گیتی تمام
بجز حق متہ دل بکس والسلام

(4) صمد بھل عثمانوالی --- صمد ولی محمد خان سے شمال حسین آگاہی کی طرف ذرا آگے بڑھیں تو ہائیں جاف ایک اونچی صمد ہے جو صمد بھل عثمانوالی کہلاتی ہے کہا گیا جاتا ہے کہ اس کی تصویر کے لئے فرج سہر تاجدار عبد الستار (14-1713ء) نے اسے ہزار روپے دیا تھا۔ روایت ہے کہ ایک ملتانوی فقیر کی دعا سے اسے [فرج سہر کو] اولاد نصیب ہوئی۔ اس خوشی میں اس نے اسے ہزار روپے بطور انعام فقیر کو دئے۔ فقیر نے اس روپے سے یہ صمد بنوا دی۔ اس کی سوغاتی پر اسے آس پاس محل فروش دکانیں کی روایت سے یہ نام پڑ گیا۔¹

(5) مسجد گاہ --- ملتان سے خاصہوال کی طرف خانہ والی سڑک کے کنارے مسجد گاہ واقع ہے یہ مسجد خاصی وسیع و وسیع ہے اسے 1735ء میں ملتان امیر لاہور کے حیدر آباد عبدالصمد خان نے تعمیر کرایا۔² شیخ اگرام الحق کے مطابق " یہ وہی عبدالصمد ہے جس کی لڑائی اپنے زہد و روح کی وجہ سے طائفہ اقبال

1۔ بحوالہ " ارض ملتان " ص 172

2۔ بحوالہ " موقع بولٹان " ص 231

کی طرح ہنس 1۔

"مسجد کا صواب دار صفت دالان دو سو چالیس فٹ لمبا ہے اور چوبیس فٹ چوڑا ہے۔ دروازے کے چھوٹے گنبد سے کٹا ہوا ہے کوئی ہر ہفتہ مینار ہیں۔ باہر محراب میں ایشی کا فرش ہے۔" 2

اس مسجد کو بھی سکھوں نے تاراج کیا لیکن بعد میں اس کو دوبارہ مرمت کیا گیا اور اس کی شان و شوکت دوبارہ بحال ہو گئی۔ عیدین کے موقع پر یہاں بڑا عجم ہوتا ہے۔

(6) مسجد فوسھہ --- یہ مسجد آدھری شہر حضرت موسیٰ ہاک شہید کے مزار کے ساتھ واقع ہے اس کی طمائی ساٹھ فٹ اور چوڑائی تیس فٹ ہے۔ فرش مرمیر کا ہے اور صلیبی صلیب موسیٰ کا بنا ہوا ہے اس کے تین گنبد ہیں اس کی تعمیر کا زمانہ دسویں صدی عجمی ہے۔

(7) مسجد شاکر خان --- شواب شاکر خان 1753ء میں ملتان کے صوبدار تھے۔ انہی نے ابدالی روڈ پر اپنی اثاثت گاہ شہنشاہ محل کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی۔ مسجد صاف ستھری اور دیدہ زیب ہے۔ 3۔

(8) مسجد غدگہ --- شہر آباد میں غدگہ کے محلے میں واقع ہے۔ اس میں کاشی کاری کا کام نہایت طاقت سے کیا گیا ہے۔

ان مساجد کی تزئین و آرائش، قرآنی آیات کی خطاطی اور اشعار سے کی گئی ہے۔ اکثر مساجد میں فارسی کے اشعار درج ہیں جن میں مسجد کی تاریخ اور اس کے بنوائے والے کے نام معلوم ہوتے ہیں۔ یہ مساجد ملتان کے ہی تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

خاٹھامیں

ملتان کی خاٹھامیں اپنے ادوکتے اور مقررہ طور تعمیر کی بدولت بھی مشہور ہیں۔

ان خاٹھاموں کی تعمیر زیادہ تر صوفیاء کے وجود مسعود کی مرہون مت رہی ہے۔ ہر خاٹھا کسی

کسی صوفی اور ولی کے ساتھ منسوب ہے۔ اسلامی تصوف میں ان خاٹھاموں کو ہمیشہ بڑی اہمیت حاصل رہی

ہے کیونکہ یہ نہ صرف روحانی فیوض کا مرکز رہیں بلکہ دوس و تدبیریں اور علمی تہذیب کے بہترین اداریے بھی
تھیں۔ ملتان کی بعض خاندانیں مسلم فرائض و تقصیر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ ان خاندانوں میں سے چند کا ذکر
یہاں کیا جاتا ہے۔

خاندان دیوان چاولی مشائخ

آپ کے روضے کی تفصیل آپ کے ذکر میں آ چکی ہے۔ حضرت دیوان چاولی مشائخ پروفیسر ہاک و
حد کے پہلے مولوی ہیں اور اس اعتبار سے ان کا روضہ بھی قدیم ترین ہے۔ مقبروں کے موجودہ شکل میں
محمود غزنوی نے تعمیر کرایا اور جہانگیر نے اس کی مرمت کرائی۔ اس مزار کی اہمیت اس وجہ سے بھی
ہے کہ یہاں بڑے بڑے صوفیاء نے چلہ کشی کی اور روحانی طور پر اکتساب فیض کیا۔ پروفیسر محمد امین لکھتے
ہیں کہ

"آپ کے مزار پر بڑے بڑے صوفیاء نے چلہ کشی کی اور فیض پایا جس میں بابائے
کنج شکر، جلال الدین سلطان، بہاء الدین زکریا ملتانی، عثمان مروتی، لال شہباز
قلندر حصے صوفیاء کے اقسام شامل ہیں۔ عہدوں نے بھی آپ کے مزار پر چلہ
کشی کی جن میں بابا گرو نانک بھی شامل ہیں۔" 1

موجودہ عمارت دیوان مولراج کے زمانے میں بنی گئی تھی جس سے تعمیر ہوئی روضے کی تعمیر کے بارے میں لالہ حکم
جنت لکھتے ہیں

"یہ خانقاہ اور موضع چاولی مشائخ پرگنہ مجلس سید موضع ساحو کے حد شرقی
پر واقع ہے یہ خانقاہ و مسجد پشت اور دروازہ و چار دیواری ہر ایک عمارت
پشت ہے۔ ایک مسجد کہتے شکستہ صاحب شمال روضہ سے ہے جو تعمیر کردہ
محمود غزنوی بنان کرتے ہیں۔ دوسری مسجد صاحب شرق روضہ کے تعمیر کردہ
جہانگیر بادشاہ کی ہے اور اور روضہ کے ایک تہت دیوان صاحب دوسری مزار
مٹکی برس ہمشیرہ دیوان صاحب کی ہے اور روضہ سے باہر اور خانقاہ ایک
لصا دیوان صاحب کا بڑا ہوا ہے اور خانقاہ روضہ سے باہر نکات ذیل ہیں۔" 2

1- بحوالہ ضمنی "سلم فلسف میں ملتان کی خدمات" از پروفیسر محمد امین، مطبوعہ ماہ نو جولائی 1983ء

2- بحوالہ "تواریخ ملتان" از لالہ حکم جنت، ص 178

خاندان کا یہ قدیم تہن صوفہ بڑی شکستہ حالت میں ہے پھر بھی مساجد اور روضہ کا فن تعمیر دیدہ زیب ہے اور اس دور کے فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔

خاندان شاہ یوسف گردیز

=====

حضرت شاہ یوسف گردیز کا مزار فن تعمیر کا ایک انوکھا اور عمدہ شاہکار ہے۔ یہ قدیم تہن مزار میں سے ایک ہے اسے 1150ء میں شاہ یوسف گردیز کی وفات کے بعد تعمیر کیا گیا۔ یہ اہل حق بھڑکھلے شاہ گردیز میں واقع ہے اس کا ایک نمونہ اڈیا آفس لندن میں محفوظ ہے۔ فنی لحاظ سے یہ مقبرہ سادہ اور چوکور ہے۔ اس کی لمبائی 37 فٹ اور چوڑائی 32 فٹ ہے اس میں جو ایشی استعمال ہوئی ہے اس کی لمبائی آٹھ فٹ اور موٹائی دو فٹ ہے۔ دروازے کے اوپر چھت کے سہارے کے لئے ایشی کا قوس نما صحراب ہے جو اسلامی طرز کا مظہر ہے۔ چھت میں آئینے جڑے ہوئے ہیں۔ دیواری پرنٹنگ ریل کی روشنی ایشی لگائی گئی ہیں، شیخ اکرام الحق نے اس کی تفصیل میں بیان کی ہے۔

"سقف میں چھوٹے چھوٹے آئینے اور دیواری کے اندر اور باہر علیے ریل کی روشنی ایشی کو میل ہوئی کی طرح جڑا گیا ہے۔ جس سے مظہر دیدنی ہو گیا ہے۔ مربع حیات کے لکڑی کے لمبے ٹکڑے کونوں میں مضبوطی پر تشدید کے لئے نصب ہیں۔ جوں جوں کٹاری کا آئینہ صوفہ شاہ دروازہ پر کتبہ تاریخ ہے جو اب لاہور کے صاحب گھر میں محفوظ ہے۔۔۔" 1

پرس ہزاروں کے مطابق شاہ یوسف گردیز کا مزار اپنی طرز تعمیر کے اعتبار سے ملتان کے دوسرے مظاہر اور مزارات سے مختلف اور منفرد ہے۔ اس کی صرف ایک منزل بنائی گئی ہے۔² راس احمد ملک اس مزار کے بارے میں لکھتے ہیں

"اس قسم کی عمارتیں جس صرف ایشی میں نظر آتی ہیں جبکہ طرز تعمیر میں ان کا اثر صرف اور صرف ہندو آرائش میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جہاں مختلف رنگوں کے استراج اور ایشی کی بناوٹ سے زینت و تزیین کا کام لیا گیا ہے اگرچہ زیادہ ایشی پر رنگوں سے آرائش دیکھی گئی ہے لیکن کبھی ایسی بھی ہیں

1- بحوالہ "ازن ملتان" ص 134

2- "Indian Architecture" by Percy Brown, P-34 Tarapore Valas
Treasure - House of Books Bombay, (Third Edition).

جن پر شوخ ڈھلائی سے تیار کئے گئے ہیں۔ یہ گہرائی کا تاثر پیدا کرتے ہیں۔
گولیاں گہری رنگ کی یہ آرائشیں ہی ایسی حالت نمایاں کرتی ہیں۔ جس سے
مجموعی طور پر ایک لطیف احساس زیبائش اور ایرانی طرزِ تعمیر کا اثر ظاہر
ہوتا ہے۔"

روضۂ فوت بہاد الدین

یہ روضہ قلعہ کبھہ (موجودہ قاسم باغ) پر بہشت پرہلاد کے صدر سے متصل ہے۔ شروع سے لے کر
آج تک مروج غائب و غام بنا ہوا ہے۔ اس مزار میں حضرت فوت بہاد الدین زکریا ملتانی کے ساتھ ان کے
فرزند اور خلیفہ شیخ صدرالدین عارف بھی مدفون ہیں۔ یہ مقبرہ حضرت بہاد الدین زکریا ملتانی نے اپنی
زندگی میں خود تعمیر کرایا تھا اور اس میں دس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ یہ مزار 1848ء کے
محاصرے میں تباہ ہو گیا تھا اور مسلمانوں نے اسے دوبارہ بنوایا۔²⁸ اس کی تفصیل ہم شیخ اکرام کے الفاظ
میں بیان کرتے ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں

"مقبرہ ساڑھے سو فٹ کے آثار پر چوکھڑا اسس پر تعمیر ہوا ہے مقبرہ اثر
53 فٹ مربع ہے اسی طرز کا دوسرا مزار حدود پاکستان میں فقط ایک اور
ہے جو پکڑی ہے۔ اس میں ہے شہید شا جیسی شکل مختلف کتبوں میں
ضمولی پیدا کرنے کے لئے لگائے گئے ہیں دروازے اور ان کے اصرار سے
ہر اس قسم کے جیسی شکل سے یہ تمام مختلف اونچائیوں میں نصب کئے گئے ہیں
جن سے سطح سارے کا دلآویز نقشہ پیدا ہو گیا ہے۔ مقبرہ کے اندر دس
کے صدر دروازے کی لکڑی پر آیتہ الکرسی خط نسخ میں نمایاں طور پر لکھوائی گئی
ہے۔ چوب کاری میں کارڈ گری نے صرف اسلامی یا ایرانی روایات کو ہی مد نظر نہ
رکھا بلکہ اپنی فنِ صلاحیت اور تفصیل سے بھی کام لیا ہے مثلاً دروازے کی
چوکھٹ کے بازو پر جہاں لکڑی میں اس کا صوت ابھارا گیا ہے جس کے
مجموعی اثر سے غیمت کے بھادی اسلامی تصور کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا
ہے۔ تہت کے گرد جیسی مقلد کثرت سے میں لگایا گیا۔"

1- بحوالہ "ملتان کا مخصوص فنِ تعمیر اور اس کے چہ شاہکار" از ہانس احمد ملک، مطبوعہ امیر ملتان پبلشرز
28 جنوری 1978ء اس مضمون کا زیادہ تر مواد بیس براؤن کی کتاب "Indian Architecture"
سے غیر حوالے کے اخذ کیا گیا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے مطالعہ فرمائیے۔
2- بحوالہ "ملتان قدیم و جدید" مرتبہ ارشد حسرت شاہد، ص 90، مطبوعہ بزمِ قرنی ادب، ملتان، مارچ 1988ء
3- بحوالہ "از ملتان" از شیخ اکرام الحق، ص 135 تا 136

یہ طبرہ ملتان کے منصوبہ دار تصور کا ایک نہایت عمدہ نمونہ ہے جو تناسب اور ہم آہنگی (Harmony) کا شاہکار ہے اس کا مقصد عوامی دروازہ لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ چالیں کٹ اونچی بنیادی منزل میں کسی قسم کی آرائش کو نہیں کی گئی۔¹ لیکن ہمارے احمدمک کے الفاظ میں

"اگرچہ عمارت کا طرز تصور سادہ ہے لیکن پہلی نظر میں اس کی عکسیت
میں بغیر ہر اثر آرائشی اور عطف اپنی پوری سادگی اور طرز کے ساتھ نظر آ
جاتی ہے۔"

موس پاک شہید

موس پاک شہید کا مزار ادرہ پاک دروازہ واقع ہے۔ پاک دروازے کی طرف بازار ~~میں~~ صراط
کے طرف دائیں نو بائیں ہاتھ پر ایک بلند دروازہ آتا ہے جس پر یہ شعر لکھا ہوا ہے
سک در گاہ میران شو جو خواہی قرب رہائی
کہ ہر شہرآن شرف دارد سبک دیار جمہالاسی
دروازے کے اندر داخل ہوں تو سارا راستہ چھت سے ڈھکا ہوا ہے پھر ایک بڑا احاطہ آتا ہے جس کے
بائیں جانب مزارات اور سامنے سبز رقبہ کا روضہ واقع ہے۔ احاطہ کے اندر کے دروازے پر پتلی مٹھی ہوئی
ہے اور لکڑی پر چاندی کے نکتے بھی حشر ہوئے ہیں۔ قبة کے نیچے 22 فٹ مربع عمارت ہے۔ جس کے اندر
8 فٹ مربع سرزمین حیوۃ ہے۔² اس میں تین قبے ہیں۔ درمیان میں حضرت موس پاک شہید کی ہے۔
قبو میں پتھر کی حالی کے چھوٹے ہیں رات کو جب بجلی کے قطع ہوتے ہیں تو بڑا حسن پیدا
ہوتا ہے۔

روضہ شیخ رکی الدین صالح

اگر کوئی شخص ملتان شہر میں داخل ہونے سے پہلے اس کے کسی منظر کا نظارہ کرنا چاہے تو
ملتان کے مذاقات میں ملیں دہر سے ایک حسن و جمال اور پرشکوہ کھنڈ دکھائی دیتا ہے یہ کعبہ حضرت

1- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "Indian Architecture" P-34

2- بحوالہ "ملتان کا منصوبہ دار تصور اور اس کے چھ شاہکار" ص 4، مطبوعہ امروہ ملتان ص 28-29

3- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "ارض ملتان" ص 141

شیخ رکن الدین عالم کے مقبرے کا ہے جو لقمہ کبھ پر واقع ہے۔ حضرت رکن الدین عالم حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے اور وفات کے بعد اپنے دادا کے مزار میں دفن کیے گئے۔ ان کا موجودہ مزار سلطان خیات الدین تغلق نے اپنے لئے تعمیر کرایا تھا کیونکہ وہ زیادہ تر ملتان میں قیام پذیر رہتا تھا۔ 1325ء میں وہ دہلی گیا اور وفات پائی تو اسے دہلی میں دفن کر دیا گیا اور اس کے بیٹے محمد تغلق نے جو حضرت رکن الدین سے گہری عقیدت رکھتا تھا، یہ مقبرہ ان کے لئے وقف کر دیا۔^۱ چنانچہ شیخ رکن الدین کو بعد میں اسی مقبرے میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ عمارت اپنے مخصوص طرز تعمیر میں تین ثقافتی کے امتزاج کی حامل ہے، یعنی یہ عربی، ایرانی اور ہندوستانی فن تعمیر کا مرکب ہے۔^۲ یہاں ایک ملک کے مطابق

”طرز تعمیر میں یہ عمارت تین مختلف ثقافتی کا اثر ظاہر کرتی ہے۔ یعنی عربی، ایرانی اور ہندوستانی۔ ان میں سے ہر ثقافت کی بہترین شواہد ہمیں اس عمارت کے فن تعمیر میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس میں ماہرین تعمیر کا ایک خصوصی حلقہ نظر کارفرما تھا جو یقیناً یہ تھا کہ ایک ایسے عظیم فن پارے تعمیر کی تخلیق کی جائے جو اس علاقے کے فن تعمیر کی روشن مثال ہو اور جس سے اس کی تخلیق کی مصدیت، اہمیت اور علاقے کے لوگوں کی ثقافتی ماحول، ان کی سچ کے انداز اور بزرگی کے لئے عزت و محبت کا احساس مدہی تک قائم رہے۔“ 3

یہ مقبرہ ہشت پہلو عمارت ہے جو ایرانی طرز تعمیر کا نمونہ ہے لیکن اس کی چوبیس دیواریں ملتان شہر کی اختراع ہے اس مقبرے کی ہشت پہلو بنیادیں نئے مانیٹ کھیرنگ پہیلی ^{بنیاد} چوبیس ہیں۔ مزار کی کل بلندی ایک سو پندرہ فٹ ہے جس کی تقسیم اس طرح ہے

(1) پہیلی منزل = 50 فٹ (2) دوسری منزل = 25 فٹ (3) تیسری منزل = گنبد

اپنے کٹس سچ = 40 فٹ۔۔۔ گنبد کا اندریں گھبراؤ 50 فٹ ہے۔^۴ دیواریں کی اونچائی 41 فٹ

1- تفصیل کیلئے دیکھئے (1) ارض ملتان ص 137-138 (2) ملتان قدیم و جدید ص 90-91

(3) امروز ملتان ص 4 (5) Page 34 "Indian Architecture"

2- بحوالہ "Indian Architecture" F-55، اس کتاب میں ص 22 پر یوں برآں ہے اسے ایرانی

عربی (Perdo - arabian) طرز سے وابستہ کیا ہے۔

3- بحوالہ امروز ملتان ص 4، 28 جوف 1978ء ط ۱ ارض ملتان ص ۱۲۱

موتالی 13 فٹ ہے۔ دیواریں میں جگہ جگہ مقعر اور محدب لکڑی کے آرائشی شہتیر صاب ہیں۔

مقبور کے آگے کوئی پر ڈھلیوں ستار اور ایہر کی منزل پر کسی قدر دبا ہوا گنبد اس صارت کے انوکھے طرز تعمیر کا مظاہر ہیں۔ صارت میں جگہ جگہ ^{روشنی} ایٹھیں استعمال کی گئی ہیں۔ جس کا رنگ زیادہ تر خلیکی اور سفید ہے۔ شیخ الامام الحق کے الفاظ میں

"جہت پر کامل قوس کا گنبد اس چابکدستی اور صاحت دہانی سے مشن کی ٹون سے صاب کیا گیا ہے کہ ہندوئی محراب کا یہ کرشمہ مدہیں گزیر بھی قائم ہے۔ ۱۰۰ سار پیچہ ہر مقبرہ ہندو پاکستان میں فقط یہیں ایک مقبرہ ہے جس میں لکڑی کے شہتیر کام میں لائی گئی ہیں خواہ دیواریں بھی، خواہ گنبد، تمام تر دواچ مٹی بنتے ایٹھیں لگائی گئی ہیں۔ جو مقامی طور پر تیار کی گئیں اور ان کے شہتیر میں تشدید پیدا کرنے کے لئے مختلف مقامات پر مقعر چھریں لگے گئے ہیں۔ جو انہیں بطوطہ سے بھی خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔" 1

اس صارت میں اہرام مصر کی طرح شکوہ، ہراسراریت، اضطرابیت، غائب، جمال اور جلال موجود ہے۔ میں خیال میں اگر دنیا کی جگہ عظیم صارتوں کی فہرست مرتب کی جائے تو اس میں شاہ رکن عالم کے مقبرے کو ایک اہم مقام حاصل ہو گا۔ 2 ڈاکٹر احمد ^{مسیحی} اس صارت کے بارے میں اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"رکن عالم کے مزار ڈیشان کا اسلوب اس قدر دیبا اور حتمہ گیر ثابت ہوا کہ ماہ و سال کی تبدیلیاں اس کی مقبولیت کو کسی طرح بھی متاثر نہ کر سکیں۔ حتیٰ کہ قتل دور کا طرز تعمیر بھی خاصے درجے تک اپنی ہونے پانچویں اور چھٹی کے باوجود اس طرز پر حاوی ہے آسکا اور مدنی تک اس سوز میں ہر ایسے مزارات جتنے دیکھے ہو رکن عالم کے مزار سے متاثر ہی نہیں اس کی سراسر نقل معلوم ہوتے ہیں۔" 3

لہذا یہ بات قابلِ شہدہ کہ ہر محذراجن شاہ کا مقبرہ بالکل شاہ رکن عالم کے مقبرے کی طرز کا ہے۔ میں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایہہ ہی صارت نے دوسری مظاہر تیار کئے ہیں۔

1۔ بحوالہ "آرٹس ملٹان" ص 130

2۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) آرٹس ملٹان ص 137 تا 140 (2) آرٹس ملٹان نمبر ۱۰ (3) ملٹان قدیم و جدید ص 90-91 (4) آئینہ ملٹان ص (5) "Indian Architecture" I-34.

3۔ بحوالہ پاکستانی ادب (چوتھی جلد) تنوع و اختصار رشید احمد و فانیق علی ص 329-330، فیڈرل گورنمنٹ پبلیکیشنز، راولپنڈی، 1982ء

شاہ شمس سبزواری کا مزار

پیریتھ دولت گٹ باغ نام خاں کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ سبز موٹیا رنگ کی یہ عمارت اپنی دلآویز اور دلکش میں شہر ہے۔ ابتدائی طور پر یہ مقبرہ ⁷³⁰ (1329ء) میں تعمیر ہوا۔ بارہوی صدی ہجری میں یہ عمارت خستہ ہو گئی۔ تو شمس سبزواری کے ایک مرید سید مہر علی نے 1194ھ (1770ء) میں اسے دوبارہ تعمیر کرایا۔ یہ ایک مربع عمارت ہے جس کی لمبائی اور چوڑائی 35، 35 فٹ ہے۔ یہ عمارت شیخ اکرام الحق کے مطابق "میں در میں شکل میں شاہ رکن عالم کے روضہ کے تتبع میں تعمیر کی گئی ہے۔ باہر کی طرف 8 فٹ کی رنگین غلام ٹوڑی ہے۔ مقبرہ کے اندر گنبد چھٹی کٹھن کے صحن شاہ شمس کا مدفن ہے۔"

حیث کہ پہلے کہا گیا ہے کہ فی تعمیر کے ان اسلامی ضروریات میں جس چھوٹی ایٹ کا استعمال نظر آتا ہے۔ ملتان اور پنجاب کے دیگر علاقوں میں ایٹوں کا استعمال اب بھی زیادہ ہے کہ اس مدافعی علاقے میں پتھر مایاب تھے چٹانیں پوری برائے ملتان کی عمارتوں کے بارے میں غلط نہیں کہا کہ

"...all of them on account of the scarcity of stone in the plains of the Punjab being constructed of brick." 2

تقریباً اور سجاوٹ کے لئے عمارتوں، عمارتوں اور کاشی گری سے کام لیا گیا ہے اور ایٹوں کو سالے سے جوڑا گیا ہے۔ ماہرین کا یہ خیال ہے کہ سالے کا یہ استعمال سلیان عمارتوں میں لے کر آئے۔ ہونہر ہاگ و ہند کے لوگ اس سے ماواوت تھے حیث کہ سابقہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ ساجد اور عمارتوں کی تقریبوں کے لئے عمارتوں اور عمارتوں کا سبب لیا گیا ہے۔ عمارتوں میں قرآنی آیات اور اشعار استعمال کئے گئے ہیں۔ زیادہ تر اشعار فارسی کے ہیں۔ آیات اور اشعار مسجد اور عمارتوں کی مناسبت سے منتخب کئے جاتے تھے۔ ہر جگہ لکھی، ایٹوں اور پتھر میں الفاظ کھودے گئے ہیں۔ اور جس جگہ انہیں خوبصورت رنگوں میں لکھا گیا ہے، ان کی ایک تعلیمی اہمیت بھی ہوتی ہے۔

خطائی کے بعد دوسرا طریقہ کاشی کا ہے۔ مزاروں اور درجوں کو ہیل ہوئی سے سجایا جاتا تھا۔ تصویر کشی نہیں کی جاتی تھی کیونکہ یہ مذہبی طور پر ممنوع تھی۔ صرف نقش و نگار سے کام لیا جاتا تھا۔ یہ فن بھی ملتان کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں فیروز اور فیضیہ رک کی بیش زیادہ استعمال کی جاتی رہیں۔ پھر بتدریج دیگر خصوصیت رک ان میں شامل کئے جانے لگے اور انہیں دلکش نقش و نگار سے بھی سجایا جانے لگا۔ اسی مقلد اور رنگین کاشی سلسلے فل دور کے آخر میں یعنی 1550ء سے 1750ء تک منظر عام پر آئے لگیں۔

فن تعمیر میں کاشی گری کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے یہ خاص طرح کا شیخ علاء رک ہے جسے خاص شعبے کے استعمال سے پیدا کیا جاتا تھا۔¹ مساجد اور خانقاہوں میں کاشی سلس عام استعمال ہوتی ہیں۔ یہ تو ان عمارتوں کی تزئین کے طریقے تھے ماضی نے انہیں خصوصیات کی بناء پر اس طرز تعمیر کو ملتان کا اسلوب تعمیر کیا ہے۔ ڈاکٹر احمد علی اپنے شعبے "پاکستانی فن تعمیر کا ارتقاء" میں لکھتے ہیں

"اس حاشیہ نے فن تعمیر کو ایک نیا اسلوب بھی دیا جسے ملتان کا اسلوب تعمیر کہا زیادہ مناسب ہو گا یہ اسلوب خالصتاً وسط ایشیائی فن تعمیر سے مستعار اور متاثر تھا اور اس کی ساری جزئیات کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔ گو اس کے ابتدائی سوتے میں بلوچستان کے شہر ہلایا آج کے بہاولپور کے رحم مار خان اور آدم واہاں میں ملتے ہیں لیکن اسی سلسلے کے مبتم بالشان اہدا خود حضرت بہاء الحق کے مزار سے ہوتے ہیں اور اکتھا وہ انہیں کے بزرگ ہوتے حضرت رکن عالم کے مزار نشان سے پاکستان کے اسلامی فن تعمیر کے اسلامی اسلوب میں بہاء الحق کے مزار کو بھی حیثیت حاصل ہے جو وسط ایشیا کے اسلوب تعمیر میں سامانی کے مقبرے کو حاصل ہے اور مزار رکن عالم کی حیثیت یہاں بھی ہے جو گور احمد اور تاج محل کوہ یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ اس قسم کے مزارات کی تعمیر کی روایت ہونصر میں اس عہد سے پہلے نہیں اور کبھی نہیں تھی یہ مزارات ان بزرگ صوفیائے کرام نے اپنی زندگی میں اپنی آخری آماجگاہ کے طور پر تعمیر کرائے تھے اور پختہ ایٹ سے بنے تھے۔ ان کی تقسیم عام طور سے تین طبقوں میں ہے۔ ڈھلوان دیواروں،

مہتمم بالشان گنبد، لکڑی کے شہتیرے سے بنے ہوئے دیواروں کے قالب اور بیرونی
اور اندرونی سطح پر مختلف مائٹرز کی سادی یا روغنی رنگدار اینٹوں کی ترتیب
اس طرز تعمیر کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ یہ خصوصیات اس طرز تعمیر کی عقلی
مخصوصیات ہیں۔ یہ ترتیب و سجاوٹ پھر اوقات اقلیدس کی شکلوں میں ہے۔ یا
غل ہوئے میں یا پھر قرآنی آیات جو لکڑی پر کندہ بھی ہیں۔ مزار رکن عالم
اس طرز کا شاہکار ہے جہاں اس قسم کی ترتیب کے صوفی اپنے انتہائی کمال پر
ملنے ہیں۔ " 1

م ی قیصرانی اپنے مضمون " فن تعمیر " میں ملتان کے فن تعمیر کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں

" ملتان اسلوب تعمیر کے آئے والے ادوار میں ہونے پر فخر کرتے ہیں فن تعمیر کو بہت
زیادہ متاثر کیا تخیلی کے عہد میں دہلی میں تعمیر ہونے والی عمارتیں
مثلاً "غیاث الدین تغلق کا مقبرہ، بارہ گنبد یا اس کے پاس کی مسجد اس ملتان
فن تعمیر کا چرچہ تھیں اس ملتان فن تعمیر کا اثر اب تک مزارات کی
تعمیر میں کارفرما ہے۔ اب بھی اس ملتان سے مزارات یہاں تک کہ بہاولپور
بہاولنگر اور چوستان میں ساحد بھی اس طرز پر تعمیر کی جاتی ہیں۔ " 2

(2) کچھ گہری

=====

کچھ گہری اور ظریف سازی بھی ایک طبقہ کے ہے۔ یہ بھی املاک کے جس و جمال کا مظہر
ہے اور تمام اسلامی حاکم سے موجود ہے۔ یہ کہتا ہے حاجہ ہوگا کہ جس کے ظریف بھی موقوفہ ملک
کو دیے ہیں۔ موقوفہ کی سادی اور درخشندہ اسلوب زیست کے جس کے پختی کو قبول بنایا۔ آدھی،
ڈولہاں (میں کی گڑھاں)، آٹا گودھنے کی تھال، فیرو کی چھوٹی پلٹیں، گلاس ہاڈیاں، مچے،
صراحیاں، وضو کے لئے استائی (لوہے) میں کے کھلچے ————— یہ سب میں سے بنائے جاتے تھے۔ یہ سب ظریف
ملتان کے مہری سے بہت زیادہ استعمال میں لائے جاتے تھے اور زمانہ جدید میں بھی ان کا رواج کم نہیں ہوا۔

1- پاکستانی ادب (چوتھی جلد) ترقیب و اختصار رشید احمد و قاری علی

2- بحوالہ مضمون " فن تعمیر " از م ی قیصرانی، مطبوعہ امیر ہفت روزہ اشاعت، 16 ستمبر 1979ء ص 2

ملتان میں اب بھی چمکیلے رقصی ظروف، گلی، الواح اور ایشیں وغیرہ بٹائی جاتی ہیں۔ موصوفیہ اور
 حریفہ کے آثار قدیمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوزہ گری کا فن یہاں بھی موجود تھا۔ ملتان ان دونوں
 قدیم شہروں کے درمیان میں واقع ہے اور ان کا ہم عصر رہا ہے اس لئے یقیناً یہاں کے لوگ بھی فن کوزہ
 گری سے واقف تھے لیکن ملتان کے فن کوزہ گری پر ایران کے گہرے اثرات ہیں۔ ایران میں فن کوزہ گری
 بہت مقبول رہا ہے۔ سادہ مٹی سے کوزہ گری کی جاتی تھی پھر انہیں پکا لیا جاتا تھا۔ ان پر غنائی
 اور خطاطی بھی کی جاتی تھی اور انہیں رنگدار بھی بنایا جاتا تھا۔ تاریخی حقائق سے ثابت ہوتا
 ہے کہ ایران اور ملتان کے گہرے مراسم رہے ہیں اس لئے یہ قیاس درست ہے کہ ملتان میں فن کوزہ
 گری سے اثر قبول کیا ہو گا۔ فن کوزہ گری کے نمونے اور ان کی غنائی سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ملتان
 ایرانی فن کوزہ گری سے متاثر تھے۔ ملتان کے گھرانے کاشی گری کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ گلدانوں کے علاوہ صراحی
 کے فن میں ایک مختلف شکل اختیار کی۔ یہ صراحی مختلف شکلوں میں سادہ ہفتہ مٹی سے بنائی جاتی ہے۔
 مٹی کے اوپر فن آرائش کی جاتی ہے جس پر ہند میں رنگ پھیر دئیے جاتے ہیں۔ صراحی کا یہ انداز ^{کچھ} قدیم
 ملتان اور اس کے گرد و پیش کے علاقہ اور کہیں نظر نہیں آتا۔ ملتان کے فن کوزہ گری میں گلدان اور صراحی
 کو قابل ذکر نمونے قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس طرح ملتان کے ہر دور میں اوٹ کے چمچے سے تیار شدہ مٹی کے اشیاء یہاں کے مخصوص فن
 کا مظہر رہی ہیں۔ زمانہ قدیم میں خصوصیت کھادیں بنائی جاتی تھیں کیونکہ تیر اندازی کا فن ملتان میں
 بڑا مقبول رہا۔ سولہا کے مدرسے میں طالب علمی کو تیر اندازی سکھائی جاتی تھی اس کا تذکرہ گذشتہ
 صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ خود حافظ جمال ملتان ماهر تیر انداز تھے۔ گویا یہ اسلحہ سازی کے سلسلے
 کا اہم کاربہار تھا۔ کھادیں ہر قسم و نگار اور پیل پوٹے بنائے جاتے تھے۔ علامہ عتیق لکری کے مطابق "ہر
 کمان پر لوگ غنائی کا کام کرتے تھے اور سب سے بڑی خصوصی یہ تھی کہ کمان کو ایسی حکمت مٹی سے
 طاقت دے دیتے تھے کہ اچھا جوان بھی اس پر حملہ نہیں چڑھا سکتا تھا۔ تلوار کی مٹاں پر بھی یہ لوگ
 سونے کے پتہ چڑھا کر غنائی کا کام کرتے تھے۔ غرض ملتان میں یہ کام تقریباً سات سو برس سے رائج تھا۔²

1- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں، اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد 15 (تالیفیں) طبع اول 1980ء، مداح گاہ پنجاب
 لاہور، 854 تا 906

2- بحوالہ "ملتان قدیم و جدید" از علامہ عتیق لکری، ص 62

ملتان میں ایک محلہ کٹھڑ کا آج بھی موجود ہے پھر اوٹ کے چمڑے سے شیل لیمپ، گلدان، مورتیاں اور آرائش کی دیگر چیزیں تیار کی جاتی تھیں۔

ملتان کے قدیم ہتھے کاشی گری، کھڑک، سوتی وٹ، زین ساز، چوٹی نمرو، دھڑ (مٹی اور کھنڈ) ملا کر اشیاء بنانے والے (پوٹکر (رنگریز یا رنگ ساز) ہاٹھی (نور ماٹ) (نکاری، پٹلی (ریشم بافت) بھارا۔ چوب تراش وغیرہ لکڑی ملیدہ کے موجود اور مروج رہے ہیں اور آج بھی ہیں ان کے فن ہر کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی طرح مذہبی روایات اور صوفیانہ مسائل کے اثرات مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) قالین بافی و پارچہ بافی

مساجد اور خانقاہوں کی سجاول اور تزیین کے سلسلے میں قالین بافی، دریاں، چادریں، لٹکائیاں، دروائی اور سوس وغیرہ کا مفید کام شروع ہوا۔ زمانہ قدیم میں قالین بافی کا فن بطور خاص صریح ہر تھا۔ شیخ اکرام الحق "ارز ملتان میں لکھتے ہیں

"ایرانی اثرات کے ساتھ یہ صنعت بھی ملتان آئی۔ سوچ اور اون کو ملا کر قالین تیار کئے جاتے مگر ایرانی اونے قالینوں کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے اس لئے ان کو جہاں فروغ حاصل نہ ہوا البتہ تقسیم ملک کے بعد اسی قالین ہتھے لکھ حوزہ مبادلہ کے حصول کے لئے انگلستان کو خاصی مقدار میں برآمد کئے جاتے ہیں اور اچھی قیمت پاتے ہیں۔"

محولہ بالا اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تقسیم سے قبل ملتان میں کو قالین بافی میں اتنی مہارت تھی کہ ان کے قالین ایرانی قالینوں کا مقابلہ کر سکتے مگر تاریخ میں یہ واقعہ درج ہے کہ شاہ جہاں نے حرم پاک کے لئے جو قالین بھیجا وہ ملتان سے بھویا گیا تھا۔³ یہ واقعہ ملتان کے کاریگری کی مہارت کی دلیل ہے۔ علامہ عتیق فکری نے اپنے ایک مضمون میں چوہدری عبدالحق چشتی مرحوم کا ذکر کیا ہے جو فن قالین بافی کے ماہر تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

1۔ بحوالہ "ارز ملتان" از شیخ اکرام الحق، ص 288

2۔ ایرانی قالین بافی پر تفصیل مطالعہ فیاض اردو دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 15، ص 926 تا 929

3۔ بحوالہ "ملتان قدیم و جدید" ص 65 (ملتان کا سماج اور ثقافتی ارتقاء پر علامہ عتیق فکری کا مضمون)

1923ء میں جب لندن میں قالین باقی کے شاعکار نمائش میں پیش کئے گئے تو چوہدری عبدالحق صاحب نے بھی ایک قالین اور دو نمونے تیار کر کے والسراچہ عہد کی طرفت لندن بھجوائے۔۔۔۔۔ شیخ قسنت کہ والسراچہ کی میٹم قالین دیکھ کر لہجہ نکلیں اور انہی نے قالین تو اپنے ہاں رکھ لیا مگر دو نمونے لندن بھجوا دیئے۔ لندن میں محصولات پر تقسیم اسطاعت کا موقعہ آیا تو قالین کے ان دو نمونے پر سیکنڈ پرائز ملا۔ ساتھ ہی انہی نے لکھ بھیجا کہ اگر مکمل قالین ہوتا تو فٹ پرائز دیا جاتا۔ " 1

سید اولاد علی گیلانی لکھتے ہیں

" ملتان کے قالین ولایت کی بڑی بڑی نمائشوں میں حصول اسقام اور شفعہ جات حاصل کر چکے ہیں۔ " 2

قالین باقی کے ساتھ جس صنعت کو ترقی ہوا وہ پارچہ باقی کی صنعت تھی جس میں ملتان کی دریاں، چادریں اور لنگیاں مشہور ہوئیں۔ ملتان میں یہ کام صدیوں سے ہو رہا ہے اور علامہ متقی لکھری کے مطابق

" عربی کی آمد سے پہلے بھی یہاں پر ریشی کپڑے بننے والے لوگ موجود تھے۔۔۔۔۔ ملتان کی دریاں، تحصیلہ اور لنگیاں، ریشی دوشالے صدیوں سے مشہور ہیں۔ حدودستان کی صنعت کے تذکرے میں ملتان کو کہیں بھی مٹرونی نے فراموش نہیں کیا جب کہیں کپڑے کی صنعت کا ذکر آیا ہے۔ ریشی کپڑے کے لئے ملتان کا نام خصوصی طور پر لیا گیا ہے۔ اس وقت بھی سربہر ہادھنے والی لکھسی جو خالص ریشم سے بنی حاتی ہے کامل اور پشاور وغیرہ میں بھی بنی جاتی ہیں اور یہ سوائے ملتان کے اور کہیں تیار نہیں ہوتیں۔ " 3

ملتان کی دریاں، کھمبسی اور چادریں کو اب بھی ملک بھر میں اور ملک سے باہر بھی شہرت حاصل ہے ان صنعتوں نے کھڑکی کو عام رواج دیا۔ اس لیے یہاں تک ترقی ہوئی کہ دور جدید میں گل ٹیکس، آرٹیکس، علی ٹیکس اور دوسرے کارخانوں کی بنی ہوئی مصنوعات یورپ کی مٹریں اور نمائشوں میں بر حد

1- بحوالہ " ملتان قدیم و جدید " ص 26

2- بحوالہ " مروج ملتان " ص 182

3- بحوالہ " ملتان قدیم و جدید " ص 66

مقبول ہوئے۔

آج کھیلو دستکاری اور فنونِ مہندہ سے متعلق صنعت وسیع پیمانے (Large Scale) کی انڈسٹری میں تبدیل ہو چکی ہے۔ بڑے بڑے کارخانے اور فیکٹریاں وجود میں آ چکی ہیں۔۔۔ لیکن اس حقیقت سے انکار/کلمہ ^{نہیں} کیا جا سکتا کہ آج جمہوری سے قطعاً والا دھواں، متحرک پیچیدہ مشینوں کی آواز اور لہلہاتے کھیت سلطان کے ترقی یافتہ عمارتوں کی گواہی بن چکی ہیں۔ مگر یہ قدر اللہ والی کا ہے جن کے مظاہر سلطان اور اہل سلطان کے سر پر مہربان چادر کی طرح سایہ لگی ہیں۔

(۴) حسن خطاطی

مسلمانوں نے ہمیشہ فن خطاطی کو بڑی اہمیت دی۔ اس کا ایک سبب قرآن کی کتابت کے ذریعے سعادت کا حصول اور کتاب اللہ کا تحفظ تھا اور دوسرا وجہ رسم الخط کے جمالیاتی خصائص تھے۔ عربی زبان خط کے اعتبار سے بہت سے جمالیاتی خصوصیات رکھتی تھی۔ ہر زمانہ قدیم میں عربوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے زیادہ تر اہمیت کتابت پر تھا چنانچہ اس لئے بھی فن خطاطی کی اہمیت اور بڑھ گئی اور اسے شعوری طور پر رواج دیا گیا۔ قرآن مجید کے علاوہ دیگر علمی اور ادبی کتابیں بھی کتابت کی جاتی تھیں۔ چنانچہ فن خطاطی کے اصول مرتب کئے گئے اور کئی خط ایجاد ہوئے۔ کتبے علماء اور صوفیائے کے علاوہ مسلمان حکمرانوں نے بھی خطاطی میں دلچسپی لی اور جس مسلمان حکمران تو خطاطی میں بڑا شغف رکھتے تھے۔ مابہرہ ہمایوں اور اکبر نے فن خطاطی اور خطاطی کی نہ صرف سہولت کی بلکہ مابہرہ اور بہادر شاہ ظفر تو خود بھی خطاطی میں بڑی کھارت رکھتے تھے۔^۱

ہاں وہ عہد میں محدثین قاسم کی فتح مجدد کے ساتھ عربی رسم الخط کا احراء ہوا لیکن بعد میں یہاں صبح کی نسبت مستطیل کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی کیونکہ اردو دائرہ حارت اسلامیہ کے مطابق جب عہد ۱۸۴۷ء میں ایران لیا تو وہاں سے ہر اپنے ہمراہ کئی صورتوں جلد ساز اور خطاط لے کر آئے، جس سے مقامی فن کار فہر باب خلق اور خط مستطیل مسعودستان میں بھی رائج ہو گیا۔ یہاں کے

۱۔ تفصیل کے لئے مطالعہ اردو دائرہ حارت اسلامیہ جلد ۱۵ ص ۹۵۸ تا ۱۰۰۲، داخل گاہ پنجاب لاہور طبع اول ۱۹۷۵ء

ماہرین میر سے مہر نظام اور کاتب الملک وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد سید محمد حسن کے شاگرد میں سے عبدالرشید دہلوی جسے غوث غلط کاتب یہاں آئے جنھوں نے خطاطی میں ہونے پر پاکستان و خدمت میں بھی ایران و وسط ایشیا کا سا اسلامی ماحول پیدا کر دیا۔ اس طرز میں لکھنے والے بہت سے نامور کاتب عرب و ہند میں ملتے ہیں اور یہ روایت حسن اتفاق سے پاکستان و خدمت میں آج بھی موجود ہے۔

خطاطی نے فی قصیرہ، فی نوز، کرب و بخت، سار و آرد، تالین ہار، الواح اور کتابت میں بھی خطاطی کو استعمال کیا۔ ہر جگہ اسلامی علوم کی تدوین کے ساتھ ساتھ فی خطاطی کی ترقیت بھی ہو جاتی تھی۔ مولانا نے خاص طور پر اس فن میں دلچسپی لی اسے بطور پیشے کے اختیار کیا اور تصوف کی کتابیں تحریر کیں۔ مولانا کے ملفوظات قلم بعد کئی کئی۔ مولانا بدلتے بدلتے میں ایک نیا ایک مہر خطاط پیدا ہوا تھا۔ جو برہنہ کے ملفوظات قلم کرتا رہتا تھا۔ یہی مولانا نے اس فن میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

ملتان کے صوفیاء نے فی کتابت کی ترویج میں بڑا کردار ادا کیا۔ حضرت بہاء الدین زکریا خلّص نے دہر میں خط نستعلیق کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ حضرت نے ہم مدرسہ قائم کیا اس میں دینی علوم کے علاوہ خطاطی اور جلدسازی کے فن بھی سکھائے جاتے تھے ان دینی شخص الدین بلخی جیسا خطاط بھی ملتان میں موجود تھا۔ جس سے بہت سے لوگوں نے فی خطاطی سکھا۔ نظامہ متفق فکری "ہتر ملتان" میں لکھنے لگا

"... مدرسہ میں مشفق غنی بھی سکھائے جاتے تھے ان میں خاص کر خطاطی اور قلمی قسم کی جلدسازی کا کام بھی تھا۔ جیسا کہ ہم نے قیامہ کے طرز دہر میں ذکر کیا ہے کہ سند بلخی جیسا خطاط اس زمانہ میں ملتان میں موجود تھا اور اس نے کئی اہل ملتان میں سے شاگرد لیے۔ جو اپنے تذکریں میں شخص الدین بلخی کی خطاطی کچھ بار بھی لکھتا ہے

"در خط بدرجہ کہ این الباب افشاد ہو کرد او توانہ خیال و این حالت دیدہ از مشاہدہ دلبران خط او بہتواہ داشت"

.... اس فن کی سرپرستی سے یہ بھی مطلب تھا کہ طالب علمی میں شاعری
ضروریات کو پورا کرنے کی استعداد پیدا کی جائے تاکہ شاعری پر ہوجہ نہ
ہیں۔۔۔ " 1

علامہ عقیق نسوری نے ایک اور جگہ مثنوی میں کہے حوالے سے شمس الدین بلخی کا ذکر بھی کیا ہے۔
" شمس الدین بلخی عالم و شاعر غرض کہ علاوہ اعلیٰ درجے کا خطاط تھا۔ اور
اپنے دور کے مشہور و معروف خطاط اس الباب اور اس معلم سے فن خطاطی
میں پڑھا ہوا ہے۔ " 2

اسی طرح بعد کے زمانے میں بھی اس فن میں بڑی دلچسپی لی جاتی رہی۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق " طنائ
میں لکھتے ہیں

" مثنی غلام حسن شہید، مثنی نوالدین اصاری نے عاشق محمد بہت بڑے خطاط تھے
خطاط میں ایڈھار تو یکم عبدالشکور، فدا حسین، خلیل الرحمان، صالح محمد
حمالی، حبیب اللہ اصاری، مسلم چشتی، طفیل محمد نے شعر محمد مرحوم دا
ہاں ہمیشہ صد اول دے کتاباں لکھیا سی۔ " 3

ترجمہ (مثنی غلام حسن شہید، مثنی نوالدین اصاری اور عاشق محمد بہت بڑے خطاط تھے۔ ان کے
علاوہ عبدالشکور، فدا حسین، خلیل الرحمان، صالح محمد حمالی، حبیب اللہ اصاری، مسلم
چشتی، طفیل محمد اور شعر محمد مرحوم کے نام ہمیشہ صد اول کے کتابوں میں لکھے جاتے تھے۔)

مثنی غلام حسن شہید کے مخطوطات مرثیہ محمد یار میں مرقوم ہے کہ دیوان بہاولپور کے مقتدر قرآن
حکیم کا ایک ہفتہ کسی طرح فایز ہو گیا۔ ملک بھر کے خطاطوں نے کوشش کی کہ ایسا ہی تیار کیا جائے
جو باقی اوراق کی خطاطی اور آراستگی سے الگ دکھائی دے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر مثنی صاحب
نے کمال مبارک کا مظاہرہ کیا کہ جدید روز کو کوئی پہچان بھی نہ سکا کہ اصل ہے یا نقل۔

قرآن محمد کے علاوہ تصوف کی بیشتر کتابیں مخطوطات کی شکل میں ہیں۔ بعض کتابوں کو صوفیاء
اپنے ہاتھوں سے نقل کر کے دوسرے صوفیاء کو بھیجتے تھے۔ اس عرصے کی " تصور الحکم " ان کتابوں میں

1۔ بحوالہ " طنائ " ص 484

2۔ بحوالہ " طنائ قدیم و جدید " ص 44

3۔ بحوالہ " طنائ " (سرائیکی) از ڈاکٹر مہر عبدالحق، ص 37، مایوہ پاکستان پبلیکیشنز، لاہور، المکت 980

[illegible]

”فل دوستان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حشر اور غلط دوستی پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ غلطی کی تیار کرائی ہوئی کتابیں میں نظم و نثر خوشنویس لکھتا تھا اور صابر حشر بناتا تھا یعنی اس تصویر کے ساتھ ساتھ بھی اس خوشنویس ارتقاء کی مظاہر طے کرتا ہوا ایسی بلندی پر پہنچ گیا کہ شاید دنیا کی کسی زبان کا رسم الخط آج تک اس بلندی کو نہیں چھو سکا جن پر فریسی اور فارسی غلطی کو شمار کیا گیا۔ خوشنویس نے پہنچا رکھا ہے۔ یہ دوستی اس صورت کاغذ کی وجہ سے ترقی پذیر ہوئے۔ اور عدوستان میں کاغذ دریافت کرنے والے صرف ~~پہلوان~~ مسلمان تھے۔ عدویں کی ہدایت ہستی کا تو یہ حال تھا کہ جس زمانہ میں ایشیا کے اکثر ممالک کاغذ استعمال کر رہے تھے۔ ہندو اپنا وہی بھیج پتھر لے بیٹھے تھے۔ پندرھویں صدی تک بھی عدوستان میں کاغذ کا رواج قائم نہ تھا۔ صرف فریسی ساحل کے گجراتی تاجر سفر ربار کے تجربے کے ساتھ کاغذ کرنے کی وجہ سے کاغذ استعمال کر رہے تھے۔“ 1

اسی ضمن میں علامہ عقیل فکری کا یہاں ملاحظہ فرمائے

"طالب علمیں کہ لٹے کھنڈ کا بھی احترام تھا۔ کھنڈ ہمارے کا کاروبار ہے، ہم اس میں اپنا کھنڈ بیارہوئے تھا... فرس اسی طرح سلطان میں کھنڈ ہمارے کا مسئلہ قائم ہوا اور آج تک کھنڈ کشی کا مسئلہ موجود ہے اور برطانیہ کے دور تک یہ لوگ دیسی چمکیا کھنڈ ہمارے تھے۔ میں ساتویں صدی سے چودھویں صدی

عکس طنائی میں اس کی عکس بھی رہا۔ 2

فی خطاطی کے ساتھ ساتھ اسلامی نے جلد سازی کی طرف بھی توجہ دو کیونکہ کتاب کو جلد میں ہی محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ جلد سازی میں جعڑ، گتہ، کاغذ اور کھڑا استعمال کیا جاتا تھا۔ جلد پر مختلف طرح کی سے نقش و نگار بھی بنائے جاتے تھے۔ قرآن مجید کی جلد سازی خصوصیت طبع سے کی جاتی تھی اور پھر اوقات اس پر سونے کے پانی سے خطاطی بھی کی جاتی تھی۔ ملتان میں خطاطی کا فن آج بھی زندہ ہے۔ علامہ متقی فکری نے میان غلام حسین کا ذکر کیا ہے جو اپنے دور کے بہت بڑے خطاط اور صوفی عالم تھے۔ وہ اندریں حسین آگاہی محلہ کشکراں میں رہتے تھے۔ حضرت مولانا مہر علی شاہ صاحب سے انہیں عقیدت تھی اور وہ بھی ان سے خاص افسر رکھتے تھے۔ دہلی کا حال بھی ایک سن میں ہوا ان کے آباؤ اجداد حضرت فوٹ بہادر الدین زکریا سے پہلے براستہ ایران ملتان آئے تھے۔ تلاش و خطاطی اور کتابی کی جلد سازی کا کام ملتان میں انہیں کی وجہ سے اپنے عروج کو پہنچا تھا۔ علامہ متقی فکری کے مطابق

" بغداد اور کابل میں ان کے (میان غلام حسین) کے ہاتھ کیے لکھے ہوئے

خطاطی کے اعلیٰ صیغے موجود ہیں۔ حج سے واپسی پر والی بغداد لے گئے

دس انہیں اپنا مہمان ٹھہرایا تھا اور ان سے عربی قطع لکھوائے تھے۔ " 1

دور جدید میں ملتان میں خطاطی کے شغف کے بارے میں سجاد حیدر ملک اپنے مضمون " فی خطاطی " میں لکھتے ہیں

" ملتان میں خطاطی کا مرکز بن گیا ہے جس کی روح رواں وہاں کے نوجوان

خطاط ہیں کلمہ میں ۵۰۰۰ ان کے والد محمد حسن خان کلمہ رقم اور دادا

حافظ محمد عبداللہ بھی صدہ خطاط تھے۔ ان کلمہ نے اپنے چھاپے خانے

میں ہزاروں نسخے خطاطی کے زیر اہتمام خطاطی پر کتابیں شائع کی ہیں

انہیں خط نسخ، ثلث اور حقیق کے امتزاج سے ایک نیا خط نظام خط و بنا

ایجاد کرنے کا دعویٰ بھی ہے ۵۰۰ ملتان کے ایک سکول شیجر غلام فرید بھٹی

نے طغرا نصی میں خاص مقام پیدا کیا ہے وہ صوبے سے طغرا نصی کو اپنانے

ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں متعدد شائقین متعلقہ کر چکے ہیں۔ محدود

وسائل کے پاس وہ ان سے ان کی لکھی قابل داد ہے۔"

اسی طرح ملتان کے معروف شہر اور شاعر زوار حسین بھی خطاطی کے فن میں ماہر ہیں۔ ملتان

آرٹ کونسل کے زوالفاز بھی خطاطی میں مہارت رکھتے ہیں۔

(5) طب کا فن

سور زمین ملتان کے دور قدیم میں ہیبت، شہر، طب اور موسیقی کے فنوں پر حد مقبول تھے اور

تعلیم کا حصہ تھے۔ بعد و پڑت اپنے گھر سے ان علوم کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ابو رحمان البیہقی

جو چھٹی صدی ہجری میں تقریباً چار سال تک ملتان میں قیام پذیر رہا اپنی معروف تصنیف "کتاب الفہرست"

میں اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ ملتان میں ان علوم کی تعلیم کا باقاعدہ اہتمام تھا۔ جب سلطان ملتان

میں آباد تھے تو وہ اپنے ساتھ جن علوم و فنون کا ذخیرہ لائے ان میں طب کا فن بھی شامل تھا۔

سلطان علماء بالفصوص صوفیاء کو طب کے فن سے بڑی رغبت تھی کیونکہ یہ ایک قابل قدر ذریعہ معاش بھی

تھا۔ اکثر صوفیاء نے فن طب ہی کو ذریعہ معاش بنایا۔ حکیم رازی، بوعلی سینا اور ابوالقاسم زہراوی نے

فنون طب میں بڑی تعمیل کی اور کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی کتابیں صدیوں تک یورپ میں داخل صاب

رہی ہیں۔ ہندوستان میں بھی سلطان حکمرانی نے شفاخانے تھیں کرائے۔ انہی کے دور میں حکیم علی

گیلانی نے بوعلی سینا کی کتاب قانون کی شرح لکھی۔ حکیم محمد اکبر ازلی کی کتاب "طب اکبر"

ہندوستان میں ہر جگہ تک شامل صاب رہی۔ طب کے میدان میں مسلمانوں کی خدمات کی بناء پر عبدالمجید

سالک نے لکھا ہے کہ

"..... ان تمام کارناموں کے بعد مسلمانوں کی طب کو محض "طب ہوائی" قرار

دینا بہت بڑی بے اعصابی ہے بلکہ اس کو اسلامی طب کہنا ہر اعتبار سے صحیح

ہو گا۔"

1- پاکستانی ادب، سرسید میں نمبر 130، لیڈل گورنمنٹ سہید کالج لاہور، فروری 1982ء

2- زوار حسین کا مشہور مجموعہ "کلام" شاعرانہ دل "مکتبہ شجر ملتان سے پہلی بار 1985ء میں شائع ہوا ہے۔

3- بحوالہ "مسلم ثقافت ہندوستان میں" از عبدالمجید سالک، ص 286، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع دوم

ملتان میں سلطانی کی آمد کے بعد طب کے فن میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا گیا۔ اکثر صوفیاء نے اس فن کو مہر بہش کے اہلکار اور روحانی و اخلاقی علاج کے ساتھ جسمانی اور مادی موارض کا علاج بھی کرتے رہے۔ خواجہ عین الدین احمیدی، حافظ محمد اسماعیل، منشی غلام حسنی شہید، خواجہ غلام فرید اور کئی ایک صوفیاء طب میں مہارت رکھتے تھے۔

ملتان کے حکیم سلیمان اٹھاری کا نام بہت مشہور ہے، جنہیں طب میں بڑا کمال حاصل تھا۔ شیخ اکرام الحق کے مطابق آپ کو "ارسطوئے درواں کہا جاتا تھا۔"

حکیم شیخ محمد سلیمان اٹھاری انیسویں صدی کے اواخر میں پیدا ہوئے اور طبابت و حکمت میں معروف ہوئے۔ ان کا پیدائش کا مقام اٹھاری ہاں دروازہ محلہ حافظ داؤد میں واقع تھا۔ تشخیص میں خاص طور پر مہر تھے۔ اسی طرح حکیم شاہ بخش بھی دینی طب میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ ان کا مطلب محلہ قدیر آباد میں تھا۔ ان کے ہاں میں روایت ہے کہ ایک بار ملتان کے ایک نواب نے حکیم اجمل خاں کو اپنے علاج کے لئے بلوایا تو انہوں نے کہلوا بھیجا کہ جب ملتان میں حکیم ^{شاہ} بخش موجود ہیں تو پھر میری کیا ضرورت ہے۔² اہلصحتی کے علاج سے پہلے ملتان میں طب کا فن ہی مروج تھا اور ملتان کے کئی ایک اطباء جن میں حکیم شہر محمد افواں، حکیم محمد اسماعیل، حکیم بلوہ خاں، حکیم رحیم بخش افواں، حکیم قمر دین، حکیم غلام، حکیم نور الدین، حکیم واحد بخش وغیرہ شامل ہیں۔ ملک بھر میں شہرت رکھتے تھے، ملتان میں اطباء کے کئی خاندان موجود ہیں جو آج بھی یہی فن اپنائے ہوئے ہیں۔

(6) نسو میں صلیب و فہرہ

سر زمین ملتان میں عرصہ طویل کھیل تماشے بھی مظاہر اور مزارات کی سالانہ تقریبات کے حوالے سے تہذیبی اور ثقافتی زندگی کا ایک اہم حصہ رہے ہیں اس قسم کے بیشتر میلے کسی نہ کسی لحاظ یا موزن کے ساتھ وابستہ دکھائی دیتے ہیں۔ زیادہ قبل از اسلام بھی اس قسم کے میلے ہوتے تھے۔ لوگ دھڑ

1- بحوالہ "ارز ملتان" از شیخ اکرام الحق، ص 245

2- یہ روایت کتاب ارشد ملتان میں بیان کی۔

دراز سے بٹی کی باترا کے لئے آئے تھے۔ اس کا تفصیلی ذکر دوسرے باب میں ملتان کی حفاظت کے حوالے سے آچکا ہے۔ بعض ملے "گسل ملے" (Bathing Faire) کہلاتے تھے۔ ان میں یہ عقیدہ کارفرما ہوتا تھا کہ مخصوص تالابی یا کنوئیں کے پانی سے نہانے کی بدولت بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں یا جسم بہتر (ہلکا) ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ملتان کے رام چوڑا،¹ رام تیرتہ اور سوچ³ کٹ کے ملے مشہور ہیں۔⁴

مسلمان مونیاء کے مقبروں میں مخدوم عبدالرشید حقانی کی خاٹواں کا گنواں مشہور ہے جو صرف ملے کے موقع پر چلایا جاتا ہے۔ یہاں قاف کے ملے میں بھی کے مال کٹوائے جاتے ہیں۔ ہاکیت شریف میں بابا فرید کے دربار کے بہشتی دروازے سے گزرتا عقیدہ مادی کے لئے باعث رحمت اور سعادت ہے چنانچہ یہ دروازہ عرس کے موقع پر کھولا جاتا ہے۔

عور اور ملے شائع کا ایک ذریعہ بھی رہے ہیں کیونکہ ان کے ذریعے لوگوں کو مشیہ کرنا زیادہ آسان اور سہل تھا۔ ان ملی ٹیلی میں صحیح معنی میں مقامی شرافت کے مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں۔۔۔۔۔ ایسی شرافت جس میں اس ش کی خوشبو سے مٹی ہے۔ ان ملیوں میں کٹہ ہٹھی کے تماشے، تھپڑ اور ان میں دکھائے جانے والے لوگ تماشے جو لوگ کبھی پر مین ہوتے ہیں۔ لوگوں کے لئے دلچسپی کا باعث بنتے ہیں۔ ان طرحی مشاف کے علاوہ طاقت کے مظاہر بھی ہوتے تھے جن میں ٹھوڑے سوار کے مقابلے، سڑے بازی، کھڈی اور کشتی کے کھب بھی دکھائے جاتے تھے۔ سید اولاد علی گیلانی کے مطابق

1۔ یہ مہر درہائے راوی کے کنارے سوائے سدھو کے قہب واقع ہے۔ موجودہ مہر مباراجہ رحمت سنگھ نے تصدیق فرمایا تھا۔ ہساکھی کے موقع پر یہاں میلہ لگتا ہے کہا جاتا ہے کہ رام چند راجہ ^{پن} گیلانی ^{ہیں} ہاں تیرتہ باترا کے لئے یہاں آئے تھے اور اشٹاب کیا تھا۔ اس لئے یہ جگہ مقدس ہو گئی۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "موقع ملتان" ص 236)

2۔ رام تیرتہ۔۔۔ یہ مہر ملتان سے شرق کی جانب ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اس میں ایک تالاب اور دھرم سالہ ہے، روایت ہے مطابق یہاں بھی رام چند راجہ ^{پن} گیلانی ^{ہیں} ہاں کی حالت میں آئے تھے۔ مشہور ہے کہ جو کوئی اس تالاب میں نہائے گا اسے عرصہ افشاں کا پھل ملے گا۔ (موقع ملتان، ص 234)

3۔ ملتان کا ایک تالاب ہے، روایت کے مطابق یہاں سوچ ^{پن} گیلانی ^{ہیں} ہاں کا تالاب تھا اور اس نے یہ بر دیا کہ جو کوئی اس تالاب میں نہائے گا وہ پھل پائے گا۔ (موقع ملتان، ص 235)

4- Extracts from the Dist. & States Gazetteers of the Punjab

(Pakistan) Vol-II, Page 103, Research Society of Pakistan

First impression, May 1977.

" ملی اور تماشے کے موقع پر جوان لوگ بڑ کڑی، جھمرہ، تلماش، نوزہ

بازی، گھوڑ دوڑ وغیرہ کے مظاہرے بڑ شوق سے کرتے ہیں اور اسے موقع پر اس

قسم کے کھیل خاص طور پر روتھ اور تفریح کا سامان سمجھا کرتے ہیں۔ " (رقمہ رکن ملک)

پہلوؤں کا فن باہر خاص ملتان میں مقبول رہا ہے۔ یہاں کے پہلوؤں پر مغیر کی ریاستوں کے تلامذہ اور

راہاؤں کے درباروں میں بڑی عزت پاتے تھے۔ کئی پہلوؤں خواہاں آج بھی ملتان شہر میں آباد ہیں۔

ملتان میں شاہ نسیم کا حیلہ، شاہ رکن عالم کا عرس اور غوث بہاء الحق زکریا ملتان کے سالانہ جلسے ہر

سال باقاعدگی سے ہوتے ہیں۔ جن میں تہذیبی اور ثقافتی زندگی کے مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں۔

(7) فن موسیقی اور سماع

ہیں تو اسلام نے پھر فقہی مذاہب کے مطابق موسیقی کو ناجائز اور ٹاپستیدہ عمل ٹھہرایا گیا

اور یہی وجہ ہے کہ پھر فقہاء کے کہنے پر سلاطین وقت نے موسیقی کو ممنوع قرار دیا۔ "ہندوستان میں سلطان

التمش (633ھ/1235ء) نے بھی اس دہاؤ کے تحت موسیقی کو ممنوع قرار دے دیا تھا لیکن ان فقہاء کے

برعکس سولہاد اور درویشی کے پھر سلسلے نے روحانی ترویج اور عہد و حال کی خاطر موسیقی، پھر اور

سماع کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ ضروری سمجھ کر۔ تاہم پھر و سماع کی محافل کے لئے خاص شرائط

تقدیر کی گئی ہیں۔ کثرت المصنوع میں حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے اس کی حلیت و حیثیت پر

تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ حضرت عیسیٰ الدینی چشتی امجدی نے جو ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کے

بانی ہیں، موسیقی اور سماع کو پھیلائے میں بڑا حصہ لیا ان کے سارے پیروکار سماع اور موسیقی کے

ولدادہ تھے۔

التمش کے بعد سلطان غریز شاہ اول دکنی (1239ء) نے اس فن کی سرپرستی کی، غیاث

الدینی بلخ (666ھ/1265ء) ، علی سلطان اور خواہاں سادات نے بھی موسیقی کے بارے میں سرپرست

روح اختیار کیا۔ امیر خسرو جیسا ماهر موسیقی اور ثقافت روزگار انہیں درباری سے وابستہ رہا۔ افغان

ملاطین بھی موسیقی کی صورتی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ مابہر نے تو موسیقی کے ماحول میں پرورش پائی تھی۔ اس کی ساری اولاد (خاندان بادشاہ) ماسوائے اورنگ زیب عالمگیر کے موسیقی کی قدر دان اور سرپرست رہی۔ البتہ اورنگ زیب کے دور میں موسیقی متروک ہو گئی۔ لیکن اس کے امرار وغیرہ موسیقی کی سرپرستی کرتے رہے چنانچہ اورنگ زیب کے ایک درباری امیر شاہ قباد بن عبدالحمید الحارثی نے موسیقی کے فن پر سترہ مملوکیات نقل کرائے۔ وہ اب تک محفوظ ہیں، ان میں الکھور، الفارابی، ابن سبتا، ابن منجم، ابن زبلا، عبدالقادر، ابن نعیم اور دوسرے ماہرین فن کے واقعہ رسالے شامل ہیں۔ اورنگ زیب کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ اول، چہانداری شاہ اور شاہ عالم ثانی نے موسیقی کو ترجیح میں پروردہ چڑھ کر حصہ لیا۔¹ ایسا ظلم ہوتا ہے کہ اس سارے دور میں غلط اور غلطیوں پر ایرانی موسیقی کے اثرات غالب رہتے رہے۔ برصغیر پاک و ہند میں لی موسیقی میں مسلمانوں کے حصے کے بارے میں ڈاکٹر اسد علی لکھتے ہیں

”مسلمان جب ایران ہوتے ہوئے ہندوستان آئے تو اپنی ساتھ ترقی یافتہ نظام موسیقی بھی لائے اور قریب حکمران بھی فن موسیقی کی سرپرستی کرتے رہے اور پایا کہ یہ فن ان کی اتباع کی ابن سبتا، الفارابی اور الکھور جیسے عظیم المرتبت علماء اس کی حمایت کرتے تھے اور انھی نے موسیقی کے بارے میں عظیم تین کتابیں لکھیں۔ دھیمی دھیمی دمشق، بغداد اور غرناطہ فن موسیقی کے خصوصی مراکز بن گئے اور عرب موسیقی نے یورپ کو بہت کچھ دیا۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی کی ہندوستان میں آمد کے وقت تک عرب، ایران اور وسط ایشیائی باشندے موسیقی کو وراثتاً اپنے ساتھ لا جاتے تھے۔“

اس تفصیل کو دہلے کی ماہی خاص وجہیں ہیں ایک تو یہ کہ ایک طرف ہندوستان ایک ترقی پذیر نظام موسیقی رکھتا تھا دوسرے عربی اور ہند کے صوفیاء نے ایران اور عرب وغیرہ سے تقویت حاصل کر کے اپنی ریاضت میں موسیقی کو بہت اہمیت دی۔ تیسرے ہندوستان کے متعدد مسلم حکمران فن موسیقی کے عظیم سرپرست رہے ہیں۔ چوتھے امیر خسرو شاہنشاہ اور شرقی شاہان کے متعدد امیر عظیم فنکار ہندوستان میں ہوتے ہیں جنہی نے مختلف رائجی کو جنم دیا اور ماحول کے آلات کو ایجاد کیا اور اصلاح کی۔ مسلم صوفی

شعرا بھی موسیقی سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔" ۱

اس مبارکرمہ واضح ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو موسیقی سے ہمیشہ لگاؤ رہا۔ ملتان عریسی اور ایرانی موسیقی سے واقف تھے حقیقت یہ ہے کہ موجودہ فن موسیقی عریسی، ایرانی اور ہندوستانی موسیقی کا حسین امتزاج ہے۔ اگرچہ عبدالخالق آریں کے مطابق

"اسلامی موسیقی اور ہندوستانی موسیقی میں بنیادی اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات کا نتیجہ ہے کہ یہی فرق و امتیاز، ملکی آب و ہوا اور مقامی خصوصیات کا۔ چنانچہ فارس (اسلام) موسیقی میں بارہ ہزدی یا مقامات ہیں۔ ہندوستانی موسیقی میں سات یا آٹھ اسلامی عدد کے قبل اہل عرب ہندوستانی موسیقی سے واقف تھے۔" ۲

دب، دماغ، نظارہ اور نظری غالباً عریسی ساز ہیں۔ چنگ، رباب، شان، رباب، شہنائی، ناقوسہ ایرانی ساز ہیں۔ (Vocal & Instrument) بھونک سے بھرتے والے آلات موسیقی ڈھ، بجنھل، برلی، بھری شہنائی (نورانی) گھونگھو وغیرہ خالص ہندو اور ملتان ہیں۔ پھر حال حصار، بھان، ایرانی، عریسی اور ہندوستانی ساز اور باجے موسیق ہیں۔ رات راتیں کا فن بھی ہے۔ جس پر ہندی ثقافت کے اثرات نمایاں ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ صوفیاء نے بالخصوص موسیقی سے دلچسپی لی ہے۔ سماع اور قوالی تو ان کی سطحوں کا جزو لاہیکہ بن گئے تھے۔ ملتان صوفیاء کا مرکز رہا ہے۔ یہاں کے صوفیاء نے بھی موسیقی میں گہری دلچسپی لی۔ سماع اور قوالی یہاں کی خاطرین زندگی کا حصہ رہے ہیں چنانچہ ملتان میں موسیقی کے ارتقا کے بارے میں شیخ اکرام الحق لکھتے ہیں۔

"آریائی کا شغف موسیقی اور اس کے مشغلات سے دھرتی پر ہر وقت ہاشریت بلکہ اعتقادی رسوم میں دخل تھا اور صدیوں میں بھی ہوتا ہے دوران عورتیں حضرت اسرائیلیں کیا جانتا تھا۔ بہت کے تعالیٰ میں بھول اور ہوتا کسی چیزیں لے کر دھرتی کرتی تھیں۔ اور بعض گائے جانتے تھے۔ سہکیت کے دریاے تھے۔ قطعہ سکے جو دیہاتے راوی کے مشرق میں ملتان کا ذیلی حصار تھا وہاں متعدد صدیوں سے اور وہیں اور سہکیت کی تعلیم کے لئے بہت بڑا دریاہ تھا۔"

۱۔ بحوالہ "ہندی ادب کے بھٹکی کال پر مسلم ثقافت کے اثرات" از ڈاکٹر سید اسد علی متوجم ڈاکٹر ماجد

اسد، ص 227، 228، پبلیا ایڈیشن 1974ء، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی

۲۔ بحوالہ "مناہیں مالک" ص 42، سلسلہ مطبوعات ادارہ طاق بستان آرہ ہار اول 1942ء

دوران سماع ہائیں نہ کریں

(4)

ادھر ادھر دیکھنے سے باز رہیں

(5)

ہاتھ پاؤں نہ ہلانیں اور غلط کرے ساتھ کسی حرکت کا مظاہرہ نہ کریں

(6)

اسی طرح بیٹھیں جس طرح نماز میں تشہد کے لئے بیٹھتے ہیں۔

(7)

دل کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ سے مشغول رکھیں اور متناظر رہیں کہ دیکھئے اس سماع کی

(8)

برکت سے ان کے لئے بڑی غائب سے کیا اکتشاف ہوتا ہے۔

اپنے آپ کو قابو میں رکھیں تاکہ اختیاری طور پر اللہ نہ کھڑے ہوں اور نہ حرکت کرنے لگیں

(9)

ہاں اگر مطلوب الحال ہو کر ان سے مع کوئی لفظ کھڑا ہو تو اس کی امداد و موافقت

کریں۔ اگر اس کی پٹری گرنے لگے تو سب کے سب ہاتھ پھیلا دیں۔¹

محتاجیہ سماع کے دوران عام طور پر ان آداب کو ملحوظ رکھنا چاہتا تھا۔ تصوف کی کتابیں سماع اور قوالی

کے تذکرے سے بھر دی ہیں۔

محمد اکرم خان "حدود الموصی" میں لکھتے ہیں کہ در قسمی قوالی امیر خسرو کی ایجاد

ہے اسی نے موسیقی کے لحاظ سے قوالی کی ان اقسام کا ذکر کیا

یاگہوں = گھوڑ اور ملا کو ملا کر

سوہنی قوالی = بچ کی سنگت سے

بہار قوالی = کاڑھا کی سنگت سے

بست قوالی = سوہنی اور بہار کی سنگت

تالی کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ امیر خسرو نے سفرہ تالی ایجاد کی جس میں سے سوہن تال قوالی

کی تھی یہ تال سات لفظ کا تھیکہ رکھتا ہے۔² لیکن یہ بات محل خطر ہے کہ قوالی کی ایجاد حضرت

امیر خسرو کی برہمی وقت ہے یہ درست ہے کہ ایسا باکمال موسیقار اور ماهر فن کی حیثیت سے اسی نے

سماع اور موسیقی میں جدتیں پیدا کیں لیکن حضرت امیر خسرو سے پہلے خواجہ حسین الدین، قطب الدین

مختار کاکڑ، بہار الدین زکریا، عبدالرشید خلانی اور بابا فرید کچ شکر کی محافل سماع کا ذکر ان کے

احوال میں کیا جا چکا ہے اور ان قوالی کے نام بھی لکھے جا چکے ہیں جو اپنے زمانے میں شہرت رکھتے

1۔ بحوالہ پاکستانی موسیقی میں قوالی کی بابت از اشفاق سلیم میرا، ص 172 تا 173 مسریدیں

پاکستانی ادب سلسلہ چوتھی مرتبہ قاری علی و رشید احمد، فیڈرل گورنمنٹ مسرید کالج راولپنڈی

2۔ اہمیت، ص 174

تھے اس لئے یہ کہتا صحیح نہ ہو گا کہ سماع کا رواج امیر خسرو کی بدولت پڑا۔ مفکر یہ کہ موسیقی اور سماع حصے اہم اور مقبول تہذیبی و ثقافتی مظاہر بھی دراصل صوفیاء ہی کے مرہون تھے۔
 ہیں اور آج بھی ہیں۔

(ب) ملتان کی تعلیمی، عدلیہ اور علمی زندگی پر مولانا کے اثرات

(1) مدرسے اور خانقاہیں

=====

تہذیبی اور ثقافتی سطح کے ان مظاہر کے ساتھ ساتھ مولانا کی بدولت ملتان میں نہایت

واقع اور قابل قدر تعلیمی، عدلیہ اور علمی روایات کی بنیاد بھی پڑی۔ حیرت کی بدولت ملتان اور

اہل ملتان میں نہیں ہرگز پاک و عہد بلکہ اس سے بھی بڑھ کر باہر کی دنیا والے بھی مستفید و

مستفید ہوئے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ان مدرسے اور خانقاہی کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی بدولت

ملتان میں ایک نہایت مضبوط اور مستحکم نظام تعلیم مروج ہوا۔

ملتان کو بجا طور پر "مدینۃ الاولیاء" کہا گیا ہے اولیاء کی اس سبب کو ان خانقاہی

کی بدولت شہرت حاصل ہوا جو محض عبادات اور صلوٰۃ و دیود کا مرکز یا روحانی ترویج کا ذریعہ نہ تھیں،

بلکہ علوم و فنون، فلسفہ و فکر اور تہذیب و ثقافت کی ترویج کا ذریعہ بھی تھیں۔ ملتان میں ان

خانقاہی کے ساتھ اسے مدارس بھی قائم کئے گئے تھے جن میں اسلامی علوم و فنون کی تدریس کی جاتی

تھی۔ جن مدرسے خانقاہی سے طبع ہوتے تھے۔ عبدالعزیز سالک لکھتے ہیں

"شاہان ملتان میں سے حسن لنگاہ نے خود بھی ذی علم بادشاہ تھا بہت

سے مدرسے قائم کئے اور بڑے بڑے علماء کو گراں قدر شاہینہ دے کر تدریس و تعلیم

پر مامور کیا۔ مدینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سلطان نے کسی کو

گجرات بھیجا کہ وہاں کی عظیم الشان عمارتی کو دیکھ کر رپورٹ کرے جب اس

شخص نے آ کر بتایا کہ آپ اپنی دولت و ثروت کے ماحول گجرات جیسی عمارتیں

نہیں بنا سکتے تو سلطان غصے ہوا۔ اس پر غصہ نہ کیا کہ گجرات عمارتی کی

وجہ سے بڑا ہو گا لیکن ملتان علم و فضل میں اس پر برتری رکھتا ہے۔" 1

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملتان میں عمارتی کی جگہ مدرسے قائم کئے گئے ملتان میں تعلیم و تدریس

کا بہتر نظام تھا اور علماء کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مولوی ابوالحسن عسکری نے بھی حسن

1۔ بحوالہ "سلم ثقافت و تہذیب" از عبدالحمید سالک، ص 207، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

طبع دوم۔۔۔۔۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے (1) "تہذیب و تہذیب اسلامیہ" ص 71-72

(2) "تاریخ فرشتہ" جلد دوم۔۔۔ ذکر حسن لنگاہ

شاہ لنگاہ کے دور کی تحریک کی ہے اور لکھا ہے کہ

”حسین شاہ لنگاہ علوم و فنون کا بہت بڑا مہر ہے گزرا ہے صوفیوں و اہل
فضل و کمال کا سرپرست و مددگار تھا ... شاہ لنگاہ نے متعدد مدرسے
قائم کئے جس میں ممتاز مشہور اساتذہ وقت مشغول درس و تعلیم رہے تھے۔“ 1

ان مدرسوں میں مدرسہ بہائیہ سرپرست ہے جس کا تفصیلی تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا
ملتان کے احوال میں کیا جا چکا ہے اس مدرسے کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں متداولہ علوم و
فنون کی تدریس کے علاوہ روحانی تربیت کا اہتمام بھی تھا اور طلبہ کی جماعتیں دیگر شہروں اور ملکوں
میں بھی بھیجی جاتی تھیں۔ علامہ متقی فکری لکھتے ہیں کہ

”حضرت بہاء الدین زکریا نے ملتان میں دینی مدرسے کی بنیاد رکھی
یہ فقط مدرسہ ہی نہیں تھا بلکہ بہت بڑی اخلاقی اور روحانی درسگاہ
تھی مدرسہ میں مختلف فنون بھی سکھانے جاتے تھے۔ ان میں خاص
ترغیبات اور اعلیٰ قسم کی حلاجی کا کام بھی تھا ... قرآنی تعلیم
کا تو آپ نے خاص اہتمام تھا اور ساری قرآنی میں قرآن مسدس کے
پڑھنے کی تعلیم دی جاتی خاص طور سے قرآنی تعلیم کا شعبہ علیحدہ قائم
تھا۔۔۔“ 2

اسی مدرسے کی درس کتابی کا صواب بھی ملاحظہ فرمائیے

”علم حق میں محتاج، کافیہ، لب الالباب، فقہ میں ہدایہ، اصول فقہ میں
مناہ اور اس کی شرح اور اصول بزواہی، بعد میں نظمیر مدارک اور ہفتاوی
شروع کتاب بھی مطالعہ میں دھتی تھی لیکن پھر اسے خارج کر دیا اور آپ
نے صاحب کتاب کے ہتزل ہونے پر اس کا پڑھنا منع فرمایا تھا اور حدیث
شیعہ میں مشتاق العاقل بھی پڑھائی جاتی تھی۔ انبیاء الطہور امام غزالی کے
مطالعہ کے لئے رائج تھی اس کتاب میں فقہ کو صریح کی روشنی میں پیش کیا
گیا ہے اور اہل سنیہ شیخ التوحید شہاب الدین سیروی کی تصحیح حواش
الطارق بھی پڑھائی جاتی تھی۔ بابا فرید گنج شکر بھی اس کتاب کا بڑی

1۔ بحوالہ ”ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں“ ص 71، مطبع ہارف اصظم گڑھ 1355ھ/1936ع

2۔ بحوالہ ”حق ملتان“ از متقی فکری، ص 54 تا 55، مطبوعہ فکری اکیڈمی ملتان، مطبع اول جنوری 1982ھ

خصوصی سے درس دیتے تھے۔ بہت سے کتابیں آپ ساتھ بھی لائے تھے۔ ہدایہ
سے اہل سندھ و ملتان اور ہندوستان آپ کی بدولت متعارف ہوا تھا۔" 1

اس مصاب کو ایک نظر دیکھتے سے عظیم ہوتا ہے کہ یہ درس نظامیہ سے ملتا جلتا تھا اس مدرسے کی نمایاں
خصوصیت تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کی روحانی تربیت بھی تھی۔ یہ مدرسہ حضرت شاہ رکن الدین عالم
کے زمانے تک بڑی شان و شوکت کے ساتھ کام کرتا رہا، محمد صدیق قادری لکھتے ہیں

"حضرت شاہ رکن عالم کے زمانے میں حضرت سندوم حمید الدین حاکم اہل عظیم
دانشور اس درسگاہ میں مدرس تھے۔ حضرت شاہ رکن عالم نے بھی تبلیغی جماعتوں
کے اس سلسلے کو جاری رکھا جس کی بنیاد حضرت فوت العالین نے رکھی تھی۔
تبلیغی وفد کا سلسلہ آپ کی وجہ سے بام عروج تک پہنچا آپ نے دینی تعلیم
کے علاوہ اس میں سلم لکھنے، خطاطی، شاعری، تصنیفات اور تاریخ نویسی
وغیرہ کے شعبے بھی قائم فرمائے اور عربی، فارسی، سندھی، مراٹھی اور پشتو
زبانوں میں ترقی کی اور اساتذہ نے اپنی نگارشات کے لئے ان زبانوں کو ذریعہ
انتخاب کیا۔" 3

مدرسہ بہائیہ میں ایک تبلیغی مرکز بھی قائم کیا گیا تھا جس میں تبلیغی جماعتیں تیار کی جاتی تھیں۔
یہ تبلیغی جماعتیں اہل دیوبند اور پیری ملک بھیجی جاتی تھیں تبلیغی تعارف پیشہ ہوتے تھے اور اس علاقے اور
ملک کی زبان خواص تھے، مولانا نور احمد فرید لکھتے ہیں

"حضرت شیخ الاسلام پہلے بزرگ تھے حضرات نے اسلام کی اشاعت کے لئے ملتان
میں ضبط مرکز قائم کیا تھا۔ مدرسہ بہائیہ طما، قاری اور حفاظ پیدا کرتا
تھا اور تبلیغی مرکز حضرات طما کو ملاح بٹاتا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام نے لسانی
بنیادی پر تبلیغی شعبے قائم کر رکھے تھے۔ سنکرت، بنگالی، سندھی، فارسی،
عربی، اردو، پنجابی، مرہٹی، الفری مشہور زبانوں کے الگ الگ شعبے تھے۔ جو
عالم رضاکارانہ طور پر اپنے آپ کو تبلیغ کے لئے پیش کرتا اسے اس شعبے میں

1- بحوالہ "حق ملتان" آر حقیق لکھی، ص 455

2- اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "ہندوستان کی قدیم درسگاہیں" از مولوی ابوالحسنات دیوبند،
ص 90 تا 102، مطبع عارف اسلام آباد، 1355ھ/1936ء

3- ضمیمہ ہفتویں "عظیم روحانی پیشوا حضرت شاہ رکن الدین عالم سپروردی" از محمد صدیق خان قادری،
مطبوعہ دارالعلوم دیوبند، روزنامہ امتیز، 28 جنوری 1985ء

داخل کیا جاتا تھا جہاں اسے پہنچا دیا گیا تھا۔ مثلاً جو عالم اڈونشیا میں جاتے اور وہاں تبلیغ کرنے پر آمادگی کا اظہار کرتا اسے اسی شعبہ میں داخلہ ملتا۔ جہاں اڈونشیا علمائے اپنے طاق کی زبان سکھاتے اور اپنے ملک کے طور طریقے سمجھاتے پر مقرر تھے۔¹

یہ طریقے طریقت کے رمز سے بھی واقف ہونے کے لئے تبلیغ کے ساتھ ساتھ طریقت کے اسرار بھی سکھاتے تھے۔ اڈونشیا میں موجود یہ سلسلے کا شعار ملتان کے حوالے سے ہوا۔ شیخ الاسلام ادریس ملک تبلیغ کے لئے اپنے مریض کو بھیجتے تھے جو تبلیغ کا کام اچھے طریقے سے سر انجام دیتے تھے۔ مدرسہ بہائیہ نے جہاں علوم و انبی کی تدریس کا کام انجام دیا وہاں اسلام کی اشاعت کا فریضہ بھی ادا کیا۔ علم کے ساتھ ساتھ روحانی تربیت، طریقت اور عرف کے رمز بھی سکھاتے جاتے رہے۔ اس مدرسے سے فیض یافتہ والی میں سے دو علماء بہت مشہور ہوئے۔ عراقی عطائی اور سمرقانی عراقی علم و ادب کی دنیا میں ان دونوں حضرات کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

مدرسہ بہائیہ کے علاوہ اس دور میں اس کے معاصر مدارس میں سے کاشانی کے مدرسے (دارالعلوم) اور مدرسہ لبریزہ³ نے بڑی شہرت پائی۔ کاشانی کا مدرسہ ملتان میں اور مدرسہ لبریزہ آج میں واقع تھا۔ محمود حسن شہاب کے مطابق مدرسہ لبریزہ تو سورہ مہد حکومت میں (جو چوتھی صدی ہجری سے چھٹی صدی ہجری کے تقریباً ڈھائی سو برس تک پھیلا ہوا تھا) بھی موجود تھا اور قیام مہد حکومت میں اسے بے حد ترقی حاصل ہوئی۔ مشہور مورخ علامہ منہاج سراج اس مدرسے کے تدریس شعبے کے صدر تھے تھے۔ ان کے علاوہ علی بن حامد بن ابوبکر کوفی، نوالدین محمد بن علی الحنفی البخاری اور شیخ محمود فاروق حمصی اہل علم اور اصحاب زہد کی موجودگی کا بھی پتہ چلتا ہے۔⁴

- 1- بحوالہ "تاریخ ملتان" از نور احمد فرید، ص 141 تا 142، مطبوعہ انصارالدین، جگوالہ، ملتان ہارڈویک
- 2- انصارالحق قدوسی لکھتے ہیں کہ "مولا قطب الدین کاشانی اپنے دور کے جید عالم تھے۔ یہ جب تشیخ لائے تو مولا کے لئے نامزدی کی حاجت نے ملتان میں ایک مدرسہ تعمیر کرایا۔" (بحوالہ "تاریخ سندھ" جلد اول از انصارالحق قدوسی، ص 346، مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور، ہارڈویک/1976)
- 3- "طبقات نامی کا حجت نامی منہاج الدین سراج قرظی کی تصانیف کے بعد 624ھ میں آج پہنچ کر قیام کے دربار کی زینت بنا اور آج کا مشہور مدرسہ لبریزہ اس کے حوالے کیا گیا۔"
- (بحوالہ "تاریخ سندھ" از انصارالحق قدوسی، ص 347)
- 4- تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "خلفہ پاک آج، ص 167-166

اسی طرح مولوی ابوالحسنات مدرسہ فیرپورہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"اجہ میں اس نام کا ایک مدرسہ تھا یہ معلوم نہیں کہ اس کا بانی کون تھا اور یہ کب قائم ہوا تھا معلوم ہے کہ ناصرالدین قباچہ کے بعد میں یعنی چھٹی صدی میں یہ مدرسہ موجود تھا۔" 1

اسلامی علوم و فقہ کی تدریس و ترویج میں ان مدارس کی خدمات بھی قابلِ تحسین ہیں "ہنرِ ملتان" میں فقیر فکیر لکھتے ہیں

"اس طرح دور گاہ بیانیہ قریباً ۱۰۰ برس تک آپ کی زندگی میں آپ نے بعد یہ سلسلہ حضرت شاہ رکن الدین قطب عالم کے زمانہ ۱۷۶۷ تک جاری رہا۔ اس وقت مولانا کاشانی کا مدرسہ بھی جاری تھا اور اچے شریف میں مدرسہ فیرپورہ بھی طالب علموں کے لئے علم و فضل کا مرکز تھا۔ جس کو ناصرالدین قباچہ نے بنوایا تھا۔" 2

مولانا کاشانی کے مدرسے کے بارے میں ایک اور روایت ہے

"... کہ جب مولانا قطب الدین کاشانی ³ ماہر الدین سے ملتان میں تشریف لائے شاہ ناصرالدین قباچہ والی ملتان نے محسورایا مدرسہ ان کے واسطے تعمیر کیا اور مولانا کہ علامہ زبان تھے حار فیر اس مدرسے میں آکر رہ گئے دور میں مشغول ہوتے تھے اور شیخ بہاؤالدین زکریا علیہ السلام کا ابتدائی حال تھا ہر روز صبح کی نماز کے وقت وہاں حاضر ہوتے تھے اور نماز کی نماز مولانا نے پیچھے پڑھتے تھے۔" 4

یہ تو ہے اس دور کے چند بڑے مدرسے کا احوال جن میں سے اکثر کی تحصیل مولانے کرام کی احوال میں بیان کی جا چکی ہے۔ بابا فرید گنج شکر نے ایک جماعت خاصہ قائم کیا جہاں وہ خود تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اسی طرح اچے میں سعد خاں الدین سراج بخاری نے "خانقاہ بخاریہ" اور "خانقاہ

- 1۔ بحوالہ "ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں" ص 70 - 2۔ بحوالہ "ہنرِ ملتان" ص 456 تا 457
- 3۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا قطب الدین کاشانی کا مزار علیحدہ محکمہ خزانہ کی دیوار کے ساتھ واقع ہے جہاں ایک حلقہ کفدائی کے دوران میں ایک حوض اور مسجد کے آثار ملتے ہیں۔ علامہ کاشانی کو دارالعلوم کے محکمہ میں دفن کیا گیا تھا اور دارالعلوم تھانہ کبیرہ پر تعمیر کیا گیا تھا۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے ضمیمہ بعنوان "عام غائب ہاج اور علامہ کاشانی کا مزار" مطبوعہ ریفرمہ امیر "ملتان صبر، 28 جنوری 1978ء ص 4)
- 4۔ علامہ خاں کا بھی یہی خیال ہے کہ "مولانا کاشانی کا دارالعلوم ہزارے تھانہ پر ہے۔" (ملاحظہ فرمائیے ضمیمہ "حضرت مرانی کی ازاد" مطبوعہ رسالہ تحفہ، ملتان، سالنامہ اکتوبر 1957ء ص 77)

جلالیہ" کی بنیاد رکھی۔ یہ خاتواہیں دراصل علوم و فنون کی دیگاہیں تھیں۔ خاتواہ جلالیہ کو مقدم

جہانیاں جہاں گشت کے زمانے میں خاتواہ شہرت حاصل ہوئی اور سفود میں شہاب کے بیان کے مطابق

"عدہ اور ہمیں عدہ سے یہاں اس قدر طلباء جمع ہوئے کہ اس کی مثال

دہلی کے سوا اور کہیں نہیں ملتی۔" 1

حضرت سلطان تونسوی نے تونسہ شریف میں ایک مرکزی دیگاہ کے علاوہ سے شمار چھوٹے بڑے مدرسے قائم کر

رکھے تھے۔ یہ اقامتی ادارے تھے جہاں تنظیم کے علاوہ تربیت کا بھی خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ حضرت

خواجہ غلام فرید کے آباؤ اجداد کا قائم کردہ مدرسہ بعد کے زمانے تک درس و تدریس کا حق ادا کرتا رہا

عام طور پر ان مدرسوں میں تدریس کے دو طریقے رائج تھے۔ ایک تو یہ کہ طلباء فرداً فرداً اپنے گھر پر

تعلیم دیتے تھے۔ طلبہ ادا کے گھر میں جمع ہو جاتے تھے۔ اور وہ انہیں وہیں تربیت کرتے۔ دوسرے یہ

کہ مسجد یا خاتواہ کے ساتھ بالادہ مدرسے منسلک ہوتے تھے۔ جن میں سے کچھ کا ذکر ابھی کیا گیا ہے

اکرام الحق کے مطابق

"پھر دھوں مدنی میسوی بھٹی میں جسٹس لکھا نے اس شہر (ملتان) میں متعدد

کالج قائم کئے اور ایک یونیورسٹی بنائی جہاں ماہرین علوم تھے۔" 2

یہ علوم ہیں کہ شیخ اکرام الحق نے اس سے کوئی یونیورسٹی مراد لی ہے وہ اس باب میں آگے چل کر

ایک دانشگاه کا ذکر کرتے ہیں، جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں

"ملتان میں تہ صرف مختلف اطفرادی درس (جس میں مولانا قطب الدین کاشانی

کا مدرسہ مشہور تھا) کافی تعداد میں تھے بلکہ ایک دانشگاه (یونیورسٹی)

بھی قائم تھی جو پراچہ قلعہ پر انگریزی تسلط کے مادگار مینار کے عقب میں واقع

تھی۔ اور فاضل زہد عالمگیر کے وقت میں حاجی اموالفتح اس کے حتم اعلیٰ تھے۔" 3

ان مدارس میں حتمہ علوم مذاکرہ کی تعلیم دی جاتی تھی جس میں علوم دینی کے علاوہ فلسفہ و

منطق، فہمیت، حساب، الجبرا، جیومیٹری، تاریخ اور طب کی تدریس بھی شامل تھی جبکہ موجودہ دور کے

1- بحوالہ "خطہ پاک اچ" از سفود حسن شہاب، ص 167

2- بحوالہ "اور ملتان" از اکرام الحق، ص 331، شمعہ شہر و اشاعت، "الاکرام"

3- --- ایضاً --- ص 332

دینی مدارس کے کتاب تنظیم میں صرف اسلامی علوم کی عدریں پر زور دیا جاتا ہے جیسا کہ پروفیسر شمیم توخڑی لکھتے ہیں۔

" اکثر مدارس میں عامی تنظیم دوسرے نظامہ کے عروج پر کی گئی ہے۔ حفظ قرآن، تہذیبی، تاریخی، صوفی، شعری، اردو، فارسی، عربی، جدیدہ، فلسفہ، منطق، فلسفہ و فقہ اور دیگر اکثر مدارس میں اور چند مدارس میں عام تنظیم سے متخلل نظاموں کی عدریں بھی شوق سے لیکن یہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ " 1

موجودہ بڑی بڑی درسگاہیں میں سے چند نام یہ ہیں۔ غیرالمدارس، قاسم العلوم، انوارالعلوم، شہرالعلوم، باب العلوم، جامعہ عربیہ، محدثہ، مدرسہ اہلسنۃ، دارالتحقیق، دارالعلوم حیدرہ رحمانیہ، مدرالعلوم، ریسر العلوم، مغرب العلوم، اور مدرسہ تنظیم المبارک۔۔۔ کیا پروفیسر شمیم توخڑی کے الفاظ میں "شہر ہزاراں خدا ملتا ہے تقریباً" سوسے زائد مدرسے اور مساجد کی موجودگی اور کارکردگی اہل ملتان کے دینی شغف اور اسلام دوستی کا جیسا حاکما ثبوت ہے۔ " 2

موجودہ دور میں تحریک نے ان مدارس کی ذمہ داریاں تو تسلیم کر لیا ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مدارس میں دینی علوم کے علاوہ دنیاوی اور سائنسی علوم کی عدریں کا انتظام بھی جیسا چاہئیں تاکہ یہاں کے تنظیم یافتہ طلبہ معاشین کے لئے مفید افراد ثابت ہو سکیں کیونکہ اگر قدیم دور میں جملہ علوم کی عدریں کی جا سکتی تھی تو اب بھی ہمیں کی جا سکتی۔

(2) ملتان میں فلسفے کی روایت

اس عدریں اور تہمت نظام کی بدولت، جس کا ذکر ابھی کیا گیا ہے، ملتان میں علوم عقلیہ و فلسفہ کو خاص ترقی حاصل ہوئی اور محقق اور مذہبی فلسفے کے ساعد ساعد فلسفی علوم میں پروان چڑھنے لگے۔ یہی تو سبب ملتان میں فلسفے کی روایت زمانہ قدیم سے موجود تھی۔ عسکری کی کتاب رک جید کا بیشتر حصہ ملتان کے اردگرد کے علاقوں میں تصنیف ہوا۔ اس کی تفصیل دوسرے باب میں آ چکی ہے۔ اس

طرح مدنی فلسفہ جدات میں کیتا کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ علامہ متقی فکری کے مطابق ملتان کے مدنی اور عام گھری میں کیتا کا ہاتھ ہوتا تھا اور حوایدہش ارجس کو کونرا نے مہا بھارت کی جنگ کے موقع پر دیا تھا۔ وہ پورا فلسفہ حیات اور اخلاقیات پر مبنی ہے۔¹ لیکن اسلامی علوم کا آغاز یہاں اس قسم کے خاتمی ملتان کی فتح کے بعد اس وقت ہوا جب سلطانی نے صفہ اور ملتان میں آباد ہونا شروع کیا۔ بنو منیہ کے دور میں ملتان نے تہذیبی اور علمی سطح پر بڑی ترقی کی جب علم ہن شیماں کے خاتمی 373ھ (977ء) میں بنو منیہ (بنو سامہ) کے اقتدار کا خاتمہ ہوا تو یہاں اسماعیلی عقائد کی توجہ فلسفے کے اصولی پر ہونے لگی۔ علامہ متقی فکری لکھتے ہیں کہ ان اصولی کو

”اوسطو اور نو فاطمیتوں کے نظریات سے تسلیم دیکر قابل فہم بنایا گیا تھا
.... اور میں نے فلسفے کے ملتان/اپنے قدم چما لئے۔“²

ملتان میں اس دور کی فلسفیانہ سرگرمی کے بارے میں شمس احمد غوری اپنے ایک مضمون ”اسلام صفہ کے صف اول میں علوم عظیمہ کا رواج“ ص 253، مطبوعہ رسالہ طارق، اپریل 1963ء میں لکھتے ہیں
”جہاں تک علوم فلسفہ کا تعلق ہے یہ باور کرنے کی وجہ ہیں کہ صفہ اور بالخصوص ملتان میں غنی طور پر ان علوم کی بڑی ترقی سے اشاعت ہو رہی تھی، جو ماضی مدی کی ابتداء سے اسماعیلی و علاء عالم اسلام میں اہلباب کے لئے زمین ہموار کرنے پھر رہے تھے۔“

ملتان میں فلسفے کی روایت کے تسلسل میں جو بہت سے عوامل ہیں ان میں ایک مشہور فلسفی اور شاعر ناصر خسرو کی ملتان میں آمد بھی ہے۔ حکیم ناصر خسرو کی پیدائش 394ھ/1003ء اور وفات 481ھ بتائی جاتی ہے۔³ سفرنامہ خسرو سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ملتان سے لاہور گیا اور پھر واپس چلا گیا۔ سفرنامے کی عبارت حسب ذیل ہے

”دیں بدیں اوسط کو طے دیدم از صوبہ گوسفد کردہ کہ مثل آن نہ بہ
لباہر (لاہور) دیدم وہ نہ بہ ملتان و بشکل پیدائش حیدر است“

201- مضمون ”ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات پروفیسر پر“ از علامہ متقی فکری ص 2 (بہ فیض مطبوعہ مضمون فلا سکی کے چند مضمون پر ان کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے اور میں حصول میں ہے۔)
3- بحوالہ سفرنامہ حکیم ناصر خسرو متیوم مولوں محمد عبدالرزاق لاہوری، ص 109، مطبوعہ انجمن ترقی اردو صفہ (دہلی) 1941ء

وہ بلاد سندھ میں بھی رہا۔ اس کے دیوان میں متعدد شعر اور خالص مسکرت الفاظ بھی موجود ہیں جو صحافت و ادب پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً*

”ہیں پطریہ تو خدائے جہاں سے شک و رمان ، وجود لویاست برہمن در حد
ہر چٹال ناگہ فضل راست

بندہ جی چٹال دی از بہر دین شد برہمن“ 1

مطلقات و فلسفہ پر ناصر خسرو کو دوسرا ہونے لگا تھا ہے، وہ ملتان میں مصر کے فاطمی حکومت کا داعی بن کر آیا تھا اور ظاہر ہے ملتان میں فلسفہ کی روایت کے سلسلے میں اس کا نام آنا چاہیے۔ پھر محمود غزنوی کے عہد میں البیرونی نے برہمن ملتان میں قیام کیا اور ”کتاب العدد“ لکھی۔ البیرونی ایک طرف تو مسکرت سیکھ کر عدی فلسفے سے متعارف ہوئے اور دوسری طرف یونانی فلسفے سے ملتان کے لوگوں کو بھی آگاہ کیا۔ شبیر احمد فیروز کے مطابق

”اس نے یہاں آ کر عدوی فلسفہ و ہیئت میں نہیں سیکھا بلکہ عدوی کو بھی علم ریاض و ہیئت سکھائی۔“ 2

محمود غزنوی کے بعد حضرت شاہ محمود ملتان تشریف لائے اور درس و تلمیح کے ذریعے اسلامی علوم کی ترویج کی کوششیں کیں۔ ادھر ہونے لگا تھا کہ فلسفہ چھٹی صدی ہجری میں ملتان میں پہنچ چکا تھا۔ امام نصر الدین رازی حصار طبر اور فلسفہ بھی سر زمین ملتان میں ابھی تقریبی کے ذریعے اسلامی فلسفے کی وضاحت کر چکا تھا۔ ملتان کے جید علماء فلسفی اور اشہر خراساں کا کہ امام رازی سے فیض یاب ہوئے تھے اور پھر ناصر الدین قباچہ کے دربار میں انھیں حکیم خاص کا مقام حاصل ہوا تھا۔ 3

605ھ میں فوت بہادر الحق زکریا ملتانی کی علمی درسگاہ نے مختلف علوم و فنون کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں آچکی ہے یہ وہ دور ہے جب ناصر الدین قباچہ کا دربار علماء اور فن کاری کی سمیٹتی میں بیکار رہتا تھا اور ملتان علوم و فنون کا مرکز بن چکا تھا۔ فلسفی ملتانی جو ہمارا میں غولی کے ہم کتب اور ہم درس رہے اور انھیں دونوں نے امام نصر الدین رازی کی جامع

1۔ سیرنامہ حکیم ناصر خسرو متوجہ ملتان محمد عبدالرزاق کامیوی، ص 30-31

2۔ ضمیمہ ”اسلامی حد کے بعد اول میں علوم عقلیہ کا رواج“ (قسط دوم)، ص 106، مطبوعہ طارق، فیروزہ 53ھ

3۔ ضمیمہ ”ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برہمن پر“ از علامہ فتیل لکھی، ص 3، جلد 91

الصغير حفظ کر، قباچہ کے دیار کے ساتھ وابستہ رہے۔ فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ اور قباچہ ان کی شاعری کا گھر دان تھا۔

ساتھ صدی کے وسط سے آٹھویں صدی ہجری کے آخر تک نے عربی میں ملتان کے بے شمار علماء بوجہ میں پھیلائے۔ مولانا بہاء الدین ملتانی نے دہلی میں سکونت اختیار کر کے مدرس کا سلسلہ شروع کیا۔ مولانا حجتہ الدین نے بھی ملاؤالدین غلجی کے زمانے میں دلی میں درس گاہ قائم کی۔ قطب الدین کاشانی کے عزیز علمی بچہ میں عہدہ قضا پر بھی فائز رہے اور مدرس بھی کرتے رہے۔ ملتان کے ایک اور صوفی عالم شیخ عبداللہ طغر آبادی ملتانی، حضرت رکن الدین عالم سے غوثہ خلافت حاصل کر کے طغر آباد میں مقیم ہوئے اور علم و فضل سے لوگوں کو طہر یاب کیا۔ شیخ عثمان داؤد ملتانی کو فقہ اور صوت کے علوم پر کامل دسترس حاصل تھی انھوں نے شیخ نظام الدین اولیاء کے حکم سے کمرات میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ لاجپاں ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی نے دکن کے شہر بیدر میں علم پھیلایا۔¹

اس ابتدائی دور کے بعد وہ دور آیا جب ملتان کے علمی و تہذیبی اثرات ہمہ گیر طور پر پورے بوجہ میں پھیلائے شروع ہوئے۔ ملتان میں صوفیاء کے اثرات کی بدولت نہ صرف روحانی فیوض اور اثرات عام شروع ہوئے بلکہ سچ اور فکر نے دھار بھی بدلنے اور ایک لحاظ سے اسلامی فلسفے کا احیاء بھی ہوا۔ ملتان میں تصوف کے ساتھ ساتھ فلسفے کی بھی ایک بھرپور روایت ملتی ہے۔ فقہ، حدیث، تفسیر، تصوف کے علاوہ فلسفہ، کلام، اخلاقیات اور منطق کے میدان میں بڑے بڑے حیدر علماء پیدا ہوئے۔ لڑا لڑا تمام صوفیاء کے احوال میں ان کی تہذیبی، علمی و ادبی کاوشیں اور خدمات کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان کے علاوہ بھی چند اہم لوگ ایسے ہیں جن کی بدولت فلسفے کی روایت عام ہوئی۔ ان علماء

میں مولانا شاہ الدین ملتانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے قطب الدین رازی کے مشہور شاگرد شتازانی (متوفی 792ھ) سے تعلیم پائی تھی۔ وہ علامہ تھنا کے علوم و فضل کی شہرت میں گراں سے کب

1۔ مزید تفصیل کیلئے مطالعہ فرمائیے (1) بوجہ پر ملتان کے علمی اثرات از علامہ عشق لکری، مطبوعہ امروہ ملتان، ص 28 ج 1978ء (2) "اسلم فلسفے میں ملتان کی اہمیت" از پروفیسر محمد امین Souvenir of the Pakistan Philosophical Congress 23rd Annual Session May 28-30, 1983.

میں کے لئے ایسا گئے۔ حصول علم کے بعد واپس آئے تو حقول کی تعلیم پر خصوصی توجہ صرف کی اور مولانا سعاد الدین ملتانی اور مولانا فتح اللہ ملتانی کو تعلیم دی۔ مولانا سعاد الدین ملتانی دہلی (متوفی 1901ء) ملتان کے قدیم باشندے تھے۔ آپ کا تعلق کشمیر خاندان سے تھا۔ جس کے ایک بزرگ حاجی جمال کشمیر نے سب سے پہلے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے حامد پر اسلام قبول کیا۔ مولانا سعاد الدین ملتانی اور ان کے بھائی مولانا اسماعیل دہلی علم و فضل اور فلسفہ میں شغف رکھتے تھے۔ مولانا سعاد الدین حضرت راجو قتال کے مرید تھے۔ لکھاوی کے زمانے میں دہلی منتقل ہوئے اور دہلی کبلائے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی درس و تدریس میں گزار دی اس دور کے بڑے بڑے علماء آپ کے شاگرد تھے۔ "سیرالغریب" کے مؤلف مولانا حامد بن فضل اللہ جمالی نے آپ کو "حقائق کے مخزن" و "دقائق کے ہدیہ" ذات اقدس کے حلیم کے مسدود آسمان ہدایت کے روشن آفتاب اور جہان شمس کے آسمان بھی کہہ کر پکارا ہے۔¹

مولانا عبداللہ ملتانی جو عبداللہ تلمیذ بھی کہلاتے ہیں شعبہ میں پیدا ہوئے لیکن تعلیم

ملتان میں پائی بعد میں فلسفہ و منطق کی تعلیم کی تکمیل کی خاطر عراق شریف لے گئے اور علامہ عبداللہ شریف سے حصول علم کیا۔ ملتان واپس آ کر فلسفہ و منطق کا درس دینے لگے پروفیسر محمد امین کے مطابق "آپ کے دور میں منطق کی کتاب شرح شمس اور کلام میں شرح صحائف پڑھائی جاتی تھیں مگر آپ نے بہت سی نئی کتابیں بھی شامل صاب کیں۔ آپ کو منطق و فلسفہ میں یدِ طولی حاصل تھا اور انہیں مضامین کی تدریس میں آپ نے سرگزار دی۔" 2

آپ بھی سعاد الدین ملتانی کی طرح دہلی میں منتقل ہو گئے اس وقت دہلی میں سکندر لدھی کی حکومت تھی۔ اس نے آپ کو ملک الطماط کا اعزاز دیا کیا اور بزرگ اوقات کے لئے حاکم بھی مقرر کی۔³ اور ان کے سرور ایک بہت بڑا مدرسہ کر دیا جہاں وہ فقہ اور حقول کی تعلیم دیتے تھے۔ علامہ عتیق فکری کے

1۔ بحوالہ "سیرالغریب" ابو فضل اللہ جمالی مترجم محمد امین۔ قادری، ص 251، مرکزی اردو بیورو، لاہور، مارچ 1976ء

2۔ بحوالہ "سلم فلسفہ میں ملتان کی خدمات" از پروفیسر محمد امین، مطبوعہ ماہ نو، حوالی 1983ء، ص 35

3۔ بحوالہ "تاریخ ملتان" (جلد اول) از عمر احمد فہدی، ص 295، مطبوعہ میرالادب، ملتان، مارچ 1976ء

مطابق ہدیہ الصلوات اعلیٰ نے لکھی تھی۔¹ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ نور احمد فریدی کے مطابق

"مولانا کے حصے تو سمکڑوں شاگرد تھے لیکن جہالمیں ہا کمال عالم بنے جن میں ملحق جمال الدین اور ان کے بھائی عبدالغفور بن صبرالدین دہلوی، صاب شہخ گوالیار اور میراں جلال الدین ہدایہی کا بڑا درجہ ہے۔"²

مولانا عبداللہ کے دوست اور ساتھی مولانا عزیزاللہ (متوفی 932ھ) بھی اپنے وقت کے جید علما میں شمار ہوتے تھے۔ وہ بھی تفسیر میں پیدا ہوئے لیکن حقیقات کی تعلیم ملتان میں حاصل کی۔ آپ کو علوم مذاکرہ کے بعض اصول و کلیات بطور اور حکمت میں بڑا عبور حاصل تھا۔ سب سے پہلے پیر دہلی میں مولانا عبداللہ مدرسے میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بعد میں ہدایہی سے ہوتے ہوئے مسجلہ چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ سکندر لودھی نے آپ کی قدر دانی کی۔ مولانا عزیزاللہ کے بار میں علامہ حقیق لکھتے ہیں کہ

"مولانا کا حافظہ بلا کا تیز تھا اور مشکل مسائل حل کرنے میں بد طولی رکھتے تھے بغیر مطالعہ کے کتاب پڑھاتے تھے اکثر لوگ مشکل اور پیچیدہ سوالات بطور امتحان پیش کرتے اور مولانا چھٹی میں حل کر دیتے تھے۔"³

شہر احمد نور مولانا ابو سعید اکبر العسوی نے اپنے مضمون "عبداللہ الشیرازی حیات و آثار" مطبوعہ اندو ابراہیکا کے حوالے سے عبداللہ مطابق اور عزیزاللہ کے بار میں لکھتے ہیں

"... کہ یہ دینی بادشاہ (سکندر لودھی) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بے اعزاز و اکرام سے پہنچ آیا اور اعلیٰ اصناف و تعالیٰ سے نوازا۔ ان دینی کی علمی کوششیں بار آور ہوئیں اور شعانی علم میں فلسفہ کی تعلیم کی استعدادیں وہ نہایت نمایاں اور ستار سمجھے جاتے ہیں۔"⁴

مولانا عزیزاللہ کے استاد مولانا فتح اللہ بھی کوئی کم اہم شخصیت نہیں ہیں اعلیٰ نے قطب الدین

1- بحوالہ مضمون "ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر" ص 6

2- بحوالہ "تاریخ ملتان" (جلد اول) از عواض فریدی، ص 296

3- بحوالہ "برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات" مطبوعہ امیر ملتان نمبر، ص 5

4- بحوالہ "اسلامی علم کے مسائل میں علوم عقلیہ کا رواج" (چوتھی قسط) شمارہ 1، جلد 91، جنوری 1963ء

رازی کے مشہور شاگرد تفتازانی (متوفی 782ھ) کے شاگرد مولانا موسیٰ الحیری سے دہلی میں تعلیم حاصل کی تھی ان کے علاوہ مولانا شاہ الدین ملتانی سے بھی اکتسابِ علم کیا۔¹ وہ ملتان کے بہت بڑے فلسفی، حکم، خطاط اور دانشور تھے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی²۔ ان شخصیتوں کے ساتھ ساتھ ایک بچہ بڑی علمی اور فکری شخصیت حافظ عبدالغفر پربھاری کی ہے۔ آپ تحصیل کوٹ اتر و ضلع ملتان کے قریب پیر پیار میں حافظ احمد بن، حافظ سمیع کے گھر 1209ھ میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ بارہ سال کی عمر میں تمام علوم حاصل کر لیں۔ حافظ جمال اللہ ملتانی سے بھی حاصل کیا۔ علم الکلام اور فلسفے پر عبور حاصل تھا۔ ہر کے علماء بالخصوص ابو زہرہ جیسا فقہ اور محدث اپنی کتابوں میں خصوصیت سے عبدالغفر پربھاری کے حوالے دیتا ہے۔³ فلسفہ، تصوف، تفسیر، حدیث، فقہ، طب، حکمت ریاضی اور علم فخر کا یہ ماہر سوسے زیادہ کتابوں کا مصنف تھا۔ آپ نے بہت کم عمر پائی صرف 33، 34 سال کی عمر میں 1239ھ میں وفات پائی۔

فخر سوز میں ملتان علوم فلسفہ کی ترویج کے سلسلے میں بھی پیش رہا۔ پربھاری مشہور احمد فوری لکھتے ہیں

"..... یہ علاقہ نہیں جہاں تک عقائد کی تعلیم کا کڑھ بنا رہا۔ یہیں

(ملتان) سے مولانا عبداللہ شمس اور عزیز اللہ ملتانی نے دہلی پہنچ کر

عقائد کی قوم بازاری کو مزید روش دی۔"⁴

ان علماء کی کاوشوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ملتان کے صوفیاء اور علماء کو حدیث، تفسیر، فقہ کے علاوہ منطق اور فلسفے سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ علمی اور علمی بصورت کی ترویج کے علاوہ فلسفے اور منطق کی تدريس اور اشاعت کے لئے بھی ان علماء نے اہم کردار ادا کیا۔ البتہ ملتان میں جس فکر کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی وہ صوفیانہ فکر تھی کیونکہ ملتان صوفیاء کے ایک بہت بڑے سلسلے کا مرکز رہا۔ یہ سلسلہ

1- بحوالہ "اسلامی عقد کے بعد اول میں علوم عقلیہ کا رواج" (دوسری قسط) مطبوعہ عارف، فروری 1963ء ص 15

2- مزید تحصیل کیلئے مطابقت فرمائیے علامہ عتیق شکر کی مضمون "پربھاری پر ملتان کے علمی اثرات" امیر، ملتان، ص 5

3- بحوالہ "ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات پربھاری پر" از علامہ عتیق شکر، ص 6

4- "اسلامی عقد کے بعد اول میں علوم عقلیہ کا رواج" مطبوعہ عارف، اپریل 1963ء ص 207

سپروردہ تھا جو ملتان سے شروع ہو کر بھی بومفیر میں پہنچ گیا۔ اس سلسلے کے مولیاد اپنے مخصوص اصول و اشغال رکھتے تھے جو انہی دوسرے صوفیہ سلسلے سے میز کرتے ہیں۔ قاضی جاوید اپنی کتاب "بومفیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" میں لکھتے ہیں

"بومفیر میں سپروردی سلسلے کا فروغ زیادہ تر ملتان کے مرکز کے حوالے سے ہوا۔ شیخ بہاد الدین زکریا بومفیر ہی کے باشندے تھے اور تنظیم کے حصول کی خاطر بغداد میں شیخ شہاب الدین سپروردی کی خدمت میں پہنچے تھے۔ رارا شکوہ نے انہیں شیخ شہاب الدین سپروردی کا کامل تہذیب خلیفہ قرار دیا ہے۔ بغداد سے واپس کے بعد ان کی زندگی ملتان ہی میں بسر ہوئی تھی۔ سپروردی مکتبہ فکر تھیں و چودھویں صدی کے مسلم بومفیر میں راسخ الاعتقادی کی عائدگی کرتی ہے تاہم اس بات کو ایک عام اصول کے طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس مکتبہ فکر سے مصوب بہت سے دانشور تھے بومفیر میں مسلم روحانی بغاوت میں اہم کردار ادا کیا تھا۔" ۱

سلسلہ سپروردی عالمی وقت کے ساتھ ساتھ رکھتا تھا۔ سیاست میں باقاعدہ حصہ لیتا تھا اور جاگیریں اور تدارک بھی قبول کرتا تھا۔ سپروردی سلسلے میں اہم تین کتاب شیخ شہاب الدین سپروردی کی حواریہ عبارت ہے۔ ان کی مولیاد فکر اور آداب و اشغال کا سارا خزانہ اسی کتاب میں جمع ہے۔ سپروردی نے اس القریس کے فلسفہ وحدت الوجود کو رد نہیں کیا بلکہ اختیار کیا۔ ملتان میں یہ فلسفہ فقہ الدین عراقی کی وساطت سے متعارف ہوا۔ عراقی کی غلط و کتابت حضرت بہاد الدین زکریا کے فرزند اور حاشیہ حضرت عبداللہ عراقی سے تھی۔ عراقی نے انہیں شیخ اکبر ابن عربی کے خیالات سے روشناس کرایا کہا جاتا ہے کہ کتاب "لغات" انہی نے "فہم الکلم" سے متاثر ہو کر لکھی تھی۔ "سیرالغریب" کے مطابق

"کتاب لغات اس طرح مجتہد عراقی کے حضرت شیخ الاسلام بہاد الدین زکریا کی وفات کے بعد جب انہی نے ملتان سے بہت اللہ کا ارادہ کیا اور وہاں سے

روح بہتیں اور شہر قوسہ میں آئے تو وہاں شیخ صدر الدین ابن عربی کی
 خلیفہ شیخ صدر الدین قوسہ تھے کہ جب عربی تک ان کی صحبت میں رہے اور
 کتاب لغات قوسہ میں تصحیف لکوائیں اور وہاں سے انھوں نے ایک خط شیخ
 الاسلام صدر الدین فارغ کو لکھا کہ جس میں عارفانہ کلمات و نکات تھے اور
 اس میں تحریر تھا کہ اب ہم کو ایک ایسے سلف کی صحبت ملے گی کہ جس
 کی یہ کلمات ہیں۔ " 1

جناہیہ ظاہر ہے کہ عراقی فقیہوں انھم سے بہت متاثر تھے۔ انھوں نے ایک نسخہ شیخ صدر
 الدین فارغ کو بھجوایا جس کی بہت سے کاپیاں آگے کجرات اور کائما وار تک بھجی گئیں جس سے ظاہر
 ہوتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعے ملتان اور برصغیر کے صوفیاء ابن عربی کی خیالات سے متعارف ہوئے اور
 پھر یہ نظریہ مسلم برصغیر میں بہت مقبول ہوا۔ وحدت الوجودی فکر سے صحبت اور اضافہ دوستی کا
 وہ رویہ ہوا جس نے جو ملتان کی صوفیائے شاعری سے بھی متعلق ہوتا ہے۔ بابا فرید کچھ شکر اور خواجہ
 غلام فرید کی شاعری اس اضافہ دوستی کے رشتے کی بہتوں مثال ہے۔

(ج) ملتان کی ادبی اور تہذیبی زندگی پر صوفیانہ کرام کے اثرات (مجموعی جائزہ)

ملتان کے فنی مفید اور فنی لطیفہ پر صوفیانہ کرام کے اثرات کا جائزہ لینے اور ملتان کی علمی روایات کا ذکر کرنے کے بعد اب ہم بحیثیت مجموعی ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی پر صوفیانہ کرام کے حصہ گیر اثرات کا جائزہ لیتے ہیں۔

(1) سلاطین کی آمد سے پہلے عہد کی صوبی حالت

اب تک کی ساری تفصیل کو سمجھنے والے یہ کہا جا سکتا ہے کہ پرنسپل ہاک و عہد میں عربی کی آمد قبل از اسلام بھی ثابت ہے۔ اسلام کے ظہور کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ پہلی صدی ہجری کے اوائل میں سے مسلمان کسی خاص راستے سے عہد میں داخل ہوتے رہے اس ہجری کے اخیر میں مسلمان محدثین قاسم کی سرکردگی میں عہد میں آئے اور آگے بڑھتے ہوئے ملتان پر قابض ہوئے۔ سلاطین کی آمد کے وقت عہدستان میں عہد و ازم کا عروج تھا۔ عہد میں طبقاتی نظام اور ذات پات کی تقسیم عام تھی۔ اوج صبح اور ادنیٰ و اعلیٰ کی تاریک ادھار عہد کی ظہور اور عارضت کا تاثر حصہ تھی۔ برہمن، کھتری، شورو اور اچھوت کی تقسیم کے تحت ایک دوسرے سے رشتہ داری، تعلقات، روابط اور بول چال تک ممنوع تھی۔ مذہب پر اونچے طبقے کو بالا دستی حاصل تھی۔ برہمن نے اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی، مذہبی زبان صرف اسی طبقے کے لکھے مضمون تھے اور دوسرے کے لکھے اس کے بولنے ممنوع تک ہر ماہدوں تھی۔ ساواں اور اغوت کا نام نہیں تھا بھی کی ہوتا کا عام رواج تھا۔ لوگی نے اپنے اپنے عقائد اور نظریات کے مطابق کئی خدائی کے تصورات قائم کر رکھے تھے۔ انسان کی نظروں کے ساتھ ساتھ خدائی کی تقسیم اور درجہ بندی بھی اس عہد کا دستور تھا۔ مختلف طبقے کے لوگی کے الگ الگ مدر تھے ہوتا کے الگ الگ طبقے تھے ایک طبقے کے لوگی کا دوسرے طبقے کی جہتی کو چھو لینے سے بھرشت ہونے کا تصور موجود تھا، موت کو عارضے میں نہایت ادنیٰ مقام حاصل تھا، شادی کی روات کے بعد بھی

1- اس عہد ازبہ نے نہیں عہد میں عہد کے سات طبقے بنائے ہیں جنہیں (1) چھتری (2) برہمن (3) کھتری (4) شورو (5) جن (6) چٹال اور (7) ڈوم۔۔۔ اس طرح اس کے مطابق یہاں کے مذہبی فرقوں کی تعداد ہمالیہ تھی۔ (ملاحظہ فرمائے المسالک المسالک از عہد ازبہ اردو ترجمہ مولانا صفور علی شاہ پٹواری "عہدستان عربی کی نظر میں" ص 25-26)

کوستی ہونا پڑتا تھا یا ساری زندگی بیوی میں گزارنا پڑتی تھی۔ خودکشی کی اجازت تھی۔ موت و
 وفات کے موقع پر عجب و غریب رسی کا رواج تھا۔ ضعیف الاعتقادی ، اوهام پرستی ، جھوٹ جھفٹ ،
 بہوت بہت ، شیعہ ٹوٹنے کا عام رواج تھا ، سود خوری ، قمار بازی اور شراب نوشی عام تھی۔¹

(2) مسلمانوں کی آمد

=====

مسلمانوں کی آمد سے کلہر و المار کی اس سرزمین میں تہذیب و ثقافت، مذہب و معاشرت اور
 زبان و بیان کے انداز میں ایک زبردست تبدیلی رونما ہوئی۔ اسلام کی روشن خیالی ، رواداری، مساوات پر
 مبنی نظام اور توحید پرستی نے یہاں کی اصنام پرست اقوام پر بڑے مثبت اثرات مرتب کئے۔ یہاں تک کہ ان
 غیر مسلم اقوام میں روشن خیالی کی تحریکیں شروع ہوئیں اس سلسلے میں بھگتی اور برہمو سماج³ تحریک وغیرہ
 کے نام لگے جا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں

- 1- مزید تفصیل کیلئے مطالعہ فرمائیے " مسلم ثقافت ہندوستان میں " از عبدالعجید سالک، ص 20 تا 43
- 2- قاضی شاہد کے مطابق

" برہمنوں کے مسلم فکر کے ارتداد میں بھگتی تحریک کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے
 بھادوی طور پر یہ تحریک ہندوستان کی دو عظیم تہذیبی کے مابین ترکیب پیدا کرنے
 کی شعوری کوشش کے طور پر وجود میں آئی تھی لیکن یہ اپنی قسم کی اولین تحریک
 نہیں تھی۔ اس سے قبل ایسی کئی خود رو تحریکیں برہمنوں کی غرضی صورت حال
 سے جنم لے چکی تھیں اور ان کے نتیجے کے طور پر پہلے طبقات کی سطح پر ہندو
 مسلم توکھمی ثقافت جنم لے رہی تھی۔ اس عمل کا آغاز ہندوستان میں مسلمانوں کی
 آمد کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس عمل کے ابتدائی دور میں مسند کے
 دو مسلم نے عرب عہد حکومت میں اپنے سابق مذہبی رہنمائی کو اسلامی نام عطا
 کر رکھے تھے۔ بعد ازاں یہ سلسلہ دیگر علاقوں میں بھی پھیل گیا۔ "

(" برہمنوں میں مسلم فکر کا ارتداد " ص 68، مطبوعہ ادارہ ثقافت پاکستان لاہور، طبع اول 1977ء)

- 3- اس تحریک کے بارے میں ڈاکٹر قمر رضا لکھتے ہیں

" برہمو سماج کی اس تحریک نے مذہبی تعطل ، عداوت پسندی اور تنگ نظری کے
 اس طلسم کو توڑنے میں مدد دی جس نے ہندوستان کی تمدنی ترقی کی راہیں بند
 کر رکھی تھیں۔۔۔۔۔۔ ان کی اہمک کوششیں سے سنی کی رسم ختم ہوئی۔۔۔۔۔۔
 اور ہندو سماج میں صوفی کی زبانی کے خلاف آواز اور حرکت پیدا ہوئی۔۔۔۔۔۔
 سماج کی ان سرگرمیوں سے تعظیم یافتہ طبقے میں بیداری کا ایک صالح احساس پیدا
 ہوا اور یہیں احساس ہندوستان کے شامہ الثانیہ کا سبک چل رہا ہے۔ "

(بحوالہ " ہندو چند - تنقیدی مطالعہ " ص 76، مطبوعہ سوسائٹیک ڈپو، ملی گڑھ، طبع چچانہ)

" سناہی کے ساتھ آنے اور پہنچنے والے طے تہذیبی اثرات نے اس ہر عظیم
 میں بت پرستی اور ذات پات کے خلاف ایک ایسا شعور بیدار کیا کہ عوام
 بھی یہ سمجھنے لگے کہ خیرات اور فحاش کا راستہ صرف برہمنی کے قبضے میں
 نہیں ہے بلکہ جو بھی چاہے اسے حاصل کر سکتا ہے اس لیے اسے تحریکیں
 بہت مقبول ہوئیں اور ان کے راہنما اور حاضری بھی عوام ہی سے پیدا ہوئے۔ " 1

(3) صوفیہا کی تعلیمات

یوں تو محد بن قاسم اور محمود غزنوی کے ساتھ آنے والے سناہی بھی بلند اخلاقی اور اخلاقی
 شعائر کے حامل تھے اور جو لوگ یہاں مستقل طور پر قیام پذیر ہوئے ان کے اثرات جہاں کی حاشیہ پر پڑے
 ہرمنبر پاک و ہند میں آنے والے
 لیکن/ صوفیہا کی کرام کی تبلیغ اور تعظیم نے تو یہاں کی کایا پلٹ دی۔ انھیں نے نہایت عام فہم اور محبت
 آمیز انداز میں اسلام کی تبلیغ کی اور لوگوں کو نیکی کی طرف مائل کیا۔ ایک طرف تو انھیں نے اپنی سادہ
 زندگی، درستی، بے رہائی، خلوص اور اصناف دوستی کے اخلاقی صوفیہا سے کر کے لوگوں کے اخلاق کو سنبھالا
 اور ایک اصلاح کی طرف مائل کیا دوسری طرف مقامی بولچے میں فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش کر کے
 رشد و ہدایت اور تعظیم و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ عین الدین درویش کا یہ کہنا غلط نہیں کہ
 "۔۔۔۔۔ دلی کو عاتق میں لکھنے کے لیے صوبہ سے پہلے ہم زبانی لازم
 ہے ہم زبانی کے بعد ہی ہم عمالی پیدا ہوتے ہیں۔ یہ صوفیہا کی کرام عوام
 سے انھیں کی بولی میں گفتگو کرتے اور تعظیم و تلقین کی کوشش فرماتے تھے۔ " 2

اس طرح صوفیہا کی بدولت تہذیب و زبان پر نہایت دور رس اثرات مرتب ہوا شروع ہوئے یہ صوفیہا نے عظیم
 ہرمنبر پاک و ہند کے کونے کونے میں پہنچے ملتان تو ان کے لیے ایک مرکزی شہر کی حیثیت رکھتا تھا جہاں
 صوفیہا زبان تک سمجھنے کے لیے آتے تھے۔ چنانچہ عین الدین سنی احمدی کے حالات درج کیا جا چکا ہے
 کہ وہ زبان میں مہارت نامہ حاصل کرنے کے لیے ملتان شہر لائے۔ اس اسی طرح قطب الدین بختیار کاکی
 امیر غسور اور حسن دہلوی کو بھی ملتان میں قیام کا موقع ملا اور انھیں نے یہاں کی زبان کے اثرات
 قبول کئے۔ ملتان کے صوفیہا کا ایسا ہرمنبر سے کل کر باہر کی دنیا تک پہنچا۔ حضرت فخر الدین گیلانی

1- بحوالہ "تاریخ ادب اردو" جلد اول، ص 42

2- بحوالہ "صوفیہا ہمارے اردو" ص 21، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی 1972ء

مطابق کے احوال میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان کی قائم کردہ مدرس گاہ کے ستر ہزار تہمت یافتہ عالم
رشد و ہدایت اور تعلیم دہریہ کے لئے جاوا، مسافروں، اذیتیں، ظہان، خراسان اور جہنم تک پہنچے۔

صوفیائے کرام نے انسانیت کا جو درس دیا وہ انسانی اخلاق کی ہر گز ضرورت کے بغیر

ہوئے، ادنیٰ و اعلیٰ عالم کے، امیر غریب اور عریس و عقی میں کوئی فرق نہ تھا۔ یہاں تک کہ انہی
نے ہندو مسلم اور شیخ و برہمن میں بھی کوئی امتیاز نہ ہوتا۔ خواجہ حسین الدینی اجپوری، قطب الدین

بہشتیار مکنی، بابا فرید گنج شکر، راجو قتال، امیر خسرو، جہانگیر جہاں گشت، حافظ جمال اللہ،
حضرت سلیمان تیسوی، حضرت موسیٰ مالک شہید، حضرت غلام حسن شہید اور خواجہ غلام فرید جیسے

صوفیائے کرام نے ذکر کیا جا چکا ہے کہ انہی نے ہندو مسلم ثقافت میں میل پیدا کر کے اسے نیا
دین کی کوثر بنی۔ یہی وجہ ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم اور اہل تہذیب وادب اسلام میں

داخل ہوئے۔ اسلام کی علامت غیر مسلموں کو جو رشتہ ہوئی وہ صوفیائے کرام کے خلقِ عظیم کی بدولت ہوئی۔
صوفیائے کرام نے بلا امتیاز رنگ و نسل تمام بنی نوع انسان کو اخوت، محبت، امن و آشتی اور انسانیت کا

درس دیا۔ سید سلیمان ندوی کے مطابق

"میں لوگوں کو ہندوستان کی سیاسی تاریخ کے ساتھ یہاں کی روحانی تاریخ
کا مطالعہ کا موقع ملا ہے وہ یہ تسلیم کریں گے کہ ہندوستان میں غزنی اور غور
کے سلاطین، ملوک فتوحات کے لئے جہاں جہاں دھڑکتے تھے ان سے پہلے یہ
روحانی سلاطین اپنے روحانی فتوحات کے لئے آگے بڑھتے جاتے تھے اگر یہ کہتا
صحیح ہے کہ ہندوستان نے ملک کو غزنی اور غور کے بادشاہوں سے فتح کیا ہے
تو اس سے زیادہ یہ کہتا درست ہے کہ ہندوستان کی روح کو خانوادہٴ چشت
کے روحانی سلاطین نے فتح کیا۔"

(4) زبان کے تال میل میں صوفیاء کا حصہ

ان روحانی سلاطین میں مشترک زبان عربی اور فارسی تھی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان صوفیاء کے مکتوبات زیادہ تر فارسی زبان میں ہیں یہاں تک کہ صوفیاء کا وہ سلسلہ جو بیجا خالصتاً مقامی تھا (سلطان گڑ سہروردیہ سلسلہ اور حافظ جمال اللہ، خواجہ خدا بخش، حضرت سلیمان توسوی وغیرہ) بھی زیادہ تر فارسی زبان بولتا اور لکھتا تھا تاہم تاریخی سے یہ ثابت ہے کہ یہ صوفیاء کسی ایک زبان تک محدود نہ رہے بلکہ وہ جہاں بھی پہنچتے تھے وہاں کی زبان سیکھتے اور وہاں کے عوام کی زبان ہی میں لوگوں سے گفتگو کرتے تاکہ انہیں اپنی بات سمجھا سکیں اور

زبان فارسی تری و من تری ہی دامن

والا حاصل نہ ہو۔ شاہ یوسف گردیزی، حسین الدین امجدی، بابا فرید گنج شکر، قطب الدین بہتیار کاشی، جہانیاں جہاں گشت، کے احوال میں بیان کیا جا چکا ہے کہ ان صوفیاء نے مقامی زبانوں میں گفتگو اور تبلیغ کی۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ بہت سے خطے، آیات، اقوال بھی منسوب کئے جاتے ہیں اور ان کی تفصیل سابقہ صفحات میں درج کی جا چکی ہے۔ دسویں صدی ہجری کے بعد کے صوفیاء، جن میں حضرت حافظ جمال اللہ، موسیٰ پاک شہید، حضرت سلیمان توسوی، حضرت خواجہ خدا بخش، غلام حسن شہید اور خواجہ فرید وغیرہ شامل ہیں۔ سرائیکی اور دیگر علاقائی زبانوں کے علاوہ اردو زبان بھی بولا کرتے تھے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اپنی تعلیم و تربیت اور علمی فعالیت کے سبب مقامی زبانوں بولنے وقت بھی لاشعوری طور پر عربی اور فارسی زبان کے الفاظ ان کے منہ سے ضرور نکلتے ہی گئے۔ چنانچہ اس طرح مقامی بولچوں میں عربی اور فارسی زبان کے الفاظ کی آمیزش ہونے لگی۔ زبان کا یہ اختلاط کسی ایک علاقہ تک محدود نہ تھا کیونکہ صوفیاء کا دائرہ تبلیغ کسی ایک خطے تک محدود نہ تھا بلکہ وہ جہاں جہاں پہنچتے وہاں کی مقامی بولچوں سے اثر قبول کیا اور خود بھی انہیں متاثر کیا۔ اس طرح مختلف علاقوں کی بولچوں میں ایک قسم کی غیر محسوس تبدیلی پیدا ہوتی چلی گئی اور چونکہ صوفیاء کی تبلیغ و تلقین کی بدولت لسانی تشکیلات کا یہ فعل ہرگز ہلکا نہیں رہا تھا اس لیے ہر جگہ ایک ایسی مشترکہ زبان بھی وجود میں آ رہی تھی جو اپنے علاقے کے مقامی

اثرات کے امتیاز کے باعث اپنی شکل و صورت اور رفتہ لفظ کے اعتبار سے ایک تھی۔ اور یہ زبان اردو تھی جو صدیوں کے لسانی تشکیلاتی عمل کی بدولت وجود میں آئی۔ ڈاکٹر حمید جالبی کا یہ بیان ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے کہ

”..... صوفیانے کرام پر عظیم کے مختلف عناصر میں رشد و ہدایت کی روشنی پھیلا رکھی ہے۔ بابا فرید گنج شکر ملتان کے رہنے والے ہیں۔ شیخ عبداللہ بن طاہور وسطی مدد کے ہوں غنیمت پنجاب و ہریانہ کے، شیخ شرف الدین محمدی مشہد بہار و بنگال کے، امیر خسرو دہلی کے اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی اودھ کے، جو پنجاب میں تھا اس کی زبان پر وہاں کی بولی کا اثر ہے۔ جو بہار میں تھا اس کی زبان پر مائیکہ کا اثر ہے کسی پر بیج بھاشا کا اثر ہے۔ اور کسی پر کھڑی بولی کا۔ کسی پر سرائیکی کا اثر ہے تو کسی پر زبان گجرات کا۔ لیکن یہ تمام مجموعی اس زبان کا کہنا۔ رفتہ لفظ بنیادی طور پر ایک ہے۔ اور ابھی چونکہ یہ زبان اپنی تشکیلاتی صورت دور سے گزر رہی ہے اس لئے یہ اثرات الگ الگ دیکھے اور محسوس کئے جا سکتے ہیں۔“ 1

اردو زبان کے ارتقاء میں صوفیانے کرام کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے عبدالخالق آفری لکھتے ہیں

”..... حضرت خواجہ عین الدین سجنوردی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فرید الدین گنج شکر، خواجہ نظام الدین خاوند وغیرہ نے ارتقائے اردو میں بڑی مدد دی۔ چونکہ انہی اصحاب اور روحانی اہل علم و ارشاد کے سلسلے میں عوام الناس کو آپ حضرات کے ساتھ گہری وابستگی تھی۔ خواجہ عین الدین سجنوردی سلطان الناصر نے ہند میں وارد ہندوستان میں خواجہ قطب الدین نصیر اور سے تشریف لائے تھے۔۔۔ اس طرح شیخ فرید الدین نصیر کہتوال سے جو ملتان کے طاقتور تھے۔ تشریف لائے۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے والد احمد دہلی فاضل سے ہندوستان میں آئے۔ وہی نے اسلامی سلاطین کے ہند میں بھی اولیاء ہمارے ہندوستان میں آئے۔ اگر ہر شاہی خاندان کے ہند کے ہند ہی ایک فہرست موجب کی جائے تو پتہ چلے گا کہ ایرانی شعراء کی طرح عراق، عرب و ایران کے علماء و صوفیہ بھی ہندوستان میں کثرت

نہ ساعد آفر اور ان کی بہت وارشاد نے عوام الناس کی زبان پر گہرا اثر

ڈال دیا۔" 1

(5) اردو زبان و ادب کی تاریخ میں مولانا کرام اللہ خدمات

ہم سابقہ صفحات میں خواجہ حس الدین احمدی، خواجہ قطب الدین مختار کاکڑ، خواجہ

فرید الدین گنج شکر، شاہ شمس سبزواری اور جہانگیر جہاں گشت، حضرت موسیٰ ہاک شہید، حافظ جمال

اللہ، حضرت سلطان توسلی، غلام حس شہید، حضرت خواجہ فرید اور دیگر مولانا کے نامی میں ان

کے جملی، اقوال اور ادبی و شعری سوانح کا ذکر کر چکے ہیں۔ یہ جملی، اقوال اشعار اردو کی ابتدائی

شو و نما میں کیا اہمیت رکھتے ہیں۔ ماہرین فن اس کو تسلیم کر چکے ہیں اور ان کی کتابیں میں ان

کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مولانا کرام کے اقوال پر جتنی قدیم نسخہ، ان کے مخطوطات اور ان سے

وابستہ جملی، فقہی، اشعار و آیات وغیرہ سے ہماری اس سوانح کی تائید ہوتی ہے کہ اردو

زبان کی ابتدائی تشکیل و تفسیر مولانا کے شانہ ہی ہوتی۔ مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے یہ نسخہ

مکمل کتب حائیں تو یہ سب ایک ہی زبان سے تعلق رکھتی رہتے ہیں۔ اس زبان کو مختلف ادوار میں

مختلف نام دئے گئے لیکن یہ سب دراصل ایک ہی زبان یعنی اردو کے قدیم نام ہی کے نسخہ ہیں۔ حقیقت یہ

ہے کہ اردو کے قدیم کے حلقہ نسخہ ملتے ہیں ان کا تعلق زیادہ تر مولانا کے مخطوطات سے ہے اس لئے یہ

کہنا یہ جائز ہو گا کہ مولانا کی مدت تک بلکہ تحریر و بیان کے سلسلے میں بھی اردو کو مقبول و مروج

کرنے میں مولانا کرام کا حصہ ہے۔ اردو زبان کی ابتدائی تحریریں اور کتابیں بھی زیادہ تر مولانا کرام کی

لکھی ہوئی ہیں۔ ان کتابیں میں ادب و شعر کے نسخہ بھی ملتے ہیں اس کی تفصیل گذشتہ صفحہ میں

پیش کی گئی ہے۔ اس بنا پر ظہیر الدین مدنی لکھتے ہیں

"اردو کی ادبی تشکیل مولانا کے عاتقی حلقہ ائمہ مستقل تصانیف کا

دور تو نویں صدی ہجری یعنی پندرھویں صدی عیسوی میں گجرات و دکن

کے علویں دور کی ادبی کاوشوں سے شروع ہوا لیکن ساتویں صدی (بھٹی

تیرھویں صدی عیسوی / ۱۱ھ میں اس زبان کا خمیر تیار ہو چکا تھا بلکہ بول
جال میں منزل سے آگے بڑھ کر اس نے ایوانِ ادب میں بھی جھلکیاں دکھانا
شروع کر دیا تھا۔ " 1

اردو زبان و ادب کی تاریخ کے سلسلے میں صوفائے کرام کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے سلیمان ندوی بھی
اقتراہ کرتے ہیں کہ

"اب تک اردو کی جو تاریخ میں اکبر اور شاہ جہاں اور ان کے سنا بازار اور
اردوئے حلی کو اہمیت دی گئی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ان سے کہیں
زیادہ اہمیت صوفیہ کو حاصل ہے۔" 2

حافظ محمود شیرانی بھی کہتے ہیں کہ

"عہدِ عثمان کے صوفی ہر زمانے میں ملکی زبان سے قریبی تعلق رکھتے تھے
وہ بلا لحاظ مذہب و ملت عام طبقات الناس کے مزاج و مآب تھے۔ اس لئے ملکی
زبان سے واقفیت رکھنا ان کے لئے نہایت ضروری تھا۔ طبقہ صوفیہ کے متعلق
یہ کہنا بے جا نہیں ہو گا کہ ان بزرگوں نے اربابِ سیف و قلم کے مقابلے میں
اہتمام ہی سے اردو یا ملکی زبان کی طرف بہت توجہ کی ہے اور اس زبان میں
ادب کو روشناس کرانے والی درحقیقت یہی جماعت ہے۔" 3

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ محمود فزونی کی آمد کے ساتھ ہی صوفیہ کرام اور بزرگ ہستیاں ہوشیار
میں داخل ہوئیں اور مختلف مذاہب میں اٹھی نئے رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ سوزیں ملتان کے
صوفیہ کا فردا فردا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان کے ملفوظات، اقوال، ابیات، روایات، جملی اور شعری
کی تفصیلات ان کے حالات کے ذیل میں درج کی جا چکی ہیں۔ ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اردو زبان میں
تصحیف و تالیف کا ابتدائی کام بھی انہیں صوفائے کرام کے ہاتھی شروع ہوا کیونکہ اہل علم اور اہل دانش
تو اس زبان کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھتے تھے وہ تو فارسی زبان کو اظہار اور توسل کا ذریعہ مانتے
ہوئے تھے۔ اکثر مولوی عبدالحمید کے مطابق

1- بحوالہ "اردو غزل کی نگہ" ص 12، سلسلہ مطبوعات ہزم اشاعت بمبئی، بار اول

2- بحوالہ "ظہورِ سلیمان" ص 39

3- بحوالہ "مآلاتِ حافظ محمود شیرانی" (جلد اول) مرتبہ مظہر محمود شیرانی، ص 134، مجلس ترقی ادب لاہور،

” ہندو یا اس ناپسندیدہ زبان میں لکھنا اہل علم اپنے لئے باعث عار سمجھتے تھے اور وہ اپنی عالمانہ تصانیف کو اس حقیر اور بازاری زبان کے استعمال سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ صوفی ہیں تھے جنہوں نے سب سے پہلے جرأت کی اور اس فکر کو توڑا۔ یہ صوفی ہیں کی جرأت کا قیاس تھا کہ ان کی دیکھا دیکھی دوسری لوگوں نے بھی جو پہلے چیکچاتے تھے۔ ان کا استعمال شعر و سخن، مذہب و تعلیم اور علم و حکمت کے انفراس کے لئے شروع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جس ان صوفیانے کرام کو اردو کا مسخ خیال کرنا ہی۔ “ 1

ہم یہ نہیں کہنے کے لگے کہ ان مجلسوں نے شعری طور پر یا کسی تحریک کے ذریعے اردو زبان و ادب کو ترقی دی یا اس کو پہچاننے کی شعوری کوششیں کیں یا ان کا مقصد زبان و ادب کی خدمت تھا نہیں بلکہ ان کا اصل مقصد تبلیغ دین اور اشاعت اسلام اور رشد و ہدایت تھا لیکن انھی نے جس زبان کو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا وہ ابتدائی اور قدیم اردو تھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ذریعہ ان کی لائٹھوری کوششوں کی بنا پر مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا، ڈاکٹر عبدالحق کے مطابق ” یہ بزرگ اس زبان کے بڑے ادیب اور شاعر تھے یا کم سے کم ان کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھا۔ نہ اس کا انھیں کچھ خیال تھا۔ ان کی غایت ہدایت تھی لیکن اس ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا اور عہد بہ عہد نئے نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہو گئی۔ گویا یہ ایک بھولے بھری داستان ہے لیکن اردو زبان کا مورخ ان نے احسان کو کہیں نہیں بھول سکتا۔ “ 2

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت، تہذیب و ثقافت کی ترویج، مساوات اور اخراج کی تلقین اور روحانیت و اخلاق کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ اردو زبان و ادب کے ارتقاء کے سلسلے میں بھی صوفیانے کرام کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جس انداز پر اردو کی تاریخ کا یہ کہنا بہت حد تک درست ہے کہ ” اردو زبان کے اصل خالق صوفیانے کرام ہیں جو اسلام کی تبلیغ اور

1- بحوالہ ” اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیانے کرام کا کام “ از مولوی ڈاکٹر عبدالحق، ص 80

2- ” ایضاً “ ص 81

رومانی سر چٹھی سے عالم کو فہم پاب کرم کے لئے حصہ دم مصروف اور
سرگرداں رہتے تھے۔ وہ گاؤں گاؤں پھر کر خدا کے بھائی کو اغیار و
مذہب کی باتیں بتاتے ان کے دل سے برائی اور جہالت کی کشافی
کو دور کرنے میں سہمک رہتے تھے۔ وہ جس جگہ جاتے اور جس لوگوں سے
ملتے ان سے ان میں کی مولیٰ میں اغیار و مذہب کی باتیں کو سبھام
کی کوشش کرتے۔ یہ صد صدی تک ہوتا رہا اور اب بھی اردو کے قدیم
صوفی کی شکل میں ہمیں دستیاب ہیں۔¹

(6) ملتان کے صوفیاء۔۔۔ تہذیب اور زبان و ادب پر ان کے اثرات

گفتگو کے صوبی وقت سے عت کر میں خصوصیت کے ساتھ کسی ایک علاقے یا ایک خانے میں تہذیب
و زبان کے ارتقاہ کی بات کی جائے تب بھی صوفیاء کی خدمات اور ان کے کردار کو کسی صورت میں نظر
انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ملتان کی معاشرتی، تہذیبی اور تعلیمی و ادبی زندگی میں صوفیاء کرام
کو جو دخل رہا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

حضرت شاہ یوسف گردیزی نے ایک طرف تو لوگوں میں کھولے ہوئے انسانی رفتار کو بحال کیا۔ ان
سے ان کی زبان میں گفتگو کر کے ان کی مقامی زبان (عہد) کو تقویت بخشی تو دوسری طرف ملتان میں
کتب خانہ کے بھار رکھ کر پہلی مرتبہ ملتان کو علمی خزانے کی اہمیت سے آشنا کیا۔ ان کے علمی کی
تصویر سے ملتان میں اس تصویر کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ خواجہ یحییٰ الدین احمدی نے 5 سال ملتان
میں رہ کر مصروف کو غلام تبریک کی صورت دی۔ لوگوں میں ایک فکری انقلاب پیدا کیا۔ ذات پات اور
طبقاتی تقسیم کے خلاف جہاد کر کے قدیم زندگی کو ایک نیا رخ عطا کیا اور اردو زبان کو ذریعہ اظہار
بنا کر زبان کو قلمی وحدت کا ایک ذریعہ بنایا۔ قطب الدین بہتیار کاکی نے موسیقی اور سماع کو جائز
قرار دے کر اس پر اس سے شغف کا اظہار کر کے علمی لطیفہ کی ترویج کا سامان کیا۔ بہاء الدین زکریا
ملتان نے ملتان میں ایک عالم دین اور شاہ کی بہتیار ڈالو۔ لوگوں کی ذہنی، فکری اور جسمانی تربیت کا
علمی انتظام کیا۔ حضرت ابراہیم الدین گنج شکر نے وسیع ^{الذات} علمی بھاری پر تہذیب و ثقافت کی تصویر کی۔

1۔ "سوانح بہار اور اردو" از محی الدین بدایہ ص 31، آل پاکستان ایجوکیشنل کاؤنسل، کراچی 1972ء

اسان دوستی کے آدرش کے ساتھ ساتھ علم و ادب اور فنی لطیفہ کی ترویج ان کی زندگی کا مطمح نظر رہا۔ اردو، سرائیکی اور پنجابی شاعری کے ارتقاء اور اردو زبان کی ابتدائی نشوونما کے سلسلے میں ان کو تاریخی قدم حاصل ہے۔ حضرت شاہ شمس سوزاری فارسی، کشمیری، ہندی اور سرائیکی زبان کے شاعر تھے۔ شیخ عبدالدین ماری بھی شعر و شاعری میں شغف رکھتے تھے۔ خود بھی طبع آزمائی کرتے تھے چنانچہ عراقی جیسے شاعر نے ان کی شاعری کی تعریف کی۔ اس کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

سید جمال الدین سراج بخاری نے آج سے خاٹھا "بفاریہ" کی بنیاد رکھی۔ اس خاٹھا میں علمی اور روحانی طور پر استفادہ کرنے والی کی تعداد بے شمار تھی۔ خاٹھا جلالیہ بھی انہیں کی یادگار ہے۔ شاہ رکن عالم نے اپنے دادا بہاء الدین زکریا کی طرح سیاست اور مذہب کا اقتراح قائم رکھا۔ سماع میں بھی دلچسپی لی۔ شیخ حسام الدین ملتانی نے درویشی و فقر کی دوسری شکل طور پر دیا۔ مفہوم جہانماں جہاں کشت ملتانی، پنجابی، سندھی اور ہندی زبانوں میں بے سرو کشتو فرماتے تھے بلکہ دوسرے و مدرس بھی کرتے تھے۔ انہی نے آج میں ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی قائم کیا۔ فنی لطیفہ، ادب و سفر اور زبان و بیان کے لحاظ سے اس شخص کی خدمات تو اظہار میں شمس ہیں۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کی کتاب "شیرالشامی" علم و عارف کا خزانہ ہے۔ ہر لحاظ اور ادبی اسلوب میں لکھی ہوئی فارسی کی یہ کتاب علم و اخلاق اور رشد و ہدایت کی باتیں کر رہی ہے۔ یہ سب باتیں ایک نیک اور ہا کردار زندگی کے لئے بہترین شاہدے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چاہے اسے اقوال درج ہیں جن سے اس کی احوال کی تہذیب ہوتی ہے۔

حافظ محمد جمال ملتانی نے بے سرو اپنی علمی، اخلاقی، روحانی اور مذہبی سرگرمی سے

خلق خدا کو فہم باب کیا بلکہ انہیں باطل کے خلاف علمی حیلہ کے لئے بھی تیار کیا اور خود بھی میدان جنگ میں اترے۔ علم و عمل اور دین و دنیا کا بہترین امتزاج ان کی زندگی کا آدرش رہا۔ ان کی "سحرانی" مقصدی اور اخلاقی ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ اگرچہ اس عظیم کی زبان سرائیکی ہے لیکن اس کا ڈکشن بے ثبات کرتا ہے کہ اس دور میں بھی سرائیکی اردو کے روابط بڑے مستحکم تھے اور دونوں زبانیں ایک دوسرے سے نا مانوس نہ تھیں۔

خواجہ خدا بخش کی شخصیت مرتجاں مریج، مامور، تہذیبی اور ادبی سطح پر بڑی قدر تھی۔ آپ کی گفتگو بڑی دلچسپ اور ادبی حسن کی حامل ہوتی تھی، اشاری اور کتابیں میں بات کر کے عوام و خواص کے دل موہ لیتے تھے۔ توفیق، توحید، توحید، توحید کے حوالے سے ان کے خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ وحدت الوجود کی تشریح و تصویر انھی نے اس اہاز پر کی ہے کہ اس ظہر کی اشاعت سے محبت اور بلائی کے جذبات لوگی میں پیدا ہوئے۔ موقع محل کے مطابق غایب، اردو اور سرائیکی اشعار، اقوال عرب الامثال کے استعمال سے انھی نے زبانی کو مغلوط کیا اور ظاہر ہے یہ بہت بڑی ادبی و علمی خدمت ہے۔

حضرت سلیمان توشی نے تہذیبی سطح پر تو توحسے کی بڑی آبادی کو متاثر کیا۔ ان کے مشاغل ہمشہ ہوائہ صبار، رہن سہن، اخلاق و آداب، سچ کے اہاز اور طعام و کلام سب پر ان کے اثرات مرتب ہوئے۔ ان کی تفصیل ان کے احوال میں درج کی جا چکی ہے۔ علمی اور فکری سطح پر بھی انھی نے ایک خاص نقطہ نظر کو پہنایا اور وہ تھا انسان دوست، فیاض، مذہبی ترویج اور فنی لطیف و طیفہ کی ترقی اور ترویج۔ ان کے مملوقات سے ہم نے عہدی بول، اشعار اور اقوال سابقہ صفحات پر نقل کئے ہیں۔ ان سے زبان و ادب کے سلسلے میں ان کی کاوشی کا پتہ چلتا ہے۔

غلام حسن شہید ملتان کے مولیٰ شعراء میں وہ پہلی شخصیت ہیں جنھی نے سب سے پہلے باقاعدہ طور پر اردو میں شاعری کی۔ اگرچہ ان کا کوئی مطبوعہ دیوان اردو موجود نہیں ہے تاہم ان کے سجادہ شیعہ کے پاس علمی دیوان متعلقات موجود ہے جس میں اردو غزلیں، مرثیے، نعت وغیرہ شامل ہیں جس کی تفصیل حضرت غلام حسن شہید کے احوال میں درج کی جا چکی ہے۔ حضرت غلام حسن شہید نے اردو، عہدی، سرائیکی اور پنجابی زبان کو مغلوط کرنے کا تجربہ بڑی کامیابی کے ساتھ کیا اور اس طرح اردو زبان کو علمی و ادبی رنگ میں ڈھالنے اور اس میں دیگر طوائف زبانی کے ذخیرہ الفاظ کو شامل کرنے کا فریضہ ادا کیا۔ ان کا یہ کارنامہ یقیناً اردو زبان و ادب کی تاریخ میں یاد رکھنے کے قابل ہے۔

خواجہ غلام احمد دوسرے بہت سے عظیم صوفیاء کی نسبت ادب و شعر کے میدان میں زیادہ شہرت اور مشہور ہوئے۔ وہ بلاشبہ ایک صوفی عالی تھے لیکن ان کی شہرت و عظمت کا زیادہ تر دایرہ دار ان کے

بابا فرید گنج شکر، امیر خسرو، حسن بصری، خواجہ فرید اور غلام حسن شہید وغیرہ کے شعری تجزیہ اور سوانح کا ذکر ان کے احوال میں کیا جا چکا ہے۔ ان کے علاوہ چند اہم شعراء کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے یہاں سوانح مناسب ملتے ہیں اور سوانح روایت سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔

(1) شیخ علی متقی

ان شعراء میں سب سے قدیم شیخ علی متقی ہیں۔ 685ھ میں برہان پور میں پیدا ہوئے۔ شیخ عبدالحکیم بن شیخ باہن کے مرید تھے۔ انہیں سے سلسلہ چشتیہ میں غرقہ خلافت حاصل کیا۔ طائیں میں شیخ حسام الدین متقی طائیں کی صحبت سے لہجہ اٹھایا اور دو سال کے عرصے میں تفسیر مضاف اور کتاب میں العلم ان سے پڑھی۔¹ خلیفہ احمد نظامی کے بقول "آپ کے علم و فضل کا پتہ عرب و عجم میں ہر جگہ تسلیم کیا گیا تھا۔"² سعد سلیمان دہوی کی تصنیف کے مطابق شیخ علی متقی شاعر بھی تھے انھوں نے ان کا یہ شعر درج کیا ہے

سے سہیلی ہوسم کی باتا

ہو مل رہی جیوں دودھ پٹاتا۔³

یہ شعر "اغیارالانصار" میں ہے اور وحدت اور روش کے مسئلے کے سلسلے میں ہے۔

سے سہیلی ہوسم کی باتا

ہو مل رہی جیوں دودھ پٹاتا۔⁴

انھوں نے حمادی الاول 975ھ میں وفات پائی۔⁵ صفوح حسن شہاب کے مطابق چونکہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے تھے۔ اس لیے وہیں انتقال فرمایا۔⁶

1- بحوالہ "اغیارالانصار فی اسرارالابرار" از عبدالحق سعدت دہلوی، ص 257، مطبوعہ دار طبع مجتہبی دہلی، ذی الحجہ 1332ھ (1914ء)

2- "شائع جنت" ص 212

3- "ظہر سلیمان" از سلیمان دہوی، ص 35

4- "اغیارالانصار" ص 265

5- ایضاً ص 266

6- "خطہ پاک ایچ" ص 300

(2) علی حیدر ملتان

1101ھ/1890ء میں ملتان کے ایک مصنفی گھرے چوتھے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام

شیخ محمد امین تھا۔ عوامہ لبرالزم دعووں سے بہت تھے۔ ان کا کلام "ایات علی حیدر" کے نام

سے طبع ہو چکا ہے۔ علی حیدر ملتان کے بھی دیگر صوبی شعراء کی طرح عشق بیاز کے حوالے سے عشق

حقیقی کی بات کی ہے اور جلد کے پردے میں حقیقت کے اسرار بیان کیے ہیں۔ غزل کے دور زوایاں میں

آپ نے ہر وقت کے لہجے کاغذ۔ آپ کا سرائیکی کلام میں حرفی پر مشتمل ہے جس کا موزن طبع و تصور ہے

ان کے علاوہ ان کے سرباط شعر میں میر، مارہ ماہ اور اردو آخر انعام بھی شامل ہیں۔ "کلیات علی

حیدر" کے نام سے ڈاکٹر قمر محمد قمر نے بھی ایک مجموعہ مرتب کیا ہے۔ ان کا سن وفات 1191ھ ہے

مجموعہ کلام ملاحظہ فرمائیے

اے اے خلود بیوفہ کسی دلیں اے رشتہ طبع مستحق نہیں

ایہ کا دل حیرت نہیں نہ سب کلام عینا مصلوق نہیں

اے ہوں فلک نہ لنگر چکر آتش و بھدوق نہیں

ہر اے بھی ہوں امداد اکھیں نہ تھی اے میری نہیں

ع عشق رہے دی عین ہے انہیں فیل گرہندا چا

تخت مزار کی راضی لے کے میر سہال طبع چا

عشق اساتذہ نے چھٹی گان میر نے مار چھڑا چا

واہ را کہ اللہ نے حیدر آپے سو سو عدا چا

ہوش و جعدی عشق نہیں اتنے اس سے بہت دیکھناں میں

سجدار عشق دی چوڑی رشتہ لیں ادباں چٹان چادران چہارن

(3) سابر ملتان

ان کا نام محمد خیر الدین تھا۔ 1835ء میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ طویل عمر پائی۔ زندگی

۱۔ ان کتب سے استفادہ کیا گیا ہے [1] پشیمانی شاعرانہ تذکرہ از میرا بخش کشتہ 91-92ء

مجموعہ غلام سار میاں پشیمانی ایڈیشن سترمس محل روڈ لاہور، طبع اول جنوری 1980ء [2] "ملتان میں اردو

شاعری" از ڈاکٹر طاہر تجویز، ص 36، مجموعہ جنگ میل پہلی کیشور لاہور بار اول 1984ء

ذات حد کی ہے عہدا جا بجا
ہے ظہور نور دایر فرحہ

۴۔ زمین ہے جلوہ گر ہم ہرما
کعبہ و بہت عاتق میں جلوہ کیا (ص 135)

(4) مزبور لفظ عطی

مطابق کے شاعراتی کھسے بہادر پور میں پیدا ہوئے۔ مولوی غلام محمد سے تنظیم حاصل کی۔
اور علی حیدر مطابق سے بھی نظم حاصل کیا۔²۔ امیر بہادر پور کے دربار سے بھی وابستہ رہے۔ انہوں نے
مکتوبہ حسنہ نامہ لکھی۔ ان کے دو شعر بھی مشہور ہیں۔ ان کی شاعری کا موضوع عشق و محبت ہے۔ مولوی
شہزاد کی طرح مجاز کے پردے میں حقیقت کے اسرار کھولتے ہیں۔

پھر سچا سرچس ہے جس سے نوری صمد ہمام ڈھنسن
 دارا ہے سزاں سکندر دروہ خاص غلام ڈھنسن
 خد دل تعلق اس سچل ڈھنسن ملک نورس نے یارام ڈھنسن
 یارب لطف علی بھی صل شامی جس جسہں ادام ڈھنسن

(5) طالعہ ملتان

نہدائے پش طالب ملتان 1284ھ/1864ء میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت ملتان ہی میں حاصل کی۔ شعر و شاعری میں اصلاح شوق نہیں۔ عظیم آبادی سے مذہبہ ڈاک حاصل کی۔

میں طرزِ شعاری کی یہ ہو کسی دھومِ عالم میں
میں ہی شاعرِ طالبِ حصرِ شوقِ مستعدانِ سما

ان نے کلام کا مجموعہ "کلیات طالب ملتانی" کے نام سے 1889ء میں قوی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ ان کی شاعری میں سلیقہ رک موجود ہے۔ صوفیہ کلام بہ ہے

میں کچھ غزل تصانیف کا بھی ہے طالب
تالیف: مرقعہ معشر ہے پھول پر اپنی

لغاتا ہی میں کچھ شاکاں توحید بزرگ کا
مرا سینہ ہے کعبہ در صدیق اہلسان کا

صنوں ہی طرح عمر نہ برباد کریں گے
ہم طرز جنسی اور ہی ایجاد کریں گے

عشق میں کاوش عمر نہ گنسی
بہ خلعت اہلس صریحہ گنسی

(5) مولوی عبداللہ ملتان

=====

ملتان میں چشتیہ سلسلے کے سولہام میں سے ایک اہم نام مولوی عبداللہ ملتان کا ہے۔ آپ
مولوی خدا بخش ثانیوالی کے غلام میں سے تھے۔ آپ نے اپنی بیوی زہرا زہد و تقویٰ سادگی اور
پرمیزگاری کے ساتھ لوگوں کی خدمت کرتے ہوئے گزاری۔ عرصہ علم کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ
بھی جاری رکھا۔ ان کی کتابوں کی تعداد تقریباً سو بتائی جاتی ہے۔ ان میں کچھ مطبوعہ ہیں اور
اکثر غیر مطبوعہ ان کتابوں میں تحفہ زنان، فیوب الخضر، سرمدی الصوفی، رقیۃ بشر، توفیقہ، البطلایا و
الذکر، رسالہ ملائکہ، رسالہ عمر، وصفہ فائدہ، چراغ عبیدہ شامس ہیں۔ ان کے علاوہ علم میراث میں ایک
رسالہ علم میراث کے نام سے لکھا جو کہ درس نظامی میں سب سے اول رکھتا ہے۔ آپ کی ایک تصنیف
"سر دلبران" بہت مشہور ہے جو خواجہ خدا بخش کے طفولیات پر مشتمل ہے۔ آپ ذوق لطیف کے حامل
تھے۔ ایک بار ایک شخص نے ان سے لطائف کہنے کا طریقہ دریافت کیا تو فرمایا میں لطف کا طالب ہی
نہ کہ لطائف کا۔ آپ کی وفات 1305ھ میں ہوئی۔ آپ ^{پت} اپنے شاعر بھی تھے۔ آپ کا ایک نظم
دیوان محکمہ جناب اسد نظامی سے دستیاب ہوا ہے۔ اس میں ردیف وار فارسی غزلوں کے علاوہ منقولات میں
رباعیات، ~~مثنویات~~ منقبات اور ترجیع بد بھی شامل ہیں۔ اردو، فارسی مفلوط غزل کو ہندی غزل کے

1- حوالے کے لئے ملاحظہ فرمائیے "المجانی ملتان" از فرحت ملتان، ص 152

2- اصل عبارت یہی ہے "شخصی زاہد بخدمت مولوی عبداللہ ملتان رفت و گفت طریقہ لطائف ارشاد فرمائیے
مولوی صاحب گفت میں طالب لذت ام ^۱ طالب لطائف" (مراۃ العاشقین طفولیات شمع حسن الحق سیالوی،
ص 223، مطبوعہ مطبع حیدرآباد لاہور 1385ھ/1302ھ)

صلوں کے تحت دین کیا گیا ہے۔ نمونہ حسب ذیل ہے۔

اٹھا ہے شوقِ طبع کا میرا دلدار کب آہ
حجاب و شہرِ حلِ حجابِ وہ مار کب آہ
کمان و تیر کی حاجت نہیں رکھتا نگار جس
ظاہری سے کہے سعد وہی حنار کب آہ
اس کے کام سے کہنے قصے میں ان کے منہ سے
اراجے ان کے سب منہ وہی سردار کب آہ
صنم بیدل صنم مہیا صنم درخشاں دل لعل
صنم درود سے دلیاں شفا بیمار کب آہ
صیدم سے کہ سرگشتہ ہے گردم بکھرے او
بہر دم مضطر اس کا شہ اسرار کب آہ 1

(7) تاج الدین ملتانی

میاں اللہ تاج الدین ملتانی 1844ء میں ملتان میں پیدا ہوئے لیکن ان کا کی عمر کا
زیادہ حصہ امرتسر میں گزرا۔ پنجابی کے معروف شاعر سید فضل شاہ لاہور کے شاگرد تھے۔ سرائیکی اور
پنجابی میں شاعری کرتے تھے لیکن ان کی شاعری اردو کے بہت قریب ہے۔ 1911ء میں واپس پائی 2۔
نمونہ کلام یہ ہے

نہ شمع جس دم سودار ہو گئی تے پروانے نہ کہے دی آفس آ گئی
کہکھ گیا جن دی چاندی ول کیتی چاہ تے جھٹ جدائی آ گئی
حسن عشق دی عاشقِ طائر رکھے آہوں فنا حاضی سے بلائی آ گئی
توہ تاج نے کہے وہ دیکھیں برقعہ کہی جگہ دی پرہیزائی آ گئی

(8) فقیر محمد عارف

فقیر محمد عارف کے والد کا نام قاسم عثمان تھا۔ وہ بہاولپور ڈویژن کی تحصیل حاصل پور ایک
چھوٹی سی بستی بونگا محمد رضا کے رہنے والے تھے لال سہارا کے قریب واقع ہے۔ ان کی تاریخ پیدائش
اور تاریخ وفات معلوم نہیں ہے۔ اور یہ تفصیلی حالات معلوم ہونے میں کیونکہ ان کا تذکرہ کسی کتاب میں
نہیں ملتا تاہم ان کے خصوصیت معلوم سطرنامے (سرائیکی اور اردو) جناب حبیب اللہ کی لائبریری میں
قلمی نسخہ کی صورت میں موجود ہیں۔ ان کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فقیر محمد عارف حضرت

1۔ دیوان میر اللہ ملتانی (قلم) ص 24 (کل صفحات 32)

2۔ سطرنامہ "پنجابی شاعران دا تذکرہ" ص 266

سلیماں تونسوی کے مرید تھے۔ اسی نے 20 ماہ شوال 1298ھ میں سفر کا آغاز کیا تھا۔ اور 13 ماہ ذوالحجہ 1301ھ میں واپس آئے اور دو سفرنامے لکھے۔ یہ دینی سفرنامے میری نظر سے گزریے ہیں۔ سرائیکی سفرنامے کا عنوان "کوہِ نم" ہے جس کا آغاز خط، نعت، مناجات اور بیچ تن پاک کی تعریف سے ہوتا ہے اور پھر سفر کا حال لکھا ہے۔ اس کی کتاب کے 73 ابواب اور 146 صفحات ہیں۔ دوسرا نسخہ اردو زبان میں ہے اس کا نام گلزار عرب درجہاں مکہ معظمہ و مدینہ ہے۔ اس کا آغاز بھی خط سے کیا گیا ہے۔ پھر سفر کا حال مضمون ہے۔ اس کے 32 ابواب اور 64 صفحات ہیں۔ اشعار کی تعداد 698 ہے۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

سوتے مکہ کی راہی بعدِ قحط	جہاں دل میں ہوا آخر ایسا شوق
لکھی بیت اللہ کا احوال سارا	سفرنامہ اندر کر گشتِ سکارا
بیش سے تا مدینہ تک لکھی حال	جگر کے خی سے اب نیک افعال
یہ گلزار عرب کر اس کو مستحکم	کسری خطہ سفر کا حال مرقوم

کلپا تھا اس جہاز کا نام	ہوا مجھے رواۃ بعد از شام
بحر اندر چلا آخر پھر چھو	نباتِ زہر سے کرتا ہوا شور
ہمیشہ اچ سے چڑھ میں آہ	بحر کو دیکھ کر دل تفرقہ آہ
ہوا دریا مخالفت تھا برابر	گڑاں پڑ چلتی اس میں صبر کر
آخر جب ساتواں روز آیا۔۔۔	جہاں اس دن دن کا ظہر پایا

آہیں رستے اہل رحمت الہی	بدل ہوا بہت کس میں پانی
تھا سب بھیگ جامہ بدن کا	وہا ہو کر نہ کسی کو ہوشی کا
ہوا چاہی طرف سے سرد آبی	ز بارش خلق خطہ تھر تھرائی

(9) شاہ بختر ملانی

مولانا محمد شاہ بختر ملانی الصلحی ماضی ، مولوی محمد موسیٰ پاک کے شاگردان کے چشم و

1- "گلزار عرب" اردو مضمون سفرنامہ از قلم محمد عارف (قلمی نسخہ) ، ص 2

2- -- ایسا -- ، ص 3

3- -- ایسا -- ، ص 31

جراغ ہیں۔ ان کا شجرہ نسب عراقی سے جا ملتا ہے¹۔ آپ 1900ء میں اندری حسین آگاہی، سملہ
 کشکراں میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم اپنے دادا خواجہ نظام بخش اور اپنے والد خواجہ محمد حسین بخش
 سے حاصل کی۔ حصول علم کے بعد آپ نے تزکیہ نفس اور اصلاح باطنی کے لئے سخت ریاضت کی۔ اور چلہ
 کشی بھی کی۔ آپ بغداد بھی تشریف لے گئے اور وہاں حضرت عبدالقادر جیلانی کی درگاہ میں مقیم رہے۔
 والد کی زندگی میں ہی والد سے سجادہ شریف کا منصب پایا۔ اپنے والد کے ساتھ مل کر درس و تدریس
 بھی کرتے رہے۔ 1970ء میں وفات پائی²۔ ان کی نظم بہارِ حسین دستیاب ہوئی ہے جس میں زیادہ تر
 کلام فارسی میں ہے۔ اس میں مناجات، شخص اور غزلیات شامل ہیں۔ ایک فارسی نظم اپنے بزرگ حضرت
 موسیٰ پاک کی پر شان میں کہیں ہے۔ ایک نظم اپنے ایک بزرگ شاہ حسین بخش کی تعریف میں ہے۔
 کچھ سرائیکی کلام ہے اور چند غزلیات اردو زبان میں ہیں، اردو کا نمونہ کلام یہ ہے

خدا نگہاں ہو ہمارا یہ جان میری ہو جب لہی پر
 رخِ فیضی ہو میرا سہارا یہ جان میری ہو جب لہی پر
 ہو موتِ آسان نہ ہو پھٹان میں جانی شاداں خدا نگہاں
 دعا ہو ذکرِ سحر تمہارا یہ جان میری ہو جب لہی پر
 سہیں یہ نفسِ فح ہو آسان حلوائے جاری ہو ذکرِ باری
 یہی دعا دو سہے خدا را یہ جان میری ہو جب لہی پر

—————

گر رہی آگِ بونہی فرازِ دالم عاشق زارِ جلِ جلِ بحرِ جانی کا
 دے شرابِ حال اور لطف و کرم عاشق زارِ جلِ جلِ بحرِ جانی کا
 ہفت ہے بہرِ زہدان بہت العزیز کاش ہو جائے میرا مدینہ وطن
 رات دن کی میں بیتابیاں سحر و خم عاشق زارِ جلِ جلِ بحرِ جانی کا
 میرا سو بدن غارِ خلجان ہے گر منگاہ کرم ہو گلستانِ حسی
 دل کیاب اور ہے جسم سارا زخم عاشق زارِ جلِ جلِ بحرِ جانی کا

1۔ ضمیمہ بعنوان "حضرت عراقی کی اولاد" از علامہ طالعوت، مطبوعہ سالہ تنویر، ملتان (سالنامہ)

اگست ستمبر 1957ء، ص 57

2۔ شاہ بخش کے حالات ان کے پوتے جناب پروفیسر عبدالغنی سے حاصل ہوئے۔

آہ و زاری میری ہے قرار میری اشک باری میری انتظار میری

آپ کو ہی ہے مظلوم شاہ اسم عاشق زار جل جل کے مرجائع کا ¹

اس کے بعد بھی مصروفیات ضامین اس سوزمین کے شعراء کے کلام کا حصہ رہے۔ اور دور جدید

تک یہ روایت شاعری کا حصہ بنی ہوئی ہے۔

روحانی اور اخلاقی شاعری کے سلسلے میں مرثیے کی صف کو ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔

سلطان میں ² مرثیے کی ایک عظیم الشان روایت زمانہ قدیم سے نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ سلطان کو پنجاب

کا لکھنؤ سمجھا جاتا تھا۔ ہرمفہر میں سب سے پہلا مرثیہ سرائیکی زبان میں کہا گیا۔ ² ساتویں صدی

هجری میں سرائیکی میں مرثیے لکھنے والی میں بابا فرید گنج شکر بھی شامل ہیں۔ تاتاریوں کے حملے کی

وجہ سے ایران اور عراق کے حو لوک قتل و غارتگری کرتے سلطان اور آس پاس کے علاقوں میں پہنچے وہ اکثر

شیعہ تھے۔ ان کی بدولت سلطان میں عزاداری اور مرثیہ خوانی کا رواج قائم ہوا۔ میں الحق فریدکوش

کی تحقیق کے مطابق

"سلطان کا علاقہ جو کہ اس خطہ میں ایک مرکز کی حیثیت رکھتا ہے محمود

غزنوی کی فتوحات (1004ء تا 1030ء) سے پہلے سے ہی صحاب اہل بیت

کا مرکز رہا ہے۔ کہلا کے سامنے (81/880ء) کے بعد طوسی کی ایک

بڑی تعداد پناہ کی فرس سے دیر دراز علاقوں کی طرف ہجرت کر گئی۔۔۔

۔۔۔ اس کا کچھ ادارہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب چوتھی

صدی ہجری کے اوائل (320/332ء) میں ابوالحسن سعیدی

(وفات 348/397ء) سلطان پہنچا تو یہاں انہیں خاندان کے ایک فرد کی

حکومت قائم تھی کہ جو ³ سامہ بن لوی بن غالب کی اولاد سے تھا۔

۔۔۔ جب 1005ء میں محمود غزنوی نے سلطان پر حملہ کیا تو اس وقت بھی

یہاں ایک سلطان سردار ابوالفتح داؤد کی حکومت قائم تھی۔ اسی طرح

سلطان میں حضرت اہل بیت کی روایت کوئی ایک ہزار سال سے بھی زیادہ

پرانی قرار دی جا سکتی ہے۔" ³

1- قلی "بہار شاہ بخش" (عبدالغنی صاحب سے حاصل ہوئی)

2- "سرائیکی شاعری میں مقام حسین" از ڈاکٹر طاہر توسیقی، مطبوعہ ماہنامہ چاند، سالہ چش وادت حضرت

امام حسینؑ، جون 1984ء، ص 83

ملتان کے مہار سکن اور ان کے دو بھائی مہار مصلح اور مہار فکیر انھیں مدی کے شروع میں قتل
کائی کر کے لکھنؤ چلے گئے۔ یہ تین ہی بھائی مرثیہ نگار تھے اور اس وقت مرثیہ کہتے تھے۔ جب شمالی
میں مرثیہ کی کوئی مطبوعہ یا ٹاپل قدر روایت موجود نہیں تھی۔ چونکہ مولانا کا سلیک صلح کل تھا اس
لئے شیعہ سنی میں تطہیر نہیں تھی اور دونوں مسلک والے مرثیہ کہتے تھے۔ گیارھویں صدی ہجری میں
بہت سے حدیث نامے تصنیف کئے گئے جن کا موضوع واقعہ کرہا تھا، مثلاً "حک نامہ حسین" جبکہ نامہ کرہا
جبکہ نامہ علی اکبر وغیرہ۔ سید علی حیدر ملتان، مولوی عبدالحکیم اوجی اور لطیف علی نے سحر حق اور
دوڑھی کی شکل میں واقعہ کرہا کو منظر کشی کیا۔¹ تیرھویں صدی ہجری میں مولوی فیروز، غلام حسن
شہید، سکندر خان غلام، فیض شہیدی اور صابر ملتان نے مرثیہ کی صنف پر طبع آزمائی کی۔ غلام حسن
شہید کے دو اردو مرثیے کا ذکر ان کے احوال میں کیا جا چکا ہے۔ صابر ملتان کے دیوان میں بہت سے
نارس، سرائیکی اور اردو مرثیے موجود ہیں۔² بعد کے شعراء میں مولوی غلام حیدر، فدا، عاشق، گل محمد
مظفر، آصف، خادم، مولوی صدیق، جمال خان، صادق، مولوی فیروز، کمال خان، شوقی، تسکین، غفر
حسین، نثار شائق، بہار ملتان، فخر اور غلام حسن مخیر کے نام ٹاپل ذکر ہیں۔³

- 1- "سرائیکی مرثیہ گوئی کے چار سو سال" از غلام پیر اسماعیل، ص 6، مطبوعہ خلیفہ منزل پیر اصحاب
بھکر، مارچ 1980ء
- 2- مطالعہ فرائض "یادگار صابر" ص 158 تا 208
- 3- مزید تفصیل کیلئے مطالعہ فرائض "سرائیکی شاعری" از کیفی جاسوری
- مرثیوں کے کچھ مجموعے حسب ذیل ہیں (حکاب علامہ عشق فکیر کی لائبریری سے دستیاب ہوئے):
- (1) احوال الذاکرین (محمد علی) مولوی محمد صدیق، طبع مجتہدی لاہور بار اول حافظ شمس الدین و میرالدین
تاجران کتب ملتان، بھڑ دیوڑہ
- (2) مطلوب الذاکرین (حصہ دوم) - - - - - ایضاً - - - - -
- (3) حاضر الذاکرین - - - - - ایضاً - - - - -
- (4) شمع المجالس مجموعہ مرثیہ محمد جلالی خان، مولوی میرالدین صابر و محمد میرالدین تاجران کتب ملتان
1321ھ
- (5) مرثیہ کمال خان - - - - - طبع الہی آگرہ - - - - - ایضاً - - - - - 1318ھ
- (6) مجموعہ مرثیہ از شائق، گلشن اور فدا - - - - - ایضاً - - - - -
- (7) تحفۃ الذاکرین حصہ شکین، مطبوعہ کتب خانہ حیدری لاہور
- (8) بہار زلف، مہتاب نوازی، دیہار نوازی از عاشق ملتان، مطبوعہ کتب خانہ حیدری لاہور
- (9) اسرار عشر از غفر حسین، مطبوعہ کتب خانہ قریشی عارقیہ، ملتان
- (10) روضۃ الامرار از صادق حسینی نثار، مطبوعہ نوبار، البکری لاہور

(7) صوفیانہ مِلّک اور ملتانی مزاج

”کہا جاتا ہے کہ کسی قوم کی تمام تخلیقی سرگرمیوں کا مجموعہ اس کی ثقافت ہوتا ہے۔“ 1

چونکہ ملتان کی ابتدائی تخلیقی سرگرمیوں کا محور صوفیانہ کرام رہے۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ان صوفیانہ کرام کی تبلیغی اور تخلیقی سرگرمیوں نے ملتان میں ایسی ثقافت کو جنم دیا جس کو صوفیانہ ثقافت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ یہ صوفیانہ ثقافت صدیوں کے ارتقاء کا نتیجہ تھی۔ جس نے ملتان کے تمام تر تہذیبی و ثقافتی مظاہر اور لوگوں کے مزاج پر دیرپا اور مستقل اثرات مرتب کئے۔ ملتان کی تہذیبیں (بہشتی) ثقافتی اور علمی و ادبی زندگی پر صوفیانہ کرام کے اثرات کا تفصیلی جائزہ گذشتہ صفحات میں لیا جا چکا ہے۔ اخلاقی سطح پر ان اثرات کا حصہ ملتانیوں کے مخصوص مزاج کی صورت میں نکلا۔ صوفیانہ اثرات اہل ملتان ہمیشہ سادگی، شرافت، مروت، انکسار اور خلوص کے مختلف جذبوں سے سربلند رہے۔ وہ ہر دور میں تصوف اور مذہبی علوم کے دلدادہ اور ادب و فن کی طرف مائل رہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں کہ

”... عصر کے بعد ملتان دوسرا مرکز تھا جہاں اسلامی علم و فن اور مسلم تہذیب و ثقافت کی بہاریں صدیوں تک قائم رہیں اور یہاں کے رجال نے بڑے بڑے کام کئے بحضرات قرآن و حدیث اور اسلامی علوم کی تعلیم و ترویج میں آگے آگے رہے۔“ 2

ملتانیوں کا عام لباس نہایت سادہ یعنی تہبہ اور چادر تھا ان کی عادات و خصائص نہایت پستیدہ تھیں۔ وہ مسافری اور پردہ پسندی کے ساتھ بڑی شرافت اور محبت رکھتے تھے یہی آگے میں کی آمد، میل جول اور ہمدردی کے بعد ملتانیوں کے مزاج میں بہان بوازی اور لطافت کے جذبات اور زیادہ گہرے ہوئے اور پھر صوفیانہ کی تعلیم نے ان کو مزید چمکایا۔ چنانچہ بشارت مقدسی لکھتا ہے

- 1- بحوالہ ”ثقافتی تنقید“ از شیخ آغا دہلوی، ص 5، مطبوعہ (بوضکو) نومبر 1982ء، جلد ششم
- 2- ”عہدستان میں میری کی حکومتیں“ از قاضی اطہر مبارکپوری، ص 246، مطبوعہ مکتبہ فاروقی، کراچی، جولائی 1967ء

ترجمہ " (ملتان کے لوگ) صافری سے سمیت رکھتے ہیں، مدو اکثر و بیشتر اہل عرب ہوتے ہیں۔ " 1
آگے چل کر لکھا ہے

" لوگ خوش حال، صاحبِ ثروت اور عالیِ مراتب ہیں۔ " 2

ان میں ریاداری، اور برداشت کا مادہ بھی یقیناً صوفیاء کی انسان دوستی، یہ رفاقی اور وسیع الشہس کے خصائص کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ محرم کے دنوں میں ملتان کے شہر سنی مل جل کر محرم مناتے تھے۔ اور اب بھی مناتے ہیں۔ سید اولاد علی گیلانی ملتانی کے بارے میں لکھتے ہیں

" یہ بات باعثِ شکر ہے کہ مذہبی اختلافات کی وجہ سے دینوں فوری

(شہر سنی) میں کسی قسم کی مخالفت یا صافرت نہیں ہے۔ محرم کے موقع

پر تفریقہ داروں میں سنی مسلمان بھی کثرت سے شہک ہوتے ہیں۔ " 3

ملتان کے زمیندار تو بالعموم اپنی ساری، مہمان دوازی اور کشادہ دلی کی وجہ سے بہت مشہور ہیں حقیقت یہ ہے کہ دیہاتی اور زمینداری پر موقوفانے کرام کی تسلیم، تبلیغ کے اثرات زیادہ سے گہر ثابت ہوئے۔ اولاد/گیلانی لکھتے ہیں

" ملتانی زمیندار بہت سی چیزیں کا مالک ہے مرنحان مریج، سادہ

طبیعت، اجتماعی مہمان دوازی، گفتگو میں صاف اور مذہبی معاملات میں کشادہ

دل، پانصوب، فریادگر ہر لحاظ سے ملتانی زمیندار بنی نوع انسان کی مقبول

خاصیتوں کا بہترین نمونہ ہے۔ " 4

(8) موجودہ دور میں مصروف کی صورت حال

صوت پر عام طور پر اعتراض کیا جاتا رہا ہے کہ اس نے خاٹاں زیدی کو بوج دیا۔ اور یہ

علی کو عام کیا۔ اس نے بدعتیں پیدا کیں۔ کسی نے صوت کو عداوت اور اہشاد سے ماخوذ قرار دیا اور

کسی نے صیغہ، نو افراطیت کو اس کا سرچشمہ بتایا۔ کسی نے اسے ایران پر عربوں کے تسلط کا رد عمل

201- " احسن التقاسیم " اردو ترجمہ از مولانا مسعود علی مدنی، چنوائی " ہندوستان عربی کی نظر میں "

ص 389، مطبوعہ عارف پریس، اسلام آباد، 1980ء

3- " مروج ملتان " ص 103

قرار دیا تو کسی نے غیر ملکی اور مشترکات ظہرات کا حامل بنایا۔ عیسٰی تصوف کے مآخذ و منابع سے سرکار نہیں۔ وہ کوئی بھی ہے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس مکتب فکر نے لوگوں کے دلوں سے بفس، عناد، کینہ دور کیا، باہمی اخوت، وحدت اور پیار محبت کی فضا کو قائم کیا۔ دنیا کے لالچ کے خلاف جفا کر کے باہمی ~~رابطوں~~ رابطوں سے مکرر فضا کو پاک کیا۔ محبت اور دیانتداری کا درس دیا اور مل جل کر رہنے کی تعلیم کو عملی جامہ پہنایا۔ جن لوگوں نے تصوف کے خلاف علمی محبت کی حد تک بات کی ہے ان میں غیر مسلم مفکرین اور مؤرخین میں پروفسر ٹکنس، رابن کریم، گولڈمی، حرمین مڈکر گولڈ، تنہیر اور پروفسر ہڑائی کے علاوہ ڈاکٹر عبدالحمید، خلیفہ عبدالحمید، پروفسر محمد حبیب ڈاکٹر فنی قاسم زادہ جیسے بڑے علماء بھی شامل ہیں۔ تاہم تصوف کی علمی افادیت اور اس کے مثبت اثرات تربیت کی قوت سے کس نے بھی انکار نہیں کیا۔

عیسٰی یہ حقیقت نظر انداز نہیں کریں چاہئے کہ اسلام میں تصوف کی ابتدا دراصل ان سیاسی عوامل اور محرکات کی بدولت ہوئی جو اموی اور عباسی دور کی سیاسی کشمکش، انتقامی جذبہ، اضافی غصے کی ایزاق، خلق قرآن کے عقیدہ، دین دار اور سحر طعمہ و مشائخ کی تباہ حالی، زر و مال کے حصول کے لئے ناجائز استعمالی حربیں، صبر و قناعت کے فقدان، ہوس اقتدار، ظلم و ستم اور مذہبی مشائخ جیسے مسائل نے پیدا کئے۔ اختصار، بدظنی، بے چینی اور آشوب کے اس دور میں مسلک تصوف کی مشمولیت ایک قدرتی امر تھی کیونکہ اس مسلک میں افسان دوستی، فلاح، اس، محبت اور احترام کے جذبات عام کئے جاتے ہیں۔ "لغات خواجہ" میں ہے کہ

"اسے ہر آشوب دور میں ان تنگ بھری نے دینی و دنیاوی فلاح اس میں سمجھی کہ اس مسلک کے ظہرات کو اور محبت دین اور جہاں تک ممکن ہو سکے فائزہ الناس کو اس سیاسی عسادم سے بچا کر اسے گوشہ میں لے آئیں جہاں ہوس ملک گیری کی بجائے تہذیب نفس موجود تھی، جہاں تعلقہ دم کے عوس سات انسانی کا احترام تھا، یہاں شاعرانہ چالیں کے بدلے فضائل اخلاق کی تعظیم در حاق تھی۔ زر و مال کے حصول کے لئے قت شے حرموں کے استعمال کے بجائے توکل، صبر و قناعت کا سبق دیا جاتا تھا۔ یہ مسلک تصوف کے نام

سے موسمِ دوا اس طرح بہ مطلوب و نامی کوئی خاشاک یا صوفہ کے نام سے
 منہر شوخ اور دہداری، خدا ترس، صبر و رفا، توکل و قناعت کا جو
 عہد لیا جاتا وہ بہت کہلاتا یہ بہت کوئی شے چیز ہے جسے غناوت راشدہ
 کے بعد، غناوتِ اموی اور عباسی میں جو خلیفہ تخت نشین ہوتا وہ عباسی
 سلطنت سے اپنی اطاعت، جان فدا اور وفاداری کا عہد لیتے اس کو بھی
 بہت کہا جاتا جس پروردہی میں یہ دعا کہ ایک بہت حقوق دہا کے لئے اور
 ایک بہت حقوق دہی کے لئے۔¹

موجودہ کرام کے استغناء، قناعت اور دہداری ملک کے حالات طوائف ظاہر² سمجھتے صاف آزاد رہے۔

کیونکہ انہیں اپنے دہداری اور ان کے حصول اس ملک کی موجودگی میں نامی دہداری دیا۔ اس لئے انہیں
 نے تصور پر نہ صرف کئی تنقید کی بلکہ اس پر لکھنے والے بھی غائب کرنے شروع کئے تاکہ لوگوں کو اس سے
 دور کر کے مذہب کے حلقے میں اپنا دستِ شکر بٹاوا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بڑے بڑے امامی اور بزرگان
 دہی کو (جن میں امام ابی حنیفہ اور امام حنفی کی مثالیں نمایاں ہیں) غذا پریش اور حل کوئی پر
 سزائیں دی جا رہی تھیں تو دہداری سے وابستہ طوائف سوا ان کے غائب ہوتے رہے تھے۔ لیکن ان
 خاصہ حالات اور مخالفت پر ابھرنے کے باوجود یہ ملک اپنی امن پسندی، انسان دوستی اور محبت کے
 آدوش کی بدولت زیادہ سے زیادہ مطہرت حاصل کرتا گیا۔ نہ صرف ملی سطح پر بلکہ ملی اور شخصی سطح
 پر بھی عروجِ تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ اسلام کے لئے ہمیں بہا خدمات انجام دیں۔ ہر غیر پاک و عمدہ میں
 حضرت داتا گنج بخش، حضرت عین الدین اجمیری، حضرت قطب الدین بہتیار کاک، حضرت نظام الدین

1- لغات عربیہ، ص 80-81

2- خواجہ لبرید نے طوائف ظواہر کے نام سے کیا خوب کہا ہے

طا مای سفہ ستای
 بر وس شوخ من عذو
 طوائف دے وہ نہ بھاشے
 یہ شک ساڈا دیں ایسا نہ
 ابی القریس دس دستور
 طاق ست دمام ملامی
 آگہ انا الحق من صو

توضیح: طا مای (طوائف ظاہر میں) مارتے اور ستاتے ہیں یہ پوشیدہ اسرار و رموز کی تہہ میں نہیں پہنچ

سکتے کیونکہ بھارے میں ہیں اور عذو۔ میں اب مائی کے وہ نہیں بھاشے۔ ہمارا تو دہی ایسا ملاشبہ ابی

القریس کا طریقہ (یعنی طریقہ وحدت الوجود) ست عاشقی کو عیشہ طاعت کا نشانہ بٹایا جاتا ہے تو یہ

اولیاء، حضرت بابا فرید کبج شکر، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شاہ ولی اللہ، حضرت صہب الدین جواہر دہلوی، حضرت بندہ نواز گیسو دراز، حضرت مخدوم جہانپار جہاں گشت، حضرت رکن الدین عالم، حضرت سلیمان تونسوی، حضرت جمال اللہ ملتانی، حضرت خواجہ فرید اور دیگر موفائے کرام اور اوفائے کرام عظام نے علم اور عمل کے ذریعے سلک تصوف کو پھیلایا اور لوگوں میں تزکیہ باطن، راست گوئی، پاکبازی، عینک، شرافت اور صبر و تقویٰ کے جذبات عام کئے۔ دنیاوی جاہ و خلال، سیاسی طاہزوں، مکر و فریب حصول زر اور حب دنیا جیسے عقلی رویے کو ان موفیاء نے کم سے کم کرنے کی پوری سعی کی۔ موفیائے کرام کی زندگی کا مہذب القی ترک ذات، ظاہر داری اور نفس پرستی کا استرداد، ایمانی دین، روحانی الہی ^{کرم} ^{مستطاب} نفس، تزکیہ باطن اور سمیت جوش رفا، ہم نے سابقہ صفحات میں ملتان کے موفیاء کے احوال میں تفصیل کے ساتھ ایسے واقعات اور شواہد جمع کئے ہیں جن سے عیاں اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دور جدید میں دہاداری، نفس پرستی، بے عقلی، حب زرہ، حب جاہ اور ظواہر پرستی کے رجحانات نے سلک تصوف کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس لیے کہ ان موفیائے کرام اور اولیائے عظام کے بے عمل اور جاہ پرست سجادہ نشینوں نے اپنے بزرگی کے ٹک افعال اور عظیم ورثے کو دنیاوی ترقی اور اقتدار تک پہنچنے کے لیے سوچیں کے طور پر استعمال کیا۔ ان کے نام کو کمان کا ڈھیر نہایتا۔ مذہب میں عجیب و غریب بدعتی، کفر و شرک اور توہم پرستی کو رواج دیا تاکہ ان کے تعویذ گدھی کا دھندہ چلتا رہے۔

ان کے دشمنوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں۔ ^۱ مذہبی اور علمی مراکز کے اصل وارث تو یہ تھے لیکن اپنے حلقی حوالی اور سیاسی اقتدار کی بدولت ان مذہبی پر فائز ہو گئے اور وراثت کے مدعی بن کر اپنے گرد میندی اور ند و جواہر کے ڈھیر لگانے لگے۔ امیر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی 1176ھ/1762ء) نے اپنی مدی کے مطلع کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ

"اگر صوفیہ بہرہ خواہی کے ہیں، علمائے سو کے طالب دنیا باشند و خو گرفتہ

بہ تقلید سلف و ہر از صورت کتاب و سنت " 1

اور شیخ کے متعلق یہ فرمایا کہ

”اگر خواہی کہ صوبہ اُنس لریق (ہزاری) ملاحظہ کنی امیر اولاد شائع
و اولاد را تماش کنی کہ در حد آباء خود چه ظنی دارند؟ تا کجا
کشیدہ بردہ اند“ ۱

لیکن یہ بات اس دور کے علماء اور شائع پر بھی صادق آتی ہے۔ ان حقائق کو علامہ اقبال نے بھی اپنے
اشعار میں بیان کیا ہے اور بہت سے مسودہ علماء اور مؤرخین بھی جانتے ہیں لیکن

۱۔ المصنوع صد ہزار سخن ہائے گفتنی
خود لسان جلد سے ناگفتہ رہ گئے

”لغات خواجہ“ میں بالکل درست لکھا ہے کہ ”ہر حاضر کی خاطھی میں ان کو وہ گئی“ گفتار و
کردار غلظت نہیں آتی جو طائر اسلاف کا شہرہ تھی۔ پہلے پھر صوبہ کی ایک شاخ گرم ہی شائع صبر و
قرار جھیں لیتی تھی۔ دلی میں وہ سو و گداز گھر کوٹا تھا اور وہ اضطراب پیدا ہوتا تھا کہ سر پر
غور اپنے آپ کو مرشد کامل کے قدمی میں ڈال دیتا تھا لیکن اب سب کچھ اس کے پھٹک تھا، بقول
علامہ اقبال

۲۔ میرا سببہ نصیب ہے اس زمانے میں کہ خفاہ میں خالی ہیں صوفی کے کدو

ان حقائق نے اس طبقہ کو دین و دنیا کی ساتھ ساتھ ان خاطھی میں بھی منتظر کر دیا اور
اب وہ دوسری طرف کی دلدل میں پھنسے تھے کہ علوم دینیہ میں ان کے لئے کشش تھی اور یہ مرکز علم و
عرفان ان کے لئے جاذبیت رکھتا تھا، اس طرف اور یہ زاری کی یہ خلیج رفتہ رفتہ اس قدر وسیع ہوتی
چلی گئی کہ ان کے ہاتھی میں سے اہل غریب نے ان کے علوم پر چھری پھری دی، تظہر و مقام کے
اٹھی نے دیوانے کھول دیے اور اس سحاب میں بیخ و داتہ اس طرح بڑھتے چلے گئے کہ ان کو یہ ہوش ہی
جس رہا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں، کیا کہتا ہے اور کیا کہتا درست ہے۔ چنانچہ صوف پر ان کے
تخمینی تقیدات کے ہیں اسباب ہیں۔“ ۲۔ لیکن اس ساری صورت حال کا التزام صوف یا صوفیانے کرام

1- ”الفر الکبر فی اصول التفسیر“ از شاہ ولی اللہ دہلوی، ص 11

2- ”لغات خواجہ“ ص 82

کو نہیں دیا جا سکتا کیونکہ صوفیاء اور صوفیانہ تعلیم کا مقصد مثبت رویہ کی ترویج تھا نہ کہ اقتدار یا دولت کا حصول۔ صوفی کی دہشتاں زندگی سے متاثر ہو کر کچھ لوگ نے راہباناہ زندگی اختیار کی۔ اور صوفی کی عملی تعلیمات کے برعکس وہ ترک دنیا کر کے پہاڑی کی کھوکھری میں جا بسے۔ جو کبھی ڈالا لباس پہنا اور حقیر مقرر کے ذریعے روش کھانا شروع کی۔ یہاں تک کہ عبادات اور شریعت کی پابندی بھی ترک کر دی۔ اگرچہ ان کی یہ روش صوفیانہ روح کے مطابق تھی تاہم اس میں ایک لحاظ سے صوفیانہ رنگ موجود بھی تھا۔ یعنی گھبراہٹ، لباس، روکھیں سوکھیں ہر گزراہ لوگ کی حاجت روائی کے لئے جارہے جو کبھی، مردم آزار سے گریز، صفت الحال صفت۔۔۔۔۔ ایسی خوبیاں ہیں جو صوفیاء اور جو کبھی میں مشترک رہی ہیں۔ البتہ صوفیاء جو کبھی کی طرح لوگ سے گریزاں اور تال الدعا کرتے رہے۔ بلکہ لوگ کی درمیان رہ کر ان کی خدمت، تعلیم و تدریس اور تبلیغ کا حق ادا کرتے رہے جبکہ جو کبھی دنیا چھوڑ بیٹھے۔ سلطان میں جو کبھی کا محلہ اب بھی ہے۔

(9) دور حاضر اور تصوف کے امتیاز کی ضرورت

آج دنیا مادر ترقی کے لحاظ سے اپنے نقطہ ترقی پر پہنچ چکی ہے۔ انسان ستاری اور سماوی کی خوبیوں کا رہا ہے۔ خلعت میں سفر کر رہا ہے۔ اعضاء کی بیوقوف کاری فام ہے، یہاں تک کہ دل و دماغ تبدیل کرتے جا رہے ہیں۔ ٹیسٹ ٹیوب بچے تیار کرتے جا رہے ہیں۔ خصوصی بارش کے ذریعے سال میں کئی کئی فصلیں حاصل کی جا رہی ہیں۔ ریوٹ کی ایجاد نے انسانی دماغ کی جگہ لے لی ہے۔ لیکن انسان اس تمام تر مادر ترقی کے باوجود اہل سے ٹوٹ چکا ہے وہ غیر مطمئن ہے، بے سکون ہے، مہلک احتیاج کی ایجاد نے اور حاکم اقوام کے ماضی محکوم اقوام کے استعمال نے انہیں ذہنی طور پر بے سکی اور مفلوج کر رکھ دیا ہے۔ سوج، شرافت اور بلکہ کردار کے اوصاف افسوس پارہ ہیں چکے ہیں۔ فریب کاری، بھکاری اور چالاک کی کو آج کی دنیا میں کامیابی کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ فکری انتشار، ذہنی پیمانی، عدم تحفظ کا احساس ہر دل میں جاگزیں ہو چکا ہے۔ انسان اہل سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ اچھی اہل بلکہ خود زندگی اور اس کی تصدیق پر سے ایمان اٹھتا جا رہا ہے۔

خود غرضی اور نفسا نفسی کا دورہ دورہ ہے اور اس کا سبب مادیت کا بڑھتا ہوا رجحان اور اخلاق اور
 اصاحت کا زوال ہے۔ اسے دور میں سولہاویں کی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا
 سکتی ہے۔ آج انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی شخصیت کی تعمیر اور کردار کی تشکیل
 ضروری ہے کیونکہ انفرادی زندگی کے نمرہ میں یا اجتماعی زندگی کے شخصیت یا شخصیت کی تعمیر اور
 تربیت کے بغیر ممکن نہیں ہیں۔ اس لئے انسانوں کی تربیت خواہ انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح
 پر ضروری ہے نہیں تاثر پر بھی ہے کیونکہ اس تربیت میں ہی بدولت مثبت خال آدمی سے انسان بنتا ہے
 اور کائنات کا محور بننے کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ خالق کائنات نے اس "مرکز کائنات" کی تخلیق کے بعد
 اس کی تربیت کا اہتمام بھی کیا۔ تاکہ یہ "اسفل" انسان توفیق کے اس بلند مرتبہ پر فائز ہو
 جہاں اسے "ان حامل فی الارض خلیفہ" اور "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقصیم" کے صحیح
 منصب کا حق دار تصور کیا جائے۔ شخصیت کی تعمیر کے اس کام کو ڈاکٹر زاہر حسین نے بیان کے مطابق
 "۔۔۔ جس اہتمام جس ادھماک، جس غلوں اور جس شہنائی سے اکابر
 صوبہ نے انجام دیا اور جس وسیع پیمانہ پر اس کام کو انجام دینے میں لوگوں
 کی مدد اور رہنمائی کی اس کی دوسری مثال تاریخ میں مشکل سے ملتی
 ہے۔ ان کے کارناموں سے، ان کے معاہدوں، ان کی خدمتوں، ان کی تعلیمی
 تربیتی کوششوں سے واقفیت، آج بھی تعمیر شخصیت کے دشوار کام میں موثر
 معاونت کر سکتی ہے۔ دور انحطاط میں قوم اپنے اکابر کے کارناموں اور ان کی
 شخصیتوں کو بھی اپنی ہی بہت سطح پر لے آتی ہے۔
 چنانچہ ان مردانِ خدا کے یاد کرنے والے بھی ان کی طرف طرح طرح کے
 من گھڑت اشارے منسوب کر کے سمجھتے ہیں کہ ان کا رتبہ بڑھا رہے ہیں۔
 اور انکار و کردار کے اس اصولِ غرہ کی طرف نظر کر کے بھی نہیں دیکھتے
 جس سے انھوں نے انسانی زندگی کو مالا مال کیا ہے۔ تاہم یہی میں فکر
 کی عوالم نکالتے ہیں مگر زمانے کا بیج بدل رہا ہے نظریں پھر حقیقت کسی
 عظامی نظر آتی ہیں۔" 1

ان اوراق میں کوشش کی گئی ہے کہ ان اکابر صوبہ نے حالات اور کارنامے اس طرح سے بیان کئے جائیں کہ

مروت ، اخلاص و اخلاق کے جذبات کو عام کیا جا سکے۔ ہمارے لئے لمحہ فکرمہ یہ ہے کہ آج کے اس دور میں دوسری اقوام اور دوسرے ممالک، مادی ترقی کی دڑ میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس حقیقت کے اعتراف میں بھی ہند سے کام نہیں لینا چاہئے کہ اخلاقی لحاظ سے بھی یہ قومیں ہم سے بہت آگے ہیں ہم جو خدا اور ^{رسول} کے پیروکار ہیں وہ صرف مادی ترقی کے لحاظ سے بلکہ اخلاقی اور روحانی اقدار کے لحاظ سے بھی نہایت ہمسادہ اور احتیاط پذیر ہیں۔

ایسے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ میں حیات القوم بلکہ اس سے بڑھ کر میں حیات الطقت ہم میں یہ احساس پیدا ہونا چاہئے کہ ہمارے عزیزوں نے مشرق و مغرب کی تربیت کی۔ نہ صرف اخلاقی اور روحانی لحاظ سے انسانیت کی رہنمائی اور رہبری کا حد ادا کیا بلکہ مادی اور دنیاوی ترقی میں بھی پیچھے نہ رہے۔ فنی لطیفہ میں یا ملیدہ، سائنس ہو یا فلسفہ، جلد مسائل صوفی یا مسائل حیات۔۔۔۔۔ ہر میدان میں ہمارے اکابرین اور صوفیائے کرام کی خدمات سے مثال اور یہ ظہور ہیں۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ ہمارے صوفیائے عظام اور اکابرین فلسفہ و فکر نے دنیا کی ظلمتوں اور جہالتوں میں نور و عرفان ، رشد و ہدایت اور مادی و دنیاوی ترقی کی قدیلیں روشن کیں۔ اگر اس دور میں ایسا ہو سکتا تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ اس دور میں ایسا نہ ہو سکے۔ البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں ان صوفیاء جیسا جذبہ، استقامت، صبر، استقلال ، حق ، حرأت، دردمندی، ضبط نفس اور خدا غولی کے جذبے بیدار ہو جائیں۔ اسی جذبہ کے حصول کے لئے میں نے یہ سانچے کیے ہیں اگر میری اس سانچے سے اس احساس کی ایک نغمہ میں تبدیل بھی روشن ہو جائے تو میں سمجھی گی کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔

کتابیات

(پانچواں باب)

۱. آوری، عبدالخالق، مضامین مالک، سلسلہ مطبوعات ادارہ طاق بستن آرہ بار اول ۱۹۲۲ھ
۲. ارشد حسین ارشد (مرتب) ملتان قدیم و جدید، بوم ترقی ادب ملتان بار اول سنہ ۱۹۲۸ھ
۳. اسد علی، سید، ہندی ادب کے بھگتی کال پوسلم ثقافت کے اثرات، پہلا ایڈیشن ۱۹۴۹ھ
۴. اکرام الحق، شیخ، افسانہ ملتان شعبہ نشر و اشاعت الانا کولم ملتان
۵. جمالی، فضل اللہ، سید العارنین، مرکزی اردو بورڈ لاہور، بار اول اپریل ۱۹۴۶ھ
۶. جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد اول)، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول
۷. حکم چند، لالہ، تواریح ملتان اس کا تائید کا صفحہ غلبہ
۸. خلیل پیر اصحابی، سرانیمیں مرثیہ گوئی کے چار سال، غلہ منزل بھکر مارچ ۱۹۸۰ھ
۹. دردانی، عین الدین، صوفیائے ہزار اور اردو آل پاکستان ایجوکیشنل کونفرنس کراچی ۱۹۴۲ھ
۱۰. زوار حسین، شاع ویرانہ دل، مسکنہ شجر ملتان طبع اول ۱۹۸۵ھ
۱۱. سالک، عبد المجید، مسلم ثقافت ہندوستان میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع دوم
۱۲. سیالوی، شمس الحق، مرانہ العاطفین، طبع مصطفائی لاہور ۱۳۰۲ھ / ۱۹۸۵ھ
۱۳. شہاب، محمود حسن، خطہ پاک اوج، اردو اکیڈمی پبلیشرز، طبع اول ۱۹۲۴ھ
۱۴. شام ولی اللہ دہلوی، الفز الکبیر فی اصول التفسیر، مطبوعہ دہلی ۱۹۲۴ھ
۱۵. شہزاد، مظہر محمود (مرتب)، مقالات حافظ محمود شہزاد، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول جنوری ۱۹۲۶ھ

۱۶ صباح الدین صہد الرحمان (سید) برہم مطو کیہ

مطابق اصطلح گزشتہ ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ھ

۱۷ طاہر نوشوی ڈاکٹر

ملتان میں اردو شاعری

۱۸ صہد الحق، مہر، ڈاکٹر

پیام فرید

۱۹ صہد فکری

ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر

۲۰ عائشہ ملتان

مہر نوری

مطبوعہ کتاب خانہ حیدری، لاہور

۲۱ صہد الحق مولوی (ڈاکٹر)

"اردو کی ابتدائی تشویش" انجمن ترقی اردو پاکستان میں صوفیانہ کلام کا نام، کراچی، اشاعت چہارم ۱۹۷۷ھ

۲۲ صہد الحق مہر (ڈاکٹر)

ملتان (سرائیکی) پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، اگست ۱۹۸۰ھ

۲۳ صہد فکری، طامہ

نقشہ ملتان (جلد اول) فکری اکیڈمی ملتان طبع اول جنوری ۱۹۸۲ھ

۲۴ نوحہ ملتان

اولیاء ملتان

۲۵ نوحہ، محمد قاسم

تاریخ نوحہ (جلد دوم) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

۲۶ ایضاً

تذکرہ شائع کرم

احسن برادرز لاہور، جون ۱۹۶۵ھ

۲۷ فریدی، نور احمد

تاریخ ملتان نصرالادب، جگوالہ، ملتان

۲۸ قاضی اظہر، مبارکپوری

ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں مکتبہ عارفین کراچی جولائی ۱۹۶۷ھ

۲۹ قاضی جاوید

برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء ادارہ ثقافت پاکستان، طبع اول ۱۹۷۷ھ

۳۰ نور رئیس، ڈاکٹر

برہم چند - تنقیدی مطالعہ سر سید بک ڈپوٹی گزٹ، طبع چہارم ۱۹۷۷ھ

۳۱ کشتہ ہوا بخش

پنجابی شاعری دا تذکرہ ہوا بخش اینڈ سنز لاہور، طبع اول جنوری ۱۹۶۰ھ

۳۲ کیشی جلم پوری

سرائیکی شاعری

۳۳ قدوس، اصغر الحق

تاریخ سندھ (حصہ اول) مرکزی اردو بورڈ، لاہور

۳۲	گلشن • شائق اور تمدا	مجموعہ مرثیہ	مولوی خیرالدین صابر و محمد نہرا ندین تاجران کتب مطنان ۱۳۲۱ھ
۳۵	گیانی • اولاد علی (سید)	مرفع مولتان	سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ • قہ مطنان - ۱۹۲۸ء میں شائع کی مطبع مجتہانی دہلی ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۶ء
۳۶	محدث دہلوی • عبدالحمز	اخبار الہیاریں اسرار الہیاریں	مطبع مجتہانی دہلی ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۶ء
۳۷	مدنی • ظہیر الدین	اردو غزل ولی تک	سلسلہ مطبوعات بزم اشاعت بمبئی بار اول
۳۸	محمد عبدالرزاق • مولوی (مترجم)	سفر نامہ حکیم ناصر خسرو	انجمن ترقی اردو ہند (دہلی) ۱۹۲۱ء
۱۶	محمد صدیق بنانی	احوال الذاکرین مطلوب الذاکرین (حصہ دوم) ناصر الذاکرین	مطبع مجتہانی لاہور بار اول ایضاً ایضاً
۱۰	محمد جمال خان	شیخ المجالس	مولوی خیرالدین صابر و محمد نہرا ندین تاجران کتب مطنان ۱۳۲۱ھ
۴۱	مصین الدین احمد پشٹی	لغات خواجہ	مصین الدین پ کراچی ۱۹۷۸ء
۴۲	ندوی • سلیمان (سید)	تقریر سلیمانی	اردو اکیڈمی سندھ • کراچی • بار دوم ۱۹۶۷ء
۴۳	ندوی • سعید علی • مولانا	ہندوستان صوبوں کی تاریخیں	دارالکتابین • اصظم کڑہ ۱۹۶۰ء
۴۴	نظمی • خلیل	مشائخ چشت	دارالکتابین • اسلام آباد
۴۵	مجبوری • داتا گنج بخش	بیان المطلوب ترجمہ اردو کتب محبوب	فیروز سنز لمیٹڈ • لاہور انیسویں بار ۱۹۷۶ء

۴۶	آفتاب بیگ • شیخ	ثقافتی شخص	"ہیاس" (یونیسکو) نومبر ۱۹۸۲ء جلد ششم -
۴۷	اشفاق سلیم (میرا)	پاکستانی موسیقی میں قوالی کی روایت	سر سید بین پاکستانی ادب (جلد ۲) نیشنل کونسلٹ سر سید کالج راولپنڈی نوروی ۱۹۸۲ء

۴۸	سجاد حیدر (طک)	فن تصویر	سر سیدین پاکستانی ادب (جلد ۲) فیڈرل گورنمنٹ سر سید کالج، راولپنڈی فروری ۱۹۸۲ء
۴۹	ظاہر تونسوی	سوانحی شاعری میں مقام حسین	ماہنو (چودہ سو سالہ جشن ولادت حضرت امام حسین) امام حسین نمبر جون ۱۹۸۲ء
۵۰	حسین الحق فرید کوٹی	ذکر حسین پنجاب میں	ایشاً
۵۱	فسوی، شبیر احمد	اسلامی ہند کے بعد اول میں علوم صغلیہ کا رواج (دوسری قسط)	"عارف" اعظم گڑھ فروری ۱۹۷۲ء جلد ۹۱
۵۲	فرخین، انشیان حسین ڈاکٹر	برصغیر کے مسلمانوں کا فن تصویر	سر سیدین پاکستانی ادب (جلد ۲) فیڈرل گورنمنٹ سر سید کالج، راولپنڈی فروری ۱۹۸۲ء
۵۳	محمد امین، پرونیسر	اسلم فلسفہ میں ملتان کی خدمات	"ماہنو" جولائی ۱۹۸۳ء
۵۴	ندوی، ابوالحسنات، بولوی -	ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں	"عارف" اعظم گڑھ ۱۳۰۰ھ/۱۹۳۶ء
۵۵	نسیم طاہر، علامہ	حضرت صوفی کی اولاد	رسالہ "تہذیب" ملتان سالنامہ اکیٹ ستمبر ۱۹۵۷ء

اخبارات

۵۶	نور علی شمیم حیدر	ملتان کی دینی درسگاہیں	امروز ملتان نمبر ۲۸ جون ۱۹۷۸ء
۵۷	ریاض احمد (طک)	"ملتان کا مخصوص فن تصویر اور اس کے چند شاہکار"	ایشاً
۵۸	صنیع فکری، علامہ	برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات -	ایشاً
۵۹	قادری، محمد صدیق خاں	"عظیم روحانی پیشوا، حضرت شاہ رکن الدین عالم سہروردی"	ایشاً
۶۰	فیضان سمی -	فن تصویر	امروز (ہفت روزہ اشاعت) ۱۷ ستمبر ۱۹۷۹ء
۶۱	اردو دائرہ عارف اسلامیہ جلد ۵ (ب- الفیوم)	داس گاہ پنجاب لاہور، طبع اول ۱۹۸۰ء	

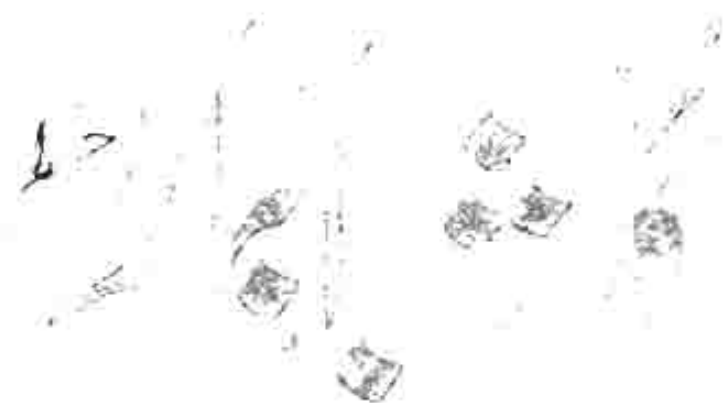
62. Extracts from the Distt & states Gazettes of the Punjab (Pakistan) vol.III, research society of Pakistan, University of Punjab LHA. Impression 1977.

63. Percy Brown. Indian Architecture—House of Books Bombay (Third Edition).

قلم نسخوں کی فہرست

۱	امام الدین • مولانا (موت)	نایب السالکین (فارسی) ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی
۲	امام بخش (خواجہ)	گلشن ابرار (فارسی)
۳	احمد یار حافظ (مؤلفہ)	منتخب ملفوظ شریف حضرت
۴	یار محمد بن تاج بخش (موت)	خواجہ سلیمان تونسوی (فارسی)
۵	ایضاً	المنتخب ملفوظ (فارسی)
۶	احمد الدین	کشاف ۱۲ مجرم ۱۳۱۱ھ
۷	یار محمد بن تاج محمد (موت)	انوار سلیمانہ (فارسی)
۸	میاں غلام محمد ولد حافظ	
۹	محمد بشیر (نائب)	
۱۰	دردی تونسوی • میاں	ضابط سلیمانی (فارسی) یہ کتاب منتخب ملفوظ شریف
۱۱	رکن الدین • مولوی	کہ حاشیہ پر لکھی گئی ہے -
۱۲	راہد تاج شہس • ممدوم (سید)	اشارات فریدی (حصہ پنجم) فارسی • ملفوظات خواجہ
۱۳	زکریا • بہادر الدین (مثنائی)	غلام فرید -
۱۴	محمد اللہ رضوی (سید)	اسرار الکمالیہ (فارسی) ملفوظات حافظ محمد جمال ملتانی
۱۵	خلیفہ محمد امین (کاتب)	دیوان فارسی
۱۶	نور الدین شریف • شیخ	بحر السرائر (فارسی)
۱۷	شیام الدین بن حافظ مولوی	طبع البوئات (تذکرہ حقائقہ • فارسی)
۱۸	عبد اللہ قادری	خلاصۃ العارین (فارسی) ملفوظات حضرت بہادر الدین
۱۹	عبد القادر انصاری • مولوی	زکریا مثنائی ۲۴ تصحیح ۱۲۹۰ھ
۲۰	الغفر عبد اللہ	در تصدیق خواجہ خدا بخش (سرائیکی مضمون)
۲۱	غلام حسن شہید • طبع	انوار جمالیہ (فارسی) سوانح سری حافظ محمد
۲۲	ایضاً	جمال ملتانی -
۲۳	ایضاً	دیوان حسن (فارسی)
۲۴	ایضاً	نور الہدایہ (مثنوی فارسی)
۲۵	ایضاً	رسالہ نور الہدیٰ (فارسی)
۲۶	ایضاً	دیوان مشرقاۃ (اردو • سرائیکی • ہندی اور
۲۷	ایضاً	پنجابی زبان میں مختلف شعری اصناف)

- | | | |
|----|--|---|
| ۱۹ | ضلام فخرالدین تونسوی
مولانا حکیم محمد عمر چشتی (مرتب) | خلاصۃ الفوائد مشتمل بر حالات خواجہ نور محمد
مہاروی ۲ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ |
| ۲۰ | فرید محمود اجودہنس | گنج الاسرار (ملفوظات) با ہا فرید گنج شکر
۱۵ جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ |
| ۲۱ | فقیر محمد غارت | کوہ ضمہ در بیان سربیت اللہ و مدینہ (سرائیکی)
۱۳۰۱ھ |
| ۲۲ | قادری • دارا شکر
کاتب یار محمد مرید ضلام حسن
شمید | سفینۃ الاولیاء (فارسی) ۲۰ رمضان المبارک ۱۲۸۰ھ |
| ۲۳ | گر محمد • چشتی • مولوی | گلزار فریدی (فارسی) ملفوظات با ہا فرید گنج شکر
خلاصۃ الاحباب (فارسی) ۱۱۶۶ھ |
| ۲۴ | محمد افضل قریشی | عقائد و مذاہب |
| ۲۵ | منور حسین • حیدر گورگانی | مناقب فخریہ مشتمل بر حالات شاہ فخرالدین دہلوی
۱۲۶۳ھ |
| ۲۶ | نظام الملک | |



والتاريخ المذكور في هذا الكتاب هو التاريخ الذي ذكره المؤلف في كتابه

والله اعلم

رئیس جسم الدار الحسن الجمجم و تمم بنحیر

شناسی بے انتباهی مراد می را که از ذرات عالم کون و فساد
بر آجال جلوه نمائی حال احدیت مطلق و کمال بر حق و راست بیغایا
آراست و پیر متشننا انتباهی مراد احدی را که عقول سلیرا
از کثرت موجودات بواحدیت خود مطلع گشت و فکرو
عارفان آگاه را دوست و حوصله گنجائی انوار تجلیات احدیت
بخشید و مقدر و محققان بے اشتباه را بدرجه انوار توحید
که علمت علم الاولین و الاخرین عبارت از این است
رسید و ذرات خود را که بسبب بی پروگی ستور بود
در پیرو کائنات بر سینه ظهیر جلوه کردند و خیا پنجم
این معنی در حکیم موزون گشت کنزاً مخفياً فاخبت کن
احرف خلقت اخلق ظاهر فرمود و سولینا بکار فرمود
بیت زو خنده که من بکس خوبان جهان بی پرو
نهان بشم در پیرو خیانت و تحفه و در و نامدود

نادر

نثار حضرت سید که باعث
زی جوشت بلکه به مقتضا
ذات مختصر صفات ختم
سمات است بلکه بفرمان
بهمه تعینات مبت راز و
و قائل به دوستی و
للاله لاله الد و بر آل و
و قربان احمد مختار اند صا
تکلیف و نیز هر چه اولیاء
وابسته بس ذرات
ذات مقدس بر جهان
ایشان اما بگویند
یار محمد بن تاج محمد غفرل
که یکی از پیروان
پاکپتن حر سنا الد

رحم کمال زار من : خواجه سلیمان و سگیز : توشه شاهان گدا :
 جان بر قدم ساریم خدا گویم که از بهر خدا : از آستان نکنم جدا :
 خواجه سلیمان و سگیز : دارم امید بیکران : از حضرت سلطان جان :
 رحم ای سلیمان زمان : کس در از درم : خواجه سلیمان و سگیز :
 دل در غمت ببار شد : از دیده گان خون باشد : سوزم که هجرت
 نداشت خواجه سلیمان : از من خطاها و جفا : و ز تو وعده و وفا :
 این عادت اهل صفا : بل کار خاص صفا : خواجه سلیمان و سگیز :
 این خسته دل را شکر کن : از در غم از او کن : با لطف خدا آباد کن :
 راه خودش را شکر کن : خواجه سلیمان و سگیز : وادی صلاحی کم
 بروند مردم بهره اسم : هر کس به شکر کم : من هم گدا تو شدم :
 خواجه سلیمان و سگیز : خاسن توشی هر کار را بر رفق توشی برار :
 درمان توشی برار : مطلب سان بیکار : خواجه سلیمان و سگیز :
 خرم بگرداب گناه : فریادم از نفس تباه : دستم بگیر ای پادشاه :
 تاوار هم ز دنیا همه : خواجه سلیمان و سگیز : دل در کسندت بند شد
 زمین بند خود خور نشد : که بند و رشتند شد : شکر خدا کین بند شد

از این

خواجه سلیمان پادشاه : ذو
 مغلوب نفس اماره ام :
 چاره بکن ای چاره گر :
 در دانت دارم مقدر :

خواجه

تمت بونه تک بتاریخ

و صلی الله تعالی علی خیر خلقه
 و لا تحصى الی یوم الدین آ
 احمد الدین

انوارِ سلیمانیہ

مناقب شریفہ قطب الاقطاب فخر الاولیاء

حضرت خواجہ محمد سلیمان خان تونسوی

مرتب

یار محمد ابن تاج محمد
ساکن بلوچ پاکستان

ختم بیج اسما و صفات است

فرمود که در این کتاب

طاهر بن محمد

کتابخانه عمومی

و محمد بن علی و حسن بن علی و

سید علی قزوینی

مكتبة محمد بن عبد الله بن عبد الوهاب



500

در کسیر بسم الله الرحمن الرحیم دم بخیر
 شناسی بیا از نهضای مرا صدی را که از ذات عالم کون و فساد برای ظهور نمایان
 جمال مطلق و کمال هر حق مرآت بیغیا یا از رست و سیرک نشانی نمایان مرواحه را
 که معقول سیمیه از کثرت موجود است بواجده است خود مطلع شد و قلوب عارفان
 آگاه را دوست و حریفه کنجانی از انجلیاد حدیث بخشید و صدور عقابانی را
 پیر خورشید از شمع بود حدیث که غایت انوارین و انوارین است و استقامت در سینه
 و ذات خود را که بسبب برگی سنور بود در برده کاشانه مشرق ظهور کرد نمود
 چنانکه مضمون این معنی در کلام بود و در کتب کثرت گزینان مخفی فاضلان و عرفان
 کفایت اکلان ظاهر فرمود و لیتا جامی در سینه ای سرور است
 ز خنده که من بیکس چرخ جهان در پرده عیان بشود و در کمال خود نورود
 نماید و در ظاهر حضرت سید علی کاظم علیه السلام خود یکی از اول و جود و اول
 بود بلکه بقضای انانیه مدیم عین وجود و باطن است و در کمال صفات

الحمد لله العالمين الصلوات وسلام على رسول الله وآله الطاهرين
 المعقولات والواحد بنو القاتن سادات نقابت بنو صفوت نجاست قسطنط
 بالله انهم اشاهه سید محمد زاهد شاه سادات نقابت منزله صفوت نجاست
 مرتبت سلاله خاندان عظام حضرت شاه محمد سید محمد دین شاه قدره شرفه
 سرها که چون ندیده اهل اقدوستا الفضل وحید الدیر احمد العظمی مولود محمد سید
 عبد العزیز جوهر نور الدیر رساله خفایا رضیه و زیان اسرار و افعال حضرت
 شیخ الشیخ زید شاعرین عدت الکاملین بموجب دستخط اهل کماله و اخص
 عند ائمه احدثت الاخص فی سیر الیهویت حضرت مولانا و عینا و کرمنا حضرت
 خواجہ حافظ محمد جلالی که جوهر نور الدیر رساله الوار جلیه حضرت المحققین
 قدس العابدین ابی انوار جانیان غلام حسن سلاله نقابت تصنیف فرمودند
 بنفقیر کسکه بل اگر طاعت حسن عبادت نمیدانست ایمن بمضمون خام بخت
 بعضی احوال و افعال حضرت قبله خود رضیه تعالی عنده متابعت سیر برادران نمودی العبد
 قلم در آورد و ما شاء الله تعالی و التوفیق و سمیت بالاسرار الکمالیه باب اول
 در احوال و اقوال مرشد قدس سرای چون اول وقت نماز میشد از حضرت وضو
 بطریق حسن که شامل بر احوال جمیع فرایض و سنن و مستحبات میفرمود میکردند و چنانچه
 یکروز این غلام فرمودند که مردمان وقت شستن بازو از دست تا آرنج بشویند
 هر کس دست بپوشد زیر آنکه اول شستن دست تا بند دست نیست است و از آرنج تا
 شستن و من است اگر اول شستن دست را بپوشد شستن بازو آوردند باز کشتند
 و امام شمس الدین اهلوی افشته که وضو او جایز نباشد زیرا که سنت قایل مقام رضی میفرمود
 غلام عرض کرد حضرت من فرمودند حسب الشریع حسن و بعد از آن بر فرموده حضرت متکلم شدم
 در ذکر غلام کون بر از دست بردم حضرت کشته است بخاک و بعد از آن غلام کوزه
 در دست گرفته کوزه را باغبی ریخته کوزه از سر نو بر گزید تا حضرت وضو فرمایند کوزه
 را کشته در فرمودند که با اقیانوس استخا وضو جایز است که حضرت رسول اکرم صلی الله علیه و آله

این کتاب
 بزرگوار
 باب اول در بیان
 احوال و افعال
 شیخ صفوت
 سید محمد
 و سید محمد
 و سید محمد

باب اول
 در بیان
 احوال و افعال
 شیخ صفوت
 سید محمد
 و سید محمد
 و سید محمد

بفلسفیه میگردد و در حقیقت شیخ الاسلام از این سخن فریاد میخواند و خدای تعالی این سخن را
حضرت شیخ محمود غزنوی از افاضه در این اقامت فرموده و مقبره حضرت را
عزیز که چهل و اختیار کرد آن برهمنی از شهر سبز در آن روز و حضرت بابا
نست از این کرد که من شنیدم که او عویذ فقیرید میکنی چه چیز از کرامت این بنای
نیست که من فرموده کرامت نمیدانم که هست بعد از آنکه گفت که آن برهمن است
نموده مثل زشتی که در حضرت تعلیم خود بود و فرمود هر دو مثل کرد و بعد از
او آمده خوانی روان که با پیش حضرت اخلاصت یعنی کرامت حضرت از این
حضرت و دست زدن کردن نمیدانم برهمن و این سخن از احوال این که
و حکم حضرت بابا که از این جابیده شد و نام احوال این پاک این نهاده و نامیست
و در میان معرفت و حقیقت امکانی العین و تغایر این لامتبارات است و
بعضی معرفت را با کونید و حقیقت نیست الفنا و عین نامند و این سخن
و معنی دارد یکا که نیست عدم دانستن ما با او را کونید و نیست الفنا
رفع این ملاحظه کویند یعنی اینی هم مانند که من نمائیم دوم اینکه فناء
نمیست اما کونید و نیست الفنا بقا بعد الفنا و کونید یعنی چون فناء
را فناء شد از کمال استخوان ملاحظه ادا و امور شریعیه از فروع شد و چون فناء
فناء شد یعنی فناء فروع شد با و از امور شریعیه باز منجم گشت پس این
را با حاصل گشت پس این بود و معنی اول متحد بالذات و مغایر
بالا فناء گشتند و معنی ثانیه مغایر بالذات و بالا اعتبار شدند
نمت تمام شد بعونیه الله تعالی تحریر تبارخ غفر له و الحام

کتابخانه عمومی

山
海
經

1944

این کتاب تفسیر حضرت شیخ باباالدین ملایر رحمه الله علیه
در کتاب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام

شیخ اسرار محمدی واده کاتبه و کاتبه امین

شیرعت از ارادت و طریقت حقیقت علامه شریانی

روا معرفت ترک باشد کلاه برین پنج جامه شوی بادشاه

تراپا شاهین سلیم به یو بنیاده رفو حکم بود

بخش فرشتای ندیم گویی بجز راه جانان ندیم گویی

نور

این کتاب تفسیر حضرت شیخ باباالدین ملایر رحمه الله علیه

در کتاب تفسیر حضرت شیخ باباالدین ملایر رحمه الله علیه

روا معرفت ترک باشد کلاه برین پنج جامه شوی بادشاه
بخش فرشتای ندیم گویی بجز راه جانان ندیم گویی

بسم الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین والواقف للاممیین
 علی رسول محمد وآله اجمعین بدان اسعد کلام
 که این جنبه کلام حکایات آن سلطان الهی
 بر زبان دین محبت نبوی و آن بر زبان
 نبوت و آن خواجہ دلیل فنوت و آن مسکن
 متوکل ملایک و آن پیشوای راستی و آن
 دین و آن صفتی بر دره وحدت و آن لغت
 و آن دریای وسیع و امکان و پنج عالم غز

مرحوم معظّم الله اعظم لکاتبه و قاریه
و جمیع التّوابع و الخوفا و المسلمین
و المسلمات الذّیاء منهم
و الاموات برکت

یا ارحم
الرحمان

ای بیایز این برت را مصنف نویسنده خواننده
این کتب که این خط نوشت عفو کن کسان عطا کن

دولت دارانی

20

المقطوع عليه السلام
 دياره عليه الغفور العليم
 (موتى ٤٢٠ هـ)
 ك. ١٠٠

21/3/13

$\frac{1}{\sqrt{2}}(0.0110)$

الفصل الثاني

جواد اولیاء میرا شکر

میدکر کے جو عبد اللہ بن مسعود
تو اس کا نام محمد بن عبد اللہ بن مسعود ہے

۱۱۱ میں تمہارا جواب

اوہیہ سب سے زیادہ کھانے والے ہیں

ادنیٰ آتے ہیں اور کھینچ لے جاتے ہیں۔

یہ مکتبہ دارالعلوم دیوبند میں

عقربان پوچھ جو ہر

برای هر یک از اینها

منقول من كتابه في تاريخ العرب

- بسم الله الرحمن الرحيم -

حمد و ثنای بر دریا مرثیه و استغفار و استغفار که گویا بر
 از مطلع نور محمدی بیواسطه جمال کمال کسوت احمد را بدو در روز نهم
 بر تعین اقوام و منظر اتم ...
 و نذر روات درین بزم ...
 و حیا است که آماره و حیا ...
 موجز مسمی به الوار جمالیه ...
 غلام حسن ملتانی در ذکر خوار ...
 صاحب کمالات شیخ کاظم ...
 فقر خضر و مطلع نور محمدی ...
 خواجه جمال الحق والدین ...
 از طراز تصنیف مزین به سلاسل ...
 خاطر کم ...
 مرا هم آوردم تا فرزند ...
 برادر شتم ...
 نوین نگاری باشد و مسافران ...
 دستا در است و اسباب ...
 برایت است ...
 نسخه ...
 است و ...
 و ...

لا در ذکر خطای آنکه بیست و نه نشان مجرب فخری است

[illegible]

فصل في بيان حقيقة النيات على ما ذهب اليه المحققين والعلامة على النية

بقلم اختر الجواد والمفتي الافراد القوي القوي
نشرت عذبت دارت بذات فيض آيات
حضرت مشيخته عليه السلام يدني حلفت
كتاب اوزر جبين فخر مشيت حيدر
نشرت تماميت دبير الله نحييت بالتمت امرت

Yale Univ.

1225

برادر کاتب مذکور جناب فیض الحسن صاحب سجادہ نشین خانقاہ نعوت شہید

مکر و حق کی نسبت سے نقل کیا گیا۔

اوراق 4
100

15-9-74.

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم الله الرحمن الرحيم

توفیق ای عشق باقی ماند	بیار خرم نشین
بسم الله الرحمن الرحيم	دور کن زینت هستی
بیار خرم نشین	خود را زینت نیستی
گره کن حریف ز بهر دریا	بگردان دور جرم کبر
ممن از به جای انجمانه از	زینت سانی به بدو
چسبانی قید مقصودستان	حساب چادران می

ملی

بانو هرگز آن سحر و دهر مبرایا که به خود روزگار باشد به
 شکست آمد جمال روز است خدای پری در حسن بزم
 از دل و دهن شد برده کفن ای جهان آفتاب خاور
 بالین شکر فشانی نوت روح بارخ تابنده صحرالوا

ای حسن در سبک معنی پروران

فارغ میبارم که دانا گوهری

میسر آید اگر پری گشته دامن مت آمیخته دلدار
 نیست ز روز و مرگ تو حیا بهنده را اگر خنیداری گینه
 کم نگر دشمن دلدار تو کاین زمان ترک دلازدگی کن
 نماز نیست بر نینداری تا بجا زاریم بینه و بیسرای گینه

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
شعری "نور ہدایت" از حضرت منشی مہم حسن مجید

ساجات بدرگاه برآوردند و در وقت غروب آفتاب و

[illegible]

۵۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵۔

الحمد للہ الہادی الی الصراط المستقیم والصلوة علی رسولہ الکریم
 رؤاہ واصحابہ الہدیین بالدریہ والتسلیم۔ اُمّا بعد ایہ رسالہ
 بت موجز مستعمل بہ لغت الہدیہ برائے تیز یاد آرہندہ مسلمانانِ حق
 لم یسین منظر اسم الہادی است صورت تحریر یافت ۱۹۱۰ء تذکرہ غیر
 راز عرصہ تقریر شتافت۔ ششمن است برضہ سلور سند کہ
 است ہندان ازل بآن در خورد رجا کہ اہل ارادت از ان بہرہ وافی
 اللہ تعالیٰ این درویش نیاز کیش و جمیع مہمیز حق اندیش را
 بن علم و عمل کرامت کناد و از علم و عمل بمقصود رساناد و بہ منہ و کمال

کے جان بابا۔ اگر تر و معل بہ حقیقت حق سہا اتر و ما معلوب است
 باید کہ قول بہ تحصیل علوم کوشی علی الخفوض علم کف سیر و رویت و
 و نیز کتب نواریہ و تذکرہ کہ در ان احوال و دستاورد خدایتعالی
 کردہ اند در مطالعہ کردہ ادا کہ ترا تہذیب و ترقیب کند بہ
 قصور۔ و ہم ہر آداب و معاملات و محاش و معادنیات
 رع حاصل شود۔ و ترا دستور الہی باشد در طریق و معل سکرت و باطل
 نیدہ اہل سنت و جماعت اختیار کنی۔ و دست بہ بیعت انسان کامل
 کہ ظاہرش بہ لباس شریعت آراستہ و باطنش بہ نور حقیقت پیراستہ۔
 ان کہ تملیقتہ کدہ اندی قدرہ را بدلت پسند شوی۔

کے جان بابا۔ بار کہ صدق و اخلاص و ارادت و محبت
 غیب خود گردانی و متابعت جناب رسالت مآب ص آقا کریم علیہ السلام
 مع اتوال و افعال ہر خود از ہم گیری و بران استقامت کن۔ و چون

①

حضرت کا کردار و نظارہ ہر پرستان میں روپ
 سارے جگت کا روپ بنو لا ہم جیسے درو باب ہوا
 جس کو کچھ میں ذات الہی و در انسان تمام کا
 میں اس بات پر خوش گویا اچھو کر کیا پ

②

انہو جو سراج سدھایا جبرائیل ہوا
 آریکو دیکھا آپ کو پایا آپ سے آپ حجاب

③

کدی گدا کدی شاہ کپو کدی امیر سیاہ کپو
 کدی جمال اللہ کپو کدی گناہ کپو

تتمیات از دیوان حضرت
 جنش علاء حسن شہید

غزلیات متفرعات ہر ماں ہر ہستی
 و ہر ماں و ہر ماں و ہر ماں و ہر ماں

یہ حق

تعلی دیوان نامہ میں کہ آخر ص ۱۴ اور ان پر شملہ
 معلوم ہو تا ہے کہ آخر کے چند اور اقائم ہو گئے ہیں کہ
 اختتامی الفاظ و تاراج کتابت و طبع و درج
 ہیں ہیں

حسن الخبره و بدل از حسن خصلت از طمع جهان
 در خاک کبر و بوی جلال این خیر بود العجب
 نیست بر ز نقاشان و طرز نقاشی

... 1908 ...

از قلم محمد تقی

عبدالمجید محمد صالح

پیشہ

سنگاپور

20

منه من يفتقر الى هذا الكتاب

[Handwritten signature]

Handwritten signature: *Dr. (Mrs) M. S. Khan*

سید قلی محمد علی خان جوہانپور
نائب امیر

Alfred

و در شب در خوش کن این را
 تار به جانب از همه از او
 لیکن باید که کار فرمایند
 ورنه خون خور دست همه بکار
 این قدر بس لعل نشای و بند
 در سحر که از فردا این عطار

انعام یافت بر وقت ظہر
فرمودم بخجندہ در شہ

فیض محمد

4/10
1783

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والرافع للثقلين والصلوة والسلام على رسول الله
والآله واصحابه اجمعين مكتوبه در دفتر فرج مسعود احمد و بنی غفر الله له
والوالد یکنز زغار فی شبایش مع ما هیست دل و معرفت ان در قلم

آی.

یا الله عشق

در آغوش

کتاب کون علم در بیان

بیت الله شریف و مدینه منوره

لقین شیره نور عارف و لایق

محمد عثمان کتبه یوگا رمضان ۱۲۸۵

حق بل بیار و بعد
رعاد کو محمد عثمان

یا ز خدایا چه تر از آن سویا پیشد سبایا
و دنیا مکن سحر سیدیه شرف زیارت پایا

ناله امان من عایز کورن پین ایچ دیرش سرخایا
کرد ایاد مکان اولی حسن عبید اسی یار خدایا
ورود اندوه فراق فکر و افسوس بنایا
کرکی دیر احوال سوزد اگو نه هم نام رسایا

بجو کیم کسر بیت الله اندر فتنه سیرکرایا
اویست اسوچ دیچ کینا جو نظر حنا سب ایایا
تصویر کو تیر کسر سحر چه تشنه ان سرکایا
حارث بیخنگی شریز غوغا نین لکنم پرن ایایا

نخستینم بکر علم و عا اگر چه محمد سکه بولگا

یا الله بخشی

۱
۷۶

کتاب گلدان عرب در بیان

که معنی و حدیثه منور القف

فقر محمد عارف ولد قاضی محمد عثمان

ذات بیست و سه ساله

علاقه بحقیق و ضلع ریاست بیار و بیور

دعا گوشت علی

بسم الله الرحمن الرحيم

کردن اول بیا تو خدایا که حسن پیر اگر می خدای ساری
تو را به ستون کنند سمانی اورده می خدای بر او می خدای
کیا ای که پیر بر دوا عالم معنی با بر باطن او که معلم
می او دنیا در حق می یابد که حکمی شایه من مانده ای
شفیع می عاقل و فاضل که خدای می مرتبه او را بیا
بنی که یار من چون پیر ابو بکر و عمر و عثمان و حمید
بر عارف و عالم او که بیا که سدا این را و خدای قرآن
که تا محشر من هر که بیا که تمامی در هر دو دلی سیاه می

سبب تالیف کلمه در عرب

چند آن می بدنی که خدای خدای در هر جلی در هر سوال
ما دارد

هزار و دو صد و آ

بیا و پیر و هر که

پیر و هر که

و طس را ترک کرد

تو کل خدای اگر

اسی بنی شایه

در هر بیرون شایه

و مان که گذرد

خدای فضل که

خدا صافی تا در
الزل حیا زکا

صفحة: ١٠١

5/2/1971

بسم الله الرحمن الرحيم

اندر دست خطی او را خط خود و دستم را سید المیرا کلین
 و علی الله و صلی الله علیه و آله و سلم که بر کتب احوال و میر
 حضرت سیدنا و شایسته عالم است که در روز اول
 ویدی و خطی از خط میرزا شمس و تقدیر و متاخرین
 و اگر کتب محضه از خط او در دست کوهانده اند که
 حواله بعضی خط میرزا شمس است از خط میرزا شمس و
 از خط میرزا شمس و میرزا شمس و دست او در خط او
 مشکا این بود که میرزا شمس خط خود را در خط او
 حواله است که این خط خود را در خط او
 سرور کائنات و میرزا شمس خط خود را در خط او
 و میرزا شمس خط خود را در خط او

تعمدات

حصصاً بکف مستقیم اندوده
 خدا و سوانت با یازده
 و صفات و قره با مرده واجه
 و بعضی اولیاد کریم رحمد
 که سید و اعیان کانیان بین
 که علم فایز و باطنی است
 و احوال آنها که ابدان گشته
 سلسله علمه فطنی با بر
 و که انوار در فصل سیه
 بر و طبعی شایسته فایز کرد
 نیز که باین افاضه علیه است
 و خود در از نشانی او
 تجریر شده از احوال سه
 اگر که اصل در شبیه

اگر بخت خدای بختیست بهیوی و غصای شده از بابت این
از بابت دل است و روح بوشند
اولی محمد الهی و این ابرار
تحت این

اولی به و آخری از بخت رها
از این ابرار به سر پیوسته الدنیا
بهیوی و غصای شده از بابت این
از بابت دل است و روح بوشند
اولی محمد الهی و این ابرار
تحت این

اولی به و آخری از بخت رها
از این ابرار به سر پیوسته الدنیا
بهیوی و غصای شده از بابت این
از بابت دل است و روح بوشند
اولی محمد الهی و این ابرار
تحت این

الحمد لله رب

العالمین

الرشید

عنه تبارک و تعالی

لا حول و لا قوة الا بالله

الحمد لله رب

العالمین

الرشید

عنه تبارک و تعالی

[illegible]

ز عرفان الهی مستمده
 تو ذالحد و عطای باشکون
 اگر کار کس نامرغی
 بر دوش ده سرای باشکون
 تباست و سحر از بهر رزنی
 رانم زین جفای باشکون
 طریق دینم کلام قوی با
 تو شورانم غمائی باشکون
 ز جمله خدایان بیکر و زانم
 ز حق بخش عطای باشکون
 رسال آن آشنای باشکون
 ز رب و ما آدای باشکون
 ز حق فرست مرای باشکون
 به حست هم بودای باشکون
 سحر و جادوی باشکون
 تو ی اهل و عیال باشکون
 و غیر و بیوای باشکون
 مران از در کزلی باشکون
 از یک خدا سازد عطای
 چه دیر از صد هدای باشکون
 ز اولاد تو کز کل کس
 ز سرای مقهورائی باشکون
 توفیق کن بیدار
 به از حد و اقدار باشکون
 بهیم محنتی اندرین
 ز سال خوریم خنجر باشکون

این شعر در وصف حضرت علی علیه السلام است و در بعضی نسخه ها
 در وصف حضرت فاطمه زهرا علیها السلام آمده است

کتابخانه حضرت امام رضا علیه السلام
مجله شماره ۱۱۴۷
مجله شماره ۱۱۴۷

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العالمين

الذي هو المخلص الذي خلق السموات والارض في مستقيم وبعث ابنه الوحيد
وقد مات من اجلنا لكي يخلصنا من كل غير بره ونقدسنا بطهارة
كلمة الحق التي هي فينا ونحن نعلم اننا نخلصنا من كل غير بره ونقدسنا بطهارة

فوقه محمد بن المصطفى عليه السلام وعلى الله وأصحابه وذوي القربى من المؤمنين
والسلام رضوان الله تعالى عليهم أجمعين أما بعد فيكون هذا الخطب النبوي الشريف وهو خطبته
التي فيها ذكره الله تعالى في كتابه العزيز وهو خطبته التي فيها ذكره الله تعالى في كتابه العزيز

[illegible][illegible][illegible][illegible]

از رویه ساربان سفید فامیده و هر روز به ریخته و در آن آب سرد میزنند و مقدار کمی
آزاده قندهار را با آن مخلوط نماید و در این آب از راجله نامی که در بعضی بلاد مشهور است

این کتاب بر حسب این مکتب و نسخه و در کتابخانه عمومی و در زمان

وتمناه بركة الله على ربنا وكونه الباقى خالص

[illegible]

افضل ابو المصنف استجبتا برؤوسه وارثه حرام والاصل فيها الارواح وقت الخطبة
يقض على صوم السكاح مخول كذا في حاشي العولي ثمانية عشر عليه السلام ثم في ثلثه
الترتيب لان يسرد ما افذه في ثمانية عشر والزوج يرجع ما في ثلثه واربعه في ثلثه ثلثه

قبوض على صوم السخاخ سخون كذا في حان العلوي ثمانية عشر عليه من القمح شترتج ولما قد اذبح الرقعة
الزنج لان يكره ما افذه هـ قريبا تيسر والزوج يرجع عاين قدور ايه الله رقة حمدة

التزج لان يستردنا رطوبه ... والزوج يرحم عايد في نفسه ورايه عند رطوبه تزداد

المن ماضى الراكب وقت الفلاح ولبس شيرها فللمربع كزاد الكثرة رقيقه من عند الله تعالى على

الملك محمد بن الخليل له ان يسرد ما اخذته تاترا من عنده ما ارسله اليه من الامير

كنت وقت التزويج نسمة مشربها فهو حرام وورد الامام في

برسات میوه آنکان قایم بود. در خزانه دولت میفرستادند. از این میوه

یا خدایا که در هر رکعت از روزه دل من سرشار از اعتقاد است و شهادت

بمقتضى ما كان في ذهنه بهذا من حصول العلم بظن من هذا المرأة وراعيته في هذا الموضع

عن ابي ذر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من اراد ان يسهل الله له طريقا الى الجنة فليؤت ما اراد من النساء

فمنعته الریح للقطر الذي لا يدر

[illegible]

في كسائر الدول والرجوع بحبس سائر الدول المرأة فكل من هذا الكثرة في حوزة الدنيا



1914

رونی ملک جهان نه است جهان فخر جهان خواهد بود

در جمع مناقب و صفای نبیه

حق داد مرا سبزه مرصیه

جستم چون خاتم سال و خوشتر از دل نه گفتا جمع مناقب فخر نبیه

بیاد فخر از هر لفظ عالم

در چندش سازد افزون بس کلام

بره خضر بش تمامی شست کوی طرح نه بران درشت و نقشه

الحمد لله والمنته که می بر نه

مناقب فخر نبیه و صفای نبیه

اگر تا نام اصل نسخه مانده

۱۲۹۳

۱۰۳